فنکار
لکھنؤ

محرم نمبر

مصطفیٰ حسن رضوی

ٹیلیفون ۲۳۴۳۵ رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۷۰

سرفراز لکھنؤ

تاریخ عزاداری نمبر

جلد نمبر ۴۷، ۱۷ر مارچ ۱۹۶۹ء مطابق ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ نمبر ۱

ایڈیٹر
مصطفٰے حسن رضوی

قیمت :-

ریڈیو سے شام غریباں

یہ مجلس امامباڑہ غفرآنمآب میں ۸ بجے شب شروع ہو کر ۸½ بجے رات میں ختم ہوگی

ابکی سال ریڈیو سے ۱۰ بجے سے ۱۰½ بجے تک براڈکاسٹ ہوگی۔

پاکستان کی شام غریباں ہندوستانی ٹائم سے ۸ بجے شب میں شروع ہو کر ۸½ بجے رات میں ختم ہوگی

سید انصار حسین پرنٹر پبلشر نے
سرفراز قومی پریس میں واسطے
آل انڈیا شیعہ کانفرنس چھپوا کر
دفتر سرفراز قومی گھر ناداں محل روڈ لکھنؤ سے
شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	نام مضمون نگار	صفحات
۱	عزاداری کی تاریخ	جناب الحاج مولانا سید سبط الحسن صاحب فاضل ہنسوی	۱ تا ۴۸
۲	جون پور کی عزاداری	جناب زین العباد مرزا صاحب	۴۹ تا ۶۹
۳	کندر کی عزاداری	جناب سید جمیل حسن و سید نصیر الحسن	۷۰ تا ۸۲
۴	سیتاپور کی عزاداری	جناب سید محمد اکبر صاحب مرحوم	۸۳ تا ۱۱۸
۵	دو سو سال پرانا مرثیہ	جناب خلیفہ محمد علی سکندر مرحوم	۱۱۹ تا ۱۲۹
۶	اشتہار	جناب مظفر علی خاں صاحب	۱۳۰
۷	لکھنؤ کے مآثر متبرکہ	جناب شیخ تصدق حسین صاحب مرحوم	۱۳۱ تا ۱۳۹
۸	نواب آصف الدولہ اور عزاداری	" " "	۱۴۰ تا ۱۴۲
۹	درگاہ حضرت عباسؑ لکھنؤ	جناب نواب زادہ فدا حسین صاحب	۱۴۳ تا ۱۴۵
۱۰	بہادر شاہ ظفر اور اہلبیت سے عقیدت	جناب مسز عندلیب زہرا کاظمی	۱۴۶ تا ۱۴۷
۱۱	تاریخ عزاداری تاج پور	جناب سید علی شبیر مظفر صاحب	۱۴۸ تا ۱۵۴
۱۲	تعلقہ رتّوں ضلع جونپور کی عزاداری	جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب	۱۵۵ تا ۱۵۹
۱۳	شاہان اودھ کے عہد میں جلالی کی عزاداری کا فروغ	جناب حکیم سید کمال الدین حسین صاحب	۱۶۰ تا ۱۶۷
۱۴	عزاداری ضلع مظفر نگر یوپی	جناب سید محمد امیر کاظمی	۱۶۸ تا ۱۷۲
۱۵	لداخ میں عزاداری	ماخوذ از رضاکار	۱۷۳ تا ۱۷۶
۱۶	دسویں صدی کا خطیب اعظم	جناب علامہ مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری	۱۷۷ تا ۲۰۸
۱۷	قصبہ مبارک پور کی عزاداری	جناب ابوالحسن صاحب ترابی	۲۰۹ تا ۲۱۱

نمبر شمار	عنوانات	نام مضمون نگار	صفحات
۱۸	موضع امبیا دیوریہ کی عزاداری	جناب ڈاکٹر سید فیاض حسین صاحب	۲۱۲ تا ۲۱۳
۱۹	قصبہ اورنگ آباد سریا کا محرم	جناب الحاج سید محمد رضا صاحب	۲۱۴ تا ۲۱۸
۲۰	مین پوری میں عزاداری	جناب سید اسلام حسین صاحب	۲۱۹ تا ۲۲۱
۲۱	حیدرآباد دکن کی عزاداری	جناب سید علی اصغر صاحب بلگرامی مرحوم	۲۲۲ تا ۲۲۶
۲۲	عزاداری موضع سرائے راہ	جناب سید محمد احمد صاحب	۲۲۵ تا ۲۲۶
۲۳	عزاداری قصبہ دارانگر	جناب سید اصغر رضا صاحب	۲۲۷
۲۴	شہر سنبھل کی عزاداری	جناب معجز سنبھلی	۲۲۸ تا ۲۳۰
۲۵	کشمیر میں شیعیت و عزاداری	جناب سید محمد باقر احمد الموسوی	۲۳۱ تا ۲۳۳
۲۶	نوحہ	جناب میر انیس صاحب مرحوم	۲۳۴
۲۷	نوحہ	جناب میر مونس صاحب مرحوم	۲۳۵
۲۸	نوحہ	جناب میر انس صاحب مرحوم	۲۳۶
۲۹	اداریہ	ادارہ	۲۳۷ تا ۲۴۳
۳۰	اشتہار		۲۴۴
۳۱	اشتہار	امامیہ مشن	۲۴۵ تا ۲۵۹
۳۲	اشتہار	دارالاشاعت نوگانوہ سادات	۲۶۰
۳۳	اشتہار	غفرانیہ دینی مشن	۲۶۱
۳۴	فہرست معطیان	یتیم خانہ لکھنؤ	۲۶۲ تا ۲۷۳
۳۵	اشتہار	احباب پبلشرز	۲۷۴ تا ۲۷۶

عزاداری کی تاریخ

الحاج مولانا سید سبط الحسن فاضل ہنسوی مدظلہ

آہ! یہ زمانے کا کیسا انقلاب تھا کہ نانا کا کلمہ پڑھنے والے "مسلمان" "فرزند رسولؐ" کی شہادت و خاندان نبوت کی تباہی و بربادی پر جشن منا منا کر خوشی کی تکبیریں بلند کر رہے تھے۔

ویکبرون بان قتلت وانما قتلوا بک التکبیر والتہلیلا
وکانما بک یابن بنت محمد قتلوا جہارا عامدین رسولا[1]

آخر وہ کیسے مسلمان تھے جنھوں نے قتل حسینؑ کے لئے منتیں مانی تھیں اور شہادت حسینؑ کے بعد اپنی نذروں کو پورا کر رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس فعل کو اپنے "قوم و قبیلے" کے لیے باعث صد نازش و افتخار سمجھتے تھے۔

مورخ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب (جلد ۲ ص۱۰۳) میں، علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور علامہ محمد بن عقیل المصری "النصائح الکافیہ" میں ابن الکلبی سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ہانی الاودی نے حجاج بن یوسف الثقفی سے اپنے مفاخرات کے ضمن میں یہ کہا تھا کہ:-

فان لنا مناقب لیست لاحد من العرب کان فینا نسوۃ نذرن ان قتل الحسین بن علی ان تنحر کل واحدۃ قلائص ففعلن (مروج الذہب جلد ۲ ص۱۰۳ طبع مصر النصائح الکافیہ ص۴۲ نہج مجلد اول ص۳۵۶)

اے حجاج! ہم میں وہ فضائل ہیں کہ تمامی عرب میں ایسا صاحب شرف کوئی قبیلہ نہ ہوگا۔ سن! ہماری ہی وہ عورتیں ہیں جنھوں نے یہ نذر کی تھی کہ اگر حسین ابن علی قتل کر دیے جائیں تو ہر ایک عورت بہترین قسم کے اونٹ قربانی کرے گی، جب مراد پوری ہوئی اور حسین قتل ہو گئے تو منت پوری کی گئی۔

اس طرف تو مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جا رہا تھا لیکن ستم رسیدوں کو یہ بھی اجازت نہ تھی کہ وہ فریاد کر سکیں، اہلبیت امام مظلوم اور شیعیان علی کو زبان بندی کا حکم تھا، تذکرۂ شہداء کی ممانعت تھی اس کی اجازت نہ تھی کہ تین دن کے بھوکے پیاسوں کی یاد میں مجالس منعقد کر سکیں، لیکن یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ جذبات غم روکے سے رکتے نہیں، با وجود تشدد کے اہلبیت رسولؐ

[1] شہید ظلم آپ کو قتل کر کے لوگ نعرۂ تکبیر بلند کر رہے ہیں حالانکہ آپ کو قتل کر کے ان لوگوں نے تو اصل تکبیر و کلمۂ توحید کا خاتمہ کر دیا، اے فرزند رسول! آپ کو کیا قتل کیا بلکہ ان لوگوں نے تو کھلم کھلا اور جان بوجھ کر آپکے نانا رسولؐ کو قتل کر

ان مصائب کا تذکرہ فرماتے اور گریہ وزاری کرتے رہے خود مدینہ رسول میں جس وقت اس واقعۂ فاجعہ کی خبر آئی تو بنی ہاشم نے جس بے چینی کے ساتھ صف ماتم بچھائی ہے اس کا اندازہ حاکم مدینہ عمرو بن سعید اموی کے ان حرکات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب اُس نے نوحہ و ماتم کی آواز سُنی تو ہنسنے لگا اور جوشِ مسرت میں کہہ اٹھا:۔

وهذه واعية بواعية عثمان یہ چیخ پکار تو بدلہ ہے اُس چیخ اور فریاد کا جو عثمان کے لئے بلند ہوئی تھی۔ (تاریخ الطبری جزء دوم جلد ثانیہ صفحہ ۳۸۲ طبع لیڈن)

لیکن حسین کی یہ مظلومیت ہی کا اثر تھا کہ خود ظالم کے عشرتکدے میں صف ماتم بچھائی گئی اور وہ خاموش دیکھتا رہا، یہ تاریخی واقعات ہیں کہ:۔

ثم ادخل نساء الحسين على يزيد فصاح نساء آل يزيد وبنات معاوية وولولن

جب مخدرات عصمت وطہارت دربار یزید میں پیش کئے گئے اور محلسرا میں اس کی اطلاع ہوئی تو خاندان یزید و بنات معاویہ اور دیگر عورتوں نے فریاد کی اور رونا پیٹنا شروع کردیا اسی کا اثر تھا کہ ظالم نے مجبور ہو کر اپنی زوجہ ہند بنت عبداللہ بن عامر بن کریز کو گریہ کی اجازت دے دی تھی جس کی وجہ سے:۔

فلم تبق من آل معاوية امرأة الا استقبلتهن تبكي وتنوح على الحسين فاقاموا عليه المناحة

خاندان معاویہ کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جس نے اہل حرم کی خدمت میں آکر گریہ وزاری، نوحہ و فریاد کرکے صف ماتم نہ بچھائی ہو۔

صرف محلسرا کے اندر ہی نہیں بلکہ اموی خاندان کے مشہور افراد بھی دربار عام میں نوحہ غم پڑھا کرتے تھے اور ظالم یزید کو برداشتہ خاطر ان اشعار کو سننا پڑتا تھا

چنانچہ مروان کے بھائی یحییٰ بن الحکم اموی نے حسینؑ کے مصائب کو سُن کر بھرے دربار میں یزید کے سامنے حُزنیہ انداز ذیل کے دردناک مرثیے کو پڑھنا شروع کردیا تھا۔

لهام بجنب الطف أدنى قرابة
من ابن زياد العبد ذى الحسب الوغل
سمية أمسى نسلها عدد الحصى
وبنت رسول الله ليس لها نسل

"ایک لشکر کا لشکر ابن زیاد کے قرابت داروں کا جو کہ کمینہ ہے، صحرائے طف کے قریب موجود ہے۔ سُمیہ کی نسل تو شمار میں سنگریزوں کے برابر ہوگئی اور بنت رسول اللہ کی نسل باقی نہ رہی۔"

یہی یحییٰ بن الحکم شامیوں سے مخاطب ہوکر یہ بھی کہا کرتا تھا:۔ حجبتم عن محمد يوم القيامة۔ تم سب قیامت کے دن رسول اللہؐ کے دیدار سے محروم ہو گئے۔

اس کو کہتے ہیں مظلومیت کی فتح، یہ وہ واقعات ہیں جن کو مورخین نے کتابوں میں لکھا ہے، تفصیل کے لئے تاریخ الرسل والملوک ابن جریر الطبری جزء دوم جلد ثانی صفحہ ۳۷۶ تا ۳۸۲ طبع لیڈن، اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم طبع مصر ملاحظہ کی جائے۔

اصل یہ ہے کہ حسینؑ مظلوم نے صبر واستقلال، جہاد واستقرار علی الحق کا ایسا نمونہ عالم کے سامنے پیش کیا تھا کہ دشمن بھی اُس سے متاثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آل زبیر جو علیؑ اور اولاد علیؑ کی عداوت میں مشہور تھے جنھوں نے ایک مدت تک صرف اس وجہ سے رسول اللہ پر درود بھیجنا ترک کردیا تھا کہ اُس میں آل محمدؐ کا بھی ذکر ہے۔

عبداللہ بن زبیر نے ۴۰ جمعوں تک نماز میں درود نہیں بھیجا صرف اس وجہ سے کہ اسمیں اہلبیتؑ بھی شامل ہیں

دیکھئے نصائح کافیہ محمد بن عقیل المصری صفحہ ۹۳ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۳۰ طبع اول مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۳ھ جو علیؑ اور اولاد علیؑ کا نام سن کر غصے میں کانپنے لگتے تھے اور سخت سست کہتے تھے یعنی عروہ بن زبیر

شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۳۶۰"

لیکن واقعات کربلا کے بعد ان دشمنان اہلبیت کی یہ حالت ہوئی کہ جب عبداللہ بن زبیر "شہادت مظلوم" کو سنتے ہیں تو منبر پر جاکر "حسینؑ کے فضائل و مصائب بیان کرتے ہیں (طبری جزو دوم جملہ ثانیہ ص ۳۶۲ مطبع لیڈن) اوران کے دوسرے بھائی مصعب بن زبیر جب عبدالملک بن مروان سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو واقعات کربلا و شہادت امام حسینؑ کے حالات سننے کی خواہش کرتے ہیں۔

قال عروۃ بن المغیرۃ بن شعبہ فخرج لیسیر متکیا علی معرفۃ دابتہ ثم تصفح الناس یمیناً وشمالا فوقعۃ علیہ علی فقال یا عروۃ الی فدنوت منہ فقال اخبرنی عن الحسین بن علی کیف صنع با باۂ النزول علی حکم ابن زیاد و عزمہ علی الحرب فقال ے

ان الالی بالطف من آل ھاشم
تاسوفسنوا الکرام التاسیا

قال فعلمت انہ لا یریم حتی یقتل" الطبری جزو دوم جملہ ثانیہ صفحہ ۸۰۴ طبع لیڈن) عروہ بن مغیرہ بن شعبہ بیان کرتا ہے کہ جب مصعب جنگ کے لئے نکلے تو وہ اپنے گھوڑے کی یال و گردن پر سہارا لئے ہوئے تھے اور دا ہنے اور بائیں غور سے دیکھتے جاتے تھے کہ مجھ پر نظر پڑی مجھکو قریب بلاکر پوچھا کہ اے عروہ یہ تو بتلاؤ کہ حسین بن علیؑ نے ابن زیاد کی اطاعت سے انکار کر کے اس سے جنگ کرنے کے لئے اپنے عزم کو کیونکر ظاہر کیا'

اس کے بعد مصعب نے یہ شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے لیے تاسی اور پیروی کرنا آل ہاشم کی جو یوم طف (معرکہ کربلا) میں شہید ہوئے لازمی ہے کیونکہ ان کی تاسی بزرگان ملت و قوم کی پیروی کرنا ہے عروہ کہتا ہے کہ مصعب کی باتوں سے میں سمجھ گیا کہ وہ میدان سے اب نہ جاویں گے جب تک قتل نہ ہو جاویں۔

مورخ محمد بن خاوند شاہ لکھتا ہے:۔

دریں اثنا نظر مصعب بر عروہ بن مغیرہ افتاد گفت مرا خبر دہ کہ امام حسینؑ بعد ازاں کہ قوم او را گفتند کہ بحکم لپسر زیاد راضی شود باں رضا خانہ داد چگونہ جنگ کرد تا کشتہ شد، عروہ بہ تفصیل حکایت شہادت امیرالمومنین حسینؑ را گفت۔ دانست کہ مصعب دل بمرگ نہادہ (تاریخ روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۸۰ طبع بمبئی)

ان واقعات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ واقعات کربلا میں کس قدر اثر تھا کہ دشمن تک ذکر کرنے کے لئے مجبور ہوتے تھے اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ظاہر ہے کہ جب دشمنوں کی یہ حالت تھی تو دوستوں کی کیا کیفیت رہی ہوگی اس واقعۂ ہائلہ کے بعد شیعیان علیؑ سخت مضطرب و بے چین تھے کربلا کے مظالم یاد کر کے روتے تھے اور جذبۂ انتقام سے مجبور ہو کر اموی حکومت کے خلاف انقلاب پیدا کرنے کی جد و جہد کر رہے تھے گروہ گریہ کن "توابین" کی خون آشام تلوار بس اسی مقصد کے حصول کے لئے نیام سے باہر نکل آئی تھی اور نوحہ خوان سُدیف بن میمون اشاعر انقلاب کی حیثیت سے "سفاح" کے دربار میں اسی چیز کی بجا دعوت دے رہا تھا ے

لا یغرنک ما تری من رجال
ان تحت الضلوع داءً دویا

فضع السیف وارفع السّوط حتی
لا تری فوق ظهرها امویّاً

امیر! ان لوگوں سے دھوکہ میں نہ آ، یہ بنی امیہ ہیں، ان کے پہلو میں کینہ و عداوت ہے اس لیے تلوار نیام سے نکال اور کوڑے کو اٹھا، دیکھ پشت زمین پر کوئی اموی نظر نہ آئے۔

واقعہ کربلا کے بعد "عوام" و پردہ نشین عورتیں، اس حد تک انقلاب پسند ہوگئی تھیں کہ یزید اور اس کے بیٹے معاویہ کے مرنے کے بعد جب عبید اللہ بن زیاد نے (جو اس زمانے میں بصرہ کا گورنر تھا) اہل بصرہ کے سامنے ایک تقریر کی اور یہ تحریک کی کہ تم لوگوں کو چاہیے کہ اب تم اپنا امیر کسی کو مقرر کر لو، لوگوں نے عبید اللہ ہی کو اپنا امیر مقرر کیا، اب عبید اللہ بن زیاد نے اپنے ماتحت عمرو بن حریث الخزاعی حاکم کوفہ کو یہ لکھا کہ:۔

ان یامر اهل الکوفة بما دخل اهل البصرة

اہل کوفہ کو حکم دو کہ بصریوں نے جو کیا ہے اس پر وہ کاربند ہوں لیکن کوفہ میں یزید بن رویم الشیبانی نے اس کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ:۔

لاحاجة لنا فی بنی امیة ولا فی امارة ابن مرجانة انما البیعة لاهل الحجاز،

ہم کو اب بنی امیہ کی ضرورت نہیں اور نہ ابن مرجانہ کی حکومت ہم چاہتے ہیں، اب تو اہل حجاز کی بیعت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ:۔

فخلع اهل الکوفة ولایة بنی امیة وامارة ابن زیاد وارادوا ان ینصبوا لهم امیرا الی ان ینظروا فی امرهم فقال جماعة عمر بن سعد بن ابی وقاص یصلح لها فلما هموا بتامیره اقبل نساء من همدان وغیرهم من نساء کهلان والانصار وربیعة والنخع حتی دخلن المسجد الجامع صارخات باکیات معولات یندبن الحسین ویقلن اما رضی عمر بن سعد بقتل الحسین حتی اراد ان یکون امیراً علینا علی الکوفة، فبکی الناس واعرضوا عن عمر" (مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صـ۷۶)

اہل کوفہ نے بنی امیہ کی حکومت اور ابن زیاد کی امارت قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ چاہا کہ اپنا امیر وہ خود منتخب کریں، ایک گروہ نے عمر بن سعد کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی اور یہ کہا کہ وہ اس کے لیے اہل ہے لیکن جب تقریباً طے کر کے یہ لوگ اس کو اپنا امیر بنانا چاہتے ہی تھے کہ (شیعی قبائل ہمدان، کہلان، ربیعہ، نخع اور انصار کی عورتیں امام حسین پر گریہ و زاری اور نوحہ و فریاد کرتی ہوئی کوفہ کی جامع مسجد (جہاں یہ مجمع تھا) میں داخل ہوئیں اور یہ کہنے لگیں کیا عمر بن سعد حسین مظلوم کو قتل کر کے ابھی راضی نہیں ہوا، جو اب ہم لوگوں کا امیر بننا چاہتا ہے، یہ سن کر مجمع کا رنگ بدل گیا اور لوگ رونے لگے، اور عمر سعد سے پھر گئے۔"

یہ جذبۂ انقلاب صرف عورتوں ہی تک میں محدود نہیں رہا بلکہ ۶۵ھ میں، دوستداران اہلبیت کی ایک جماعت جو تاریخ میں "توابین" کے نام سے مشہور ہے، میدان عمل میں آگئی یہ ہمت کے پورے تھے، اور بات کے دھنی وہ تھے، جو یہ ارادہ کر کے نکلے تھے کہ

" لامن قتل قتلہ او نقتل فیہ" تمام قاتلان خاندان نبوت کو قتل کریں گے ورنہ خود اس راہ میں قتل ہو جاویں گے۔

اس مبارک گروہ کا انقلاب پسند شاعر "عبد اللہ بن الاحمر" اپنے کلام سے لوگوں کو اس نیک کام کے لیے

اُبھارتا رہتا تھا اور "حسین" کا مرثیہ اس رنگ میں کہتا تھا کہ جس سے لوگ یحث فیہ علی الخروج ولوثی الحسین ومن قتل معہ دیلوھم شیعتہ بتخلفھم عنہ برانگیختہ ہوکر حکومت سے مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑیں، اور جنھوں نے مدد نہیں کی اُن کے لیئے تازیانۂ ملامت کا کام دے۔

اس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

صحوت وقد صحوا الصبی والوادیا
وقلت لاصحابی اجیبوا المنادیا
وقولوا لہ اذ قام یدعوا الی الھدیٰ
وقبل الدعا لبیک داعیا

مرثیہ کہتا ہے:۔

الا ان خیر الناس جدا ووالدا — حسینا لاھل الدین ان کنت ناعیا
لیبک حسینا مرمل ذو خصاصۃ — عدیم وایتام تشکی المواليا
فاضحی حسین للرماح دریۃ — وغودر مسلوبا لدی الطف ثاویا
فیا لیتنی اذ ذاک کنت شھدتہ — فضاربت عنہ الشانئین الاعادیا
سقی اللہ قبرا ضمن المجد والتقی — بغربیۃ الطف الغمام الغواديا

فیا امۃ تاھت وضلت سفاھۃ
ینبوا فارضوا الواحد المتعالیا

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۹۳)

خود ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے بھی واقعات کربلا کی نشر و اشاعت کے جانب خاص توجہ فرمائی ہے عزائے حسین میں خود بھی مصروف رہے اور دوسروں کو بھی دعوت دیتے رہے، مجالس کے قیام کے متعلق مذہبی احکامات و ہدایات صادر فرمائے، اور گریہ و ذکر حسین کے فضائل میں احادیث ارشاد کئے گئے، اگرچہ مروانی اور عباسی حکومتیں اس کی مخالفت کرتی رہیں اور اس امر کی کوشاں رہیں کہ عزاداران حسینؑ یعنی سادات و دوستداران علیؑ کا خاتمہ دنیا سے کردیں اور فضائل و مناقب اہلبیت سے دنیا ناواقف ہو جائے۔

وکان اھل البیت وشیعتھم فی ایام تینک الدولتین وفی امرۃ ابن زبیر فی غایۃ من الاضطھاد والتشرید والقتل والاذی طبق ما اخبر بہ المصطفی فانھم خرجوا من ظلم بنی امیۃ الی ظلم بنی العباس ولکن کان بنو العباس اعداء البنی امیۃ فانھم کذالک اعداء العلویین کارھین ذکرھما فیہ منقبۃ وفضل بنی علی علیہ السلام حتی ان احد ملوکھم ھدم قبر الحسین علیہ السلام وزرع الارض فوقہ وحکم بعضھم علی العلویین ان لا یرکبوا خیلا ولا یتخذوا خادما وان من کان بینہ وبین احد من العلویین خصومۃ من سائر الناس قبل قول خصمہ فیہ ولم یطالب بینۃ کما ذکر ذالک المقریزی فی الخطط وغیرہ ومات کثیر من اکابرھم فی سجون بنی العباس۔ (النصائح الکافیہ لابن عقیل المصری صفحہ ۱۰۵)

اموی اور عباسی دور میں اور زمانۂ حکومت ابن زبیر میں بھی اہلبیتؑ رسول اور اُن کے دوستوں پر ظلم و جبر کی انتہا نہ تھی۔ رسولؐ کی پیشگوئی کے مطابق اُن کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں، شہر بدر کئے جاتے، وہ بنی امیہ کے ظلم سے نکل کر بنی عباس کے مظالم میں مبتلا ہوئے، بنی عباس اگرچہ بنی امیہ کے دشمن تھے لیکن اولاد علیؑ و فاطمہؑ کے سخت ترین دشمن تھے اہلبیت کے فضائل و مناقب کی یہ سخت مخالفت کرتے تھے، ان کی عداوت کی یہ انتہا تھی کہ اُن کے ایک خلیفہ (متوکل) نے قبر مقدس امام حسینؑ کو منہدم کرادیا تھا اور اس پر کھیتی کرائی (یہ ظلم دو مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ بنی امیہ کے زمانے میں اور دوسری مرتبہ متوکل کے عہد میں (حدائق الوردیہ) اور ان کے زمانے میں سادات کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ سواری پر نہ سوار ہوں اور کوئی خادم نہ رکھیں

اور اگر کسی معمولی آدمی کو کسی "سید" سے رنج وعداوت ہو اور وہ دشمنی میں کوئی الزام لگائے تو وہ الزام بغیر ثبوت کے مان لیا جائے ان واقعات کا مفصل ذکر علامہ مقریزی نے اپنی کتاب خطط الآثار میں کیا ہے، اس کے علاوہ سادات مقید کیے جاتے تھے حتیٰ کہ اکثر سادات قید ہی میں مر گئے (علامہ مقریزی نے علاوہ "خطط" کے ایک دوسری کتاب میں بھی تفصیل کے ساتھ ان مظالم کو لکھا ہے جس کا نام کتاب النزاع والتخاصم" جو مصر کے مکتبہ اہرام سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہو چکی ہے"۔

لیکن ان مظالم کے باوجود امام حسین علیہ السلام کی تعزیت کو بند نہ کیا جا سکا بلکہ اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا، شعراء واقعات کربلا پر مرثیے نظم کرتے تھے۔

چنانچہ مشہور شاعر کمیت بن زید اسدی نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مرثیے پڑھے اس سلسلہ میں مورخ مسعودی نے کمیت کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس کا تذکرہ ہمارے مقصد تالیف کے لیے بہت ضروری ہے، وہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ کمیت بن زید عرب کے مشہور شاعر، مداح امام زین العابدینؑ "فرزدق" کے پاس گیا اور اپنے قصائد "ہاشمیات" کو سنا کر یہ مشورہ کیا کہ اگر یہ کلام قابل اشاعت ہو تو مشتہر کروں ورنہ پوشیدہ رکھوں، "فرزدق" نے اشعار سننے کے بعد یہ کہا کہ:-

"للہ درک یا بنی اصبت فاحسنت اذا عدلت عن الضعائف والاوباش اذا لا یصید سہمک ولا یکذب قولک ثم مر فیھا فقال لہ اظہر ثم اظہر وکد بھا الاعداء فانت واللہ اشعر من مضی واشعر من بقی"۔

بیٹا، خدا تمہارا بھلا کرے، بہت خوب کہا ہے اور کیوں نہ ہو تم نے ذلیل واوباش لوگوں کی مدح سے روگردانی کر کے ایسے پاکیزہ نفوس کی مدح کی ہے کہ اب تمہارے کلام کی تکذیب نہیں کی جا سکتی ہے تم اپنے ایسے کلام کو مشہور کر کے دشمنوں کو مصیبت و رسوائی میں مبتلا کرو، بخدا جو شاعر گذر گئے اور جو باقی ہیں تم اُن سے بہتر ہو۔

اب کیا تھا ایک استاد فن کی تحسین و ترغیب کے بعد کمیت، مدینۂ منورہ میں پہونچ کر، ایک شب کو فرزند رسول امام محمد باقر علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور اُس نے ان قصائد و مراثی کو سنانا شروع کیا جب اُس نے مرثیۂ میمیہ کے اس شعر کو سنایا"

وقتیل بالطف غودر منھم
بین غوغاء أمۃ وطغام

تو حضرت پر گریہ طاری ہوا، اور ارشاد فرمایا کہ

یا کمیت لو کان عندنا مال لاعطیناک ولکن قلت لک ما قال رسول اللہ صلعم حسان بن ثابت لازالت مؤید ا بروح القدس ما ذببت عنا اھل البیتؑ،

اے کمیت اگر آج ہمارے پاس مال دنیا سے کچھ ہوتا تو تم کو عطا کرتے، لیکن تمہارے لیے بھی وہی کہتا ہوں جو رسول اللہؐ نے حسان بن ثابت سے فرمایا تھا کہ جب تک تم ہم اہلبیتؑ کی مدد (اپنے کلام سے) کرو گے روح القدس (جبرئیلؑ) کی تائید تمہارے ساتھ رہے گی۔

اس کے بعد کمیت جناب عبد اللہ بن حسن بن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے ان قصائد و مراثی کو سنایا، ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ اے کمیت میں چار ہزار دینار منافع کی جائداد کا مالک ہوں وہ تمام کی تمام تمھیں ہبہ کرتا ہوں، لو یہ تحریری دستاویز "ہبہ نامہ" مع گواہوں کے موجود ہے، تمھیں یہ مبارک ہو اس دستاویز کو لے لو، کمیت نے عرض کیا میرے ماں باپ

فدا ہوں بخدا میں نے خلوص سے اللہ کے لیئے یہ کیا ہے جس چیز کو خدا کے لیے میں نے کیا ہے اس کے بدلے میں مال دنیا نہیں لے سکتا لیکن جناب عبداللہ نے بہت اصرار کیا، جس کی وجہ سے مجبوراً کمیت کو وہ ہبہ نامہ لے لینا پڑا، اس کے چند دنوں کے بعد کمیت جناب عبداللہ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ میرے ماں باپ فدا ہوں، میری ایک حاجت ہے، فرمایا کہو، پوری کی جائے گی، کمیت نے عرض کی جو بھی حاجت ہوگی کیا وہ ضرور پوری ہوگی، فرمایا، ہاں! اس قول و قرار کے بعد کمیت نے عرض کیا، حضور یہ ہبہ نامہ واپس لے لیں، اور جائداد پر قبضہ فرمالیں یہ کہکر اس دستاویز کو سامنے رکھدیا، جناب عبداللہ نے ناچار قبول فرمالیا، یہ دیکھ کر اس خاندان کے ایک دوسرے بزرگ جناب عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے چار خدمت گاروں کو طلب فرماکر ایک کپڑا دیا، اور بنی ہاشم کے گھروں میں تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

یا بنی ہاشم ھذا الکمیت قال فیکم الشعر حین صمت الناس عن فضلکم وعرض دمہ لبنی امیہ فا یثبوہ بما قدرتم

اے بنی ہاشم یہ شاعر خوش گفتار کمیت ہے جو تمہاری شان میں شعر کہتا ہے، ایسے زمانے میں جب کہ لوگ تمہارے فضائل کو بیان کرنے سے خاموش ہوگئے ہیں لیکن اس نے (ہماری مدح وثنا کرکے) اپنے خون کو بنی امیہ کے سامنے پیش کردیا ہے۔ لہذا تمہارے امکان میں جو کچھ ہو اس کا بدلہ دو،

پس تمام لوگوں نے درہم ودینار جو کچھ بھی ہوسکتا تھا، اُس کپڑے میں ڈالنا شروع کردیا، جب اندرون خانہ مخدرات وعورات کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان عورتوں نے بھی جو کچھ ہوسکتا تھا بھیجا، یہاں تک کہ زیورات اتار اتار کر بھیج دیئے نوبت باینجا رسید کہ فوراً اُسی وقت درہم ودینار، اور زیورات سب ملاکر تقریباً ایک لاکھ درہم کے اکٹھا ہوگیا اور اس کو لیکر کمیت کے پاس پیش کردیا اور فرمایا کہ:۔

اتیناک بجھد المقل ونحن فی دولۃ عدونا وقد جمعنا ھذا المال وفیہ حلی النساء کما تری فاستعن بہ علی دھرک،

یہ ایک غریب کا ناچیز ہدیہ ہے تم جانتے ہو کہ ہم اپنے دشمنوں کی حکومت میں کس طرح زندگی بسر کررہے ہیں، تھوڑا سا مال جمع ہوگیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اس میں عورتوں کے زیورات بھی ہیں، اس کو قبول کرلو، اور ناسازگار زمانے میں اپنے کام میں لاؤ۔

یہ دیکھ کر کمیت نے عرض کیا کہ یہ بہت بڑا احسان ہے لیکن میں آپ حضرات کی خدا و رسولؐ کے لیے کرتا ہوں، اس لیے دنیا میں اس کی قیمت نہیں چاہتا اس کو آپ واپس فرما دیجئے، عبداللہ، نے بہت کوشش کی کہ کسی حیلے سے کمیت قبول کرلے لیکن اُس نے نہ لیا، اُس وقت آپنے کہا کہ:۔

اذا بیت ان تقبل فانی رأیت ان تقول شیئاً تغضب بہ بین الناس لعل فتنۃ تحدث فیخرج من بین اصابعھا بعض ما یحب فابتدأ الکمیت وقال قصیدتہ التی یذکر فیھا مناقب قومہ من مضر بن نزار بن معد وربیعۃ بن نزار وایاد وانمار بنی نزار ویکثر فیھا من تفضیلھم ویطنب فی وصفھم وانھم افضل من قحطان فغضب بھا الیمانیۃ والنزار،

اچھا اگر تم اس کے لینے سے کراتے ہو تو تم میری ...

عمل کرو، ایسے اشعار کہو جس سے حکومت کے خلاف ایک عام ہیجان پیدا ہو جائے، اور اُن کے ہاتھوں سے حکومت جاتی رہے۔ کمیت نے اس کو قبول کیا اور ایک معرکۃ الآرا قصیدہ قبائل مضر و ربیعہ کی مدح میں کہا اور ساتھ ہی ساتھ قبائل بنی قحطان کی ہجو اور برائی بیان کی بھر کیا تھا تمام قبائل عرب مثل شعلے کے بھڑک اٹھے (اور آتش فتنہ و فساد سے جل کر اموی حکومت تباہ ہو گئی۔)

ومن قول الكميت في النزارية واليمانية وافتخرت اليمن على نزار وأدلى كل فريق بما له من المناقب وتحزبت الناس وثارت العصبية في البدو والحضر فنتج بذلك امر مروان بن محمد الجعدي وتعصبه لقومه من نزار على اليمن وانحرفت اليمن عنه الى الدعوة العباسية وتغلغل الامر الى انتقال الدولة عن بني اميه الى بني هاشم، (مروج الذهب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۳۹، ۱۴۰)

کمیت کے اشعار قبائل نزار و یمان میں مشہور ہو کر زبان زد ہو گئے، نزاری یمانی کے مقابلے میں فخر کرنے لگے اور یمانی، نزاریوں پر تفاخر کرنے لگے جس کی وجہ سے ہر جگہ بدوی اور شہری دونوں طبقوں میں شدت کے ساتھ عصبیت ظاہر ہوئی اور اختلافات پیدا ہو گئے خلیفہ اموی مروان حمار نے قبائل یمانی کے خلاف نزاری قبائل کی طرفداری کی جس کی وجہ سے اہل یمن خلیفہ اور امویوں کے مخالف ہو گئے اور عباسیوں کی تحریک میں مدد کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور دولت ہاشمی قائم ہو گئی۔

وله قصائد الهاشميات خمسماية وبضعة وسبعون بيتا يذكر فيها الحسين وقتله (حدائق الوردیہ)

۵۷۰

کمیت کے قصائد ہاشمیات کے اشعار کی تعداد پانچ سو ستر سے زیادہ ہے جس میں واقعۂ شہادت امام حسینؑ کا تذکرہ کیا ہے۔

تنہا کمیت اسدی ہی نہیں جس نے مجلس امام معصوم میں حاضر ہو کر مرثیہ پڑھا بلکہ ابو عمارہ اور جعفر بن عفان نے بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلس میں حاضر ہو کر اپنے مراثی پڑھے، اسی طرح دعبل خزاعی اور ابراہیم بن عباس نے امام رضا علیہ السلام کے حضور میں مرثیے پڑھے، ظاہر ہے کہ یہ زمانہ دوستداران اہلبیت کے لیے سازگار نہ تھا وہ اپنی جان و مال کے خوف سے علانیہ مناقب و مصائب خاندان رسالت کو نظم نہیں کر سکتے تھے لیکن جب بھی انھیں موقع ملتا وہ مصائب اہلبیت پر مرثیہ ضرور کہتے تھے، حدائق الوردیہ فی ذکر آئمۃ الزیدیہ میں ہے:-

ولم يجسر احد من شعراء الشيعة يرثيه وخيفة من بني اميه الا الكميت وابو ذهل وهب الجمحي وكثير بن كثير السهمي وغيرهم،

بنی امیہ کے خوف سے کسی شیعہ شاعر کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ واقعہ کربلا پر علانیہ مرثیہ کہے سوائے کمیت اور ابو ذہیل وہب جمحی و کثیر بن کثیر سہمی کے۔ (عربی مرثیہ پر تفصیلی بحث کے لیے میری کتاب "عربی مرثیہ کی مختصر تاریخ" شائع کردہ امامیہ مشن لکھنؤ ملاحظہ ہو)

غرضیکہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی ہدایت و ارشاد کی بنا پر دوستداران علیؑ برابر اظہار غم و الم کرتے رہے اور مجالس ذکر حسینؑ منعقد کرنا شیعوں کا ایک مذہبی و دینی شعار ہو گیا، خاص کر عشرۂ محرم دینی حیثیت سے مخصوص یوم غم و الم قرار دیا گیا اس کے برخلاف دشمنان اہلبیت نے اس یوم غم کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی، اس کے لیے راویان حدیث کی خدمات حاصل کی گئیں جعلی و جھوٹی روایات کو

محدثین نے اپنی کتابوں میں جگہ دینی شروع کر دی، فضیلت یوم عاشورہ کے سلسلہ میں عام طور سے مجعولات روایات کی اشاعت کی جانے لگی یہاں تک عبد الملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عشرۂ محرم کو یوم سرور و عید قرار دے دیا اور اس دن تمام ممالک محروسہ حجاز و شام میں خوشی کی جانے لگی، (الخطط والآثار للمقریزی جلد اول صفحہ ۴۹۰ طبع مصر) مگر یہ کوششیں عباسی حکومت تک برابر مسلسل جاری رہیں مگر جب بنی عباس کی حکومت کمزور ہو گئی اور آل بویہ (دیالمہ) کو جو محب خاندان رسالت تھے سطوت و غلبہ حاصل ہوا تو "معز الدولہ دیلمی" نے ۳۵۲ھ میں دار الخلافت بغداد میں علانیہ "عزائے حسین" برپا کرنے کا حکم دے دیا،

"وفیھا یوم عاشوراء الزم معز الدولۃ اهل بغداد النوح والمآتم علی الحسین وامر بغلق الابواب وعلقت فیھا السوق ومنع الطباخین من عمل الاطعمۃ وخرجت النساء الرافضۃ ناشرات الشعور" (تاریخ مرآۃ الجنان علامہ یافعی وقائع ۳۵۲ھ وتاریخ ابو الفدا جلد دوم صفحہ ۱۰۳ طبع حسینیہ مصر)

۳۵۲ھ میں عشرۂ محرم کو معز الدولہ دیلمی نے اہل بغداد کو امام حسینؑ پر نوحہ و ماتم کرنے کا حکم دیا اور شہر کی رونق و آرائش کو کم کرنے و اظہار غم کے لیے بازار اور دروازے بند کرا دیئے گئے یعنی مکمل ہڑتال کرائی گئی اور باورچیوں کو اس دن کھانا پکانے سے منع کر دیا گیا اور شیعہ عورتیں اظہار غم میں بال کھولے ہوئے نکلیں۔

بغداد میں علانیہ عزائے حسینؑ کے یہ مظاہرات ۳۵۲ھ سے شروع ہوئے مگر مملکت مصر میں روز عاشورہ کے یہ مظاہرات غم مورخ مقریزی کے بیان کے مطابق فرمانروائے مملکت مصر و شام ابوبکر محمد بن ابو محمد طغج الاخشید متوفی ۳۳۴ھ و دیگر ملوک اخشیدیہ کافوریہ کے عہد سے رواج پذیر تھے (الخطط والآثار للمقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) مورخ مقریزی نے یہ وضاحت کی ہے کہ عہد اخشیدی کے مراسم غم حسینؑ جو مصر میں رائج و شائع تھے ان کو "المعز لدین اللہ الفاطمی" نے ۳۶۳ھ سے بہت زیادہ تقویت پہونچائی جس کے بعد فاطمیین کے ہر دور حکومت میں بڑی شد و مد کے ساتھ عزائے حسینؑ کا رواج علانیہ ہونے لگا، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الخطط والآثار للمقریزی جلد دوم صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۱ طبع مصر ۱۳۲۳ھ)

ان مقامات میں عزائے حسینؑ مظلوم کی سخت مخالفت بھی کی گئی، بغداد میں حسینی یادگار کے مقابلہ میں مخالفین نے ۳۹۰ھ سے مصعب بن زبیر کے قتل کی یادگار منانا شروع کر دی اور ۱۸ محرم کو مصعب کے واقعہ قتل پر اظہار غم کرنے لگے جو کچھ دنوں کے بعد خود ہی بند ہو گیا (تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۵۴ طبع مصر)

مصر میں خلفاء فاطمیین کی سطوت سے یہ تو ضرور ہوا کہ اس قسم کی کوئی حرکت نہ کر سکے لیکن جب سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے فاطمیوں کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا تو سب سے پہلے اس نے عزائے امام مظلوم کے مٹانے کی کوشش کی اور عید عاشورہ حجاج ثقفی کی بدعت کو پھر سے جاری کر دیا (الخطط والآثار للمقریزی) لیکن باوجود اس مخالفت کے عمومی حیثیت سے اس زمانے کے تمام مسلمانوں نے سانحۂ کربلا کو اپنے لیے ایک مصیبت عظیم متصور کیا تھا، چنانچہ ابو محمد القاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری البصری صاحب المقامات (المتولد ۴۴۶ھ) نے اپنے گیارہویں مقام

"الرجبیہ" میں بطور ضرب المثل کے یہ کہا ہے کہ "کما جل لدی المسلمین رزء الحسین ع" جس طرح عام مسلمانوں میں حسینؑ کی مصیبت عظیم ہے اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں غم حسینؑ کی کیا اہمیت تھی، فاضل معاصر علی جلال الحسینی الحنفی اپنی تصنیف منیف "الحسین" الکتاب الثانی صفحہ ۱۹۵ طبع قاہرہ ۱۳۴۹ھ پر لکھتے ہیں:۔

ویری کثیر من العقلاء ان قتل الحسین ع کان اعظم مصائب المسلمین قال منصور الثعالبی فی اخر کتاب ثمار القلوب ان الوزیر عبید اللہ بن سلیمان کان رایہ ان قتل الحسین اشد ما کان فی الاسلام علی المسلمین لان المسلمین یئسوا بعد قتلہ من کل فرج یرجونہ وعدل ینتظرونہ"

اکثر عقلا کا یہ خیال ہے کہ شہادت حسین مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبت ہے، منصور ثعالبی ثمار القلوب کے آخر کتاب میں کہتے ہیں کہ وزیر عبید اللہ بن سلیمان کی یہ رائے ہے کہ عالم اسلام میں مسلمانوں کے لیے شہادت حسینؑ سے زیادہ سخت غمناک اور کوئی حادثہ نہیں ہے اس لیے کہ حضرت کی شہادت کے بعد مسلمان ہر اُس کشادگی و مسرت سے جس کی وہ امید کرتے تھے ناامید ہو گئے اور جس عدل و انصاف کے انتظار میں تھے اُس سے مایوس ہو گئے۔

عقلاء اسلام ہی نہیں بلکہ عام طور سے مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ "ضحی بنو امیہ بالدین یوم کربلا" بنو امیہ نے اصل دین کو کربلا میں ذبح کر دیا (ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

بدیع الزمان احمد بن الحسین الہمدانی صاحب المقالات المتوفی ۳۹۸ھ اپنے مرثیہ حسینؑ میں کہا ہے کہ

لرزیۃ قامت بہا　للدین اشراط القیامہ

شہادت حسینؑ ایک عظیم مصیبت ہے جس کی وجہ سے دین میں قیامت برپا ہو گئی (رسالہ بدیع الزمان ہمدانی بر حاشیہ خزانۃ الادب حموی صفحہ ۵۰ طبع مصر، وکشف المعانی و البیان الرسالۃ العاشرہ صفحات ۵۸، ۶۰ طبع بیروت)

یہ تاثرات بعد کے پیدا وار نہیں ہیں جو کسی دباؤ یا پروپیگنڈا کا نتیجہ کہے جا سکیں، بلکہ واقعہ کربلا کے بعد ہی دار الخلافت یزید شہر دمشق میں ان تاثرات کا اظہار کیا گیا، چنانچہ خالد بن معدان الطائی متوفی ۱۰۳ھ جو اصحاب امیر المومنینؑ و افاضل تابعین میں سے ہیں وہ شہر دمشق میں اُس وقت موجود تھے جب سرہائے شہدا نیزوں پر بلند کر کے لائے گئے اور دفعتہً اس طرح امام مظلوم کی شہادت سے یہ آگاہ ہوئے اس وقت غم حسینؑ میں انھوں نے ایک مرثیہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

جاءوا براسک یابن بنت محمد
متزملا بدمائہ ترمیلا

اے فرزند دختر رسول، یہ ظالم آپ کے سر مبارک کو نیزہ پر چڑھا کر آغشتہ بخوں لائے ہیں۔

قتلوک عطشانا ولم یترقبوا
فی قتلک التنزیل والتاویلا

ہائے اے فرزند رسول آپ کو پیاسا قتل کیا گیا افسوس آپ کے شہید کرنے میں حدیث و قرآن کا مطلق لحاظ نہیں کیا۔

وکانما بک یابن بنت محمد
قتلوا جہارا عامدین رسولا

اے فرزند رسول، در اصل آپ کے قتل کرنے میں ان لوگوں نے تو عمداً اور کھلم کھلا رسول ہی کو قتل کر ڈالا،

لا یوم اعظم حسرۃ من یومہ
وارادہ رھنا للمنون قتیلا

روز شہادت (یوم عاشورہ) سے زیادہ کوئی دن پُر حسرت
وزیادہ مصیبت ناک نہیں ہے کیونکہ اس دن میں اپنے
نبی کے فرزند کو رہین موت و قتیل دیکھتا ہوں،

ویکبرون بان قتلت وانما
قتلوا بک التکبیر والتھلیلا

ہائے واویلا یہ کیا اندھیر ہے کہ آپ کو قتل کر کے
یہ بدبخت تکبیر کی آواز بلند کرتے ہیں حالانکہ آپکے
قتل کرنے سے ان ظالموں نے اصل تکبیر و تہلیل ہی
کو ذبح کر ڈالا۔ (تاریخ الکبیر ابن عساکر جلد ۵
صفحہ ۸۵ و کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر و روضۃ الندیہ
محمد بن اسمٰعیل الامیر الصنعانی صفحہ ۱۱۷، و الحاکم
النیشاپوری والبیہقی وغیرہم)

یہی وہ حقیقی تاثرات ہیں جس کی وجہ سے دین دار
مسلمان خصوصاً شیعیان اہلبیت مصروف عزا و بکا ہوگئے
ایران جس کا طبعی رجحان تشیع کی طرف ہے وہ نہ صرف
عزاداری و سوگواری کی سرزمین بنی بلکہ اس سرزمین
نے نغز بہ دار ملت گریہ کن کو پیدا کیا،

آقائی کاظم زادہ (ایران شہر) اپنی کتاب
تجلیات روح ایرانی صفحہ ۷۵ طبع برلن میں تحریر
فرماتے ہیں:۔

"وقوع حادثۂ جگر سوز کربلا و شہادت حضرت
حسین، و یاران و فرزندان و اسارت باقی ماندگان
آن خاندان مطہر و مصائب و بلا ہائے کوفہ و شام
نہ تنہا دل شیعیان و ایرانیان بلکہ قلوب تمام مسلمین
را داغدار کرد و محبت مسلمانان بخصوص ایرانیان
را نسبت بخاندان آل رسول یک بر ہزار افزود و ہمان
درجہ کینہ و عداوت آناں را بر بنی امیہ محکم تر و
افزوں تر گردانید تا در برانداختن سلطنت آناں
ہمہ دست و ہمداستان شدند۔"

جگر سوز واقعہ کربلا یعنی امام حسینؑ اور حضرت
کے اصحاب و انصار، فرزندان و اقارب، کی مظلومانہ
شہادت اور خاندان مطہر و یتیم بچوں و اہل حرم کی
قید و گرفتاری اور کوفہ و شام کی آزار و مصیبت
یہ وہ واقعات ہیں جو نہ صرف شیعوں اور ایرانیوں
کے دلوں کو زخمی کرتے ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے
قلوب کو داغدار کرتے ہیں اس واقعۂ ہائلہ کے بعد
آل رسول کی محبت عموماً مسلمانوں اور خاص کر
ایرانیوں کے دلوں میں ایک سے ہزار گونہ زیادہ
بڑھ گئی، اسی طرح ان ایرانیوں کے دلوں میں
بنی امیہ کی عداوت و کینہ اور زیادہ سے زیادہ
بڑھ گیا یہاں تک کہ بنی امیہ کی سلطنت کو تباہ و
برباد کر دینے کیلئے باہم ایک دوسرے کے معاون
و مددگار ہوگئے۔

یہ تجلیات روح ایرانی کی کارفرمائیاں ہیں
کہ مملکت ایران میں ابتدائے اسلام ہی سے تشیع
کی طرف میلان رہا، جناب مختار جب امام مظلومؑ کا
انتقام لینے کے لیے بنی امیہ کے مقابلہ میں شمشیر بکف
میدان میں آئے، تقریباً دو ہزار ایرانی موالی ان
کے ہمراہ تھے، یہ ایرانی ہی تھے جنھوں نے اموی
حکومت کی بنیادوں کو جڑ سے کھود کر تباہ و برباد کیا،
یہی وہ تھے جنھوں نے سرکشان عرب کے ظاہری جبروت
کے سامنے جھکنا پسند نہیں کیا بلکہ اپنی بے پناہ تلوار و دل
سے جابرۂ بنی امیہ کو زیر کر کے دولت ہاشمی کے قیام
کا باعث ہوئے، امام رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا قیام جب خراسان میں تھا ایرانی مذہب جعفری سے
روشناس ہوئے۔ انھوں نے امام رضا علیہ السلام
کو عزائے سید الشہداء میں مصروف دیکھا انھیں اس
کا موقع ملا کہ ذکر حسینؑ اور مصائب اہلبیت پر سوگوار

رہنے کی دینی اہمیت کو سمجھیں اس لیے ایرانیوں میں عزائے امام کی کافی اہمیت رہی یہاں تک کہ جب داعی کبیر حسن بن زید الحسنی (سنہ ۲۵۰ھ) نے طبرستان میں اپنی مستقل حکومت قائم کی تو اُس زمانے سے مذہب امامیہ کو بہت عروج ہوا اور عزائے امام میں کافی رونق ہوئی، انھیں بزرگ کے بھائی جو ان کے بعد طبرستان کے بادشاہ ہوئے داعی صغیر محمد بن زید الحسنی تھے جنھوں نے بعہد خلیفہ معتضد عباسی سنہ ۲۸۳ھ میں مشہد امام مظلومؑ اور روضۂ جناب امیر علیہ السلام کو تعمیر کرایا،

"لما قام الداعی الی اللّٰہ محمد بن زید الحسنی علیہ السلام امر بعمارة المشھدین علیہما السلام وقیل انہ انفق علی عمارتھما الی عشرین الف درھم وبلغ عضد الدولہ الغایة تعظیمھما وعمارتھما والانفاق علیھما وکان یزدہ کل سنة۔" (حدایق الوردیہ قاسمی، اعیان الشیعہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۰، نزہۃ اہل الحرمین صفحہ ۲، فرحۃ الغری ابن طاؤس، تاریخ کربلا دکتور عبدالجواد صفحہ ۱۵۹)

الداعی الی اللّٰہ محمد بن زید الحسنی نے مرقد منور امیرالمومنینؑ اور امام حسینؑ پر قبہ عمارت بنوایا، کہتے ہیں کہ ان دونوں کی تعمیر پر بیس ہزار درہم خرچ ہوئے (اس کے بعد) عضد الدولہ دیلمی نے ہر دو مشاہد کی تعمیر و توسیع میں بہت کافی خرچ کیا ہے اور وہ ہر سال زیارت سے مشرف ہوتا تھا،

تاریخ ایران کا ہر طالب علم اس سے اچھی طرح واقف ہے کہ اس سرزمین پر شیعی امارت و حکومت کا قیام برابر ہوتا رہا ہے، امارت بنو طاہر (۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ) حکومت سلاطین دیالمہ (۳۲۱ھ سے ۴۴۷ھ) بادشاہت فرزندان چنگیز و ایل خانی (۷۳۶ھ - ۷۹۴ھ) حکومت شاہان جلائری (۷۳۶ھ - ۸۱۳ھ) دولت سربداریہ (۷۳۶ھ - ۷۸۸ھ) حکومت سادات مرعشیہ (۷۶۰ھ - ۹۸۹ھ) دولت صفویہ (۹۰۵ھ - ۱۱۴۸ھ) یہ تمام شیعی حکومتیں ایسی تھیں جن سے امام مظلوم کی عزاداری کو تقویت پہونچی، ایران میں ایام عزا میں سیاہ لباس پہننے کا دستور قدیم سے ہے اور آج بھی مجالس عزا اور روضہ خوانی میں سیاہ لباس پہن کر شریک ہونا اور جہاں پر مجالس عزا ہوتی ہیں وہاں کے در و دیوار پر سیاہ پردے لٹکا دینا ایک عام دستور ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیہ پوشی نظامی گنجوی متوفی سنہ ۶۰۲ھ کے زمانہ میں عام طور سے عزاداران حسینؑ میں رائج تھی وہ اپنی مثنوی کے ایک بیت میں اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

نام آں شہر شہر مدھوشاں ؛ تعزیت خانۂ سیہ پوشاں

نظامی نے "سیہ پوشاں" سے مراد شیعہ و عزاداران حسینؑ کو لیا ہے اور تعزیت خانہ سے مراد ماتم خانہ و عزاخانہ (جو ہندوستان میں امام باڑہ کہلاتا ہے) جہاں شیعہ عشرۂ محرم میں سیہ پوش ہو کر مصروف عزا و بکا ہوتے ہیں ذبیح اللّٰہ صفا اپنی تاریخ ادبیات ایران میں لکھتے ہیں:-

"مذہب شیعہ در قرن ہفتم و ہشتم بسرعت براہ قوت می پیمود، تظاہرات عادی اہل تشیع در ایام سوگواری وساختن وخواندن اشعارے در مرثیہ امامان و شہیدان ہم دریں دورہ بہ اوج خود برقرار بود و از نمونہ ہائی خوب اینگونہ اشعار قصیدہ کوتاہ از سیف فرغانی عارف و شاعر شیعی مذہب اواخر قرن ہفتم و اوائل قرن ہشتم است کہ برائے کشتہ کربلا ساخت و مسلماً مراد او از آں خواندہ شدن در مجلسہائی سوگواری محرم و بگریہ افگندن شنوندگان و بندہ بہ واداشتن آناں و اظہار تاسف و حزن بر قتل امام بودہ است بہماں نحو کہ ہنوز ہم میان

شیعیان معمول و در نظر آنان وسیلۂ قاطعی برائے کسب درجات بلند اخرویست۔"

ساتویں و آٹھویں صدی ہجری میں شیعیت نے بڑی تیزی کے ساتھ ترقی و قوت حاصل کی، اسی دور میں ایام عزا کے زمانہ میں شیعوں کے مظاہرات عزاداری مثل ائمۂ معصومین و شہدائے کربلا کے غم میں مرثیہ کہنا اور پڑھنا گذشتہ زمانہ کے رواج کے مطابق اس عہد میں بھی رواج پذیر رہے اس قسم کے اشعار مراثی کا اچھا نمونہ اواخر ساتویں صدی کے و اوائل میں آٹھویں صدی کے عارف و شیعہ شاعر سیف فرغانی کے کلام میں موجود ہے جو شہید کربلا کے غم میں کہا ہے اور کوئی شک نہیں کہ مقصد ان اشعار کے کہنے کا مجالس حسینؑ میں پڑھ کر سامعین کو رلانا اور انتہائی حزن و غم ان پر طاری کر کے آہ و واویلا اور گریہ وزاری کی آوازوں کو بلند کرانا ہے بالکل اسی طرح جیسے آج کل شیعوں میں معمول ہے، اور یہ گریہ وزاری رونا رلانا عزاداروں کے نزدیک آخرت کے بلند درجات کو حاصل کرنے کا ایک قاطع وسیلہ ہے۔"

سیف فرغانی کے متذکرہ اشعار یہ ہیں:۔

اے قوم دریں عزا بگریید　　بر کشتہ کربلا بگریید
با ایں دل مردہ خندہ تا چند　　امروز دریں عزا بگریید
فرزند رسول را بکشتند　　از بہر خدائے را بگریید
از خون جگر سرشک سازند　　بہر دل مصطفےٰ بگریید
وز معدن دل باشک چوں دُر　　بر گوہر مرتضیٰ بگریید
با نعمت عافیت بصد چشم　　بر اہل چنیں بلا بگریید
دل خستۂ ماتم حسینؑ اید　　اے خستہ دلا بگریید
در ماتم او خمش مباشید　　یا نعرہ زنید یا بگریید
تا روح کہ متصل بجسم ہست　　از تن نشود جدا بگریید
بر جور و جفائے آں جماعت　　یک دم ز سر صفا بگریید
اشک از پی چیست تا بریزند　　چشم از پے چیست تا بگریید
در گریہ بصد زبان بنالید　　در پردہ بصد نوا بگریید

وز بہر نزول غیث رحمت
چون ابر گہ دعا بگریید

(تاریخ ادبیات ایران ذبیح اللہ صفا جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ طبع ایران)

جب دسویں صدی ہجری میں بعہد سلاطین صفویہ مملکت ایران کا رسمی و سرکاری مذہب شیعہ ہو گیا اُس زمانے سے عزاداری امام حسین کو خاطر خواہ بڑی ترقی ہوئی یہاں تک کہ رسوم عزاداری میں صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ اہلسنت بھی حصہ لینے لگے، جس کا ثبوت مشہور عالم اہلسنت کمال الدین ملا حسین واعظ کاشفی نقشبندی سبزواری متوفی سنہ ۹۱۰ھ صاحب جواہر التفسیر و تفسیر حسینی کی کتاب روضۃ الشہداء ہے جس کو سنہ ۹۰۸ھ میں واعظ کاشفی نے فارسی زبان میں مجالس عزا میں پڑھنے کے لیے تالیف کیا، یہ کتاب شیعہ و سنی دونوں فرقوں میں بہت مقبول ہوئی اور دونوں فرقے عرصۂ دراز تک اپنی مجالس عزا میں برابر پڑھتے رہے، اسی وجہ سے آج تک ایران میں ذکر سید الشہداء کرنے والے کو (ذاکر) روضہ خوان، اور ذاکری کرنے کو "روضہ خوانی" کہتے ہیں، رضا زادہ شفق لکھتے ہیں

"روضۃ الشہداء اور ذکر مصائب حضرت امام حسین و یاران او ست و میتوان گفت قدیم ترین کتابیست کہ باین تفصیل مصیبت ائمہ را ذکر کردہ، مدتہا در مجالس عزا از آں کتاب نقل می کردند و گویا اصطلاح "روضہ خوانی" از نام ہمیں کتاب آمدہ باشد (تاریخ ادبیات ایران رضا زادہ شفق صفحہ ۳۳۲ طبع تہران) مجالس میں روضۃ الشہداء پڑھنے کا رواج صرف ایران ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان اور ترکی میں بھی شیعہ اور

سُنّی دونوں اپنی مجالس میں پڑھا کرتے تھے، ترکی میں عزاداری کرنے والے چونکہ فارسی سے نابلد تھے اس لیے محمد بن سلیمان بغدادی فضولی متوفی ۹۶۳ھ نے روضۃ الشہدا کا ترکی زبان میں ترجمہ کر دیا اور اس کا نام حدیقۃ السعدا رکھا، عامی قیصری نے سعادت نامہ کے نام سے ایک دوسرا ترجمہ بھی کیا یہ دونوں ترجمے ترکوں کے مجالس عزا میں برابر پڑھے جایا کرتے تھے، اسی طرح ہندوستان کے شیعہ و سُنّی عزاداروں نے روضۃ الشہدا کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں نظم و نثر دونوں میں کیا، اور اس کتاب کے اسلوب و انداز پر "دہ مجلس" لکھی گئیں، اس میں کوئی شک نہیں واعظ کاشفی کی روضۃ الشہدا سے ایران و ترکستان، افغانستان و ایران میں تذکرۂ شہدائے کربلا کا عام رواج ہوا، ایران میں تذکرۂ شہادت و روضہ خوانی، ماتم داری و سینہ زنی، نوحہ و مرثیہ خوانی، سیہ پوشی و جلوس علم برداری کے ساتھ ہی ساتھ تعزیہ، تمثیل و شبیہ و نمائش مصائب اہلبیت کی رسمیں بھی عوام میں زور پکڑ گئیں، جن کو شرعی حدود میں باقی رکھنے کے لیے علمائے دین و حکومت وقت نے اپنی توجہ کو مبذول کیا، موجودہ ایران عزاداری کو صرف رسمی اہمیت دینا نہیں چاہتا بلکہ اُس کے ذریعہ مذہبی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی و عمرانی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے، مجتہد ایرانی مرزا ابو عبد اللہ زنجانی مرحوم (سابق استاد دانشگاہ تہران و عضو انجمن علمی دمشق) اپنی کتاب "عظمت حسین بن علیؑ" میں تحریر فرماتے ہیں:—

"سیزدہ قرن از ایں حادثۂ تاریخی می گزرد خدمت ستم و جور یکہ از امویان بحسین بن علیؑ کہ داعی توحید و امام عادل و بزرگ ترین شخص روحی اسلام بود در رسیدہ چشم مسلمانان بلکہ چشم کسانے را از بشر کہ دارائے عاطفۂ انسانی ہستند گریاں و دلہا را مجروح کردہ و مسلمانان ہیچ وقت فراموش نکردہ و نخواہند کرد کہ ریحانۂ پیغمبر اکرم و سید شباب اہل الجنۃ بشمشیر گروہ بے رحم باں شکل فظیع کشتہ گشت ولیکن متفکرین و بزرگان اسلام کہ می خواہند حقائق نورانی و اصول سامیہ و قواعد نافعہ اسلام را باہل عالم و پیروان ادیان دیگر معرفی کنند باید عظمت نفس و فضائل روحی و شجاعت و شہامت ایں شہید راہ عدل و توحید را کہ روز عاشورا بروز جلوۂ آں بود معرفی کنند تا بہ آں واسطہ اہل عالم را بہ حقائق و معنویت ایں دین کہ دین علم و عقل است و چنیں نابغہ را تربیت کردہ آشنا کنند و پیروان دین اسلام و قرآن کہ حسینؑ را شہید راہ عدالت و حق و نہضت او را قوی ترین سبب حفظ معالم دین و قرآن میدانند باید بفضائل و بزرگی نفس او نگریستہ از ارشاد و ہدایت او مسترشد و مہتدی باشند نہ اینکہ از روحانیات او دور شدہ و بظرف گریہ قناعت کنند و در حالیکہ اندوہ و تاسف از ایں حادثۂ بجاں سوز داریم باید بدیدۂ بصیرت بنگریم کہ شہادت ایں امام عادل برائے زندہ کردن عقیدۂ توحید و عدل و حفظ آں بودہ است و بس" (عظمت حسین بن علیؑ چاپ دوم صفحہ ۱۰، چاپخانۂ خاقانی تبریز)

اس تاریخی المیہ کو تقریباً تیرہ سو سال گذرے، داعی توحید امام معصوم اور عالم اسلام کی بزرگ ترین شخصیت حسین بن علیؑ پر جو مصائب اور ظلم و ستم بنی امیہ کے ہاتھوں گزرے ہیں وہ کچھ ایسے اندوہناک ہیں کہ جس سے صرف مسلمانوں ہی کی آنکھوں سے آنسو نہیں جاری ہوتے بلکہ ہر وہ انسان جس کے پہلو میں درد مند دل ہے اس واقعۂ دردناک کو سُنکر با دل مجروح

گریاں ہوتا ہے مسلمان اس واقعہ کو کبھی بھولے نہیں اور نہ آیندہ کبھی بھول سکتے ہیں کہ ریحانۂ رسولؐ جوانان جنت کے سردار امام حسینؑ ظلم وستم کے ساتھ ظالموں کی تلوار سے بہت ہی دردناک طریقہ سے قتل کئے گئے، اگر مفکرین ملت و بزرگان اسلام یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے حقائق نورانی، اصول محکم اور قواعد نافعہ کو اہل عالم اور دوسرے مذاہب کے سامنے ظاہر کریں تو اُن کو چاہیے کہ اس شہید راہ عدل و توحید کی عظمت نفس، فضائل روحی، شہامت و شجاعت کو جن کا اظہار روز عاشور حضرت کی ذات قدسی سمات سے ہوا، دنیا کے سامنے پیش کریں تا کہ حضرت کی ذات مقدس کے ذریعہ سے دین اسلام، جو دراصل دین علم وعقل ہے کے حقائق معنویت کو ثابت کیا جا سکے اور بتلایا جا سکے کہ کس طرح اسلام میں تربیت پانے کی وجہ سے حسینؑ سا شہید اعظم اور انسان کامل دنیا میں جلوہ گر ہوا، پیروان دین اسلام و قرآن جو حسینؑ کو شہید راہ عدالت وحق سمجھتے ہیں اور جن کا یہ خیال ہے کہ حسینی اقدام دین و قرآن کا قوی ترین محافظ ہے انھیں چاہیے کہ فضائل و بزرگی نفس حسینؑ کو دیکھتے ہوئے حضرت سے رشد و ہدایت کو حاصل کریں نہ یہ کہ حضرت کی روحانیت سے دور رہ کر صرف گریہ اور بکا پر قناعت کریں اگر اس حادثۂ جاں سوز کا صدمہ و اندوہ ہم کو ہے تو نہ صرف آنکھوں سے اشک ہی کو جاری کریں بلکہ دیدۂ بصیرت و نگاہ سے یہ بھی دیکھیں کہ امام معصوم و شہید مظلوم کی شہادت عقیدۂ توحید عدل کو زندہ کرنے اور اُس کی حفاظت کے لیے واقع ہوئی تھی،

غرضکہ قرون وسطیٰ میں تمام ممالک اسلامیہ میں عزاداری امام حسینؑ جاری و ساری تھی یہاں تک کہ اس عہد میں سرزمین شام میں بھی عشرۂ محرم کو کافی اظہار حزن و اندوہ کیا جاتا تھا چنانچہ مولانا جلال الدین رومی متوفی سنہ ۶۷۲ھ مثنوی معنوی کی جلد ششم میں فرماتے ہیں ؎

روز عاشورا ہمہ اہل حلب ؛ باب انطاکیہ اندر تا بشب
گرد آید مرد و زن جمعے عظیم ؛ ماتم آں خانداں دارد مقیم
تا بہ شب نوحہ کنند اندر بکا ؛ شیعہ عاشورا برائے کربلا
بشمرند آں ظلمہا و امتحاں ؛ کز یزید و شمر دید آں خانداں
از غریو و نعرہا در سر گذشت ؛ پُر ہمی گردد ہمہ صحرا و دشت
یک غریبے شاعرے از رہ رسید ؛ روز عاشورا و آں افغاں شنید
شہر را بگذاشت آں سو روئے کرد ؛ قصد جستجوئے ہائے و ہوئے کرد
پرس پرساں می شد اندر افتقاد ؛ چیست ایں غم بر کہ ایں ماتم فتاد
ایں رئیس زفت باشد کو بمرد ؛ ایں چنیں مجمع نباشد کار خورد
نام او القاب او شرحم دہید ؛ کہ غریبم من شما اہل دہید
چیست نام و پیشہ و اوصاف او ؛ تا بگویم مرثیہ الطاف او
مرثیہ سازم کہ مرد شاعرم ؛ تا ازیں جا برگ و لا لنگی کنم
آں یکے گفتش کہ تو دیوانۂ ؛ تو نۂ شیعہ عدوئے خانۂ
روز عاشورا نمی دانی کہ ہست ؛ یا نمی خوانی ز قرآنی کہ ہست
پیش مومن کے بود ایں قصہ خوار ؛ قدر عشق گوش عشق گوشوار
پیش مومن ماتم آں پاک روح
شہرہ تر باشد ز صد طوفان نوح

(مثنوی مولوی معنوی مجلد سادس صفحہ ۵۷۰ و ۵۷۱ طبع بمبئی سنہ ۱۳۰۸ھ)

سات سو اٹھارہ ۷۱۸ برس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے کہ شہر حلب سے باہر عزائے حسینؑ کے لیے شیعوں کا اتنا زبردست اجتماع ہوتا رہا جس میں اس شان سے گریہ و زاری، نوحہ و ماتم کا شور بلند کیا جاتا تھا کہ ایک نو وارد شاعر متحیر ہو گیا اور اُس کی حیرت پر عزاداروں نے اُس سے یہ کہا کہ تو اہل بیت کی مصیبت کے دن روز عاشور کو نہیں جانتا، آج وہی ہولناک دن ہے کیا تو نے قرآن میں اہلبیت کی منزلت و منقبت کو نہیں پڑھا

اگر ایسا ہے تو تو اہل ایمان سے نہیں ہے دشمنان خاندان رسالت سے ہے اہل ایمان میں ماتم حسینؑ کی شہرت سیکڑوں طوفان نوح سے بھی زیادہ ہے۔

آج بھی مملکت شام میں عزائے حسینؑ اسی شان سے ہوتی ہے جس کا تذکرہ غیر ممالک کے سیاحوں کو کرنا پڑا ہے خصوصیت سے دمشق، جبل عامل، صیدا اور بیروت میں عزائے امام بہت ہی اہتمام سے کی جاتی ہے، (تفصیل کے لیے "مجلۂ العرفان" کے خصوصی نمبر ملاحظہ ہوں) یمن خصوصاً صنعا میں ائمہ زیدیہ کے محلات و دیگر اہالیان شہر و قریہ کے مساکن ایام عزا میں "عزاخانے" بن جاتے ہیں مملکت سعودی عربیہ میں باشندگان قطیف و احسار عزاداری کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں اور موت کو ترک عزاداری کے مقابلہ میں قبول کرتے ہیں یہاں تک کہ حجاز میں دوستداران اہلبیت عزاداری کرتے ہیں عاشور محرم کی اہمیت غم تو بہت بڑی ہے زمانۂ ایام حج میدان عرفات میں آٹھویں ذی الحجہ روز شہادت حضرت مسلم بن عقیل حاجیوں کے خیموں سے روضہ خوانی و گریہ وزاری کی آوازیں آج بھی اس زمانہ میں سنی جاسکتی ہیں مدینہ طیبہ میں محلہ بنی نخاولہ آج بھی "عزاخانہ" موجود ہے جہاں نخاولہ عشرۂ محرم میں مجالس عزا برپا کرتے ہیں قسطنطنیہ (استانبول ٹرکی) میں زمان سابق کی طرح محرم میں مجالس کا انعقاد ہوتا رہتا ہے اور امام مظلوم کا ماتم کیا جاتا ہے علامہ شبلی نے وہاں کی عزاداری کا ذکر اپنے "سفرنامہ بلاد اسلامیہ" میں بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا ہے، اور آج کا جدید ٹرکی بھی ذکر حسین و قیام عزا سے خالی نہیں ہے۔ بلخ و بخارا و افغانستان میں بھی عزاداری کافی انہماک کے ساتھ قدیمی زمانہ سے کی جاتی ہے، صرف کابل میں متعدد امام باڑے موجود ہیں جن میں باقاعدہ محرم میں عزاداری ہوتی ہے، آسام و برما، تبت و کشمیر کے باشندے عزاداری و ماتم کے لحاظ سے کافی شہرت رکھتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں عزائے حسینؑ کو اپنے ساتھ لیجاتے ہیں۔ جزایر شرق الہند انڈونیشیا کی سرزمین بھی عزاداری سے خالی نہیں ہر جگہ عشرہ محرم میں ذکر حسین و غم اہلبیت کے مظاہرے ملتے ہیں، چینی مسلمان جو اپنی معاشرت و تہذیب کے لحاظ سے دنیائے اسلام کے مسلمانوں سے مختلف نظر آتے ہیں وہ بھی محرم میں ذکر حسینؑ کر کے عام دنیائے اسلام و مسلمانان عالم کے ساتھ یک گونہ یکجہتی پیدا کر لیتے ہیں صرف ایشیا ہی نہیں بلکہ یورپ و امریکہ میں بھی عزائے امام مظلوم نے اپنا رسوخ حاصل کر لیا ہے اور عشرۂ محرم میں وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں عزائے حسین ہونے لگی ہے، اس سلسلہ میں لندن اور نیویارک خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

خود ہمارے اس برصغیر ہندوستان (بشمول پاکستان) میں بھی امام مظلوم کی عزاداری مدتہائے دراز سے کی جاتی ہے لیکن ایران، عرب، مصر و شام کی عزاداری سے یہاں کے رسوم عزا میں بہت کافی فرق و امتیاز ہے اُن ممالک میں عزائے حسینؑ صرف "شیعیان علی" سے مخصوص ہے لیکن ہندوستان میں کسی مذہب و فرقہ کی قید نہیں ہے، شیعوں کے دوش بدوش اہلسنت بھی عزائے امام میں کافی حصہ لیتے ہیں اور غیر مسلم برادران ہنود و پارسی بھی تعزیہ داری کرتے ہیں، "استاد عبد المنعم العدوی الحنفی المصری" اپنے صحیفۂ اخباریہ علمیہ اسبوعیہ "العرب" میں اپنے ایک مخصوص مضمون "کیف یحتفی المسلمون فی الہند بذکری مصرع سید الشہداء" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ولیشترک المسلمون کافۃ فی الہند

علی اختلاف نحلهم ولعل مذاهبهم فی الاحتفال بهذه الایام العشرة ویشترک کثیرون من الوثنیین ایضاً والفرس المجوس فی الاحتفاء بها ولا یقتصر الامر علی العامة بل ان بعضاً من مهراجات الهند واصحاب السطوة والنفوذ من کبار الوثنیین یحتفلون ایضاً بهذه الایام ——

—— ویعتقد بعض الوثنیین والفرس فی حضرة الامام ابی عبد الله الحسین اعتقاداً یفوق کل وصف فهم ینذرون له النذور ویوقدون له الشموع ویطلقون علی اسمه فی مقاصدهم الخاصة افخر انواع الطیب والبخور،
(العرب بمبئی یوم الخمیس ۹ محرم ۱۳۸۳ھ العدد ۹۰ السنة الثانیة)

عزاداری امام حسینؑ کے سلسلہ میں تمام مسلمانان ہند باوجود اختلاف مذاہب و فرق کے عشرۂ محرم میں مجالس و تعزیہ داری کر کے متحد و مشترک ہو جاتے ہیں، مسلمانوں ہی کے تمام فرقے نہیں بلکہ بت پرست ہندو اور آتش پرست مجوسی، پارسی، بھی مجالس عزا برپا کرتے ہیں ان اقوام کے صرف عوام ہی عزادار نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے ہندو مہاراجہ اور صاحبان سطوت و اقتدار تعزیہ داری کرتے ہیں۔——

ہندو اور پارسی امام حسینؑ کے بہت زیادہ معتقد ہیں ان کے عقیدت کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا یہ لوگ نذریں مانتے ہیں، عزاخانوں میں تعزیے کے سامنے شمعیں روشن کرتے ہیں اور حضرت کے نام بہترین قسم کی خوشبو اور بخور کو جلاتے ہیں۔"

اگرچہ اہلسنت میں ایک ایسا بھی طبقہ ہے جو خوش عقیدہ اہلسنت کو عزائے حسینؑ مظلوم سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے خود ساختہ فتووں کے ذریعہ اس کو کفر و بدعت قرار دیتا ہے گو کہ علمائے روحانیین اہلسنت کے نزدیک یہ فتاوے کوئی وقعت نہیں رکھتے ہیں ایسے مفتیوں کے متعلق مولانا شاہ عبد الرحمن صاحب لکھنوی مخاطب بہ مقبول النبی ارشاد فرماتے ہیں:-

روزے ارشاد گردید کہ علمائے ظواہر را عجب دین و اسلام است کہ ہر کس را میخواہند کافر می نمایند و ہر کس را میخواہند مومن، چنانچہ اگر کسے ایں لفظ بجانب عالم بگوید کہ جوتی اوتی قائل ایں قول را کافر نوشتہ اند چرا کہ عالم وارث النبی است در حق او ایں کلمہ اہانت سرزد و شمر ملعون کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم را ناحق ذبح کردہ اطلاق کفر برو کردن نمی توانند در ہمیں تذکرہ می فرمودند کہ ہرگاہے کہ شمر ملعون بر سینۂ مبارک حضرت امام علیہ السلام برائے ذبح کردن سوار بود شخصے ازاں مردود گفت کہ تو رتبہ ایں را نمی شناسی کہ ایں حرکت بخود گوارا ساختی آں مردود از عمامۂ خود کاغذ استفتا، بمہر و دستخط علمائے آں وقت پیش انداخت، مولانا صاحب می فرمودند کہ اکثر کتب قدیم ازاں علمائے مستند، حق تعالیٰ از فضل و عنایت خود مارا از ملاحظۂ آں محفوظ داشتہ است۔" (انوار الرحمان لتنویر الجنان صفحہ ۱۱۷ طبع مطبع منشی کالی پرشاد ۱۲۸۷ھ لکھنو)

ایک دن مولانا نے ارشاد فرمایا کہ علمائے ظاہر کا دین و اسلام عجیب ہے کہ جس کو چاہتے ہیں کافر بنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے مومن کہہ دیتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی عالم کی شان میں کوئی اہانت آمیز لفظ جیسے جوتی اوتی کہے تو قائل کو اس دلیل سے کافر بنا دیتے ہیں کہ اس نے عالم کی جو پیغمبر کا وارث ہے

امانت کی، لیکن اس کے خلاف شمرِ ملعون کو جو جگر گوشۂ رسولؐ اور راحت قلب بتولؑ کا قاتل ہے کافر نہیں کہتے بلکہ اس کو مومن سمجھتے ہیں اس سلسلۂ گفتگو میں مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ جب شمر بدبخت سینۂ مبارک امام حسینؑ پر ذبح کرنے کے لیے سوار ہوا تو ایک شخص نے پوچھا کہ تو فرزند رسولؐ کے رتبہ سے ناواقف ہے جو یہ ارادہ کر رہا ہے یہ سُن کر اس مردود نے اپنے عمامہ کو سر سے اتارا اور اس میں سے ایک فتوے کا کاغذ نکال کر دکھلایا جس میں دو سَو علمائے وقت نے امام مظلوم کے قتل پر فتویٰ دیا تھا ان سب علماء کی اس پر مہریں ثبت تھیں مولانا نے فرمایا کہ اکثر قدیمی کتابیں انھیں علماء کی تصانیف سے ہیں، خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے ان کتابوں کے مطالعہ سے ہم کو محفوظ رکھا ہے۔"

غرضکہ مسلمانوں کی طرح برادران ہنود بھی باوجود غیر مسلم ہونے کے نہایت خلوص اور جوش و خروش کے ساتھ امام مظلوم کی عزاداری ایک عرصہ دراز سے کرتے چلے آرہے ہیں شاہ عالم بہادر شاہ اول بن اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا مشہور تاریخی واقعہ ہے جس کو مشہور مورخ عالمگیری خافی خان نے مشہور دشمن امن لٹیرا "پاپ رائے سیندھی" کی غارت گری کے ضمن میں لکھا ہے "شب دہم ماہ محرم ۱۱۲۰ھ کہ مسلمین وہنود در اشتغال و سرانجام شہر بگشت تابوت ہا مشغول بودند باد و سہ ہزار پیادہ و چہار صد و پانصد سوار خود را بقلعہ ورنگل رسانده۔"

۱۱۲۰ھ کی دسویں محرم کی شب کو جب کہ تمام مسلمان اور ہندو تابوتوں اور تعزیوں کے گشت میں مصروف تھے اس وقت موقع پاکر پاپ رائے نے دو تین ہزار پیادوں اور چار پانچ سو سواروں کو لیکر قلعہ ورنگل پر چھاپہ مارا (منتخب اللباب خافی خان جلد دوم صفحہ ۶۳۲ طبع کلکتہ) ہندو مقررین و شعراء ذاکری کرتے اور نوحہ و مرثیہ کہتے اور پڑھتے ہیں، ماتم و گریہ وزاری کرتے ہیں صرف پست اقوام کے ہندو ہی نہیں بلکہ اونچی ذات کے ہندو، برہمن، چھتری اور بڑے بڑے راجہ مہاراجہ عزاداری کرتے ہیں بلکہ دت قوم کے برہمنوں میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو اپنے کو حسینی برہمن کہتے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس قدیمی ہندی زبان میں لکھی ہوئی "حسین پوتھی" ہے جو واقعات کربلا پر مشتمل ہے اس قوم کے لوگ ایک ہندی کبت جس کی حیثیت مرثیہ کی ہے، جس کو وہ لوگ پڑھا کرتے ہیں وہ لوگ برابر دعا کرتے ہیں کہ یہ نظم سینہ بہ سینہ ہم لوگوں میں محفوظ چلی آرہی ہے (شہادت اعظمی مؤلفہ شاہ محمد نذیر صاحب ہاشمی حنفی) گوالیار، اندور، بھرت پور، بڑودہ، دھولپور، دتیا اور بنارس کے مہاراجگان اور دیگر ہندو حکمراں عزاداری کرنے میں مشہور رہ چکے ہیں، سکھ قوم باوجود اس کے کہ اسلامی آداب و رسوم کی مخالفت کرتے ہیں وہ لوگ بھی تعزیہ داری میں انہماک رکھتے رہے ہیں، مہاراجہ شیر سنگھ کے بڑے تعزیہ کا لاہور میں رکھا جانا اور اس کا گشت کیا جانا ایک تاریخی حقیقت ہے (ملاحظہ ہو تاریخ لاہور مصنفہ خان بہادر محمد لطیف سی، آئی، ای) مشہور سیاح عبداللطیف بن ابوطالب شوستری نے بھی ہندوؤں کی اس والہانہ عقیدت و تعزیہ داری کا تذکرہ اپنی کتاب تحفۃ العالم میں جے نگر اور راجپوتوں کے سلسلۂ حالات میں کیا ہے جو پڑھنے کے قابل ہے (تحفۃ العالم صفحہ ۳۵۹ طبع حیدرآباد ۱۲۶۴ھ) مرہٹے بھی کسی ہندو قوم سے تعزیہ داری کرنے میں پیچھے نہیں ہیں وہ تعزیے کے بہت خلوص کے ساتھ معتقد

رہے ہیں، ان کی خوش اعتقادی کا آنکھوں دیکھا حال ایک انگریزی کتاب میں پڑھا جا سکتا ہے جس کا نام ہے

"مرہٹوں کے خیموں سے خطوط" مؤلفہ سر ٹامس ڈیورر براوٹن چٹھی نمبر ۷ صفحات ۶۹ تا ۷۲ مطبوعہ لندن ۱۸۱۳ء

سر والٹر لارنس اپنی کتاب

میں صفحہ ۲۹۳ پر لکھتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اگر محرم میں ان دونوں قوموں یعنی ہندو مسلمانوں میں فسادات رونما ہوں اس لیے کہ بہت سے ہندو خود عزاداری میں حصہ لیتے ہیں (اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے میرا رسالہ "ہندو قوم و عزاداری" مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ ملاحظہ ہو) اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ برصغیر ہندوستان (بشمول موجودہ پاکستان) میں تعزیہ داری کیونکر شروع ہوئی اور اس کی اہمیت کے کیا اسباب ہوئے، ممکن ہے کہ اس برصغیر میں اب بھی بہت سے ایسے مقامات ہوں جہاں نانا کو نہ جانتے ہوں لیکن نواسے کے نام سے وہاں کے رہنے والوں کے کان ضرور آشنا ہوں گے، آج بھی ہمالیہ اور ہماچل پہاڑ کے جنگلوں میں جو غیر مہذب اور وحشی قومیں آباد ہیں جن کو اسلام اور مسلمانوں سے دور دور کا کوئی واسطہ و رابطہ نہیں ہے لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بھی عاشورہ محرم کو اپنے مخصوص طور و طریقے اور فرسودہ رسم و رواج کے ساتھ امام حسینؑ کی سوگواری کرتے ہیں وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے کہ یہ رسم و رواج سالہا سال سے اُن کے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے ہیں جس کے یہ لوگ پابند ہیں۔ آخر حسینؑ کا نام اور سوگواری کی یہ رسمیں اس سرعت کے ساتھ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کیونکر پہونچیں؟ آیئے اس کو معلوم کرنے کے لیے تاریخ کے صفحات سے مدد لیں۔

ہندوستان وہ سرزمین ہے جس کے متعلق امیرالمومنین حضرت علیؑ کا یہ ارشاد ہے۔ جس کو علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں، ابن جریر، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر سے روایت کی ہے:۔

"اطیب ریحاً ارض الھند" سب سے زیادہ خوش ہوا سرزمین ہندوستان کی ہے، اسی زمین خوش ہوا کے کچھ باشندوں نے عراق میں بصرہ کے قریب اپنی ایک نوآبادی بسالی تھی یہ لوگ "جاٹ" قوم کے تھے جنھیں عرب "زط" کہتے تھے انھیں جاٹوں کی ایک جماعت نے سنہ ۱۲ھ نیز جنگ قادسیہ کے بعد اسلام کو قبول کرلیا تھا، امیر المومنین حضرت علیؑ نے اپنی عہد خلافت ظاہری و دور حکومت میں ان نومسلم جاٹوں کو کچھ خدمات سپرد فرما کر عزت بھی بخشی تھی چنانچہ جنگ جمل کے بعد بصرہ کے خزانہ کی حفاظت کے لیے حضرت نے جو محافظ دستہ مقرر فرمایا تھا وہ انھیں جاٹوں (زط) کے افراد پر مشتمل تھا (مقدمہ آئینہ حقیقت نما جلد اول صفحہ ۵۵ مصنفہ اکبر شاہ خاں مورخ نجیب آبادی) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنگ جمل کے بعد انھیں جاٹوں کا ایک گروہ جس کی تعداد ستر بتلائی جاتی ہے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور والہانہ انداز میں (معاذ اللہ) حضرت کی خدائی و ربوبیت کا اقرار کرنے لگا اور باوجود حضرتؑ کے سمجھانے اور شرعی تعزیر دینے کے یہ گروہ اپنے اس فاسد عقیدہ سے باز نہیں آیا (معرفۃ اخبار الرجال المعروف بہ رجال کشی مطبع مصطفویہ بمبئی) اس طرح خالص ہندی قوموں میں

شیعیت اور غلو دونوں کا پیچ پڑ گیا، انھیں نومسلم جاٹوں میں سے "ثابت" بھی تھے جنھوں نے یوم نوروز امیر المومنینؑ کے سامنے فالودہ پیش کیا تھا جن کے بیٹے ابو حنیفہ نعمان ہیں جو سواد اعظم اسلام فرقہ احناف کے امام مانے جاتے ہیں، اس کے علاوہ عہد حکومت امیر المومنینؑ ۳۹ھ میں حارث بن مرۃ العبدی الشیعی نے جو حضرت کے لشکر کا ایک سپاہی تھا سندھ کو فتوحات اسلامی میں داخل کیا۔ (فتوح البلدان مورخ بلاذری ذکر فتوح السندھ صفحہ ۴۳۸ طبع مصر، تاریخ ابن جریر الطبری، تاریخ کامل ابن اثیر الجزری، تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان مسیحی، چچ نامہ) ان حالات میں اطراف و ثغور ہند میں شیعیت کا رواج ہونے لگا تھا، آل شنشب جو موالیان و دوستداران اہلبیت سے تھے وہ ہندوستان کے سرحدی اور قریبی مقامات پر قابض و متصرف تھے اس خاندان کا پہلا شخص "شنشب" تھا جس نے اپنے قدیمی ہندی مذہب (غالباً بدھ مت) کو ترک کر کے دست حق پرست امیر المومنینؑ پر اسلام کو قبول کیا تھا اور حضرت نے اُس شخص کو اپنی جانب سے اُن اطراف کا حاکم بنایا تھا، چنانچہ مورخ ابو عمر منہاج الدین الجوزجانی "شنشب" کے تذکرے میں لکھتا ہے:۔

" او در عہد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بر دست علی کرم اللہ وجہہ ایمان آوردہ از وے عہدے و لوائے بستہ و ہر کہ از خاندان او بہ تخت نشستی آں عہد را کہ امیر المومنین علی نوشتہ بود بدو دادندے و او قبول کردے آں گاہ بادشاہ شدے و ایشاں از جملہ موالی علی بودند کرم اللہ وجہہ و محبت ائمہ و اہلبیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم در اعتقاد ایشاں راسخ بودے، رحمہم اللہ۔"

(طبقات ناصری الطبقۃ السابعۃ عشر السلاطین الشنشبانیہ و ملوک الغور صفحہ ۳۹ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۴ء)

شنشب امیر المومنین علیؑ کے زمانہ میں تھا اور آپ کے دست مبارک پر ایمان کو قبول کیا تھا اور ایک عہد نامہ اور علم حضرت نے اُس کو عنایت فرمایا تھا اس کے بعد تخت بادشاہت پر اُس کی اولاد میں سے وہی بیٹھتا تھا جو حضرت کے لکھے ہوئے عہد نامہ پر عمل کرنے کو قبول کرتا تھا، یہ لوگ دوستداران علیؑ میں سے تھے اور آئمہ اطہار و اہلبیت نبی مختار کی محبت اُن کے دلوں میں راسخ تھی، خدا ان سب پر رحمت نازل کرے۔

خلفائے بنی امیہ کے زمانہ میں جس وقت تمام ممالک اسلامی میں امیر المومنین و اہلبیت رسولؐ کی شان میں بے ادبی کی جاتی تھی اُس وقت یہی آرین نسل کے سلاطین غور تھے جنھوں نے اس فعل شنیع کا ارتکاب نہیں کیا تھا جیسا کہ مورخ فرشتہ لکھتا ہے:۔

" و در عہد بنی امیہ در تمام ممالک اسلام حرف بیجا بر خاندان رسالت پناہ کردہ اند الا در مملکت غور بہ ہیچ وجہ مرتکب آں نشدند بایں معنی آں مملکت را بر جمیع ممالک فخر است۔"

(تاریخ فرشتہ جلد اول مقالہ اول صفحہ ۲۷ طبع نولکشور)

بنی امیہ کے عہد میں تمام ممالک اسلام میں خاندان رسالت پر گستاخانہ الفاظ استعمال کئے جاتے تھے سوائے مملکت غور کے کسی طرح بھی اس جرم کا ارتکاب یہاں نہیں کیا گیا اس اعتبار سے اس مملکت کو تمام ممالک اسلامی پر فخر ہے۔

اکبر شاہ خان مورخ نجیب آبادی لکھتے ہیں:۔

" شنشب بن حرنیق جو علاقہ غور کا رئیس تھا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں مسلمان ہوا، اُس کی اولاد افاغنہ شنسبی کہلائی انھیں میں لودی و سوری وغیرہ پٹھان شامل ہیں محمد بن سوری مذکور اسی شنسب بن خرنک کی اولاد میں تھا، عباسیوں اور علویوں نے مل کر جب بنی امیہ کے خلاف سازشیں اور کوششیں کیں تو علاقۂ غور کا یہ شنسبی خاندان جو اس علاقہ میں حکومت و سرداری بھی رکھتا تھا ابو مسلم خراسانی کا شریک کار بن گیا، خلافت عباسیہ کے قائم ہو جانے پر اس خاندان کی عزت افزائی کی گئی اور اس کو علاقۂ غور کی سندِ حکومت خلیفہ کی طرف سے مل گئی چند ہی روز کے بعد جب علویوں نے عباسیوں کے خلاف سرگرمی شروع کی تو غور کا یہ خاندان محب اہلبیتؑ ہونے کی وجہ سے علویوں کی خفیہ سازشوں میں شریک ہو گیا جب قرامطہ نے خراسان و افغانستان میں اپنی تحریک شروع کی تو سب سے پہلے یہی خاندان قرامطہ کا ہمنوا ہوا۔" (آئینۂ حقیقت نما باب سوم صفحہ ۲۰۵)

اس محل پر اس کی طرف توجہ رہنی چاہیے کہ سُنّی مورخین و مصنفین بربنائے عصبیت شیعی تحریک و تبلیغ کو قرامطہ کی طرف منسوب کر دینے کے عادی ہیں مورخ نجیب آبادی اپنی اس عادت کی بنا پر شنسبی خاندان سے نفرت پیدا کرانے کے لیے یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ قرامطہ کے ہمنوا ہو گئے" یہ صحیح ہے کہ یہ لوگ محبت اہلبیت کی وجہ سے بنی امیہ کے استیصال کے لیے عباسیوں کے مددگار رہے اور پھر عباسیوں کے مقابلہ میں علویوں کے معین و مددگار بنے اور اسی وجہ سے فاطمیینؑ کی بھی ہمنوائی کی قرامطہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، بہرحال سلاطین آل شنسب جس میں شاہان لودی و سوری بھی شامل ہیں یہ دوستداران اہلبیت رسالت سے تھے ان لوگوں کا واقعہ کربلا سے متاثر ہونا ایک فطری بات ہے، عزائے حسینؑ کے سلسلہ میں ائمۂ اطہار کے ارشادات اور سادات بنی فاطمہؑ و اولاد علیؑ کے اعمال حزن و غم سے بے خبر نہ ہوں گے، علاوہ ازیں خلفائے فاطمیینؑ مصر کی ہمنوائی بغیر عزاداری امام مظلوم کے ہو ہی نہیں سکتی اس لیے بعہد سلاطین آل شنسب مملکت غور میں عزاداری امام مظلوم کا وجود ضروری ہے اور چونکہ سلاطین آل شنسب کا تعلق ہندوستان سے علاوہ ہمسایہ ہونے کے قدیمی ہم مذہب ہونے کے بھی رہا ہو گا اس لیے ان کے اثرات ہندوستان پر کافی پڑے ہوں گے، ان امور کے علاوہ خاندان رسالت کو ہندوستان سے ایک سببی رشتہ بھی ہو جاتا ہے وہ یہ کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی ازواج میں ایک سندھی خاتون بھی تھیں جن کے بطن سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے (کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۷ طبع مصر، زید الشہید عبد الرزاق النجفی صفحہ ۵ طبع نجف)

تاریخ ہمیں اس امر کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے کہ اولاد فاطمہؑ و علیؑ کی محبت میں سب سے پہلا جان دینے والا ہندوستانی مجاہد زیاد ہندی ہیں جو جناب زید شہید کے ہمراہ قتل ہو کر مصلوب ہوئے (مقاتل الطالبین ابو الفرج اموی صفحہ ۱۰۵ طبع نجف) اموی و عباسی عہد میں جب ارض اسلام میں سادات کشی کا عام رواج تھا مظلوم اولاد علیؑ و فاطمہؑ ہندوستان کو اپنے لیے جائے امن و امان سمجھتے تھے، چنانچہ عبد اللہ الاشتر بن محمد بن عبد اللہ بن الحسن المثنی بن امام حسن علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار جناب محمد نفس الزکیہ کی شہادت (در ۱۴۵ھ) کے بعد عیسی بن عبد اللہ بن مسعدہ شیعی کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تھے جن کا کچھ عرصہ یہاں قیام رہا، سرزمین ہند میں دریائے سندھ کے کنارے

خلیفہ عباسی منصور دوانیقی کے حکم سے اولادِ رسول کا سب سے پہلا خون جو بظلم و ستم بہایا گیا وہ عبد اللہ الاشتر ہی کا ہے جن کی مقدس لاش کو دریائے سندھ میں بہا دیا گیا، انھیں عبد اللہ کے کمسن فرزند محمد جن کی ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی تھی وہ اپنے مظلوم باپ کی شہادت کے بعد ایک محب اہلبیت ہندو راجہ کی حمایت و حفاظت میں آگئے یہ ہندو راجہ سادات کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا، جب اس محب خاندان رسالت ہندو راجہ نے یتیم سید کو اپنی سرپرستی و حفاظت میں لے لیا تو اس پاداش میں خلیفہ منصور عباسی نے والیٔ سندھ ہشام بن عمر تغلبی کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ مامور کیا کہ محافظ سادات ہندو راجہ سے یتیم سید کا مطالبہ کرے کہ ان کو وہ سادات کے دشمنوں کے سپرد کر دے اور اگر راجہ اس پر راضی نہ ہو تو اس کی راجدھانی پر حملہ کر کے اُس کو قتل کر دیا جائے راجہ کسی طرح بھی سید کو دشمنوں کے سپرد کرنے پر نہیں آمادہ ہوا بلکہ اولادِ رسول کی حفاظت میں وہ خود قتل ہو گیا اور اس کی ریاست کو عباسی حکومت میں شامل کر لیا گیا، (تاریخ الطبری جلد ۹ صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱ طبع مصر، تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۰ طبع مصر)

ظاہر ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ کی شہادت کا تذکرہ اور مصائب اہلبیت کا بیان کرنا سادات کا شعار رہا ہے کوئی وجہ نہیں کہ عبد اللہ الاشتر شہادت امام مظلوم کا تذکرہ نہ کرتے رہے ہوں اور ہندو راجہ جو سادات کا محافظ ہمدرد اور اہلبیتؑ کو دوست رکھنے والا تھا سادات سے ذکر حسینؑ سن کر متاثر نہ ہوتا ہو، منصور دوانیقی ہی کے عہد میں جب سادات کا قتل عام ہو رہا تھا قاسم بن ابراہیم بن اسمٰعیل الدیباج بن ابراہیم الغمر بن الحسن المثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام بھی اپنی جان بچا کر ملتان کے قریب مقام "خان" تک تشریف لائے (النزاع والتخاصم علامہ مقریزی صفحہ ۴۲، طبع مصر)

اسی عہد میں جعفر بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امیر المومنین علی علیہ السلام بھی بخوف جان حجاز کو چھوڑ کر ملتان تشریف لائے، جن کے ہمراہ ان کی تیرہ اولادیں بھی تھیں، سید آوارہ وطن ہو کر بے کسی کے عالم میں ملتان پہونچے لیکن یہاں شاہی نے ان کے قدم چومے اور ملتان کی بادشاہی ملی، انھیں جعفر الملک اور ان کی اولاد نے اپنے کردار نیک اور عمل صالح سے بہتوں کو شیعہ بنایا، سادات نے دیسی زبان کو نوازا اور اپنی روزمرہ کی بول چال میں داخل کر لیا (عمدۃ الطالب جمال الدین ابن مہنا داؤدی صفحہ ۳۲۳ بمبئی) ان سادات کے میل جول، یکجہتی اور لسانی تعلقات سے نہ صرف ریختہ اور اُردو زبان کی بنیاد پڑی بلکہ عزائے حسینؑ کو عمومیت حاصل ہونے لگی، اس سلسلے میں ایک خاص چیز اور بھی اپنی جانب خصوصیت سے ہم کو متوجہ کرتی ہے، وہ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے حلقۂ اصحاب میں جہاں سے فلسفۂ آل محمد اور علوم قرآن کی نشر و اشاعت کی جا رہی تھی وہاں ہم کو جہاں اور ملک و قوم کے تشنہ کامان علوم اور طالبان حق دکھلائی دیتے ہیں اُن میں چند ہندوستانی بھی موجود ملتے ہیں، فرج سندھی، خلاد سندھی بزاز، ابان بن محمد سندھی، طلحہ بن زید ابو الخزرج ہندی یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار رواۃ و اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں ہے (ابو الفہرس الطوسی) ایک ہندوستانی طبیب جو ویدانت اور فلسفہ کا بڑا ماہر تھا اور منصور کے دربار میں ہندوستان سے طلب کیا گیا تھا وہ بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے طبیعاتی مسائل پر بحث و تمحیص کے بعد آپ کے دست حق پرست

پر مسلمان ہوگیا تھا (حدیث اہلیلجہ و حدیث مفضل بحار الانوار) اسی طرح صباح بن نصر ہندی بھی قابل ذکر ہیں جو احکام و مسائل امام رضا علیہ السلام کی تبلیغ کرتے تھے یقیناً یہی لوگ ہندوستان میں شیعیت کا سبب ہوسکتے ہیں، بڑھتے بڑھتے شیعی حلقہ اثر ہندوستان میں اتنا وسیع ہوگیا کہ مورخ المقدسی کے بیان کی بنا پر ہندوستان میں شیعہ مذہب کا رسوخ تقریباً تیسری صدی کے اختتام اور چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں بہت زیادہ نمایاں ہوگیا (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم للمقدسی صفحہ ۴۸۱ مرتب ایم۔ جے ڈی گیوجی طبع یورپ ۱۹۰۶ء) بالآخر شیعی دعوت و تبلیغ کے بڑھتے ہوئے اثرات کو مٹانے کے لیے سلطان محمود غزنوی متوفی ۴۲۳ھ کو سندھ و ملتان پر فوج کشی کرنی پڑی اور محبان اہلبیت کو ملحد و قرمطی کہہ کر اُن کا خون بہایا، یقیناً اس زمانہ میں عزاداری امام حسینؑ کا وجود کسی نوعیت میں ضرور رہا ہوگا یہ ضرور ہے کہ تاریخ اس پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے قاصر ہے کہ اس وقت عزائے امام کا کیا عنوان تھا سادات اور شیعوں میں تذکرہ امام حسینؑ کا ہونا تو بہر حال ہر عہد میں اس کا وجود ضروری ہے، ہاں چھٹی صدی کی ابتدا میں اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ عشرہ محرم میں تذکرہ کیا جاتا تھا چنانچہ مورخ منہاج اپنی تاریخ طبقات ناصری صفحہ ۱۷۵ میں درذیل تذکرہ سلطان شمس الدین التمش لکھتا ہے کہ "در تمام عشرہ محرم تذکیر گفتہ آمد" اسی طرح مورخ مذکور ملوک شمسیہ کے ذیل میں جہاں ہندو خان مبارک الخازن السلطان کے حالات بیان کرتا ہے وہاں اس کا اقرار کرتا ہے کہ "در عشرہ محرم تذکیر می گفت" صفحہ ۲۴۹۔ اس چھٹی صدی ہجری میں شیعوں کا ایک تبلیغی مشن بھی پایا جاتا ہے جو ہندوستان میں شیعیت کی اشاعت کر رہا تھا (دیکھئے تاریخ طبرستان محمد بن الحسن بن اسفندیار، مولفہ ۶۱۳ھ مترجمہ ای، جی، براؤن صفحہ ۲۶۸ اے جی ڈبلو گب ایڈیشن ۱۹۰۵ء)

اسی زمانہ میں ایک شخص فاضل ملاّ محمد علی نے جن کا مزار کھمبات میں "پیر پرداز" کے نام سے مشہور ہے گجرات کے ہندو تاجروں میں شیعیت کو پھیلایا یہی جماعت بوہرہ کہلائی (ماثر الامرا، تالیف صمصام الدولہ شاہنواز خاں جلد اول بذکر قاضی القضات قاضی عبد الوہاب صفحہ ۲۴۰ طبع ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۸۶ء) ملا محمد علی نے مذہب اثنا عشری کی تبلیغ کی مرآت احمدی جو گجرات کی تاریخ ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ "مولانا محمد علی شیعی مذہب بود تمامی برہمان مذہب استقامت داشتند و اکثر بصلاح و تقوی مذہب شیعہ اثنا عشری داشتند" (مرآت احمدی صفحہ ۱۰۳ طبع کلکتہ)

ابتدا میں بواہیر اثنا عشری و اسمعیلی ہوتے تھے مخالف کوئی نہ تھا لیکن مظفر شاہ سلطان گجرات کے عہد سے سنی المذہب بھی ہونے لگے، صرف ہندو تاجروں ہی نے مذہب شیعہ نہیں اختیار کیا تھا بلکہ ایک راجپوت راجہ سدھ راؤ جے سنگھ جو گجرات کا راجہ تھا وہ بھی شیعہ ہوگیا تھا، اسی عہد میں شیعوں کی ایک جمعیت (عاضد لدین اللہ آخر خلیفہ فاطمی کے بعد) سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی کے تشدد و مظالم سے مجبور ہو کر مصر و افریقہ سے بھاگ کر یمن ہوتی ہوئی ہندوستان پہونچی ہے اور جس نے دکن میں قیام کیا ہے، ساتویں صدی ہجری کے اوائل تک ہم کو ایک ایسے قابل احترام بزرگ "بابا رتن ہندی" المتوفی ۶۱۲ھ کے وجود کا

بھی پتہ ملتا ہے جن کی صحابیت کی توثیق اکثر اکابر اہلسنت نے کی ہے (مثل مجدالدین فیروز آبادی وصلاح الدین صفدی وغیرہم) اور جو محبت اہلبیت اور فضائل گریۂ امام مظلوم کے متعلق براہ راست رسول اللہ صلعم سے حدیث روایت فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں، غرضکہ اس زمانے میں ہندوستان مذہب شیعہ کا ایک مشہور مرکز ہو چکا تھا جہاں اس فرقے کے داعی اپنا تبلیغی پروگرام انجام دیتے تھے، اسی زمانہ میں سندھ اور پنجاب میں ایک شیعہ نوآبادی ایسی قائم ہو جاتی ہے جہاں کے باشندے مصر کے خلفائے فاطمیین کو احترام و تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی بارگاہ میں ہدایا ونذور پیش کرتے اور خراج ادا کرتے تھے ان کے تعلقات براہ راست فاطمیین مصر سے عرصۂ دراز تک قائم رہے یہ لوگ بغیر خلفائے فاطمیین کی منظوری و اجازت کے کوئی کام نہیں کرتے تھے (احسن التقاسیم للمقدسی صفحہ ۴۸۵ لیڈن ایڈیشن ۱۹۰۶ء) ایسی صورت میں کوئی امر مانع نہیں معلوم ہوتا کہ اس زمانے کے سندھ اور پنجاب کے مسلمان جن کو اہلبیتؑ سے عقیدت تھی عزاداری مظلوم نہ کرتے رہے ہوں، جب کہ خلفائے فاطمیین کو قیام عزائے امام مظلوم میں خاص شغف و انہماک تھا جیسا کہ علامہ مقریزی نے تفصیل سے "الخطط" میں لکھا ہے، اس عہد میں شیعہ اپنے مذہبی عقائد و رسوم کی اشاعت میں کافی جد و جہد کر رہے تھے وہ اپنے اعمال مذہبی کو علانیہ بجالاتے تھے اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے کتابیں تصنیف کرتے تھے شیعیت کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر فیروز شاہ تغلق متوفی ۷۹۰ھ نے شیعی مذہب کے خلاف سخت گیری سے کام لیا شیعوں کو قتل کرنے ان کے اعمال و رسوم اور مذہبی لٹریچر کو فنا کرنے کی جابرانہ کوششیں کیں۔ (فتوحات فیروز شاہی) عزائے حسینؑ میں گریہ و زاری کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس عہد کے لٹریچر اور ادبیات سے بھی لگایا جا سکتا ہے، مثال کے لیے مشہور شاعر و ادیب امیر خسرو متوفی ۷۲۵ھ (زمانہ غیاث الدین بلبن و تغلق شاہ) کے اس لطیف تلمیحی و معنی خیز جملے کو پیش کیا جا سکتا ہے، امیر خسرو لکھتے ہیں:-

"گریہ قلم با واز صریر در عشرِ عاشورا و ایام مقتل حسین بود در عزا نا جہانز گریہ قلم باید نبشت۔"

امیر خسرو کا یہ تلمیحی جملہ اچھی طرح اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ بلبن و تغلق کے عہد میں عزادار عشرۂ محرم میں ذکر حسینؑ کر کے مصروف گریہ و زاری رہا کرتے تھے، اس کے ساتھ ہی ساتھ امیر خسرو کے دوسرے جملہ کی تلمیح سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی طرح اس دور میں ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا تھا جو عاشور محرم کو آنکھوں میں سرمہ لگا کر یزیدیوں کی سنت کو بھی ادا کیا کرتا تھا وہ دوسرا جملہ یہ ہے:-

"و سرمہ کشیدن میل قلم در عین این عریضہ روز عاشورا بود۔"

(اعجاز خسروی جلد اول حرف سوم صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۶ء) رہا یہ امر کہ عاشور کے دن سرمہ لگانا یزیدیوں کا شعار اور اہلبیت کے دشمنوں کی سنت ہے اس کے لیے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب ہدایۃ السعداء جلوہ سابعہ قلمی صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ و ماثبت بالسنۃ شیخ عبد الحق دہلوی و صواعق محرقہ ابن حجر مکی و خطط المقریزی دیکھی جائے تفصیل کے لیے میری کتاب اثبات عزاداری مطبوعہ امامیہ مشن لکھنؤ و میری دوسری کتاب عزاداری کی تاریخ پہلا و دوسرا ایڈیشن نظامی پریس لکھنؤ ملاحظہ ہو۔

ساتویں و آٹھویں صدی ہجری میں مشائخ کرام و اولیاء عظام اہل اسلام بھی عزاداری امام مظلوم میں مصروف رہا کرتے تھے جیسا کہ ان حضرات کے کتب ملفوظات و کتب تذکرہ اولیاء سے ظاہر ہوتا ہے شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر متوفی سنہ ۶۶۴ھ عاشور کے دن شہادت امام کا ذکر کرتے اور گریہ و زاری کرنے کے بعد ہائے ہائے کا نعرہ لگا کر بیہوش ہو جاتے تھے، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء اپنے شیخ بابا فرید کے ملفوظات "راحت القلوب" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مشائخ طبقات دریں ماہ ہمہ محنت و عذاب بر خود اختیار کردہ اند شیخ الاسلام چشم پر آب گرد و فرمود کہ میدانی نظام الدین دریں دہ روز بر خاندان حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہ واقعہ گذشتہ است و فرزندان ایشاں را چگونہ زار زار کشتہ اند و بعضے از تشنگی ہلاک شدہ اند کہ قطرہ آب آں بدبختاں بداں خاندان زادگان ندادہ اند چوں شیخ الاسلام دریں سخن رسید نعرہ بزد و زار زار بگریست و بیفتاد و بیہوش شد و چوں بہوش آمد فرمود کہ زہے کافراں قساوت و سنگدلاں و زہے بے سعادتاں بے مہر حی و قیوم می دانستند کہ ایشاں فرزندان بادشاہ دنیا و آخرت را زار زار بکشتند و ایں قدر در خاطر بد اندیشاں نگذشت کہ فردا بخواجۂ عالم صلعم چہ روئے خواہیم نمود۔"

(راحت القلوب نظام الدین اولیاء صفحہ ۴۴ مطبوعہ مطبع العلوم سنہ ۱۲۷۳ھ)

(بابا فرید گنج شکر ارشاد کرتے ہیں) اس ماہ محرم میں ہر طبقے کے مشائخ کرام غم حسینؑ کی وجہ سے اپنے کو درد و مصیبت و اندوہ محن میں مبتلا رکھتے تھے یہ کہہ کر شیخ الاسلام بابا فرید آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے اے نظام الدین جانتے ہو کہ اس مہینہ کے دس دن میں خاندان رسالت و اہلبیت اطہار پر کیا کیا مصائب گذرے ہائے فرزندان رسول کو کس طرح رولا رولا کر شہید کیا ہے ظالموں نے اہلبیت کو ایسا پیاسا مارا کہ ایک قطرہ پانی کا بھی نہ دیا یہ کہہ کر بابا فرید نے ایک نعرہ لگایا اور ہائے ہائے کر کے زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے وائے ہو ان سنگدل اور بدبخت کافروں پر خدائے پاک دیکھ رہا تھا کہ یہ ظالم بادشاہ دنیا و آخرت کے فرزندوں کو رولا رولا کر قتل کر رہے ہیں ان بدبختوں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ کل قیامت کے دن رسول اللہؐ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

مخدوم شیخ علاء الحق پنڈوی متوفی سنہ ۸۰۰ھ بھی دس دن محرم میں برابر گریہ و زاری میں مصروف رہا کرتے تھے اور مراسم عزا بجا لاتے تھے، قدوۃ الکبریٰ سلطان جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں:-

"حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ حضرت پیرم روز عاشورا از دہ روز تا انتہائے عاشورہ در گریہ و زاری میگزرانیدند و می فرمودند، کہ طرفہ دلے باشد کہ بر ماتم خاندان رسولؐ و جگر گوشگان بتولؑ نگرید و عزاداری ندارد سبحان اللہ چہ نیاز است، شعر

کسے کو در چنیں ماتم نہ گرید
دل آں کس مگر از سنگ باشد

(لطائف اشرفی جلد دوم صفحہ ۲۷۰)

ہمارے پیر علاء الحق پنڈوی پہلی محرم سے عاشور محرم تک دس دن برابر گریہ زاری و ماتم داری میں مصروف رہتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ وہ کونسا دل ہوگا جو خاندان رسول و جگر گوشگان بتول کا ماتم کر کے گریہ و زاری و عزاداری نہ کرے، سبحان اللہ کیا ناز و نیاز ہے، (ترجمہ شعر):-

جو شخص اس ماتم میں نہ گریہ کرے اس کا دل پتھر کا ہے۔

سید محمد بندہ نواز گیسو دراز دکنی بھی محرم میں گریہ وزاری میں مصروف رہتے تھے جیسا کہ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے (غم حسین ع شاہ حسن میاں پھلواروی)

یہ بزرگان دین محرم کے دن سادات کرام سے تعزیت و ماتم پرسی کرتے تھے چنانچہ مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ آپ کے ملفوظات مخ المعانی میں ہے:-

"روز عاشورہ سعادت زمین بوس حاصل شد خلق کثیر بیشتر حاضر بودند جماعتے از سادات نیز بہ بندگی موجود بودند حضرت مخدوم عظمہ اللہ روئے مبارک براں سیداں آورد و فرمود امروز تعزیت خاندان شمار است ما ہمہ طفیل شمائیم بعد ازاں فرمود سبحان اللہ تعزیت خاندان شما بہمہ را واجب است آنگاہ گفت کہ ہمچنیں گویند دراں روز کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ شہادت خواہند یافت شب آں بزرگے فاطمہ رضی اللہ عنہا را در خواب دید کہ با جملۂ زنان انبیاء دامن مبارک خود در کمر بستہ در دشت کربلا آمدہ است در جہاں جا کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ خواہند افتاد جاروب می دہند پاک می کنند پرسید کہ خاتون روز قیامت ایں چہ مقام است گفت حسین عزیز ما سر ایں جا خواہد نہاد آں گاہ گفت کہ نقل است کہ حضرت رسالت مآب صلعم چوں ایں قصہ از جبرئیل شنید پرسید کہ چوں میاں ما کسے نباشد تعزیت ایشاں کہ دارد گفت یا رسول اللہ امتیان تو برائے فرزندان تو تعزیتہا کنند و ماتم دارند کہ صفت آں نتواں کرد۔"

(منقول از غم حسین شاہ حسن میاں پھلواروی صفحہ ۶۸ طبع مطبع تیغ بہادر ۱۳۲۲ھ)

"روز عاشورہ آیا اس روز شہر کی تمام خلقت موجود تھی سادات کا ایک گروہ بھی موجود تھا حضرت مخدوم نے اس وقت سادات کو مخاطب کر کے فرمایا آج کے دن آپ کے خاندان کی تعزیت (مسلمانوں کو) کرنی چاہیئے ہم سب آپ ہی کے طفیل سے ہیں، پھر فرمایا کہ سبحان اللہ آپ کے خاندان کو پرسہ دینا اور تعزیت کرنا سب پر واجب ہے، پھر فرمایا جس روز امام حسین ع شہید ہونے والے تھے ایک بزرگ نے جناب فاطمہ کو خواب میں دیکھا کہ تمام زنان انبیاء کے ساتھ جو دامن مبارک کو کمر سے باندھے ہوئے ہیں زمین کربلا پر اس جگہ جہاں امام حسین کی شہادت گاہ ہے جاروب کشی کر رہی ہیں ان بزرگ نے دریافت کیا کہ خاتون محشر یہ کونسی جگہ ہے فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں میرا فرزند ذبح کیا جائے گا، اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ص نے جبرئیل سے خبر شہادت کو سنا تو جبرئیل سے دریافت کیا کہ جب ہم اہلبیت میں سے کوئی نہ ہوگا تو تعزیت و سوگواری کون کرے گا جبرئیل نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ آپ کی امت عزاداری کرے گی اور ایسا ماتم برپا کرے گی جس کو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔"

اور خود قدوۃ الکبریٰ سلطان جہانگیر اشرف سمنانی متوفی سنہ ۷۹۸ھ کی یہ حالت ہوتی تھی کہ محرم کا چاند دیکھ کر بے قرار ہو کر گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے تھے اور رسم عاشورئی برپا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے اور ذکر شہادت کو ثواب فرماتے تھے جیسا کہ:-

"حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند اگر ذکر مقتل ایشاں کہ موجب درد صاحبدلاں و سبب طرد سرور مقبلاں گردد خالی از ثواب نیست۔"

(لطائف اشرفی جلد دوم صفحہ ۲۳۸)

قدوۃ الکبریٰ کا ارشاد ہے ذکر شہادت جو صاحبان

دل کو درد و غم میں مبتلا کرتا ہے اور عیش و آرام میں بسر کرنے والوں کے قلب سے خوشی و مسرت کو دور کر دیتا ہے خالی از ثواب نہیں ہے۔"

اس عہد میں علم برداری اور گشت کرنے کا بھی رواج تھا، اور زنبیل اٹھاتے تھے،

حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ اکابران روزگار و اماثران دیار بتخصیص سادات صحیح النسب و نقبار عالی حسب در عشرہ عاشور دور می کردند و زنبیل می گردانیدن ہمچناں کہ مذکور شد و در ولایت سبزوار سید علی قلندر کہ مقدمۂ اصحاب صوفیہ و عمدہ ارباب طائفہ علیہ بود در عشرۂ عاشورہ در پائے علم می نشست و اصحاب خود را بدور می فرستاد و احیاناً خود ہم بدور می آمد رسم عزا بر پا می داشت چنانکہ لباس رعونت درین عشرہ نمی پوشیدند و اسباب عیش و شادی ترک می کردند، جامع مقامات شریفہ و مقالات لطیفہ مدت سی سال در سفر و حضر ہمراہ بود حضرت قدوۃ الکبریٰ رسم عاشوری ترک نہ کردہ اند گاہے خود را در پائے علم می نشست و احیاناً سید علی قلندر کہ از خلص اصحاب و مخلص احباب بود و یرا امر می کردند کہ در پائے علم می نشست در دو سہ روز اخیرہ از عشرہ بہ پرہیز از زینت می کردند اصحاب ہم موافقت می نمودند اتفاقاً یک عاشورہ در بلدۂ جونپور مسجد عالی واقع شد بقانون معہودۂ خویش رسم عاشوری بنیاد کردند، در عشرہ عاشور چنانکہ ادب ایشاں بود بسر بردند۔

(لطائف اشرفی جلد دوم صفحہ ۳۶۸ مطبوعہ نصرت المطابع دہلی سنہ ۱۲۹۸ھ)

قدوۃ الکبریٰ جہانگیر اشرف سمنانی فرمایا کرتے تھے کہ تمام بزرگان کرام اور سادات صحیح النسب اور نقبار عظام عشرہ محرم کو گشت کیا کرتے تھے اور زنبیل اٹھاتے تھے جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے۔ اور سبزوار میں سید علی قلندر جو صوفیائے کرام کے پیشوا اور سرخیل تھے اُن کا یہ طریقہ تھا کہ عاشورہ کے دن علم مبارک نصب کر کے اُس کے نیچے بیٹھتے تھے اور اپنے اصحاب و مریدوں کو (علم کے) گشت میں بھیجا کرتے تھے اور کبھی خود بھی گشت میں شریک ہوا کرتے تھے اور عزاداری کی رسموں کو بجا لاتے تھے، ترک زینت کرتے تمام عشرہ اچھے اور عمدہ لباس کو نہیں پہنتے تھے اور راحت و خوشی کے ساز و سامان کو ترک کر دیا کرتے تھے، جامع ملفوظات اشرفی کہتا ہے کہ میں تیس سال تک برابر حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ہمراہ سفر و حضر میں رہا ہوں میں نے اس مدت میں یہ دیکھا کہ حضرت نے کبھی بھی رسم عاشوری و عزاداری کو ترک نہیں کیا، علم مبارک نصب کر کے اُس کے نیچے بیٹھتے تھے اور کبھی سید علی قلندر کو جو خاص اصحاب و احباب میں سے تھے اُن کو علم شریف کے نیچے بیٹھنے کا حکم دیتے تھے ساتویں محرم سے زینت و لذات سے پرہیز کرتے تھے اور آپ کے اصحاب و مریدین بھی رسوم عزاداری بجا لانے میں آپ کی موافقت کرتے تھے، اتفاق سے ایک سال عشرۂ محرم شہر جونپور کی بڑی مسجد میں پڑا قدوۃ الکبریٰ نے اسی مسجد میں حسب معمول تمام مراسم عزاداری کو ادا فرمایا۔

غرضکہ ساتویں و آٹھویں صدی میں مشائخ صوفیا، اہلسنت بھی شیعوں کے دوش بدوش نہ صرف عزاداری امام مظلوم میں رہا کرتے تھے بلکہ اپنے حلقۂ اثر میں اس کی اشاعت و تبلیغ کی طرف بھی متوجہ رہتے تھے، نویں و دسویں صدی ہجری ہندوستان میں شیعیت کی اشاعت و تبلیغ کے لیے بہت زیادہ سازگار ہوئی،

۹۲۰ھ میں عراق سے شمس الدین عراقی کشمیر آئے اور یہاں
مذہب شیعہ کی تبلیغ کی ان کی کوشش سے علاوہ اہلسنت
کے ۲۴ ہزار ہندوؤں نے شیعہ مذہب کو قبول کیا،
(الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند عبدالحی الندوی صفحہ ۲۱۷،
۲۱۸ مطبوعہ دمشق ۱۹۵۸ء) ملتان میں جہاں پر محمود غزنوی
نے شیعیت کا استیصال کیا تھا میر شہداد نے بعہد
سلطان محمود بن فیروز خاں ۹۰۳ھ سے ۹۳۱ھ کی
مدت میں از سر نو پھر مذہب شیعہ کو پھیلایا (مرآۃ العالم
بختاور خاں حصہ چہارم صفحہ ۸۲ مخطوطہ نمبر ۶۲ فارسیہ اخبار
مسلم یونیورسٹی کلکشن علی گڑھ) اس کے بعد سید راجو
بن سید حامد بخاری نے کھل کر مذہب شیعہ کی تبلیغ شروع
کر دی، اسی دسویں صدی میں جب ایران میں شاہ
اسمٰعیل صفوی نے شیعہ مذہب کو عام رواج دیا اور اس
مذہب کو حکومت ایران کا رسمی مذہب قرار دے دیا
تو اس خبر کو سن کر دکن کی شیعہ سلطنتوں نے بھی علانیہ
شیعہ مذہب اور اس کے شعائر کو فروغ دینے کی طرف
توجہ کی چنانچہ یوسف عادل شاہ بادشاہ بیجاپور دکن
نے شیعہ مذہب کی عام ترویج اور اس مذہب کے شعائر
و مراسم کو پھیلانے میں کافی جد و جہد کی ہندوستان
میں اسی بادشاہ کے زمانہ میں جمادی الاول ۹۰۸ھ میں
سب سے پہلے شیعوں کے طریقہ پر علانیہ نماز جمعہ و
جماعت ادا کی گئی خطبہ میں آئمہ اثنا عشر علیہم السلام
کے اسامی متبرکہ لیے جانے لگے اور اذان میں "اشہد
ان علیاً ولی اللہ" برملا کہا جانے لگا (بساتین السلاطین
تاریخ بیجاپور مرزا ابراہیم زبیری بستان اول صفحہ ۱۰۵
مطبوعہ حیدرآباد طبع اول، تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۱)
اسی طرح علی عادل شاہ نے بھی اپنے زمانہ حکومت میں
مذہب شیعہ اور اس کے شعائر کی اشاعت و ترویج میں
سرگرمی سے حصہ لیا (بستان چہارم صفحہ ،،) ۹۱۸ھ
میں سلطان قلی قطب شاہ جو گولکنڈہ تلنگانہ دکن کا بادشاہ
تھا اس نے بھی مذہب شیعہ کی اشاعت میں شہرت حاصل
کی (تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ و حدیقۃ السلاطین)
۹۴۴ھ میں احمد نگر دکن کا بادشاہ برہان نظام شاہ نے
بھی مع تین ہزار سنیوں کے مذہب شیعہ کو قبول کر کے
شیعیت کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوا (تاریخ فرشتہ
جلد ۲ صفحات ۱۰۹ تا ۱۱۳ و حدیقۃ السلاطین) متذکرہ
شیعہ سلاطین دکن کے عہد میں عزاداری کی بڑی ترقی
ہوئی مجالس و ماتم، علم برداری و جلوس عزا، مرثیہ و
نوحہ خوانی کا عام رواج ہوا، عاشور خانے تعمیر کرائے
گئے، متذکرہ عادل شاہی فرمانروا صرف عشرۂ محرم
میں ۵۵ ہزار ہن عزاداری میں خرچ کرتے تھے (بستان پنجم
از بساتین السلاطین صفحہ ۳۵۳) قطب شاہی دور کے
اخراجات عزاداری اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں
جس کو حدیقۃ السلاطین میں پڑھا جا سکتا ہے اس عہد
میں تبرک، شربت، کنڈوری اور قسم قسم کے کھانے
مجالس میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ چھٹی محرم سے علم برآمد
ہوتے پانی و شربت کی سبیلیں لگائی جاتیں، ایام عزا
میں لباس غم پہنا جاتا تمام ممالک محروسہ میں حکم نافذ ہو جاتا
کہ کہیں کوس، نقارہ، طبل یا دمامہ نہ بجے اور گانے بجانے
والے بھی اپنے آلات موسیقی کو غلافوں میں رکھ دیتے،
مسکرات (شراب اور سیندھی) کی دکانیں بند ہو جاتیں
باورچی خانوں میں گوشت کی آمد بند ہو جاتی نہ قصاب
گوشت بیچتے اور نہ تنبولی پان اسی طرح شہر کے حماموں
میں حجام اپنا کام بند کر دیتے، محمد قلی قطب شاہ نے
سب سے پہلے دکنی زبان (اردو) میں مرثیے کہے جس کے
مرثیے اب بھی محفوظ پائے جاتے ہیں، ان سلاطین
کے عہد میں نہ صرف شیعہ بلکہ اہلسنت اور ہندوؤں نے
بھی عملاً عزاداری کو فروغ دینے میں کافی حصہ لیا

یہاں تک کہ شمالی ہند کے مشائخ صوفیاء بھی عزائے حسین میں اپنے سابقین مشائخ کی طرح مصروف عزاداری رہا کرتے تھے، شیخ احمد شیبانی متوفی ۹۲۶ھ اور اُن کے پیر خواجہ حسین ناگوری کی مصروفیت عزا کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ "اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" میں بذکر احمد شیبانی تحریر فرماتے ہیں:-

"وے بغایت محبت خاندان نبوت علیہ التحیۃ موصوف بود بر طریقہ پیر خود، گویند کہ در عشرہ عاشورہ و دوازدہ روز اول ربیع الاول جامۂ نو و جامۂ شستہ نپوشیدے و در لیالی ایں ایام جز بر خاک نخفتے و در مقابر سادات معتکف شدے و ہر روز بقدر امکان بر روح حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و ازواج خاندان مطہر توسیع طعام می کرد و چوں روز عاشورہ شدے کوزہائے نو از شربت پُر کردے و بر سر خود نہادے و بدر خانۂ سادات رفتے و یتیمان و فقیران ایشاں را بخورانیدے و دراں ایام چنداں گریستے کہ گویا آں واقعہ در حضور او شدہ است و چوں آواز نالہ و فریاد نساء و دختران کہ در ایام عاشورہ متعارف ایں دیار است بگوش او رسیدے حالت کردے و خون از چشم باریدے۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۷۶، طبع مطبع احمدی دہلی ۱۲۸۳ھ)

"خواجہ احمد شیبانی کو خاندان نبوت سے انتہائی محبت تھی اور مثل اپنے پیر خواجہ حسین ناگوری کے عشرۂ محرم کے دس دن اور ربیع الاول کے بارہ دن تک نئے اور دُھلے ہوئے کپڑے نہیں پہنتے تھے اور اس زمانہ میں رات کو زمین پر سوتے تھے اور مقابر سادات میں معتکف رہا کرتے تھے اور اس زمانہ میں ہر روز روح حضرت رسالت پناہ صلعم اور ازواج اہلبیتؑ کے نام پر کھانے کا لنگر جاری رکھتے تھے اور عاشورہ کے دن نئے کوزوں میں شربت بھر کے اپنے سر پر رکھ کر سادات کے گھر پر لیجاتے تھے، اور غریب و یتیم سیدوں کو کھانا کھلاتے تھے محرم کے دس دن اس طرح رویا کرتے تھے کہ گویا واقعہ کربلا آنکھوں کے سامنے گذرا ہے، اور جیسا کہ ان اطراف (یعنی اطراف دہلی و اجمیر و نارنول) میں یہ دستور ہے کہ محرم کے دس دن عورتیں اور لڑکیاں امام حسینؑ پر گریہ وزاری نوحہ و ماتم کرتی رہتی ہیں، ان کی آواز گریہ و نالہ و فریاد کو جب یہ بزرگوار سنتے تو بے حال ہو جاتے اور خون کے آنسو روتے۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی متذکرہ عبارت سے دو اہم و واضح طریقے ہم پر روشن ہو جاتے ہیں پہلے یہ کہ دسویں صدی میں مشائخ صوفیاء اہلسنت عشرۂ محرم میں کیونکر عزائے حسینؑ بجا لاتے تھے دوسرے یہ کہ اس صدی میں محرم کے دس دن عورتیں اور لڑکیاں بھی عزاداری و سوگواری میں مصروف رہ کر نالہ و فریاد کی آوازیں بلند کرتی تھیں، جس کا رواج آج بھی ہے۔ ان صدیوں میں ہندوستان کی عزاداری کے سلسلہ میں متذکرہ تاریخی حقائق کو بیان کرنے کے باوجود "تعزیہ" (جس کی ہندوستان میں مراسم عزاداری کے سلسلہ میں بہت بڑی اہمیت ہے) کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے حالانکہ اس زمانہ کے عزادار شیعہ ہوں یا سُنّی سرگرمی کے ساتھ اور دوسرے مراسم عزا بجا لاتے تھے، اور اواخر آٹھویں صدی اور اوائل نویں صدی کے درمیان میں ایک مشہور عالم اہلسنت ملک العلماء قاضی شہاب الدین بن عمر الزاولی

دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ نے عزائے امام کی نشرو اشاعت میں کافی حصہ لیا ہے موصوف نے اپنی کتاب ہدایتہ السعدا میں محرم کے مراسم عزا کا کافی ذکر کیا ہے جو اس زمانہ میں ہندوستان میں رائج تھے مصنف نے اس کتاب میں بضمن عزاداری چند ایسے مشہور سُنی مصنفین کی تصانیف سے حوالہ بھی دیا ہے جو ان سے پہلے ہندوستان میں گذر چکے تھے مگر اس کتاب میں کوئی ذکر تعزیہ کا نہیں ملتا ہے دراصل اس کتاب کا یہ مبحث بھی نہ تھا اس لیے کہ یہ ایک اخلاقی کتاب ہے اس میں تعزیئے کے بارے میں ذکر نہ ہونا تعجب خیز بات نہیں ہے، یہ بدنصیبی ہے کہ ہمارے سامنے ایسی کتابیں بہت کم ہیں (جن کو نہ ہونے کے برابر سمجھنا چاہیئے) جن میں مذہبی زندگی اور رسوم کے متعلق کچھ تذکرہ کیا گیا ہو، عموماً اس کی امید تووارد سیاحوں سے کی جا سکتی ہے جو غیر ممالک سے آکر ان رسوم کو غور سے دیکھتے ہیں جن کا وجود ان کے وطن میں نہیں ہوتا ہے اور اس کا تذکرہ اپنے سفرنامے میں خصوصیت سے کرتے ہیں، ہاں اسی بنا پر ہم کو ابن بطوطہ سے بہت کچھ امید تھی لیکن یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ ابن بطوطہ کا شائع شدہ سفرنامہ ہمارے اس مقصد کے لیے مفید نہیں ثابت ہو رہا ہے اس لیے کہ ابن بطوطہ کا خود نوشتہ مکمل سفرنامہ ہم تک نہیں پہونچ سکا موجودہ سفرنامہ جو ہمارے سامنے ہے اس کے خود نوشتہ سفرنامے کا خلاصہ ہے جس کو سیاح کے شاگرد "ابن جزی الکلبی" نے اس طریقے سے مدوّن کیا ہے کہ صرف وہی باتیں باقی رکھیں جو اس زمانہ کے لحاظ سے خاص دلچسپی کا سبب تھیں، ابن بطوطہ کے سفرنامہ کا دوسرا اختصار "ابن فتح اللہ البیلونی" کا ہے یہ اختصار طبع نہیں ہوا ہے اور نہ شائع ہے اس کا ایک قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے، ابن بطوطہ سے مایوس ہونے کے بعد یورپ کے سیاحوں پر نظر پڑتی ہے لیکن ان لوگوں نے بھی کوئی کارنامہ ایسا نہیں چھوڑا جو ہماری کچھ رہبری کر سکے "مارکوپولو کے سفرنامے" MARCO POLO'S TRAVELS

کے نہایت مختصر اور بے سود حالات پائے جاتے ہیں جن کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیاح خود ہندوستان اور وہاں کے رسوم کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتا ہے، زیادہ افسوس اُن یورپ کے سیاحوں پر ہے جو مغل شہنشاہوں کے زمانہ میں ہندوستان آئے ہیں اور وہ بھی رسوم ہند کے بارے میں کچھ نہ لکھ سکے، برمیر، ٹروورنیر، منوکوی وغیرہ (BERMIER TROVERNIER MANUCOI) تعزیئے کے بارے میں بالکل خاموش ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں عزاداری ہوتی ہے لیکن تعزیہ داری کا رواج صرف برصغیر ہندوستان میں ہے، اب یہ سوال کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں تعزیہ داری کب سے رائج ہوئی اور کس نے رائج کی ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں عزاداری سید الشہداؑ کسی نہ کسی نوعیت سے ضرور ہوتی ہے لیکن تعزیہ داری کا رواج صرف برصغیر ہندوستان میں ہے اس لیے یہ سوال ہوتا ہے کہ تعزیہ داری کا رواج کب سے ہے اور تعزیہ کا مخترع اور موجد کون ہے ؟

یہ حقیقت ہے کہ عموماً ہندوستان کی کتب تاریخ میں دسویں صدی ہجری تک کے حالات میں تربت، تابوت، علم کا ذکر ملتا ہے "تعزیہ" کا کوئی

تذکرہ نہیں پایا جاتا یہاں تک کہ اس عہد کے نو وارد سیاحوں نے بھی جو ہندوستان میں آئے انھوں نے بھی اپنے سیاحت ناموں میں تعزیہ کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، البتہ تعزیہ کا تذکرہ اُن مورخین نے کیا ہے جنھوں نے عادل شاہی و قطب شاہی سلاطین دکن کے حالات لکھے ہیں، بساتین السلاطین کے بستان ہفتم میں سلطان علی عادل شاہ ثانی جو ۱۰۶۷ھ میں تخت نشین ہوا اس زمانے کے حالات بیان کئے ہیں، اسی کے عہد میں بیجاپور کا مشہور مرثیہ گو شاعر "مرزاں" کا انتقال شب عاشور ہوتا ہے روز عاشور شاعر کا جنازہ تعزیوں کے عقب میں اٹھایا جاتا ہے مورخ لکھتا ہے:—

"از علامت مقبولیت مرزاں یکے آنست کہ موتش در شب شہادت بشہادت حاصل شد مرزاں تمام شب در مرثیہ گذرانیدہ سحرگاہ برائے طہارت در آمدہ بمتوضا رفت عدوے ظالم ستمگر کہ بنا حق بہ عداوتش برخواستہ فرصت محاجت قابو یافتہ زراں حال بہ خنجر جانگیر اورا شہید ساخت و بامداد ان کہ بر رسم و معتاً اہل دکن علمہا و تعزیہ ہا از مکانہا بیرون اوردہ بر چشمہ آب میرسانند، علی عادل در تمامی شہر حکم داد کہ ہمگی تعزیہ ہا و علمہائے تمامی شہر از دروازہ ابراہیم پور کہ فتح دروازہ نام دارد برند بر طبق فرمان بادشاہی مردم شہر جوق جوق با علم و تعزیہ ہا ازاں دروازہ گزشتند۔ پست تر از ہمہ تعزیہ ہا جنازہ میرزاں را از عقب تعزیہ ہا بر آوردند و شاگردانش پیش پیش جنازہ مرثیہ گویاں می رفتند"

(بساتین السلاطین بستان ہفتم صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴)

میرزاں دکنی شاعر مرثیہ گو کی مقبولیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کی موت شب عاشور شہادت سے ہوئی، تمام رات میرزان نے مرثیہ گوئی میں گذاری صبح ہوتے رفع حاجت کے لیے گئے ایک دشمن ظالم نے موقع پاکر انھیں خنجر سے شہید کر دیا، صبح عاشور کو اپنے رسم کے مطابق اہل دکن علموں اور تعزیوں کو گھروں اور عزاخانوں سے اٹھا کر دریا پر لیجاتے ہیں اس موقع پر علی عادل بادشاہ نے یہ حکم صادر کیا کہ تمام شہر کے سب تعزیئے اور سب علم فتح دروازہ کی طرف سے دریا پر جائیں، اس حکم شاہی کی بنا پر جوق جوق تمام لوگ علموں اور تعزیوں کو لیکر اس دروازے سے گذرنے لگے سب تعزیوں کے گذر جانے کے بعد میرزاں کا جنازہ تعزیوں کے پیچھے پیچھے نکلا جنازہ کے ساتھ میرزاں کے شاگرد مرثیہ پڑھتے ہوئے جارہے تھے۔"

اسی طرح حدیقۃ السلاطین میں بضمن ذکر عبد اللہ قطب شاہ جو ۱۰۳۵ھ میں مسند نشین ہوا تعزیئے کا تذکرہ ملتا ہے، ہندوستان میں ہر خاص و عام کی زبان پر یہ ہے کہ تعزیہ کی ابتدا صاحب قران امیر تیمور سے ہوئی، شاہزادہ میرزا محمد رئیس بخت زہیر الدین گورگانی حفید ابو ظفر محمد بہادر شاہ ثانی نے اپنی تاریخ موج سلطانی (صفحہ ۱۳۹ طبع نولکشور) میں اس کا اقرار کیا ہے کہ ضریح و تعزیہ کی ابتدا امیر تیمور صاحبقران سے ہوئی اس بیان کی تائید نجم الغنی مورخ رامپوری کے اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جس کو موصوف نے اپنی تاریخ حیدرآباد حصہ دوم کے بصفحہ ۶۱۲ زیر عنوان "محرم کی تعزیہ داری میں بعض امور کی اصلاح" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ" ظفر نامہ سے جو امیر تیمور کی تاریخ ہے

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر تیمور کو آل عبا کے بعض تبرکات حاصل ہونے کے بعد محرم میں اُن کا ادب و احترام سے نکالنے کا دستور اُن کے عہد میں قائم ہو چکا تھا اور اسی سے مغلیہ شہنشاہی خاندان میں تعزیہ داری کی بنیاد پڑی تھی: شاہزادہ مرزا محمد اختر گورگانی "حیات تیمور" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"(دمشق و شام میں) صاحبقران کو فتح و نصرت حاصل ہوئی قتل عام کا حکم دیا اور بعوض خون جناب امام حسین علیہ السلام کے اہل شہر (دمشق) کو قتل کیا تمام شہر جلا کر خاک و سیاہ کر دیا غرۂ شعبان المعظم ۸۰۳ھ کو مسماری شہر کا حکم نافذ کیا صرف جامع مسجد بنی امیہ کا وہ مینار چھوڑ دیا گیا جس پر حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا یعنی جب شہر کو جلایا ہے تو یہ مسجد بھی جل گئی تھی ادباً یہ مینار بچا لیا گیا بعد اس فتح کے برائے حصول زیارت مزار پُر انوار جناب امیر المومنین امام حسین رضی اللہ عنہ کربلائے معلیٰ میں حاضر ہوئے اور حسب بشارت جناب امام حسین علیہ السلام وہاں سے بہت سے تبرکات ملے جو تا غدر ۱۸۵۷ء دہلی کے قلعہ اور جامع مسجد میں موجود تھے ان میں سے کچھ جامع مسجد دہلی میں اب بھی باقی اور زیارت گاہ خلائق ہیں (حیات تیمور مصنفہ شاہزادہ مرزا محمد اختر گورگانی صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ مطبع صدیقی ۱۸۹۹ء) اس سلسلہ میں حکیم ابوعلیخان دہلوی اپنی کتاب کشف الرین میں "تاریخ کیفیت شاہان ہند" کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں:۔

"امیر تیمور صاحب قران در عمر بست و پنج سالگی بود کہ از درویشی بکوکب بلندی طالع و ارجمندی بخت دیا وری اقبال در سنۂ ہفتصد و ہفتاد و سہ ہجری بعد فوت نیر یہ خود کہ شیریں خاں نام داوالی ولایت توران بود در خطۂ دلکشائے بلخ بر سریر فرمانروائی جلوس فرمود و سکہ و خطبہ بنام خود کرد و سمرقند را دارالسلطنت قرار داد و دراں زماں بکوفہ رسید کوفہ را قتل نمودہ در کربلائے معلےٰ بروضہ حضرت امام حسین علیہ السلام باریاب گردید ارشاد شد و از ہاتف غیب ندا بر آمد کہ بر تربت حضرت حر علیہ الرحمہ رفتہ تبرک بگیر وآنچہ ارشاد شود بجا آر حسب الامر عالی بر تربت آنحضرت رسیدہ و نشان و یک رومال عنایت شد و حکم فرمودند کہ در ہندوستان بروز از غرۂ محرم ایں ہر دو نشان را ایستادہ کردہ بتاریخ دہم محرم سال بہ سال فاتحہ کردہ باشی فتح ہندوستان بتو بخشیدہ شد، از انجا مرخص گردیدہ در ہندوستان آمدہ و سکہ و خطبہ بنام خود جاری کرد و بر تخت دہلی نشست ازاں روز رواج تعزیہ مشہور است۔"

"امیر تیمور صاحب قران ابھی ۲۵ سال کا تھا کہ اُس کی بلندی قسمت کا ستارہ چمکا اور اُس کے بخت و اقبال نے اس کی مدد کی ۷۷۳ھ میں شیریں خاں والی ولایت توران کے فوت کے بعد تخت سلطنت بلخ پر جلوہ آرا ہوا اور اپنے نام کے سکہ و خطبہ کو جاری کر کے سمرقند کو اپنا پایہ تخت بنایا اُسی زمانہ میں کوفہ گیا اور وہاں کے لوگوں کو قتل کیا اس کے بعد کربلا معلیٰ میں روضۂ امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوا وہاں اس کو بشارت ہوئی کہ حضرت حر کے مرقد پر جا کر وہاں سے تبرک لو اور جو کچھ تمھیں حکم ہو اس پر عمل کرو یہ حکم پا کر امیر تیمور حضرت حر کے روضہ پر گیا وہاں اس کو ایک رومال اور علم عنایت کیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ اب تم ہندوستان جاؤ اور یکم محرم سے ان دونوں تبرکات کو ایستادہ کرو اور دسویں محرم کو ہر سال برابر شہدائے کربلا کا فاتحہ کرتے رہنا اور ہندوستان کی فتح ہم نے تم کو بخشی، وہاں سے رخصت ہو کر امیر تیمور ہندوستان آیا

اور وہاں سکہ وخطبہ اپنے نام کا جاری کیا اور دہلی کے تخت پر بیٹھا، اُس دن سے تعزیہ کا رواج شہرت پذیر ہوا۔"

مولوی محمد عبد اللطیف خاں حنفی لوحانی خالصپوری اپنے رسالہ تعزیت حسینؑ میں صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں:-

"آٹھویں صدی ہجری میں جب امیر تیمور صاحب قران کا ملکی اور مذہبی اقتدار قائم ہوا تو اُن کو شاہ کربلا سے خاص عقیدت تھی اس واسطے وہ ہر سال زیارت کے واسطے کربلا معلےٰ جایا کرتے تھے اس میں بہت دن آمد ورفت میں صرف ہو جاتے تھے انتظام سلطنت میں ہرج ہوتا تھا ایک مرتبہ خواب میں بشارت ہوئی کہ تمہارا یہاں آنے جانے میں زیادہ وقت صرف ہو جاتا ہے سلطنت کے کاموں میں نقصان ہوتا ہے لہذا تم ہمارے روضے کی نقل وہاں بنوالو اور ہر سال ایام محرم میں زیارت کر لیا کرو۔ چنانچہ حسب اجازت حضرت سید الشہداء شاہ کربلا کے امیر تیمور اول موجد تعزیہ داری کے ہندوستان میں ہوئے ہیں ان سے پیشتر علموں کا رواج تھا جس کو سب سے پہلے معز الدولہ دیلمی نے رسم ماتم عاشورہ کے ساتھ بغداد میں جاری کیا تھا اس کی تقلید ایرانیوں میں برابر چلی آتی تھی، حیدرآباد دکن میں قطب شاہ کا خاندان اول عزادار امام مظلوم کا تھا مگر محض علمداری ہوتی تھی آج تک وہ قطب شاہی علم حیدرآباد میں موجود ہیں وہ پیتل کے ہیں ڈیڑھ گز دو گز اور تین گز تک طول میں ہیں اب بھی محرم میں ان علموں کی زیارت کرائی جاتی ہے، امیر تیمور نے اپنے عہد میں تربتوں کا رواج دیا تھا تربتوں کا رواج ہندوستان میں عالمگیر بادشاہ کے عہد حکومت تک عموماً رہا اور محمد شاہ و احمد شاہ بادشاہ کے وقت تک بھی کم و بیش رہا، نواب برہان الملک شجاع الدولہ و آصف الدولہ وغیرہ بھی دیلمی طریقہ کے پابند رہے نواب شجاع الدولہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عشرہ محرم میں علم نکالا کرتے تھے اور دہلی میں بادشاہ کے حضور نہیں جاتے تھے، کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں احمد شاہ درانی دہلی آئے تھے تو نواب شجاع الدولہ نے حسب دستور قدیم محرم میں علم نکالے اور جب دربار میں گئے تو احمد شاہ نے نواب صاحب کے آنسو اپنے رومال میں لے لیے اور اُن کو نجات کا وسیلہ سمجھا رفتہ رفتہ تربتوں کا رواج بھی روبہ ترقی ہوتا گیا مگر ایرانی حسب دستور قدیم علموں ہی کے رواج کے پابند رہے، دسویں صدی ہجری میں امیر تیمور کے بعد جب ہمایوں شاہ تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوئے تو ان کو خاص عقیدت سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھی، بریاخاں نے کربلا جا کر ہمایوں کے واسطے زمرد تراشوا کر نقل ضریح مبارک بنوائی تھی اور یہ اول تعزیہ ہندوستان میں آیا یہ زمردیں تعزیہ چھیالیس تولہ وزن میں تھا اور اس کی قبر پر اسم اعظم کندہ تھا اور علموں پر "یا علی یا علی" اور زیر ضریح عبارت کندہ تھی "غلام امام بریاخاں سنہ ۹۵۹ھ" تعزیہ کا عام رواج لکھنؤ سے شروع ہوا اور اس کا موجد ایک سبزی فروش تھا (دیکھو حقائق المذاہب مصنفہ اغلب مرہانی صفحہ ۲۰۳) بزمانہ آصف الدولہ بہادر اس سبزی فروش نے کچھ بانس اور سینٹھوں کی بندش سے تعزیہ بنا کر رکھا تھا اُس سبزی فروش کا مکان جہاں امام باڑہ میر باقر کا ہے وہاں پر تھا اب جو تعزیہ داری ہوتی ہے یہ اُسی کی ایجاد کردہ ہے جس قدر زمانہ گزرتا گیا رواج میں ترقی ہوتی گئی اور اس میں زیب و زینت کے لیے طرح طرح کی اختراع کی گئی اب اس وقت ہندوستان میں کروڑوں تعزیئے رکھے جاتے ہیں شیعہ عموماً سب یہ رکھتے ہیں اور اہلسنت کم، مگر اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تعزیہ کی ابتدا سنیوں کی اختراع ہے اور وہی اس کے بانی ہیں۔"

بہر حال بنابر شہرت عام اور تشریحات بالا امیر تیمور ہی ہندوستان میں تعزیہ داری کے رواج کا سبب ٹھہرتا ہے اس محل پر قیاس سے بھی مدد لی جا سکتی ہے، وہ یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ ایک قدیمی دستور تھا کہ وہ زیارت مقامات مقدسہ کے لیے مثل خانۂ کعبہ، مدینہ منورہ، نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ جایا کرتے تھے ان زائرین میں اکثر عام طبقے کے لوگ مشاہد متبرکہ کی تصویریں اور روضے کی نقل (جو منقش لکڑی یا کسی دھات کی بنی ہوتی تھیں) اپنے ہمراہ لاتے تھے اور مسلمانوں کو زیارت کراتے تھے بعد میں ایک گروہ ہی ایسا پیدا ہو گیا جس نے اس کو اپنا پیشہ بنا لیا اور ان کی عورتیں ان چیزوں کو زنان خانے میں لے جاتی تھیں اور شائقین کو زیارت کراتی تھیں عقیدت مند مسلمان عورتیں اور مرد اس کے عوض ان کو انعام دیتے تھے اور نذریں چڑھاتے تھے یہ عورتیں جنھوں نے اس کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا "روضے والیاں" کہلاتی تھیں، ممکن ہے کہ تعزیے کا رواج اس رسم سے ظہور پذیر ہوا ہو لیکن اس قیاس کو یقین کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، خصوصاً اُن تشریحات کی بنا پر جن کا حوالہ اس سے قبل دیا گیا ہے کیونکہ مذکورہ تشریحات کی تائید ایک ایسی کتاب سے ہوتی ہے جس کا نام "علم حیدری" ہے اور جس کا مصنف خاندان تیموری کا ایک وسیع النظر شاہزادہ مرزا حیدر شکوہ بن مرزا کام بخش بن مرزا سلیمان شکوہ بن شاہ عالم دوئم بادشاہ دہلی ہے، علم حیدری میں شاہزادے نے اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صرف اُن کے چچا بہادر شاہ دوئم ہی شیعہ نہ تھے بلکہ ان کے اکثر بزرگ شیعہ تھے جو مصلحتاً تقیہ کے لباس میں تھے، منجملہ دیگر دلائل کے اپنے ثبوت میں "چہل نصائح بہادر شاہی" نامی کتاب سے ایک عبارت (فارسی) نقل کی ہے جس کا مصنف ابو نصر قطب الدین محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول ابن اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۲۴ھ) ہے، "چہل نصائح بہادر شاہی" میں بہادر شاہ اول نے اصلی نسخہ تزک تیموری سے جو ترکی زبان میں ہے ایسے حوالے دیے ہیں جن سے "تعزیہ" پر روشنی پڑتی ہے، اس محل پر میں اُس کا اُردو ترجمہ نقل کر رہا ہوں، امیر تیمور اپنی تزک (ترکی) میں لکھتا ہے:-

"سنہ ۷۷۱ھ میں جب کہ میں ۳۵ سال کا تھا میں نے توران کے میدان میں ظالم ازبک کو شکست دی اور میں ماوراء النہر کے تخت پر قابض ہو گیا تمام منبروں پر میرے نام کا خطبہ پڑھا گیا اس وقت سادات و شیوخ و زہاد نے میرے لیے دعائے خیر کی، خواجہ عبد اللہ نے جو اس زمانہ میں اہلسنت کے پیشوا تھے میری سخت مخالفت کی اور لوگوں کو میرے خلاف برانگیختہ کرنے لگا لیکن اُس نے خواب میں پیغمبر خدا کو اس طرح دیکھا کہ میں بھی حضرتؐ کے حضور میں ایستادہ ہوں اس نے چاہا کہ حضرتؐ کو سلام کرے لیکن آنحضرت صلعم نے اُس کی طرف سے روئے مبارک کو پھیر لیا دوبارہ پھر اُس نے حضرت کو سلام کیا اس مرتبہ بھی آنحضرتؐ نے اظہار ناراضی کیا آخر کار خواجہ عبد اللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ تیمور وہ ہے جو آپ کے ہزاروں اُمتیوں کو تہ تیغ کر چکا ہے اور جس نے اُن کے ممالک کو تاراج کر دیا ہے لیکن اس پر بھی حضور نے دربار میں حاضری کی عزت دی ہے برعکس اس کے میں نے حضور کی اطاعت و فرمانبرداری کی ہے اور اعلائے کلمۂ حق میں مصروف رہا ہوں اس پر بھی حضور مجھ سے غضبناک ہیں یہ سُن کر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تیمور سفاک ہے اور اُس نے بہت سے مسلمانوں کو قتل بھی کیا ہے لیکن اب وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے اہلبیت کے ساتھ بھی مودت رکھتا ہے

تو تیمور کے خلاف کیوں آواز بلند کر کے لوگوں کو بھڑکاتا ہے۔ اس خواب کو دیکھنے کے بعد خواجہ عبداللہ جب بیدار ہوا تو فوراً میری خدمت میں حاضر ہوا اور میرا مطیع و فرماں بردار ہو گیا (یہ واقعات و ملفوظات تزک تیموری کے اُس اُردو ترجمہ میں بھی ہیں جس کو ۱۸۴۵ء میں دہلی عربک کالج کے پروفیسر مولوی سبحان بخش نے کیا ہے دیکھو ترجمۂ مذکور کے صفحات ۱۳، ۱۴، ۱ اور ۲۴۴ مطبوعہ مطبع دہلی اُردو اخبار ۱۸۴۵ء) ۸۰۲ھ میں یہ واقعہ درپیش ہوا کہ سلطان روم نے مجھ پر ایک لشکر جرار کو لیکر چڑھائی کی میں بھی اُس کے مقابلہ کے لیے نکلا آغاز جنگ سے پہلے میں نے سادات کربلائے معلی اور قبیلۂ سبز حرم کے نجفی باشندوں کی فوجیں اپنی کمک کے لیے آتے دیکھیں سید محمد مفتاح ان کے سردار تھے جو ان لوگوں کے آگے آگے علم لیے ہوئے تھے میں اس غیبی مدد پر بہت خوش ہوا سید محمد مفتاح نے مجھ سے یہ بھی بتلایا کہ اُنھوں نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو خواب میں دیکھا ہے جنھوں نے یہ حکم دیا ہے کہ میں (یعنی سید مفتاح) اس علم کو لیکر تیمور کی مدد کو جاؤں جب میں نے سید مفتاح سے اس بشارت کو سُنا تو فوراً سجدۂ شکر ادا کیا اب مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ تائید الٰہی شامل حال ہے اسی اثنا میں میری فوج سے "اُدی تیمو" نکل کر سامنے آیا اور فتح کی دعائیں کرنے لگا میں نے علم اُس کے ہاتھ میں دے دیا اور حملہ کرنے کیلئے کہا وہ اپنے اس اعزاز پر جوش مسرت کی وجہ سے رو پڑا اور دلیرانہ حملے کرنے لگا۔ (یہ واقعہ ملفوظات تزک تیموری ترجمہ اُردو کے صفحہ ۱۵۰ پر بھی موجود ہے) دوران جنگ میں ایک مرتبہ میں رسالتمآبؐ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مودت اہلبیتؑ کے صلے میں خداوند عالم نے تیری ستر اولادوں

کو دنیاوی حکومت عطا فرمائی ہے (یہ واقعہ باختلاف الفاظ ملفوظات و تزک تیموری اُردو ترجمہ مترجمہ ۱۸۴۵ء میں دو مقام پر ہے دیکھو صفحہ ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ بصفحہ ۹۸ و ۹۹ مطبوعہ مطبع اُردو اخبار دہلی) اور اسی مناسبت سے آنحضرتؐ نے مجھ کو ستر خرمے کرامت فرمائے میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی کہ جب بیدار ہونے کے بعد بھی میں نے اپنے دامن میں اُسی تعداد میں ستر خرمے پائے، اس خواب کے بعد میں نے اپنی کل اولادوں کو جن کی اُس وقت تعداد ۲۴ تھی الگ الگ ملک تقسیم کر دیئے ایسی عزت جو مجھ کو حاصل ہوئی ہے آدم سے لیکر اب تک کسی بادشاہ کو نہیں حاصل ہوئی ایک مرتبہ کربلائے معلیٰ میں مجھ پر یہ واقعہ بھی گذرا کہ حُر شہید جو گنج شہیداں سے الگ دفن کئے گئے ہیں اور جن کے زخموں کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی مادر گرامی جناب فاطمہ زہراؑ کے رومال سے باندھا تھا اور جو مع اس رومال کے دفن کر دیئے گئے تھے چنانچہ اس رومال کے لیے چند سرداروں نے مجھ کو مجبور کیا کہ میں ایسی نفیس و متبرک یادگار پر قبضہ کر لوں، میں نے اس معاملے میں علماء سے مشورہ کیا لیکن ان لوگوں نے مجکو اس سے منع کیا علاوہ ازیں میں خود بھی اس کو گناہ عظیم سمجھتا تھا، اس موقع پر ملا نصاح نے جو مدینے کے ایک سید تھے مجھ سے کہا کہ مدینے میں زید ہاشمی کے مکان میں ایک متبرک کپڑا ہے جو سیدہ فاطمہ زہراؑ کے دست مبارک کا بنا ہوا ہے اور اکثر اُس کپڑے پر معجز نما تحریریں بھی نظر آتی ہیں، مجکو اس متبرک کپڑے کے حاصل کرنے کی انتہائی خواہش ہوئی اس لیے اُس کے لیے خاص طور پر زید ہاشمی کو مدینے سے طلب کیا وہ اپنے ساتھ اس متبرک کپڑے کو بھی لائے، اور مجکو بخش دیا در حقیقت

اس پر حروف پائے گئے، جب میں نے اس متبرک کپڑے کی زیارت کی تو فرط مسرت سے رونے لگا، غرضکہ اپنے قیام کے زمانہ میں برابر قبر مطہر امام مظلوم کی زیارت سے مشرف ہوتا رہا وہاں کے باشندوں نے مجھ کو ایک علم بھی دیا تھا جو خاک شفا کا بنا ہوا تھا جس کو میں بقصد تعظیم پیشانی اور آنکھوں سے لگایا کرتا تھا ایک مرتبہ اس علم میں میں نے واقعات کربلا کا مشاہدہ کیا تھا جس سے میں متاثر ہو کر رونے لگا تھا اس کا اتنا اثر تھا کہ تین دن اور تین رات تک برابر غمگین و محزون رہا اور کسی کام کی جانب متوجہ نہیں ہوا اس واقعہ کے بعد میرا یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ میں اس مقدس سرزمین سے کبھی کبھی جدا نہ ہوں گا لیکن بالآخر شہزادوں اور دیگر فوجی افسروں نے مجھ کو وہاں سے روانہ ہونے کی انتہائی ترغیب دی جس کی وجہ سے وہاں سے کوچ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا اُس وقت کربلا کے باشندوں نے میری تکلیف اور غم کو دور کرنے کے لیے مجھے ایک ایسی ضریح نذر دی جو کہ مزار انور کے قریب کی خاک پاک سے بنائی گئی تھی جب میں نے اُس ضریح کی زیارت کی تو بالکل بے قابو ہو کر رونے لگا شب کے وقت اُس ضریح مبارک سے نوحہ و ماتم کی غیبی صدائیں آتی تھیں جن کو سُننے کے بعد لوگ بےچین ہو جاتے تھے اس معجزے کے ظہور کی وجہ سے لوگ اس کو ضریح معجزہ کہنے لگے تھے یہ ضریح ہر موقع اور موسم میں میرے ساتھ رہی اور اُس کے برکات سے مجھ کو ہر طرح کی کامیابی حاصل ہوئی، ماہ محرم کے عشرۂ اول میں اس متبرک ضریح معجزہ کو دس دن تک خیمے میں رکھتا تھا اور سید مدنی کی ہدایت کے مطابق عزاداری میں مشغول رہتا تھا، سید ممدوح حضرت کے واقعات شہادت مجھ کو سناتے تھے اور میں گریہ و ماتم کرتا تھا اور روٹیاں تقسیم کرتا تھا۔" (ترجمہ عبارت تزک تیموری مذکور در چہل نصائح بہادر شاہی، بحوالہ علم حیدری در عقائد سلاطین تیموری صفحہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، طبع مطبع سلطان المطابع)

ضریح معجزہ اور تیمور کی دس دن محرم کی عزاداری کا ذکر تزک کے فارسی ترجمہ میں نہیں ہے، اس کے متعلق بہادر شاہ اول نے چہل نصائح میں خود تحریر کیا ہے کہ اس عبارت کو مترجم نے جنھوں نے شاہجہاں کے حکم سے اصل ترکی سے فارسی میں عمداً چھوڑ دیا ہے تاکہ تیمور کے تشیع کو پوشیدہ کیا جا سکے اس کا اعتراف یورپ کے مستشرقین محققین نے بھی کیا ہے کہ تزک تیموری کے مترجم (محمد افضل بخاری جنھوں نے ابو طالب حسینی کے ترجمہ پر شاہجہاں کے حکم سے نظر ثانی کی تھی اور جس کا ترجمہ آج کل متداول ہے) نے تیمور کو سنی ظاہر کرنے کیلئے ترجمے میں تیمور کی شیعیت کو چھپایا ہے ملاحظہ ہو تنقید

(ELLIOTH AND DAWSON)
VOL III Page 393
By MAJOR STEWART.

حالانکہ امیر تیمور کا محب اہلبیت و شیعہ ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے چنانچہ علامہ ابو الولید بن الشحنہ نے اپنی تاریخ "روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والآخر (برحاشیہ مروج الذہب مسعودی طبع اول مطبع ازہریہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ صہ ۳۶) میں بسلسلۂ حالات تیمور لکھا ہے کہ امیر تیمور نے شہر حلب پر قبضہ کرنے کے بعد علمائے اسلام کو اپنے دربار میں طلب کیا تھا منجملہ دیگر علماء کے جو دربار میں حاضر ہوئے تھے حافظ خوارزمی قاضی شرف الدین موسی الانصاری الشافعی، قاضی علم الدین القفصی الصیفی المالکی بھی موجود تھے تیمور نے ان علماء سے چند سوالات کئے تھے آخری سوال جو امیر صاحبقران نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ ما تقولون فی علیؑ و معاویہ و یزید، امیر المومنین علیؑ، معاویہ اور یزید کے بارے میں

تمہارا کیا عقیدہ ہے، اس سوال کے سننے کے بعد قاضی شرف الدین نے حافظ خوارزمی سے یہ کہا تھا "کیف تجادبہ فانہ شیعی" اب اس کا جواب کیونکر دو گے، تیمور تو شیعہ ہے، اس موقع کو قاضی القضات شہاب الدین احمد بن محمد بن عبداللہ الدمشقی الانصاری المعروف بہ ابن عرب شاہ (یہ قاضی صاحب سلطان احمد جلائر بادشاہ بغداد کے کاتب بھی تھے جس کو امیر تیمور نے شکست دی تھی بغداد فتح کرنے کے بعد امیر تیمور قاضی صاحب کو اپنے ہمراہ سمرقند لے آیا تھا انھوں نے تیمور کے حالات میں کتاب لکھی جس میں تیمور کو بہت ہی برا لکھ کر اس پر سب و شتم کی ہے) نے عجائب المقدر فی اخبار تیمور میں بھی نقل کیا ہے دیکھو صفحہ ۹۲ طبع عثمانیہ مصر ۱۳۰۵ھ اسی طرح علامہ احمد زینی دحلان نے بھی اپنی تاریخ فتوحات الاسلامیہ جلد دوم صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶ مطبوعہ مکہ ۱۳۰۲ھ پر مفصلاً اس واقعہ کو لکھا ہے، اسی طرح علامہ محمود بن محمد علی الشیخانی الشافعی القادری المدنی (معاصر خلیفہ محمد خان سلطان روم و شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر) اپنی کتاب الصراط السوی فی مناقب آل النبی المصطفیٰ میں لکھتے ہیں:۔

بانہ کان یحب اھل البیت سیما الحسین المظلوم شہید الطف والکربلا قیل ما فعل باھل الشام ما فعل الا لحب الرسول حتی قیل کان خضر فی مقدم جیشہ وقیل ان رجلا من الصالحین رأی رسول اللہ صلعم فی المنام ورائی امیر تمر کورکن جالسا عند النبی صلعم فقال الرائی لامیر تمر کورکن لیس ھذا مقامک فابعد عن رسول اللہ صلعم فقال رسول اللہ صلعم للرائی اسکت اد کلمۃ مثل ھذہ فان امیر تمر کورکن کان یحب الحسین، قلت ولو لم یکن لامیر تمر کورکن حسنۃ واحدۃ الا کونہ محبا لاھل البیت لکفاہ ذالک"

"امیر تیمور دوستدار اہل بیت تھا خصوصیت سے شہید کربلا حسین مظلوم کو بہت زیادہ دوست رکھتا تھا کہتے ہیں کہ اہل شام کے ساتھ قتل و غارت کا جو سلوک اس نے کیا وہ محض محبت رسول صلعم کے سبب سے تھا، ایک مرتبہ ایک مرد صالح نے رسول صلعم کو خواب میں اس صورت میں دیکھا کہ امیر تیمور گورگانی حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہیں یہ دیکھ کر اس مرد صالح نے امیر تیمور سے کہا کہ تیری یہ منزلت نہیں ہے کہ دربار رسالت میں بیٹھے یہاں سے دور ہو یہ سن کر رسول اللہ صلعم نے فرمایا خاموش ہو جا یہ امیر تیمور میرے حسین ع کو دوست رکھتا ہے علامہ شیخانی کہتے ہیں کہ اگر امیر تیمور کے نامۂ اعمال میں سوائے محبت اہلبیت کے ایک نیکی بھی نہ ہو تو اس کی نجات کے لیے یہ محبت اہلبیت ہی کافی ہے۔

علامہ احمد زینی دحلان نے فتوحات الاسلامیہ کے جلد دوم صفحہ ۱۱۰ (طبع مکہ ۱۳۰۲ھ) پر تیمور کے متعلق یہ کھل کر لکھ دیا ہے:۔

"کان رافضیاً شدید الرفض" امیر تیمور کٹر رافضی تھا،

مختصر یہ کہ امیر تیمور کی شیعیت میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ شاہجہاں جو متعصب سنی تھا اُسکی فرمائش پر محمد افضل بخاری نے اصل تزک سے فارسی میں ترجمہ کرتے وقت ان مقامات کو حذف کر دیا ہو، تزک تیموری کی اصل عبارت سے جو بہادر شاہ اول کی پیش کردہ ہے یہ یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ ضریح (نقل روضہ) تیمور کے لیے بنائی گئی لیکن ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ آیا ضریح بنانے کا رواج تیمور کے عہد میں قدیم تھا کہ جدید؟

دراصل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر تیمور کو متبرک عمارات کی نقل رکھنے کا ایک خاص ذوق تھا غالباً اسی فطری ذوق کا نتیجہ تھا کہ تیمور اپنے ہمراہ سفر میں ٹوٹ کی ایک چوبی مسجد بھی رکھا کرتا تھا، چنانچہ ایک یورپین مورخ "ہیرلڈ لیمب" اس مسجد کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:-

"سفری مسجد روانہ ہو چکی ہے، یہ لکڑی کی ایک صنعت نیلے اور سرخ رنگ کی ہے اس مسجد کو کرسی دے کر نصب کرتے ہیں اور سیڑھی لگا کر اس کے اندر جاتے ہیں، رنگین شیشوں کے روشندانوں سے روشنی چھنتی ہوئی اس میں آتی ہے، یہ چوبی مسجد ٹوٹتی ہوئی ہے یعنی اس کے پرزے علیحدہ ہو جاتے ہیں حالت سفر میں اُسے توڑ کر اُس کے پرزے گاڑیوں میں رکھ لیتے ہیں آج کل یہ مسجد تیمور کے ساتھ ہندوستان کے سفر میں ہے وہاں نماز کے وقت لگا دی جاتی ہے اور کوچ کے وقت پھر توڑ کر گاڑیوں میں رکھ لیتے ہیں"۔

("تیمور جس نے دنیا ہلا ڈالی" مصنفہ ہیرلڈ لیمب مترجمہ محمد عنایت اللہ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ صفحہ ١٢٧)

تعجب نہیں کہ تیمور کے اسی ذوق نے روضۂ مبارک امام حسینؑ کی نقل کو بھی بنوا کر اپنے ہمراہ رکھنے کے لیے مجبور کیا ہو، اس بنا پر ضریح یا تعزیہ کا سب سے پہلا موجد بھی تیمور ہو سکتا ہے ہاں اس مسجد کے متعلق ایک فقہی سوال ہو سکتا ہے کہ کیا فقہاء کے نزدیک ایسی مسجد ہو سکتی ہے؟ کیونکہ شرعاً مسجد کے لیے زمین کا متعین و محدود ہونا ضروری ہے نہ یہ کہ جہاں پر وہ تخت یا چوبی صنعت کو رکھ دیا جائے اس جگہ مسجد کا اطلاق ہو جائے شیعی و حنفی فقہ کی بنا پر اس قسم کی صنعت پر مسجد کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے جس میں نماز پڑھنا ثواب مسجد کے برابر ہو سکے،

اس کے علاوہ کسی مورخ نے اس چوبی مسجد کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے اور نہ عوام میں اس کی شہرت ہے برخلاف اس متواتر خبر و روایت کے کہ امیر تیمور نے امام حسینؑ کے روضہ مبارک کی نقل کو بنوایا تھا جس کا تحریری ثبوت بھی مل رہا ہے، ہو سکتا ہے کہ امیر تیمور کی یہ چوبی صنعت امام حسینؑ کے روضہ کی نقل رہی ہو جس کو ضریح یا تعزیہ کہتے ہیں جس کا وجود امیر تیمور کے ہمراہ سفر ہندوستان میں بیان کیا جاتا ہے لیکن غلط فہمی سے اس کو ہیرلڈ لیمب نے مسجد سمجھ لیا ہو۔

میرے اس خیال کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو اس سلسلہ میں نقل کی جاتی ہے جس میں یہ ہے کہ تبرکات اور ضریح معجزہ کو تیمور اپنے ہمراہ ایک عماری میں رکھا کرتا تھا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ تیمور نے جب دمشق کو فتح کیا تو وہاں سے اس کو اہلبیت علیہم السلام کے کچھ تبرکات دستیاب ہوئے تھے جس میں کچھ خون آلودہ کپڑے حضرت علیؑ کے جسم مطہر کے بھی تھے تیمور نے ان سب تبرکات اور نیز ضریح معجزہ کو ایک عماری میں محفوظ کر دیا تھا جس کو وہ اپنے ہمراہ ہمیشہ رکھتا تھا یہ عماری مع ان تبرکات کے برابر اس خاندان میں محفوظ رہی ایام محرم میں اس عماری کا گشت اس شان سے ہوتا تھا کہ امراء اور اراکین سلطنت میں جو لوگ نہایت بزرگ اور مقدس ہوتے تھے وہ اس کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے رہتے تھے اور تمام فوج ساتھ رہتی تھی (ممکن ہے کہ تعزیے کی وہ شکل جو عماری سے زیادہ مشابہ ہے وہ اسی کی نقل ہو، اس قسم کا تعزیہ میرے خاندان میں اب تک بنایا جاتا ہے جس کو میرے خاندان کے بزرگ سادات بناتے ہیں

ہو سکتا ہے کہ ایسا تعزیہ کہیں اور بھی بنا ہو) یہ تبرکات اسی عماری میں محمد شاہ کے وقت تک رہے جب نادر شاہ ہندوستان میں آیا تو اُن میں سے کچھ تبرکات وہ اپنے ہمراہ لے گیا جو بچ گئے وہ ایک طلائے خالص کی عماری میں رکھے گئے جب شاہ عالم ثانی کا زمانہ آیا اور غلام قادر روہیلہ نے بادشاہ کے ساتھ نمک حرامی کی تو اُس وقت سیندھیا (مرہٹوں) نے بادشاہ کی مدد کی اور فرطِ عقیدت سے وہ عماری اپنے ہمراہ لے گیا اور گوالیار میں عزاداری کی بنیاد ڈالی یہ واقعات مرہٹوں کے حالات میں اس عہد کے مورخین بیان کرتے ہیں (فرض عین صفحہ ۳۰ طبع لکھنؤ) تیمور کے تبرکات عزا میں سے ایک علم ریاست محمود آباد میں اب تک موجود تھا جس پر تیمور کا نام اور سنہ کندہ ہے۔

ہمایوں کے عہد میں بھی عزاداری حسابقہ انداز و اہتمام کے ساتھ برابر ہوتی رہی، اس عہد میں عزاداران کو تعزیت امام میں اس قدر توغل تھا کہ اگر روزِ عاشورہ اتفاقاً معرکۂ جنگ میں مصروف پیکار رہتے تھے تو اس وقت بھی مرثیہ پڑھتے اور امام کی مظلومی پر گریہ کرتے جاتے تھے چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں بذیل ذکر شعراؤ فضلا عہد ہمایوں "حیدر تونیانی" کے تذکرے میں لکھتے ہیں:-

"و ایں مطلع اور اکہ در تعزیہ حضرت امام شہید مقتول فلذۂ کبد رسول مقبول علیہ السلام نقش بستہ در ایام عاشورا در معارک میخوانند ؎

ماہ محرم آمد و شد گریہ فرض عین
گریم خوں بیاد لب تشنۂ حسین ع

(تاریخ بدایونی صـــ ۱۳۰ طبع نولکشور)

کسی دوسرے مقام پر اوپر یہ ذکر بھی کر چکا ہوں کہ شہنشاہ جب ایرانیوں کی مدد سے دوسری مرتبہ ہندوستان پر قابض ہوا ہے تو سنہ ۹۵۹ھ میں بیرم خاں کو کربلا معلےٰ بھیج کر اُس نے ایک ضریح بنوائی تھی جو قیمتی جواہرات سے تیار کی گئی تھی اور جس کو شاہی محل میں رکھا گیا تھا، ہمایوں کا پورا لشکر ایرانی قزلباشوں پر مشتمل تھا اور بادشاہ کے گرد و پیش انھیں کا اجتماع رہتا تھا کوئی وجہ نہیں کہ ان ایرانیوں کی وجہ سے عزاداری امام مظلوم میں کافی فروغ نہ ہوا ہو، ہمایوں کے بعد اکبر اعظم کے عہد حکومت میں بقول مورخ بدایونی شیعوں کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہو گیا تھا اور بقول مورخ مذکور "سُنیان مغلوب و شیعیان غالب" کا مصداق ہو گیا تھا اس لیے اس عہد میں عزائے امام حسین ع میں عزاداروں کا انہماک لازمی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں نور جہاں جو عقیدۃً شیعہ تھی اُس نے قیام عزاداری کے لیے یہ اہتمام کیا تھا کہ چند مواضعات بحیثیت معافی کے "سید معین الدین موسوی اجمیری" کی درگاہ سے متعلق کر دیئے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اس کی آمدنی سے درگاہ معینیہ اجمیر میں عشرۂ محرم میں عزاداری کی جاوے اور تعزیئے رکھے جائیں اس کے لیے ایک فرمان صادر کیا گیا تھا جسمیں عزائے امام اور تعزیئے کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے یہ فرمان آج تک اجمیر میں موجود ہے اور اس کے بموجب برابر درگاہ میں تعزیہ رکھا جاتا ہے اور مجلسیں ہوتی ہیں۔

شاہجہاں کے متعلق مولوی عزیز الرحمٰن حنفی اپنی انگریزی کتاب تاریخ جامع مسجد دہلی میں لکھتے ہیں:-

"شاہجہاں نے جامع مسجد دہلی کی تعمیر کے بعد ایک خوبصورت ضریح نقل روضہ امام حسین ع بنوائی تھی اس ضریح کو بادشاہ نے مسجد کے اندر محراب عبادت کے داہنے ہاتھ کے جانب رکھا تھا جو عرصہ تک اپنی جگہ پر

رکھی رہی اس ضریح میں رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ کے منسوب شدہ تبرکات رکھے گئے تھے جس کو امیر تیمور نے سنہ ۸۰۴ھ (سنہ ۱۴۰۲ء) میں سلطان روم بایزید خاں کو شکست دے کر حاصل کیا تھا اور نسلاً بعد نسلٍ اس خاندان میں منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے، یہ ضریح اب بھی احاطۂ مسجد میں ایک حجرہ میں محفوظ ہے جس کی حفاظت کے فرائض جامع مسجد کے امام کے سپرد ہیں۔"

(HISTORY OF JAME MASJID,
By AZIZ RAHMAN,
Page 27, First Edition, 1936.)

شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب عالمگیر متوفی ۱۱۱۸ھ تخت سلطنت پر بیٹھتا ہے، اس بادشاہ کے متعلق عموماً بڑی خوش اعتقادی ہے جس کی وجہ سے اُس کو "ماحیٔ بدعت و محیٔ سنت" کہتے ہیں وہ بظاہر بڑا مذہبی و پابند شریعت تھا، راقم الحروف نے اُس کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ تاریخوں میں پڑھا اُس کے کلمات، شقہ جات، رقعات، مکتوبات و احکامات اور دستور العمل کے متعدد مجموعوں کو بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا جو خود اُس کے عہد یا بعد کے قریبی زمانے میں جمع کئے گئے ہیں لیکن مجھکو کہیں سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ عزاداری امام مظلوم کو ناپسند کرتا تھا اور بنظر استحسان نہیں دیکھتا تھا ممکن ہے کہ سیاسی اختلافات و توسیع سلطنت کے رجحانات نے اس کے اعمال و کردار کو داغدار بنایا ہو اور "الملک عقیم" کی بنا پر چاہے اس نے اپنے باپ کو قید میں رکھا ہو یا بھائیوں کے خون کا اُس کے دامن پر دھبہ ہو یا دکن کی شیعہ سلطنت کو ختم کیا ہو لیکن اہلبیت کرام و سادات کی محبت و مودت کو وہ یقیناً واجب و لازم سمجھتا تھا اُس کی گھریلو زندگی بھی ایسی تھی جو براہ راست اُس کی صلبی اولاد کو شیعہ ہونے سے نہیں مانع ہوئی اس کا ولیعہد

بڑا بیٹا کٹر شیعہ تھا اُس کی چہیتی بیٹی شہزادی زیب النساء بیگم شیعہ تھی اور اسی طرح اس کی بیگمات بھی، یہاں تک کہ خود اورنگ زیب کے متعلق اُس کے آخری وصایا سے جو بعدد متبرکہ ائمۂ اثنا عشر ہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ خود اس کی موت بھی مذہب حقہ اثنا عشری کے عقیدہ پر واقع ہوئی ہے (عالمگیر کا یہ آخری وصیت نامہ جو خصوصیت سے تجہیز و تکفین کے متعلق ہے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں کئی مختلف مجموعوں میں جو خود عالمگیر سے متعلق ہیں اور تاریخوں میں موجود ہے اور جس کو خاں بہادر نبی احمد حنفی سندیلوی نے اپنی مطبوعہ کتاب وقائع عالمگیری کے صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۰ پر شائع کیا ہے) اس لیے بظاہر اورنگ زیب کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کا مخالف رہا ہو گا یہ ضرور ہے کہ اُس کے حالات کے لکھنے والے مختلف مورخین نے عالمگیر کے اعمال و کردار کے سلسلہ میں ایسے واقعات کو ضرور سپرد قلم کیا ہے جو اُس کے ذاتی خیالات و افکار سے ٹکراتے ہیں اس حیثیت سے اُس کی شخصیت متضاد کردار کی حامل ٹھہرتی ہے، عزاداری کے سلسلہ میں بھی یہی تضاد کارفرما ہے ایک طرف تو ہم عشرۂ محرم کے سلسلہ میں اُس کے متعلق مورخین کے یہ بیانات پڑھتے ہیں کہ اُس کو تعزیہ امام علیہ السلام سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ ہندو مورخ سبیل چند نے اپنی تاریخ آگرہ میں لکھا ہے کہ روز عاشورہ اورنگ زیب نے ایک ضعیفہ کو دیکھا کہ سر پر تعزیہ رکھے قلعے کی طرف جا رہی ہے دیکھنے کے ساتھ ہی بادشاہ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی جو کشف و مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے وہ سر و پا برہنہ اس ضعیفہ کے پیچھے دوڑا اور تعزیے کو اُس سے لیکر اپنے سر پر رکھ کر قلعہ میں داخل ہوا اور اس وقت سے

وہ خود عزاداری کرنے لگا (سیل چند کی تاریخ آگرہ ایک معتبر تاریخ ہے اور مولوی معین الدین اکبرآبادی نے اپنی تاریخ آگرہ معین الآثار میں اور خان بہادر محمد عبداللطیف سی، ایس، آئی، ایم، آئی، آر، ایس نے اپنی انگریزی کتاب ہسٹری آف آگرہ میں اُسی سے اخذ کیا ہے) اورنگ زیب کے زمانے کے اسباب و لوازم عزاداری ایک عرصہ تک قلعہ آگرہ میں محفوظ رہے ہیں جن کی حفاظت برٹش گورنمنٹ کرتی تھی بلکہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد تک قلعہ آگرہ میں عشرہ محرم کے موقع پر مجالس حکومت انگریزی کی طرف سے ہوتی رہی ہیں جو کسی وجہ سے بعد میں بند ہوگئیں لیکن قلعہ سے ایک تعزیہ اب تک نکلتا رہا ہے۔

اس کے علاوہ خود اورنگ زیب کی بیٹی شاہزادی زیب النساء بیگم تعزیہ داری کرتی اور مجلس عزا میں شریک ہوا کرتی تھی۔ (معارف نمبر ۶ جلد ۱۲ ماہ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ مطبوعہ اعظم گڑھ) مورخ بختاور خاں خواجہ سرا عالمگیری نے اپنی تاریخ مرأت عالم میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ اورنگ زیب ہر سال بارہ ہزار (۱۲) محرم کے کار خیر میں خرچ کیا کرتا تھا (تاریخ ہندوستان شمس العلماء ذکاء اللہ جلد ہشتم صفحہ ۳۰۷، ۴ طبع علی گڑھ) ظاہر ہے کہ یہ اخراجات عزاداری ہی کی مد کے ہوں گے، اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حیدرآباد دکن میں عبداللہ قطب شاہ کے زمانے سے شاہی عاشور خانے میں ایک نہایت متبرک علم نصب کیا گیا تھا جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس فولادی طوق و زنجیر سے بنایا گیا تھا جو امام زین العابدین علیہ السلام کو بحالت اسیری پہنایا گیا تھا، اس علم کے مصارف کے لیے قطب شاہی خزانے سے رقم معین تھی اورنگ زیب نے بعد فتح دکن اپنے عہد میں اس رقم کو یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ جب تک علم سے معجزات کا ظہور نہ ہوگا اُس کے شاہی خزانے سے نذرانہ کی رقم نہ ملے گی چنانچہ حکم شاہی سے دو مرتبہ یہ علم مبارک ہاتھی کی پشت پر نکالے گئے اور ہر مرتبہ یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ ہاتھی جیسے طاقتور و قوی الجثہ مرکب کی پشت شق ہوگئی اس کرامت کے ظاہر ہونے پر اورنگ زیب نے یہ حکم صادر کیا کہ اس متبرک علم کو دارالشفاء شاہی جیسی کشادہ و وسیع عمارت میں نصب کیا جائے تاکہ اس متبرک علم کی برکت سے جو بیمار کربلا کا تبرک ہے دارالشفاء شاہی کے مریضوں کو شفائے کلی حاصل ہوا کرے اور روزانہ پھول چڑھانے اور بخور سلگانے کے لیے دو ہُن خزانہ شاہی سے مقرر کر دیئے، اس کے لیے ایک شاہی فرمان بھی صادر کیا، اس واقعہ کے ثبوت میں سنہ ۱۱۱۱ھ عہد اورنگ زیب کی ایک قدیمی دستاویز متولیان عاشور خانہ دارالشفاء شاہی کے پاس آج تک موجود ہے، جس کو اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے:-

حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ الصلوات والسلام

فرمان جہان مطاع خورشید شعاع منشور لامع النور واجب الاتباع از دیوان ہمایون میمنت مقرون عزت و جلالت اقبال دستگاہ فرازندہ رایات شجاعت و مردانگی، طرازندہ آیات شہامت و فرزانگی، خانخانان عالی شان رفیع القدر منیع المکان سلطان السلطان نواب محمد عالمگیر بادشاہ غازی برائے مسند و دی یومیہ عاشور خانہ جات وغیرہ صادر شد کہ تا وقتیکہ از ہر علم وغیرہ معجزہ و کرامات ملاحظہ نخواہیم نمود جاری نخواہیم داشت پس ان وقت مرزا حشمت علی بیگ

معہ تبرک علم مبارک بحضوری والا حاضر آمدہ عرض نمودند کہ ایں تبرک مبارک در عہد سلطان عبد اللہ آغا محسن خراسانی ہمراہ خود از شام آوردہ بموجب حکم شاہی علم تیار کنانیدہ در ابواب چوک ایستادہ می نمودند چنانچہ در وقت بموجب فرمان والا علم مبارک را بر پشت فیل بیروں آوردہ کمر فیل شق گردید پس بمجرد استماع ایں کیفیت معجزات فرمان صادر شد کہ ایں تبرک علم مبارک را در دار الشفار شاہی کہ بجائے وسیع و ماندن تبرک بیمار کربلا در دار الشفار برائے بیماراں باعث شفائے کلی است استادہ نمایند و سال بسال جاری دارند تا ہموں تبرک علم مبارک را مرزا حشمت علی سپردہ شد و فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ روز دو حُن بعد وضع از جملہ خرچ شفاخانہ برائے بخور و گل عاشورخانہ از تاریخ فرمان والا بہ متولی مذکورہ رسانیدہ باشند و نقل فرمان معلی گرفتہ اصل را باز دہند و بر حکم فرمان عالی روند۔ فقط،

تحریر فی التاریخ چہارم ماہ رجب المرجب سنہ ۱۱۱۰ھ

ان حقائق کے پیش نظر اس عہد کے ایک نووارد یورپین سیاح، ٹروورنیر (TROVER-NIER) کا یہ بیان کہ "اگرچہ اورنگ زیب کے دربار میں اہل ایران کا مجمع رہتا تھا لیکن اُن میں سے کسی کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے مظلوم امام حسینؑ کی شہادت کی یادگار میں کوئی مجلس کرسکیں۔" (TROVERNIER TAVELS Vol. II page 177) قابل یقین نہیں ہے، سیاح مذکور کی یہ تحریر کسی خاص مقصد کی بنا پر معلوم ہوتی ہے، بیشک بعض دوسرے اسباب کی بنا پر اورنگ زیب نے کچھ پابندیاں عائد کی ہیں جیسے تابوت کے گشت کے موقع پر عوام کا شمشیر بازی کر کے لوگوں کو تکلیف و آزار پہونچانا جس کو اورنگ زیب نے روک دیا تھا، نواب شاہنواز خاں، "مرآت آفتاب نما" میں لکھتے ہیں:-

"و اوباشاں در قدر جمع شدہ خرمن مال و جان خلقے بہ آتشبازی می دادند، ـــــ و در عاشور نیز تابوتے ساختہ بہ شمشیر بازی مردم را آزار می رسانیدند، ـــــ ایں ہمہ ابواب را موقوف ساختہ (مرآت آفتاب نما) میرے خیال میں اس ممانعت کے بعد تربت (تعزیوں) کے گشت میں اصل شمشیر بازی کی رسم جس سے لوگ زخمی ہو جاتے تھے موقوف ہو گئی اور عوام میں "پٹا بازی" کی رسم جاری ہو گئی جو آج تک اہلسنت میں رائج ہے۔

اسی طرح مورخ خافی خان نے منتخب اللباب (جلد دوم صفحہ ۲۱۳ و ۲۱۴ طبع کلکتہ) میں بضمن حالات سال دوازدہم جلوس عالمگیر یہ واقعہ لکھا ہے کہ شب عاشور برہان پور میں تابوت کے گشت کے موقع پر دو ایسے گروہوں میں جو آپس میں عرصے سے انتہائی عداوت و دشمنی رکھتے تھے بڑا زبردست فساد ہو گیا جس کے نتیجہ میں پچاس آدمی مارے گئے اور سو اشخاص سخت زخمی ہوئے اور مال و متاع لوٹا گیا اور تابوت کی بے حرمتی کی گئی، جب اس خوں ریزی و فساد کی رپورٹ اورنگ زیب کو پہونچی تو اس نے تابوت بنانے اور اس کے گشت پر پابندی کے احکام صادر کر دیے ظاہر ہے کہ یہ حکم رفع فساد و امن عامہ کو قائم و برقرار رکھنے کے لیے صادر کیا گیا کسی مذہبی جذبے اور عقیدے کے ماتحت نہیں روکا گیا۔

اورنگ زیب کے بعد ابونصر قطب الدین

محمد معظم بہادر شاہ اول تخت نشین ہوا محمد ساقی مستعد خاں مقرب خاص بادشاہ عالمگیر نے جس کے متعلق مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ وہ زبردست عالم، ادیب کامل، قدوۃ المحدثین اور قرآن و حدیث سے شرعی مسائل کا استنباط کرتا تھا اور جو قاری قرآن، عابد شب زندہ دار اور ہمہ اوقات تفسیر و حدیث و فقہ و سلوک کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا، اور جو مستعد خاں کے متذکرہ اوصاف کے ساتھ متصلب شیعہ بھی تھا اُس کے عہد میں عزاداری کو اتنا فروغ ہوا کہ مسلمانوں کے دوش بدوش اہل ہنود بھی عزائے امام میں مصروف رہتے تھے جس کا تذکرہ خافی خاں نے منتخب اللباب میں بضمن غارت گری پاپ رائے کیا ہے (منتخب اللباب جلد ۲ صفحہ ۶۳۴ طبع بنگال ۱۸۹۴ء) اس حق پرست و عالم بادشاہ نے ایک تعزیہ بھی بنوایا تھا جس کا عکس خواجہ حسین نظامی بن خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین درگاہ نظام الدین اولیا نے اپنے ہفتہ وار اخبار منادی مورخہ ۷ محرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۴۰ء یوم جمعہ کے سرورق پر ایک قدیمی تعزیہ کے زیر عنوان شائع کیا تھا، تعزیہ کے بلاک کے نیچے یہ عبارت ہے:-

"یہ تعزیہ اورنگ زیب کے جانشین شہنشاہ بہادر شاہ کا بنوایا ہوا ہے جو درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے امام باڑہ میں اُسی وقت سے رکھا جاتا ہے اور غالباً دہلی کے سب تعزیوں سے زیادہ قدیمی اور تاریخی ہے۔"

صرف سلاطین مغلیہ ہی نہیں عزاداری سے دلچسپی لیتے تھے بلکہ امرائے سلطنت بھی عزاداری میں مصروف رہا کرتے تھے، اس مقام پر ایک واقعہ قابل ذکر ہے جو نعمت اللہ خاں سے متعلق ہے اور سیر المتاخرین میں درج ہے، میں اصل فارسی عبارت کے بجائے اُردو ترجمہ درج کرتا ہوں اصل فارسی عبارت کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے" میر جملہ جب صوبہ عظیم آباد کے گورنر بنائے گئے تو امرائے دولت اُن کو رخصت کرنے کے لیے نعمت اللہ خاں پسر روح اللہ خاں عشرہ محرم کی وجہ سے تعزیہ داری امام مظلوم حضرت سید الشہداء میں مشغول رہے اور نہ جاسکے بعد عشرہ یہ بھی میر جملہ کو رخصت کرنے کے لیے گئے اتفاق سے اس وقت محمد امین خاں موجود تھے میر جملہ کے پہلو میں نعمت اللہ خاں بیٹھ گئے انھوں نے دیر میں آنے پر معذرت کرتے ہوئے کہا کہ معاف فرمائیے گا ماتم داری کی وجہ سے اب تک نہ آسکا یہ سُن کر محمد امین خاں نے طنزاً پوچھا کہ کیا جناب کے یہاں کسی کی موت ہوگئی ہے نعمت اللہ خاں نے کہا حضرت سید الشہداءؑ کا ماتم تھا یہ سُن کر محمد امین خاں نے کہا بھلا حضرت یہ تو فرمائیے ہم کو اس سے کیا غرض یزید و حسینؑ دو صاحبزادے تھے ہم کو آخر کیا ضرورت ہے کہ ایک کا ماتم کریں اور دوسرے کو بُرا کہیں اور پھر اُس کے اُٹھ جانے پر غم نہ کریں، نعمت اللہ خاں نے کہا ہاں ٹھیک ہے ہمارا شہزادہ شہید ہوا اس لیے ہم اُس کا غم کرتے ہیں اور آپ کے صاحبزادے نے فتح حاصل کی ہے آپ خوشی کیجیے آخر کار اس گفتگو نے اس قدر طول پکڑا کہ قریب تھا کہ خانہ جنگی ہوجائے لیکن میر جملہ نے درمیان میں پڑ کر رفع دفع کردیا۔" (سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۴۵۱ طبع نولکشور)

اس محل پر یہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نعمت اللہ خاں کا جملہ" ہمارا شہزادہ شہید ہوا اس لیے ہم اُس کا غم کرتے ہیں اور آپکے صاحبزادے نے

فتح حاصل کی ہے آپ خوشی کیجیے" ۔ بہت ہی لطیف و معنی خیز اور حقیقت پر مبنی ہے ، وضاحت کے لیے موضوع کلام سے ہٹ کر چند واقعات کا پیش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے ، سانحۂ کربلا کے بعد آل محمدؐ و دوستداران اہلبیت غم والم مناتے رہے اور آل مروان و یزید اور ان کے ماننے والے مسرت وشادمانی کے مظاہرے کرتے رہے ہیں، قتل حسینؑ کی وجہ سے یہ لوگ عاشور محرم کو عید مناتے، اس دن لباس نو پہنتے اور لذیذ کھانے پکواتے ہیں، سر میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں صرف یہی نہیں فرط مسرت وشادمانی میں عجیب وغریب ڈھونگ رچاتے رہے ہیں، علامہ ابوالفتح محمد بن علی بن عثمان الکراجکی اپنی تالیف "کتاب التعجب" میں اندلس کے مشہور شہر قرطبہ کے مسلمانوں کے متعلق لکھتے ہیں :-

" انھم یاخذون فی لیلۃ العاشوراء راس بقرۃ میتۃ و یجعلونہ علی عصاء ویحمل و یطاف بہ الشوارع والاسواق وقد اجتمع حولہ الصبیان یصفقون ویلعبون ویقفون بہ علی ابواب البیوت ویقولون یا مسی المروسہ اطعمینا المطنفہ یعنون القطائف وانما تعد لھم ویکرمون ویتبرکون بما یفعلون "۔

(کتاب التعجب بر حاشیہ کنز الفوائد علامہ کراجکی، و ذخیرۃ الدارین مولفہ عبدالمجید صفحہ ۴۳ طبع عراق)

قرطبہ کے مسلمان شب عاشور ایک مردار گائے کے سر کو کاٹ کر نیزہ پر بلند کرتے ہیں اور جلوس کے ساتھ اس کو بازاروں اور سڑکوں پر پھراتے ہیں اس کے گرد لڑکوں کا ایک مجمع ہوتا ہے جو اُچکتے، کودتے ہوئے تالیاں بجاتے رہتے ہیں اور ہر مکان کے دروازے پر رُکتے اور چلا چلا کر ایک مخصوص پکوان (قطیفہ) طلب کرتے ہیں جو خاص کر اسی لیے پکا کر رکھا جاتا ہے "۔

یہ تو اسپین کے مسلمانوں کا طریقۂ اظہار مسرت وشادمانی تھا، افغانستان میں اب تک کیا ہوتا ہے اس کے متعلق علامہ جمال الدین افغانی کی "تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان" ملاحظہ ہو، جمال الدین افغانی کی اس عربی تاریخ کا ترجمہ افغانی ادیب محمد امین خوگیانی کابلی مدیر جریدہ ملی "انیس کابل" نے کیا ہے ، عبارت ترجمہ ملاحظہ ہو:-

" در اہالی خوست وکرم بعض عادات خوارج دیدہ می شوند وایشان مجسمہ را تیار کردہ در غرہ زیر زمین دفن می نمایند و روز عاشورہ از زمین کشیدہ با ہلہلہ و شادمانی گردن مجسمہ را می کشانند "۔

(ترجمہ تتمۃ البیان صفحہ ۱۶۴ طبع کابل)

خوست وکرم کے مسلمانوں میں بعض عادتیں خارجیوں کی پائی جاتی ہیں یہ لوگ چاند رات محرم میں ایک مجسمہ بنا کر زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور عاشورہ کے دن اس مجسمہ کو زمین سے نکال کر انتہائی خوشی ومسرت کے ساتھ شور مچاتے ہوئے اس کی گردن کو کاٹتے ہیں ۔

خود ہمارے اس ہندوستان میں بھی اموی نواز مسلمان ہمیشہ موجود رہے ہیں اور آج بھی ہیں ان میں بھی عاشور کے دن عید منانا اور مسرت وشادمانی کے طور طریقے رائج تھے جس کے خلاف ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے ہدایت السعداء میں آواز بلند کی ہے صرف یہی نہیں بلکہ جہانگیر کے زمانہ میں ہندوستان میں ایسے مسلمانوں کی کمی نہ تھی جو محرم کا چاند دیکھ کر بڑی خوشی مناتے تھے

اور آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے،
(ملاحظہ ہو بہارستان غیبی مولفہ علاء الدین غیبی المعروف مرزا ناتھن مخاطب بہ شتاب خان معاصر جہانگیر بحوالہ
A SOCIAL HISTORY OF ISLAMIC INDIA, Page 56.) " نعمت اللہ خاں "سلاطین اہلسنت کے دور حکومت میں اس طرح علانیہ عزاداری کرتے تھے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مخالف حکومت میں ایک شیعی امیر جب اس طرح سوگواری کرتا تھا تو شیعہ سلاطین کے دور میں عزاداری کس سوگوارانہ طریقہ پر ہوتی ہوگی۔ نظام الدین احمد شیرازی مصنف تاریخ حدیقۃ السلاطین بعہد عبداللہ قطب شاہ (۱۰۲۵ تا ۱۰۸۳) جو دکن میں موجود تھا اس نے یہاں کی عزاداری کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے جو بہت دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہے اس کا بیان ہے کہ "عشرۂ محرم میں بادشاہ تخت سلطنت پر جلوس نہیں کرتا، تاج شاہی سر پر نہیں رکھتا، لباس شہریاری کے بجائے جامۂ سوگواری پہن لیتا ہے، نشاط و انبساط کی بساط الٹ دیتا ہے اور عیش و عشرت کے دروازے بند کر دیتا ہے، تمام ممالک محروسہ میں حکم شاہی صادر ہو جاتا ہے کہ نقار خانے خاموش، گانا بجانا موقوف، گوشت ممنوع، پان متروک، حجاموں اور حمامیوں کا کاروبار معطل، شراب، تاڑی، سیندھی، بھنگ وغیرہ کی دکانیں بند، مختصر یہ کہ تمام جائز تکلفات اور مباح لذات بھی ممنوع ہو جاتے ہیں، تمام ممالک محروسہ کا کوئی مقام اور کسی طبقے اور کسی مذہب کا کوئی آدمی ان احکام سے مستثنیٰ نہیں ہوتا، شاہی جامدار خانے سے کالے اور نیلے رنگ کے کئی ہزار جوڑے کپڑے اور سبز و سیاہ عصا، امیروں، وزیروں، درباریوں، ملازموں

ذاکروں اور مداحوں کو تقسیم کئے جاتے، دونوں شاہی امام باڑوں نیز شہر کے دیگر عاشور خانوں و عزاخانوں میں مجلسیں ہوتیں اور بڑی شان و شوکت و تزک و احتشام کے ساتھ دس دن روز انہ علم اٹھائے جاتے جس میں خود بنفس نفیس بادشاہ، وزراء اور امرار دولت سبھی شریک ہوتے۔" (حدیقۃ السلاطین)
بالکل اسی طریقہ سے اودھ، میسور، سندھ، بنگال کی شیعہ حکومتیں تھیں جہاں کے امرار، نوابین، بادشاہ و سلاطین مصروف عزا رہا کرتے تھے اس سلسلہ میں پنجاب کی نوزائیدہ شیعہ حکومت کو جو جلد ختم بھی ہوگئی فراموش نہیں کیا جا سکتا اس حکومت کے بانی نواب حیات اللہ خاں المخاطب نواب شاہنواز خاں ہیں جنھوں نے لاہور میں ایک مستقل شیعی حکومت کی بنیاد رکھی تھی جس کا خاتمہ احمد شاہ درانی نے اپنے حملوں سے کر دیا انھیں شاہ نواز خاں نے اپنے بزرگوں کا مذہب ترک کر دیا تھا اور مذہب شیعہ قبول کر لیا تھا یہ اپنے نئے مذہب میں کافی راسخ العقیدہ تھے تعزیت امام مظلوم میں انھوں نے بہت جوش سے کام لیا تھا، انھوں نے اپنی شاہی مہر میں ائمہ اثنی عشر علیہم السلام کے اسامی متبرکہ کندہ کرائے تھے، (تاریخ بیان واقع قلمی تصنیف حاجی عبدالکریم ولد خواجہ عاقبت محمود معاصر محمد شاہ) یہ زمانہ سلاطین مغلیہ کا آخری دور تھا اگرچہ اس دور کے سلاطین مغلیہ کی حکومت مضمحل ہو چکی تھی لیکن یہ سلاطین تعزیہ داری و دیگر رسوم عزا سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے؛ اس دور کے حالات تعزیہ داری و رسوم سوگواری اور دہلی کے امام باڑوں و مرثیہ خانوں سے آگاہ ہونے کے لیے خان دوران، موتمن الدولہ نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں سالار جنگ معاصر محمد شاہ

بادشاہ دہلی کی کتاب "مرقع دہلی" اور "بزم آخر" مصنفہ منشی محمد فیض الدین صاحب شاہ دہلی ابوظفر بہادر شاہ ثانی ملاحظہ ہوں۔

اسی طرح حیدرآباد دکن کی سُنّی فرمانروایان سلطنت نظام بھی نہ صرف تعزیہ داری سے دلچسپی لیتے رہے بلکہ نوحہ وسلام ومرثیہ کہنا اپنے لیے باعث سعادت ونجات آخرت سمجھتے تھے، سنّی روہیلہ حکومت کے بانی حافظ الملک نواب رحمت خاں بڑے محب اہلبیتؑ تھے ان کی عزاداری وسوگواری کے حالات کو "گلستان رحمت" مصنفہ نواب محمد مستجاب خاں میں پڑھا جا سکتا ہے حافظ الملک ہی کی وجہ سے روہیلوں میں تعزیہ داری کا رواج ہوا۔

نوابین اودھ میں وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ کی حالت یہ تھی کہ جنگ وسفر کی حالت میں بھی وہ اپنے ہمراہ چاندی کا تعزیہ اور دیگر لوازمات عزا اپنے ہمراہ رکھتے اور امام باڑہ کے لیے ایک بہت بڑا خیمہ (سیاہ رنگ) بھی رہا کرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ اسی سفر کی حالت میں تھے کہ ہلال محرم ہو گیا اور قصبہ جلالی میں مشغول عزا ہو گئے، منور علی خاں اپنی کتاب لوح تاریخ میں لکھتے ہیں "کول کی راہ میں ایک قصبہ جلالی ہے کہ سید اس میں رہتے ہیں وہاں محرم کا چاند دکھائی دیا تب شجاع الدولہ نے وہیں مقام کیا اور تعزیہ داری وہیں کی کہ امام باڑہ کپڑے کا کھڑا ہو گیا اور چاندی کے تعزیئے رکھے گئے کہ وہ امیروں کے ہمراہ سفر میں ہوتے ہیں چنانچہ نواب مظفر جنگ (بنگش فرخ آباد والے) اُسی مقام پر شیعہ ہوئے (لوح تاریخ قلمی ورق ۱۲۰ تصنیف ۱۲۵۵ھ نمبر ۱۵۱/۵۸ عبدالسلام کلکشن یونیورسٹی لائبریری) چونکہ تعزیہ داری کی اشاعت کی طرف نواب شجاع الدولہ کو بڑی رغبت تھی اس لیے چند مواضعات بطور نذر امامؑ قصبہ جلالی کے قدیمی امام باڑے میر خیرات علی کے نام وقف کر دیئے تاکہ اس آمدنی سے تعزیہ داری برابر ہوتی رہے۔

شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ کو تعزیہ داری کرنے میں خاص شہرت حاصل ہوئی، لکھنؤ میں عظیم الشان و بے نظیر امام باڑہ کو تعمیر کرا کے جملہ ساز وسامان سے اس کو آراستہ وپیراستہ کیا اور اس پر کروڑوں روپے خرچ کئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو جاگیریں وتعلقے عزاداری امام مظلومؑ کے لیے بطور معافی عطا کئے جو آج تک لوگوں کے پاس موجود ہیں اور عزاداری ہوتی ہے، اس عہد سے اودھ کے چپہ چپہ میں عزاداری کا عام رواج ہوا، شیعہ، سُنّی، ہندو ہر ایک امام کا عزادار ہوا، آصف الدولہ کے بعد دیگر نوابین وشاہان اودھ برابر عزاداری کو ترقی دیتے رہے، نوحہ ومرثیہ پڑھنے کا دستور عام ہوا، ذاکروں وحدیث خوانوں کی تعداد بڑھی، ہر نواب وبادشاہ نے بڑے بڑے امام باڑے ومشاہد متبرکہ کی شبیہیں، روضے اور کربلائیں تعمیر کرائیں گھر گھر مجلسیں ہونے لگیں،

جلوس عزا نکلنے لگے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے علاوہ کثرت کے ساتھ ہندو عزاداری و مجالس کرنے لگے اور انھوں نے امام باڑے تعمیر کرائے پہلے صرف چالیس دن تک تعزیہ داری ہوتی تھی لیکن نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ نے ۸ ربیع الاول تک عزاداری کو رواج دیا اس سلسلہ میں لکھنؤ کو خاص بات یہ حاصل تھی کہ شاہان اودھ و نوابین لکھنؤ کی روحانی و دینی قیادت و سرپرستی مجتہدین و علماء برابر کرتے رہے، حضرت غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ، سلطان العلماءؒ، سید العلماءؒ، ممتاز العلماءؒ وغیرہم کی رہبری خواص و عوام کو حاصل رہی۔

علمائے لکھنؤ نے اشاعت عزا کے لیے اثارۃ الاحزان، مجالس مفجعہ و دیگر کتب مصائب تالیف کئے اور حسینیۂ غفرانمآب و حسینیۂ رضوانمآب جیسے امام باڑے تعمیر کرائے جس کے نتیجے میں لکھنؤ کے محلّے محلّے اور گھر گھر امام باڑے و عزاخانے بن گئے اور مجموعی حیثیت سے شہر لکھنؤ کا تصور بحیثیت ایک عظیم عزاخانۂ امام حسینؑ کے کیا جانے لگا یہی وہ شہر حزن و غم ہے جہاں سے آداب و رسوم عزاداری کے آئین و ضوابط کو ہندوستان و پاکستان کے گوشہ گوشہ پہونچایا گیا جس کی وجہ سے لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ عزاداری کا رواج لکھنؤ کے نوابوں کے زمانہ سے ہوا حالانکہ واقعہ کربلا کے بعد ہی سے اس کا رواج ہر دیار و امصار میں ہونے لگا اور ہر ملک و قوم کے لباس رسم و رواج کو اس نے پہن لیا اور ہر آنے والے زمانے کے ساتھ وہ اپنے انداز کو بدلتی رہی، عزاداری امام حسینؑ میں یہ بڑی صلاحیت ہے کہ وہ ہر ملک و قوم کے عادات و رسوم کو قبول کر کے ان پر اثر انداز ہوئی ہے اُس نے عزاداروں میں حق شناسی و حق کوشی کا جذبہ پیدا کیا ہے، عزاداری حریت و آزادی کی تعلیم دیتی ہے صبر و استقلال، صداقت و شرافت، عزم و استقامت، شہامت و شجاعت رحمت و رافت کا سبق پڑھاتی ہے اور انسان کے دل سے ظلمت و قساوت کو دور کرتی ہے، عزاداری رقت قلب و گریہ کا سبب بن کر رونے والوں کو نیک خصلت و پاک طینت بناتی ہے، گریہ و ماتم "دعوت عمل" ہے یہی ہمارے قوت عمل کو توانائی بخشتا رہا ہے، تاریخ کے صفحات کو الٹ کر دیکھا جائے یہ آنسو بہانے والی اور سینہ کوبی کرنے والی قوم جرأت و استقلال کے کتنے مظاہرے پیش کر چکی ہے یہ عزادار قوم ہی تھی جس نے ظالموں کو رسوا کیا جس نے آل ابوسفیان و آل مروان کے ظالم و جابر فرماں رواؤں کی بساط حکومت کو پارہ پارہ کر دیا اور جس نے جبابرہ بنی عباس کی عمارت حکومت کو ایک معمولی سی ٹھوکر میں مسمار کر دیا، یہ رونے والی اور نوحہ و مرثیہ پڑھنے والی قوم ایک ایسے عزم و قوت کی مالک ہے کہ اس سے کام لے کر جب جس کو چاہتی ہے تاج و تخت کا مالک بناتی ہے اور جس کو چاہتی ہے تخت و تاج اس سے لیکر دوسروں کو دے دیتی ہے، دمشق، بغداد، مصر و ایران اور ہندوستان کی تاریخیں ہمارے عزائم کا پتہ دیتی ہیں۔
ہم نے دنیا میں امن و اماں باقی رکھنے

کے لیے جان کی بازی لگا دی اور اپنا خون بہایا لیکن دوسروں کے خون کو گرنے نہیں دیا، میدان جنگ میں ہم حسینؑ پر روتے بھی جاتے تھے اور اپنی تلوار کے جوہر بھی دکھلاتے تھے، ہم کو تو افراطِ گریہ کی تمنا رہی جتنا بھی روئے اس کو بہت کم سمجھا، رونا ہی تو ہماری توانائی اور اصلی حیات زندگی ہے اس لیے گریہ ہمارا قومی شعار ہے، عزاداری امام حسینؑ میں اپنے غم و اندوہ کے ساتھ ہم نے جس نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا ہے اُس نے یورپ کے ہوشمند مفکرین کو چونکا دیا ہے، چنانچہ مسٹر آرتھر گلمین "A. GILMAN" مشہور یورپین مورخ نے عباسی سطوت و جبروت کے خاتمے اور بغداد کی شان و شوکت کی بربادی پر یہ کہا ہے کہ:-

"But Islam did not die

اس کے ثبوت میں کہ اسلام کو موت نہیں آئی بلکہ زندہ ہے وہ کہتا ہے:-

" اٹھارہ کروڑ انسان اب تک رسول کی تعلیمات پر کاربند ہیں، دن میں پانچ مرتبہ وہ اپنی چٹائیاں (جانماز) بچھاتے ہیں اور اپنا چہرہ اس سمت کی طرف موڑ دیتے ہیں جسے رسول کی پیدائش نے ان کے لیے مقدس بنا دیا ہے اور ان کی بتلائی ہوئی نماز پڑھتے ہیں، روزانہ موذن کی آواز ہزاروں میناروں سے بلند ہوتی ہے اور اہل ایمان کی توجہ کو جسارت کے ساتھ اس دنیا کے خیالات سے آخرت کی طرف منعطف کر دیتی ہے اور سالانہ محرم کی آمد پر لکھوکھا ماننے والے شہید کربلا کے مصائب پر اظہار حزن و ملال کرتے رہتے ہیں اور ایسے جوش و انہماک کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اُن فرماں رواؤں کا اقتدار اُن کے سامنے لرزہ بر اندام رہتا ہے۔"

The Saracens by Arthur Gilman, page 441, 442

کیا خوب کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے ؎

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ از ہم یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک او فشاں

(رموز بیخودی)

"تاریخ عزاداری جونپور"

سنہ ۴۳۴ھ لغایت سنہ ۱۳۸۹ھ

(جناب زین العباد مرزا صاحب، عباس مرزا روڈ جہانگیر آباد شہر جونپور)

آغاز عزاداری

واقعۂ کربلا کے ۳۷۳ سال اور ولادت جناب امام عصر علیہ السلام کے ۱۷۸ سال بعد بلاد ہند میں جس مقام پر عزاداری شہدائے کربلا کا آغاز ہو چکا تھا وہ سرزمین شیراز ہند جونپور کی ہے۔

جونپور میں عزاداری امام مظلوم کی تاریخ تقریباً ایک ہزار سال سے کچھ زائد کی حامل ہے۔ آج سے ۹۵۵ سال قبل یعنی سنہ ۴۳۴ھ کا تذکرہ مستند مقامی کاغذات و تواریخ سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ شرقی مانو منٹ آف جونپور از فصیح الدین اور فیصلہ مقدمہ مسجد سید سالار واقع ظفرآباد جونپور مورخہ ۱۵ر جولائی سنہ ۱۸۴۶ء مسٹر آر۔ جے۔ ٹائلرسٹن جج عدالت دیوانی جونپور سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۴۳۴ھ میں سید سالار مسعود غازی ملتان اور دہلی کی راہ سے آ کر موجودہ شہر جونپور سے تین میل کے فاصلے پر دریائے گومتی کے جنوبی ساحل پر بمقام منیچ جس جگہ کو اب ظفرآباد کہتے ہیں مقیم ہوئے اور اپنے معمول کے مطابق تبلیغ و ترویج دین میں کوشاں رہے اور ایک عالیشان مسجد کی بنا ڈالی جو آج تک موجود اور آباد ہے۔ سید سالار سیرت رسولؐ و آل رسولؐ اور فضائل مصائب و قربانی شہدائے کربلا کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ جب تعمیر مسجد مکمل ہو چکی یہی جگہ تبلیغ کا مرکز قرار پائی۔

اسی وقت سے ہلال محرم نمودار ہوتے ہی اس مسجد میں ایک شبیہ علم مبارک نصب کر دیا جاتا اور لوگ اعتکاف میں رہتے اور ایام عزا میں سوگوارانہ زندگی بسر کرتے۔ ہر شب بعد ذکر مصائب شہدائے کربلا شیرینی پر فاتحہ ہوتا اور حاضرین میں تقسیم کر دی جاتی۔ یہ عزاداری کی مستقل صورت کا آغاز تھا مگر اسے بھی بہت قبل سے صوفیائے کرام نے سرزمین جونپور پر ایام عزا میں سوگوارانہ زندگی بسر کرنے کا رواج قائم کر رکھا تھا اور نذر و فاتحہ کا سلسلہ رائج تھا۔

تغلق دور میں جونپور کی عزاداری سنہ ۷۲۱ھ سے ۷۹۶ھ

سنہ ۷۲۱ھ میں منیچ کا حکمراں راجہ سنکیت سنگھ ہوا۔ اس راجہ نے تبلیغ اسلام اور منیچ میں مسلمانوں کے کسی اجتماع کو پسند نہ کیا اور مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم کو روا رکھا، یہاں تک کہ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ انہی ایام میں حضرت مخدوم آفتاب ہند سہروردی اور حضرت مخدوم صدر الدین چراغ ہند کا گذر ان اطراف میں ہوا چونکہ ان حضرات کا شمار اولیاء کاملین میں تھا مسلمانوں نے ان کو اپنے حالات سے آگاہ کیا چنانچہ ان اولیاء اللہ نے منیچ پہونچ کر حالات کا مشاہدہ کیا خود وہیں مقیم ہو گئے اور بادشاہ دہلی سلطان غیاث الدین تغلق

کو مقامی حالات سے مطلع کیا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے ظفر خاں کو بہ تعجیل تمام روانہ کیا جس نے منیچ پہونچ کر یہاں تسلط حاصل کیا اس کے بعد منیچ کا نام ظفر آباد رکھا گیا جو آج تک مشہور و قائم ہے اب ان صوفیائے کرام نے ظفر آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اپنی اپنی خانقاہوں میں عزاداری فرزند رسولؐ قائم کی ان کے تعمیر کردہ عزاخانے اور امام چوک اب تک موجود اور آباد ہیں۔ آج بھی ظفر آباد میں شیعہ سنی سب ہی تعزیہ داری کرتے ہیں۔ زیادہ بہت سے قدیم امام چوک موجود ہیں جن پر محرم میں تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ وہاں نہیں مخصوص عزاخانہ اور امام چوک حضرت مخدوم آفتاب ہند اور حضرت مخدوم چراغ ہند و حضرت ملا مخدوم قیام الدین سہروردی حضرت مخدوم بندگی شیخ جلال الحق ناصحی کے ہیں جن پر زمانہ محرم میں عزاداریوں کا سلسلہ قائم ہے۔

فیروز شاہ تغلق کا موجودہ شہر جونپور آباد کرنا

جب فیروز شاہ تغلق نے ۷۷۲ھ مطابق ۱۳۷۰ء میں موجودہ شہر جونپور کی بنیاد ڈالی تو اس نو تعمیر شہر کی آبادی کے ساتھ ہی یہاں بھی عزاداری کا آغاز ہوا کیونکہ جن لوگوں نے یہاں سکونت اختیار کی ان میں شیعہ سنی سب ہی تھے اور عوام پر صوفیائے کرام اور علماء کا خاص اثر تھا اور یہ لوگ ایام محرم میں سوگوارانہ زندگی بسر کرتے اور عزاداری کے ذریعہ دین کی تبلیغ کرتے ان کی وجہ سے سنی مسلمانوں کو بھی عزاداری سے دلچسپی تھی۔

فتوحات شرقی از میر محمد قاسم و بیاض مولانا نصیر اور تاریخ عزاداری جونپور از مولوی خیرالدین صاحب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیا شہر جونپور آباد ہونے کے بعد پہلا عزاخانہ جو اس شہر میں تعمیر ہوا وہ ۷۷۳ھ میں حضرت مولانا مخدوم سید علی نصیر کا چھتری گھاٹ کا تھا جو آج تک قائم اور آباد ہے۔ دوسرا عزاخانہ جو اس شہر میں تغلق عہد میں تعمیر ہوا تھا وہ عزاخانہ فاطمہ بی بی عرف بھوا بیگم کا ہے یہ عزاخانہ آج بھی قائم اور آباد ہے۔ ان دو مخصوص عزاخانوں کے علاوہ متعدد عزاخانے تغلق دور میں اور بھی تعمیر ہوئے تھے جنکو سکندر لودی نے مسمار کرا دیا تھا۔ اب صرف ان عزاخانوں کے امام چوک باقی بچے ہیں اور مومنین شہر کی توجہ سے ان پر شب عاشور ہمیشہ سے تعزیے رکھے جاتے ہیں۔

شرقی دور کی عزاداریاں ۷۹۶ھ سے ۸۹۳ھ

جس وقت ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء میں ملک الشرق خواجہ جہان نے جونپور کو پایہ تخت قرار دے کر خود مختار سلطنت قائم کی اس وقت تک عزاداری فرزند رسولؐ اس سرزمین پر تقریباً ۳۰۰ سال کی تاریخ کی حامل ہو چکی تھی۔ خواجہ جہان مذہباً شیعہ ہونے کے سبب خمس برابر ادا کرتا اور تمام رسوم عزاداری اس کے محل میں بجا لائے جاتے تھے خود کوئی عزاخانہ نہ بنوا سکا کیونکہ نئی حکومت ہونے کی وجہ سے اس کی زیادہ تر توجہ استحکام سلطنت کے کاموں میں رہی۔ پھر بھی شہر کے عزاخانوں میں برابر شرکت کرتا اور عوام میں جذبہ عزاداری کو ہر ممکن انداز سے فروغ دیتا۔ اس کی مدت حکومت صرف چھ سال تھی۔

عہد سید مبارک شاہ شرقی

ملک الشرق خواجہ جہان کے بعد ۸۰۲ھ مطابق ۱۳۹۹ء میں سید مبارک شاہ شرقی سلطنت شرقیہ کے تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اگرچہ اس کی حیات نے وفا نہ کی اور اس کی مدت حکومت صرف دو سال رہی پھر بھی اس نے اپنے عہد میں خواجہ جہان کی رسم عزاداری اور فریضہ خمس کو حسب دستور قائم رکھا اور مقامی عزاخانوں اور عزاداریوں کو فروغ پہونچایا اور اس سلسلہ میں عوام کی حوصلہ افزائی کی۔

عہد ابراہیم شاہ شرقی

۸۰۴ھ میں سید مبارک شاہ کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی سید ابراہیم شاہ شرقی تخت و تاج کا وارث قرار پایا۔ اس کی مدت حکومت چالیس سال ہوئی اس نے اپنے دور حکومت کا آغاز خانہ خدا کی تعمیر سے کیا۔ مسجد اٹالہ جونپور جس کی بنیاد فیروز شاہ تغلق نے رکھی تھی تعمیر کرایا

جس کی طرز تعمیر میں روایتی اسلامی طرز سے کافی انحراف پایا جاتا ہے کیونکہ مسجد اور عزاخانہ دونوں مخلوط طور پر تعمیر ہوئے تھے۔ کار تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد ابراہیم شاہ نے مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی کو جو اولیا کاملین میں سے تھے مدعو کیا۔ آپ آخر ماہ ذی الحجہ میں جونپور پہونچے اور اٹالہ مسجد میں مقیم ہوئے۔ جب محرم کا چاند نمودار ہوا تو مسجد اٹالہ کے وسیع صحن میں ایک شبیہ علم مبارک نصب کیا اور معتکف ہو کر سوگوارانہ زندگی بسر کرنے لگے اس دور کی عزاداری کے رواج کے مطابق ہر شب واقعات کربلا کے تذکرہ کے بعد شیرینی پر فاتحہ ہوتا اور وہی تقسیم کی جاتی۔ اسی وقت سے ہر سال زمانہ محرم میں اٹالہ مسجد کے اندر عزاداری ہوتی رہی اور صدیوں قائم رہی یہاں تک کہ جونپور میں فرقہ ناصبی کا زور ہوا۔ اس وقت مسجد اٹالہ، بڑی مسجد اور دیگر جگہوں پر جہاں منتظم عزاداری برادران اہلسنت تھے سلسلہ عزاداری بند ہو گیا۔

عزاخانہ خانقاہ نوحہ گران

ابراہیم شاہ شرقی نے ایک وسیع مربع چبوترے پر جہاں ملک الشرق خواجہ جہان اور سید مبارک شاہ شرقی کی قبریں تھیں ایک عظیم الشان عزاخانہ تعمیر کیا جو خانقاہ نوحہ گران کے نام سے موسوم ہوا۔ جہاں مجالس عزا اور تعزیہ داری شاہی اہتمام سے ہوتی تھی سکندر لودی نے اس عزاخانہ کو مسمار کر دیا تھا جو دالان باقی رہ گیا تھا اس کے شمال جانب شہ نشین میں علم مبارک اور تربت آج تک رکھی جاتی ہے اور محرم میں عشرہ مجالس بھی مسلسل ہوتا آرہا ہے۔ عزاخانہ خانقاہ نوحہ گران میں تمام شاہان شرقی وصیت کے مطابق دفن کئے گئے ہیں اسی لئے وہاں قبروں پر کوئی گنبد بھی نہیں بنایا گیا کہ عزاخانے کے لئے سوء ادب تھا۔ ابراہیم شاہ شرقی کی وصیت کے مطابق اُن کی قبر پر ۹ محرم کو ایک تعزیہ رکھا جاتا ہے جو اب تک قائم ہے۔

عزاخانہ اور خانقاہ حضرت صدر جہاں اجمل محلہ سپاہ جونپور

شرقی مانومنٹ آف جونپور کے فاضل مولف سید فصیح الدین صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ابراہیم شرقی حضرت صدر جہاں اجمل کا معتقد تھا اور انہی کی فرمائش پر بادشاہ نے ان کی خانقاہ واقع محلہ سپاہ کے قریب جھنجھری مسجد بھی تعمیر کرائی تھی اس خانقاہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں شرقی مانومنٹ میں ایک معجزہ بھی درج ہے۔ کہ ایک شب حضرت صدر جہاں اجمل پر دوران عبادت میں غنودگی طاری ہوئی اور اسی عالم میں حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ کو دیکھا کہ آپ خانقاہ میں تشریف فرما ہیں اور محراب عبادت میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ جب صدر جہاں اجمل بیدار ہوئے تو فوراً دو گز اس محراب تک گئے دیکھا کہ اس جگہ زمین نم ہے اور سنگین فرش پر قدم مبارک کے گہرے نشان موجود ہیں بس اسی روز سے خانقاہ کا وہ حصہ نبی صاحب کے نام سے موسوم ہوا اور آج تک وہاں عزاداری کا سلسلہ قائم ہے۔

سید محمود شاہ شرقی کا عزاخانہ

سید محمود شاہ شرقی سلطان ابراہیم شاہ شرقی کا بیٹا ۸۴۴ھ میں سریر آرائے حکومت جونپور ہوا۔ اس کی مدت حکومت ۱۸ سال ہوئی۔ محمود شاہ نے ایک عالیشان عزاخانہ محلہ جلبدلش پور میں تعمیر کیا تھا جسکو مثل عزاخانہ خانقاہ نوحہ گران کے مرکزی حیثیت حاصل تھی اس عزاخانہ کو سکندر لودی نے بشکل کھنڈر تبدیل کر دیا تھا۔ بعد کو مومنین شہر نے خاص مقام پر ایک حجرہ تعمیر کر لیا پھر رفتہ رفتہ زیارت گاہیں بنائی گئیں آج بھی عزاخانہ جونپور صدر امام باڑہ کہا جاتا ہے جہاں ۱۰ محرم - ۱۹ صفر اور ۲۸ صفر کو دریائے گومتی کے شمالی ساحل پر آباد محلوں کے تعزیئے دفن کیلئے آتے ہیں اور جنوبی ساحل پر آباد جونپور کے محلوں و مضافات کے تعزیئے کربلا خانقاہ ذاکران نواب غازی مرزا منعم خاں خانخاناں کی کربلا واقع محلہ گنگھرہ میں دفن ہوتے ہیں۔

عزاخانہ مولانا سید داؤد محلہ لال دروازہ جونپور

محمود شاہ شرقی کی ملکہ راجے بی بی نے مسجد لال دروازہ اور اس مسجد سے متصل ایک عزاخانہ خانقاہ اور مدرسہ مولانا سید علی داؤد کے لئے تعمیر کیا تھا سکندر لودی کی فوجوں نے محلات شاہی کے ساتھ اس عزاخانہ، خانقاہ اور مدرسہ کو بھی مسمار کر دیا۔ اس عزاخانہ کی پسماندہ یادگار میں حضرت امام کا چوک باقی ہے جس پر حسب روایات قدیمہ ۹ محرم کو ایک تعزیہ اب بھی رکھا جاتا ہے۔

حسین شاہ شرقی کے عہد کی عزاداریاں

سید حسین شاہ شرقی ۸۶۲ھ میں حکومت جونپور کا فرمانروا ہوا اسکا زیادہ تر وقت دہلی کے بادشاہ بہلول لودی اور سکندر لودی کے جارحانہ حملوں کی مدافعت میں صرف ہوا۔ تاہم حسین شاہ نے ایک نئی عزاداری قائم کی اور اپنی تعمیر کردہ جامع الشرق

یعنی بڑی مسجد جونپور کے اندر عزاداری شروع کی جس کی مخصوص جگہ حوض کے سامنے چبوترہ پر معین تھی جو کچھ عرصہ پہلے ناصبی تحریک کی وجہ سے بند ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ حسین شاہؒ نے ایک عزاخانہ اور امام چوک جامع الشرق کے جنوبی پھاٹک کے سامنے تعمیر کیا تھا۔ علاوہ ان کے عزاداری کو عام فروغ دینے میں بڑی دلچسپی لی۔ جونپوری طبل کا موجد بھی یہی بادشاہ ہے۔

عزاخانہ سیّد احمد خضری

حسین شاہ شرقی کے دور حکومت میں متعدد عزاخانے تعمیر ہوئے اور نئی عزاداریاں بکثرت قائم ہوئی تھیں چنانچہ جب مخدوم عثمان شیرازی کے پوتے سید احمد خضری نے مسجد خالص مخلص سے متصل خانقاہ عثمان شیرازی کے جانب مغرب ایک عزاخانہ شاندار اور پختہ تعمیر کیا یہ عزاخانہ سکندر لودی کی تاراجی سے محفوظ رہا چنانچہ اب تک باقی اور آباد ہے۔ اور اب "میر گھر" کے عزاخانہ کے نام سے موسوم ہے۔

شہزادوں کا تعزیہ

جب ہمایوں شاہ بادشاہ دہلی نے شاہزادہ حسین شاہ شرقی ابن شاہزادہ محمود شاہ ابن شاہزادہ جلال شاہ والی گور بنگال جو سلطان حسین شاہ شرقی کا بیٹا تھا یعنی شاہزادہ حسین شاہ آخری تاجدار سلطنت شرقیہ سلطان حسین شاہ کے پوتے کا بیٹا تھا اس کو ہمایوں نے منصب ہفت ہزاری دے کر عمر خان کا لقب عطا کیا اور صوبہ بہار کی جاگیر بھی بخشی اس کے کچھ عرصہ بعد شاہزادہ حسین شاہ جونپور آیا اور اپنی پہلی توجہ خاندانی عزاخانہ، خانقاہ، نوحہ گران اور حسین شاہ کے مسمار شدہ عزاخانہ کے چوک پر مینڈول کی اور ان کی مرمت کرائی اور عزاداری کا اہتمام کیا اسی وقت سے اس چوک کی عزاداری پھر سے جاری ہوئی اور آج تک قائم ہے اور شاہزادوں کا تعزیہ کہا جاتا ہے۔ ایک تربت ۹ محرم کو سلطان حسین شاہ شرقی کی قبر پر بھی ان کی وصیت کے مطابق رکھی جاتی ہے اور یوم عاشور کو قبر سے اٹھا کر شاہزادوں کے تعزیہ کے ہمراہ صدر امام باڑہ لے جائی جاتی ہے۔

لودی حکومت میں جونپور کی عزاداری، ۱۴۸۷ء تا ۱۵۲۷ء

سکندر لودی کی تاراجی جونپور کا منظر بہت ہی دردناک ہونے کے ساتھ ساتھ شیعان جونپور کے لئے ایک بہت ہی سخت امتحان کا زمانہ تھا۔ خانہ خدا تباہ، حسینؑ مظلوم کے نام لینے والوں سے حکومت بیزار، عزاخانے کھنڈرات کی شکل میں اپنی مظلومیت پر خود ماتم کر رہے تھے۔ مگر شیعان جونپور اور دوست داران مظلومین کربلا کے لئے یہ کوئی نئی چیز نہ تھی آخر قبر حسینؑ بھی تو بار بار کھودی جا چکی تھی اور ہر بار قدر رتبے پہلے سے بہتر یادگار قائم کر دی، بس یہی وہ قوت احساس تھی جو عزاداران مظلوم کربلا کے دلوں کیلئے باعث تقویت بنی رہی اور شیعان جونپور ہر گام پر صبر اور مستقل مزاجی سے کام لیتے ہوئے فرائض عزا کو انجام دیتے رہے اور حالات کا مقابلہ کرتے گئے کہ زمانہ پلٹا، خانہ خدا اور عزاخانہ کو مسمار کرنے والوں کا تخت و تاج پانی پت کے میدان میں لٹ گیا، بانیان ظلم چشم زدن میں فنا ہو گئے بابر کامیاب رہا، ابراہیم لودی ابن سکندر میدان جنگ میں مارا گیا۔

مغل دور کا آغاز ہوا۔ قدرت نے ہمایوں شاہ ہند اور طہماسپ شاہ ایران کے درمیان ذکر فضائل و مصائب شہدائے کربلا برسر منبر رواج دینے کے معاہدہ کے لئے اسباب مہیا کر دیئے۔ نواب غازی مرزا منعم خان خانخاناں اس معاہدہ کے نگراں کی حیثیت سے ہندوستان آئے پھر عہد اکبری میں جونپور کے گورنر مقرر ہوئے۔ جن کے دور میں جونپور کو شیعہ مرکزیت تمام بلاد ہند میں حاصل ہوئی۔ حالات کے اس ردوبدل کو اگر ایک معجزہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

عہد مغلیہ میں جونپور کی شاندار عزاداری
سنہ ۱۵۲۷ء لغایۃ سنہ ۱۷۶۴ء "عہد اکبر اعظم"

عزاخانہ خانقاہ ذاکرین نواب غازی
مرزا منعم خان خانخاناں محلہ کنگھرہ جونپور

عہد مغلیہ کے آغاز کے بعد بابر اور ہمایوں کا دور بہت مختصر گذرا۔ مگر جونپور کی عزاداریوں پر کوئی برا اثر نہیں پڑا۔ شاہزادہ ہمایوں نے سنہ ۱۵۲۶ء میں جونپور پر حملہ کر کے اس علاقہ کو سلطنت مغلیہ میں شامل کیا تھا۔ اسی وقت سے ہمایوں جونپور کی شیعی مرکزیت سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کے بعد جب ہمایوں شاہ ایران کی توجہ اور امداد سے دوسری بار تخت و تاج کا مالک ہوا تب سے اور خاندان مغلیہ کے ہر بادشاہ نے طہماسپ شاہ ایران اور ہمایوں کے درمیان معاہدہ کے احترام میں ذکر فضائل و مصائب شہدائے کربلا پر کوئی پابندی نہ لگائی اور جونپور جیسے شیعی مرکز کے لئے ہمیشہ شیعہ گورنر کا انتخاب کرتے رہے۔ سید منعم جو شاہ ایران کی جانب سے معاہدہ کی شرائط کے نگراں کی حیثیت سے ہندوستان آئے تھے اور ہمایوں اور اکبر کے شروع شروع کی مشکلات میں ان کے مشورے بہت مفید ثابت ہوتے رہے۔ چنانچہ اکبر اعظم نے شاہ ایران سے مشورہ کے بعد سید منعم کو اپنا وزیر اور نورتن مقرر کیا۔ جب علی قلی نے بار بار جونپور سے علم بغاوت بلند کیا تو سید منعم کو جونپور پر قابو حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جونپور پہنچنے پر ان کا قیام شروع شروع میں حکیم کمال کی مسجد کے پشت پر شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ ایک سنگین عمارت میں رہا۔ اکبر اعظم نے خود بھی جونپور میں قیام کیا اور ایک محل قلعہ شاہی سے الگ محلہ کنگھرہ میں تعمیر کرایا جس کو "فلک نما" کہا جاتا تھا۔ جب علی قلی مغلوب ہوا اور جونپور کی طرف سے بادشاہ کو اطمینان حاصل ہو گیا تو جونپور سے چوسہ تک کی جاگیر اور اپنی محل سرا فلک نما اکبر نے سید منعم خاں کو عطا کر دی اور نواب غازی، مرزا اور خانخاناں کے خطابات بھی عطا کئے۔ سنہ ۹۷۲ھ میں نواب غازی مرزا منعم خاں خانخاناں محل سرا فلک نما واقع محلہ کنگھرہ میں منتقل ہو گئے اسی سال خانخاناں نے کنگھرہ میں ایک عزاخانہ تعمیر کیا جو خانقاہ ذاکران کے نام سے موسوم ہوا جو سنہ ۱۷۷۴ء کے عظیم سیلاب میں منہدم ہو گیا۔ آج بھی آبادی محلہ کنگھرہ اور مقبرہ نواب غازی مرزا منعم خانخاناں کے مقابل سڑک سرکاری کے شمالی جانب بشکل ٹیلہ موجود ہے اور کنگھرہ کی کربلا کے نام سے مشہور ہے۔

نواب غازی کا تعمیر کردہ چوک جو یہاں موجود ہے اس نمونہ کا امام چوک نہ تو شہر جونپور میں کوئی اور ہے اور نہ ملک کے دیگر حصوں میں کہیں پایا جاتا ہے۔ اس طرح کا چوک اور کربلا ملک ایران کے اکثر حصوں میں ملتے ہیں۔ اس چوک کے بیچ میں پتھر تراش کر ایک گول سوراخ بنایا گیا ہے جس میں دریائے گومتی کے جنوبی ساحل پر آباد محلوں اور مواضعات کے تعزیوں کے پھول اور چھوٹی تربتیں یوم عاشور اور چہلم شہدائے کربلا پر ڈالی جاتی ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ کہاں گئیں۔

تاریخ کنگھرہ از مرزا حسین علی بیگ فارسی قلمی اور دیوان فارسی خانخاناں کے دیباچہ از میر مرتضیٰ علی کاظمی میر کتب خانہ خانخاناں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عزاخانہ میں عزاداری بطریق ملک ایران رائج تھی۔ مخصوص ہوا کرتی تھی اور ذاکرین اہلبیت رسول ؐ کا اجتماع رہا کرتا تھا۔

عہد نوابی میں نواب شجاع الدولہ بہادر کی توجہ اس عزاخانہ کی جانب مبذول ہوئی اس کی قدامت خدمت دینی اور تاریخ اور بانی عزاخانہ کی شخصیت نے نواب بہادر کو بہت متاثر کیا ان کی دلچسپیوں کی وجہ سے اس عزاخانہ کی عزاداریوں میں ایک بار پھر

شاہی شان نظر آنے لگی تھی۔ ۱۸۷۱ء کے سیلاب گومتی سے زیادہ عظیم اور تباہ کن سیلاب جونپور میں اب تک نہیں آیا ہے اس سیلاب میں جہاں جونپور کو بہت سی حیثیتوں سے تباہ کر دیا وہاں نواب غازی مرزا منعم خانخاناں کے اس متبرک اور بزرگ عزاخانہ سے بھی محروم کر دیا۔ جب نواب شجاع الدولہ بہادر کو خبر ہوئی تو اس کی از سر نو تعمیر کے لئے رقم کثیر منظور کی تاریخ کنگھرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سال نواب شجاع الدولہ راہی ملک عدم ہوئے اور نواب آصف الدولہ کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک مزید صلح نامہ کرنا پڑا جس کی رو سے جونپور پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا، صرف نواب کی فوج کا ایک دستہ قلعہ شاہی میں رہنے لگا ساتھ ہی نواب آصف الدولہ بہادر نے اپنا دار الحکومت فیض آباد سے لکھنؤ تبدیل کر دیا چنانچہ زمانہ قحط میں نواب آصف الدولہ نے جو رقم مرحوم شجاع الدولہ نے خانقاہ ذاکران کے لئے دینا تجویز کی تھی اس سے عزاخانہ ہی تعمیر کرانے کے سلسلہ میں محلہ مچھلی بھون لکھنؤ میں ایک عظیم الشان امام باڑہ تعمیر کرا دیا۔ اس کے بعد شاہان اودھ کے یہاں یہ دستور بن گیا کہ ہر حکمران اپنے عہد کی یادگار میں ایک عزاخانہ کی تعمیر کرتا رہے۔ جس سے سارا ہندوستان متاثر ہوا۔

عزاخانہ سید غلام عباس مرزا سنگین بیگ محلہ کنگھرہ

سید غلام عباس (مرزا اور سنگین بیگ خطابات) مرزا نواب غازی منعم خان خاناں کے حقیقی بھتیجے تھے۔ اُس فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے ہندوستان آئے جو شاہ ایران طہماسپ شاہ نے ہمایوں کے ہمراہ کی تھی۔ عہد اکبری میں پہلے لکھنؤ میں ملٹری گورنر رہے بعد کو جب خانخاناں کا سپہ سالار اور فوزل خان (غازی اور مرزا خطابات) جو ایک بہادر افغان سردار تھا اور جونپور میں اپنے نام سے محلہ محال غازی آباد کر کے سکونت اختیار کی تھی فوت ہو گیا تو اکبر اعظم نے مرزا سنگین بیگ کو لکھنؤ سے جونپور کا ملٹری گورنر مقرر کر دیا۔

جب جونپور آئے تو مطابق تاریخ کنگھرہ انھوں نے ایک عزاخانہ خان خاناں کی محلسرا "فلک نما" سے جانب جنوب تقریباً سو فٹ کے فاصلہ پر تعمیر کیا اور تاحیات بڑے ذوق و شوق سے عزاداری کرتے رہے۔ بعد وفات اہل خاندان نے اس عزاداری کو قائم رکھا یہاں تک کہ ۱۸۷۱ء کے سیلاب میں یہ عزاخانہ منہدم ہو گیا جیسا کہ اندراج کاغذات سرکاری سے واضح ہوتا ہے۔ اب اس عزاخانہ کی پسماندہ یادگار میں ایک پختہ چوک باقی ہے جس پر ۲۰ صفر کو کنگھرہ کا چہلم ہوتا ہے۔ چونکہ جونپور میں چہلم شہدائے کربلا کی عزاداری ۱۹ صفر کو ختم ہو جاتی ہے اور اصل تاریخ چہلم یعنی ۲۰ صفر کو صرف عزاخانہ مرزا سنگین بیگ ہی پر تعزیہ رکھا جاتا ہے اور بعد ختم مجلس جلوس برآمد ہو کر حسب دستور قدیم کربلا خانقاہ ذاکران جا کر دفن ہوتا ہے۔ اہل جونپور میں اس چہلم اور عزاخانہ کی بڑی اہمیت ہے۔

عزاخانہ شیخ احمد مخدوم شاہ اڑھن

عزاخانہ شیخ احمد واقع محلہ مخدوم شاہ اڑھن جو اب امام باڑہ چہار سو کہلاتا ہے۔ عہد اکبری میں شیخ احمد ہفت ہزاری جاگیردار نے تعمیر کیا تھا۔ ایک صدی قبل یہ ایک وسیع اور قابل دید عمارت تھی اب اس کا کافی حصہ سرکاری سڑک میں آ گیا ہے اس عزاخانے کے اتر جانب چوک واقع ہے اس پر محرم کی چاند رات کو ایک علم مبارک نصب کیا جاتا ہے اور نذر ہوتی ہے۔ عشرہ محرم بھر مجالس کا سلسلہ قائم رہتا ہے بعد کو ہر سنیچر کی شب میں تا چہلم مجالس کا سلسلہ قائم رہتا ہے یوم عاشور بعد زوال روبروئے ضریح فاتحہ خوانی خاص اہتمام سے ہوتی ہے اس کے بعد ضریح بشکل جلوس معمول قدیم

کے مطابق حکیم کحال کے عزاخانہ تک جاتی ہے کیونکہ قدیم زمانہ میں جب تک حکیم کحال کا عزاخانہ قائم تھا اور عزاداری ہوا کرتی تھی دونوں عزاخانوں کے تعزیے کربلا خانقاہ ذاکران کنگھرہ جاکر دفن ہوتے تھے۔ موجودہ صورت میں شیخ احمد مرحوم کے عزاخانہ کی ضریح صدر بھاٹک شیعہ جامع مسجد تک جاکر پھر واپس ہو جاتی ہے اور صدر امام باڑہ جونپور جاکر دفن کی جاتی ہے۔

حکیم محمد کحال کا عزاخانہ

سنہ ۹۷۲ھ میں اکبر اعظم کے شاہی طبیب حکیم محمد کحال نے لب دریائے گومتی متصل اکبری پل جونپور ایک مسجد (جو اب شیعہ جامع مسجد جونپور کہلاتی ہے) اور اس کے ساتھ حمام اور اس کی بغل میں ایک عزاخانہ تعمیر کیا تھا اور عزاداری کیا کرتے تھے عشرۂ محرم میں مجالس اور یوم عاشور کو تربت جلوس کے ساتھ برآمد ہو کر شیخ احمد محلہ مخدوم شاہ اڈہن کی ضریح کے ساتھ کربلا خانقاہ ذاکران نواب غازی مرزا منعم خاں خانخاناں واقع محلہ کنگھرہ جاکر دفن ہوتی تھی۔ اب یہ عزاخانہ منہدم ہو گیا ہے حمام بھی گر چکا ہے مسجد اچھی حالت میں قائم ہے اکثر ذکر فضائل و مصائب رسولؐ اور آل رسولؐ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

نواب محسن خاں ذوالقدر کی مسجد اور عزاداری

شرقی مانومنٹ آف جونپور کے فاضل مولف اپنی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر تحریر کرتے ہیں کہ اکبر اعظم کو خان زماں علی قلی خاں پر فتح حاصل ہوئی تو خان زماں کے باغی دیوان بکھن داس کی حویلی واقع محلہ حمام دروازہ جونپور نواب محسن خاں ذوالقدر کو ملی جو نواب غازی مرزا منعم خانخاناں کے عہدہ دار تھے۔ نواب محسن خاں نے اس حویلی کے عقب پر ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس میں عزاداری شروع کی۔ بعد میں نواب کے ورثاء نے اس حویلی کو شاہ محمد تقی مرحوم کے ہاتھ فروخت کر دیا اس کے بعد تاحیات تقریباً ۵۰ سال قبل تک شاہ صاحب مرحوم اس عزاداری کو قائم کئے ہوئے تھے۔

روضہ قدم رسولؐ محلہ باغ ہاشم جونپور

عہد اکبری میں محمد ہاشم صاحب ساکن پٹنہ ایک نشان قدم مبارک سرور کائناتؐ مکہ معظمہ سے ہندوستان لائے اور محلہ ڈھیانہ ٹولہ میں اپنے باغ کے اندر ایک خوبصورت گنبد اپنے بیٹے کی قبر پر تعمیر کرا کے نشان قدم مبارک کو نصب کرا دیا جو آج تک موجود ہے یہاں پر محرم کی ساتویں تاریخ کو چراغاں ہوتا ہے اور قدیم رواج کے مطابق محلہ بارہ دوریہ کے عزاخانہ سے محرم کی چاند رات کو لوگ ماتمی دستہ کے ساتھ آتے ہیں اور یہاں سے مٹی لے جاکر امام چوک پر نشان پہنچاتے ہیں۔

احسن اخوند میر کا عزاخانہ و ذوالجناح

عہد اکبر اعظم میں جب کہ جونپور کا سول نظام نواب غازی مرزا منعم خانخاناں کے ہاتھوں میں تھا اور ملٹری نظام سید غلام عباس یعنی مرزا سنگین بیگ کے سپرد تھا۔ دونوں حاکم ایرانی شیعہ اور محب اہلبیت تھے تو رفتہ رفتہ تمام فوجی سردار جو ایران سے ہمایوں کے ساتھ آئے تھے اور اب اسی ملک میں مقیم تھے جونپور آ آ کر آباد ہونے لگے انھیں میں ایک مشہور ہستی احسن اخوند میر کی بھی ہے۔ آپ مع اپنے فوجی دستوں کے جونپور چلے آئے، بادشاہ نے جاگیر بھی عطا کی اور خطاب بھی۔ ان کے فوجی دستے مواضعات رنو، دکھن پٹی، لیری، لبسوان، کسوریا، گدو پور، شیخو پور، دریا پور، راجہ پور میں آباد کئے گئے اور اخوند میر نے خود اپنی سکونت کے لئے ایک نیا موضع آباد کیا اور اس کا نام خراسان رکھا جو اب بگڑ کر خراسون کہا جاتا ہے۔

اس طرح اطراف جونپور میں شیعہ آبادی پھیل گئی ساتھ ہی عزاداریاں بھی شروع ہو گئیں اور ان مواضعات کو آج بھی شیعی مرکزیت حاصل ہے۔ سید احسن اخوند میر نے ایک عزاخانہ بابل میں تعمیر کیا اور ایرانی رواج کے مطابق عزاداری اور شبیہ ذوالجناح برآمد کی۔ راجہ امداد جہاں اور راجہ مظفر جہاں

جو اس خاندان کے آخری برسر اقتدار راجہ ہوئے ہیں انھوں نے موضع انگلی میں ایک پختہ عزاخانہ اور مسجد تعمیر کرائی ہے جو اب تک قائم اور آباد ہے۔

روضہ کربلا موضع امام پور جونپور

سید احسن اخوندمیر کے امور خیر اور عزاداری

کے منتظم کے خاندان سے ایک فرد نے موضع امام پور میں جو شہر جونپور سے تقریباً ۱۴ میل دور آباد ہے۔ ایک روضہ بالکل کربلائے معلّے کے نقشہ کے مطابق تعمیر کیا ہے۔ جونپور اور اطراف کے لوگ برابر زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں مجالس اور مخصوص بھی ہوتی رہتی ہے۔

خانقاہ میرزا میرک رضوی کی عزاداری

نواب غازی مرزا منعم خانخاناں

کے دور حکومت کے آخری چند سالوں میں میرزا میرک رضوی جونپور کی دیوانی پر مامور ہوئے اور جونپور ہی میں سکونت اختیار کی۔ اکبری پل کے جنوبی پچھمی گوشہ پر دریائے گومتی کے کنارے ایک خانقاہ مسجد اور چاہ پختہ تعمیر کیا جو خانقاہ میرزا میرک رضوی کے نام سے مشہور تھی۔ عہد عالمگیر بادشاہ دہلی تک یہ خانقاہ بڑی رونق پر رہی۔ مسجد کے پشت پر جانب مغرب ایک پختہ چبوترہ بالکل مسجد کی دیوار سے ملحق تعمیر کیا گیا تھا جس پر تعزیہ شب عاشور رکھا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ خانقاہ غیر آباد ہونے لگی ۱۸۰۳ء میں مسٹر ابراہیم ولنڈ کلکٹر ضلع نے مسجد اور چبوترے کی مرمت کرائی اور خانقاہ کے بوسیدہ حصوں کو کھودکر بازار میں ملا دیا جو اب جونپور میں سرائے خام کے نام سے مشہور ہے۔ یہیں ایک بلند سنگین چبوترے پر میرزا میرک رضوی کا مزار موجود ہے۔ موجودہ صورت میں تعزیہ کے چبوترہ پر تقریباً تیس سال قبل ایک دالان تعمیر ہوا ہے جو اہل محلہ کی توجہ کا نتیجہ ہے اور شب عاشور محرم منجانب برادران اہلسنت واقعات شہادت امام مظلوم و شہدائے کربلا پر کوئی بیرونی عالم روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کو حسینؑ مظلوم کے دئے ہوئے سبق سے آگاہ کرتا اور اس پر عمل کی دعوت دیتا ہے۔

"عہد شہنشاہ جہانگیر"

عہد جہانگیری کے آٹھویں سال میں یعنی ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۳ء

میں درگاہ شاہ نجف پنجہ شریف جونپور کی تعمیر شروع ہوئی تھی نواب غازی مرزا منعم خانخاناں کے مخصوص درباری خواجہ پیر کے بیٹے جناب سید علی سعید صاحب اسی سال عرب سے ایک نشان قدم سرور کائناتؐ اور ایک نشان کف مبارک جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ ساتھ لائے اور ان کو موجودہ مقامات پر نصب کیا اور درگاہ کی عمارت کی تعمیر شروع کی۔ ابھی سلسلہ تعمیر جاری اور نامکمل ہی تھا کہ سید علی سعید صاحب فوت ہو گئے۔ اس کے بعد یہ عمارت ۱۵۹ سال تک نامکمل پڑی رہی پھر جیسا کہ قلمی ڈائری احوال شیراز ہند جونپور از سید علی ضامن ترمذی اور سید فصیح اللہ کاظمی سے معلوم ہوتا ہے ۱۱۸۰ھ میں ایک مومنہ چمن آرا بیگم زوجہ شیخ اشرف شیرازی تاجر خوشبویات نے جو لاولد فوت ہوئے تھے اس درگاہ کو موجودہ شکل میں مکمل کرایا۔ صدر پھاٹک کے مغربی بازو پر جو سنگین دالان ہے یہ ۱۲۹۸ھ میں جناب مددعلی خاں صاحب رئیس جونپور نے تعمیر کرایا تھا۔ درگاہ کے احاطہ میں ایک مسجد، حضرت فاطمہ زہراؑ کی شبیہ تربت، حضرت امام حسینؑ اور حضرت قاسمؑ کی زیارت گاہیں بنی ہوئی ہیں۔

درگاہ حضرت ابوالفضل العباسؑ علمدار فوج شاہ کربلا اور اس سے ملحق امام باڑہ کی عمارت درگاہ شریف سے تقریباً دو سو فٹ کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے۔ ان زیارت گاہوں میں تمام سال سیکڑوں مسلمان آتے رہتے ہیں مگر جمعرات کو اور محرم کے پہلے پنجشنبہ کو خصوصاً کثیر مجمع ہوتا ہے جس کی تفصیل جنگ پنجہ شریف کے ذیل میں بیان ہوگی۔

بیس رمضان کو شبیہ تابوت مولا مشکل کشا امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ مددو مرحوم کے عزاخانہ واقع محلہ بلوا گھاٹ

سے جلوس کے ساتھ جس میں ماتمی دستے نوحہ و ماتم کرتے ہوئے مع علم کے قبل افطار آتی ہے اور حضرت عباسؑ کی درگاہ میں رکھدی جاتی ہے۔ بعد افطار و نماز مغرب جلوس تابوت مذکور روضہ امیرالمومنینؑ میں لاکر دفن کرتے ہیں۔ مطابق ڈائری احوال شیراز ہند جونپور از ترمذی صاحب اور فصیح اللہ کاظمی قدیم طریقہ یہ رائج تھا کہ تابوت مبارک حسب دستور افطار سے قبل درگاہ پہونچتا تھا جیسا کہ اب بھی ہوتا ہے پھر تمام رات شب بیداری کا سلسلہ رہتا اور بعد سحر و نماز صبح بعد مجلس تابوت نکلتا ہے اور روضہ امیرالمومنینؑ کے صحن میں ۲۱ رمضان کو دفن ہوتا ہے۔ چونکہ درگاہ شریف آبادی شہر سے بہت دور واقع ہے مومنین شہر کو تمام شب وہاں قیام میں سہولت نہیں ہوئی اس لئے رفتہ رفتہ مجمع کم ہوتا رہا یہاں تک کہ یہ طریقہ اختیار ہو گیا کہ ۲۰ رمضان کی شام ہی کو تابوت دفن کر کے مومنین گھروں کو واپس ہو جاتے ہیں۔ چونکہ شہادت جناب امیرؑ ۲۱ رمضان کو اس وقت ہوئی تھی جب کہ ایک ثلث رات باقی تھی اس لئے جونپور کے مومنین کے لئے یہ امر قابل تعریف نہیں ہے کہ ذاتی سہولتوں کی بنا پر وقت شہادت سے قبل شبیہ تابوت دفن کر دی جائے۔

جنگ درگاہ پنجہ شریف ۱۸۷۶ء

جو روضہ نما عمارت درگاہ پنجہ شریف کے صدر پھاٹک کے باہر جانب مغرب بنی ہوئی ہے اس کی تعمیر کنندہ کا نام ڈائری احوال شیراز ہند کے مؤلف کی تحقیق کے مطابق مسماۃ نورتن تھا۔ مقصد تعمیر اس کے اندر ایک ضریح نصب کرنا بیان کیا گیا ہے جس کی اجازت علماء جونپور کی جانب سے ملی جو اس دور میں زیارت گاہوں کے قائم کرنے سے پہلے حاصل کرنا ضروری ہوتا تھا وجہ یہ بتائی گئی کہ جو رقم اس عمارت کی تعمیر میں صرف ہوئی تھی وہ شرعاً جائز طور سے نہیں کمائی گئی تھی۔ چنانچہ یہ عمارت خالی پڑی رہی۔ عرصہ تک خالی دیکھ کر کچھ لوگوں نے اسے اپنے مذہبی تصرف میں لانے کی کوشش کی۔ جب مسلمانان شہر کو خبر ہوئی موقع پر جمع ہو کر روک تھام کر دی اور واپس چلے آئے چند روز بعد ایک منظم تحریک کے ساتھ اسی عمارت پر پھر قبضہ کر لیا گیا اور اس بار کافی تعداد میں وہاں لوگ شب و روز موجود رہنے لگے۔ مسلمانوں نے بعد نماز جمعہ ایک عام اجتماع میں طے کیا کہ مقابلہ کیا جائے گا۔

اس وقت علاقہ جونپور انگریزوں کی طرف سے راجہ جیت سنگھ بنارس کی عملداری میں دیا جا چکا تھا اور راجہ انگریز ریزیڈنٹ کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔ جب اس کی اطلاع بنارس راج تک پہونچی انگریز ریزیڈنٹ نے راجہ جیت سنگھ کو مجبور کیا کہ مسلمانوں کی سرکوبی بذریعہ شاہی فوج کی جائے۔ شاید انگریزوں کا مقصد جونپور میں فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنا تھا۔ فوجیں موقع پر پہونچ گئیں، مسلمان بھی مقابلہ کے لئے موجود تھے۔ ہندوؤں کو بھی انگریزوں کی مداخلت گراں گذری کیونکہ یہ مقامی اور باہمی جھگڑا تھا اس سے قبل ہمیشہ ایسے تمام معاملات میں حاکم اور قاضی شہر مصالحت کرا دیا کرتے تھے۔ اب یہ جنگ مسلمانوں اور انگریزوں کی نوعیت سے دیکھی جانے لگی، ہندوؤں نے اپنے کو اس جھگڑے سے الگ کر لیا اور ہر ممکن تعاون مسلمانوں سے کرنا شروع کیا۔ فوجی افسران سے صلح نہ ہو سکی۔ مسلمانوں نے یا حیدر کرار کے نعروں کے درمیان آغاز جنگ کر دیا اب مسلمان اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور اور کثیر تعداد پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ شہر کے اندر ہر مسلمان گھر بلا تفریق شیعہ و سنی خیام حسینی کا نقشہ بنا ہوا تھا ان گھروں میں سوا عورتوں بچوں اور بیماروں کے کوئی موجود نہ تھا۔ جب مسلمان تنہا ہی فوج کو ہٹاتے ہوئے درگاہ سے کافی دور پہونچ گئے تو گھروں سے نکل کر عورتیں اور بچے درگاہ شاہ نجف پنجہ شریف پر فریادی بن کر جمع ہو گئے اور اپنے وارثوں کی سلامتی کے لئے دعائیں کرتے رہے۔ مسلمانان جونپور انھیں حالات میں مبتلا تھے کہ ہلال محرم فلک پر نمودار ہو گیا۔ جنگ جاری تھی تنہا ہی کمک برابر آ رہی تھی کہ محرم کے پہلے پنجشنبہ کے ۱۸۷۶ء کو مسلمانوں نے

مرکونی کے مقام پر انگریزی فوج کو فیصلہ کن شکست دے کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں کا جانی نقصان کم مگر مالی نقصان زیادہ ہوا پھر بھی فتح کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے اپنے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے روضہ امیر المومنینؑ پر حاضر ہوئے دیکھا کہ ہر گھر کی عورتیں اور بچے وہاں مجلس و ماتم میں مشغول ہیں۔ اپنے وارثوں کو صحیح و سلامت پاکر عورتوں نے فوراً نذر شکرانہ کا انتظام کیا موقع پر چاول اور مسور کی دال جو ان کے ہمراہ تھی اسی کی کھچڑی پکا کر نذر کرائی اور سب گھروں کو واپس ہوئے۔ سال آئندہ پھر محرم کی نوچندی جمعرات کو عورتیں درگاہ میں جمع ہوئیں مجلس کیں اور پھر وہی مسور کی کھچڑی پر نذر کرا کے اپنے وارثوں کی سال آئندہ تک سلامتی کی دعائیں مانگیں پھر ہر سال یہی طریقہ اختیار کر لیا گیا اور آج تک محرم کا پہلا پنجشنبہ درگاہ میں بلا تفریق شیعہ و سنی یوں ہی منایا جاتا ہے اور یہ دن محرم کی کھچڑی کا دن کہا جانے لگا۔ غیر مقام کے مومنین جو جونپور کی اس رسم کو دیکھتے ہیں مگر اس تاریخی واقعہ سے واقف نہیں ہیں تعجب سے دریافت حال کرتے ہیں۔

"عہد شاہ جہاں"

عہد سابق تک عزاداریوں، عزاخانوں، خانقاہوں اور درگاہوں کے بابت جو کچھ مقامی تنظیمی اور ترقیاتی اقدام عمل میں آچکے تھے ان سب کی بقا و عروج اور تبلیغ دین کے لحاظ سے عہد شاہجہانی جونپور کا ایک اہم دور گزرا ہے۔ توسیع عزاداری کے علاوہ اس عہد میں ذاکرین نے کثرت سے واقعات کربلا کو نظم و نثر میں قلم بند کیا ہے۔ مجالس عزا میں ذاکری کو ایک مخصوص انداز بیان کا پابند بنا دیا۔ اور آئندہ شعراء و نثار کے لئے ایک نئے باب کا آغاز قائم ہو گیا تھا جس کو بعد میں میر انیس اور مرزا دبیر نے پایہ تکمیل تک پہونچا دیا۔ آج تک اس دور میں تعمیر کئے ہوئے عزاخانوں کا وجود قائم ہے۔

"عہد اورنگ زیب"

اپنے عہد میں اورنگ زیب نے جونپور کی بابت کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جس کی وجہ سے یہاں کی عزاداریوں میں کوئی خلل پڑتا یا جونپور کی شیعی آبادی اس کی وجہ سے متاثر ہوتی بلکہ اورنگ زیب نے جونپور کے لئے اپنے عہد کا گورنر ایک اصفہانی شیعہ عالم مرزا افتخار الملک سلطان حسین کو منتخب کیا جن کی وجہ سے جونپور کے علماء اور صوفیائے کرام میں کار تبلیغ کا جوش روز بروز بڑھتا رہا اور جونپور سے باہر اعظم گڈھ، الہ آباد، بنارس، غازی پور وغیرہ تک حلقہ تبلیغ و عزاداری وسیع ہو گیا۔

۱۶۵۰ء میں جب بادشاہ کچھ دنوں جونپور میں مقیم رہا اس نے شرقی مساجد اور قدیم عزاخانوں پر بھی توجہ کی اور ایک فرمان کے ذریعہ شرقی مساجد، سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے عزاخانہ، خانقاہ نوحہ گران اور شاہان شرقی کے مزاروں پر فاتحہ خوانی اور چراغاں کے لئے مواضعات وقف کئے اور نواب غازی مرزا منعم خاں خانخاناں کے رہنما کی جاگیروں میں بھی اضافہ کیا۔

سلطنت مغلیہ کا آخری دور

اورنگ زیب کی وفات کے بعد سرزمین جونپور مختلف عنوان سے حکومت مغلیہ میں ۵۵ سال اور شامل رہی یعنی ۱۷۶۴ء میں بعہد شاہ عالم بادشاہ دہلی جنگ بکسر کے بعد جونپور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار شروع ہو گیا تھا۔ اس دور میں عوام انتہائی غیر یقینی مستقبل کے تصور سے پریشان اور خوف زدہ ہو رہے تھے۔ اس زمانے کے دو عزاخانے ابھی تک جونپور میں موجود اور آباد ہیں۔ اکثر غدر ۱۸۵۷ء میں تباہ ہو گئے۔

قدم رسول حمزہ پور جونپور

عہد شاہ عالم بادشاہ دہلی میں ایک بزرگ شاہ مرتضیٰ رئیس جونپور زیارت عتبات عالیات و فریضۂ حج سے

واپسی پر ایک نشان قدم مبارک سرور کائناتؐ اور ایک نشان کف مبارک جناب امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت عباسؑ علمدار کی قبر کی ایک اینٹ ساتھ لائے۔ شاہ صاحب کا خیال تھا کہ ان تبرکات کو درگاہ پنجہ شریف جونپور میں نصب کرا کر زیارت گاہوں میں مزید اضافہ کردیں مگر علماء اور احباب نے مشورہ دیا کہ ایک مقام پر زیارت گاہوں کا مرکز بنانے سے زیادہ مفید ہوگا کہ مضافات جونپور میں نئی درگاہیں قائم ہوں۔ چنانچہ شاہ مرتضیٰ صاحب نے اپنی زمینداری موضع حمزہ پور میں جو شہر سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک احاطہ اور روضہ حضرت عباسؑ اور قدم رسولؐ و پنجہ شریف ایک بلند چبوترے پر تعمیر کیا اور ان تبرکات کو وہیں نصب کردیا۔ اسی وقت سے شل درگاہ پنجہ شریف جونپور یہ درگاہ بھی بہت مقبول ہے۔

اس درگاہ کے علاوہ اس دور کے دو عزاخانے پہلا عزاخانہ میر اکبر علی واقع محلہ ولاذاق شہر جونپور اور دوسرا عزاخانہ مرزا محمد امین واقع محلہ کٹگھرہ شہر جونپور کا ہے جن کا تذکرہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

عزاخانہ میر اکبر علی محلہ ولاذاق جونپور

اس عزاخانہ کی تعمیر محمد شاہ بادشاہ دہلی کے دور کی ہے۔ اس کا وقف نامہ مورخہ ۱۱۶۸ھ بعہد عالم گیر ثانی بادشاہ دہلی لکھا گیا ہے۔ اس عزاخانہ کی تربت اپنی جسامت کے لحاظ سے شہر کے تمام عزاخانوں سے بڑی ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ عزاخانہ بڑے امام کے نام سے مشہور ہوا۔ عشرۂ محرم میں مجالس کا سلسلہ رہتا ہے ۹ محرم کو تعزیہ رکھا جاتا ہے بعد گشت کے عزاخانہ پر واپس ہوتا ہے اور تمام رات نذر و فاتحہ اور نوحہ خوانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

عزاخانہ مرزا محمد امین کٹگھرہ

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں تعمیر کیا ہوا یہ دوسرا عزاخانہ ہے جو موجود اور آباد ہے۔ پہلے اس کی عمارت خام تھی اب اہل خاندان نے پختہ کرادی ہے۔ کٹگھرہ کا یوم عاشورہ والا جلوس تعزیہ اس امام باڑہ سے برآمد ہوتا ہے اور تمام محلہ سے گشت کرتا ہوا اور جنوبی ساحل گومتی کے تمام محلوں اور مواضعات کے تعزیوں کو ساتھ لیتا ہوا تقریباً ۴ بجے شام کو کربلا نواب غازی پر دفن ہوتا ہے۔

"نوابین اودھ"

گو جونپور کے لئے یہ دور بہت مختصر گذرا ہے مگر جونپور کی تاریخ کا ایک سنہرا دور تصور ہوتا ہے۔ نواب شجاع الدولہ بہادر کو بھی جونپور سے کافی لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ خانقاہ ذاکران کی عزاداریاں شاہی انداز پر ہونے لگی تھیں۔ نواب بہادر کے دار الحکومت فیض آباد اور جونپور کے درمیان جو سادات کی بستیاں تھیں وہاں نواب کی جانب سے اکثر عزاخانوں اور زیارت گاہوں کی تعمیریں ہوئیں اور عام طور پر عزاداریوں کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ جونپور کے علاوہ موضع بھادی اور قصبہ بڑاگاؤں پر نواب بہادر کی خاص توجہ ہوئی ان جگہوں پر اس عہد کے عزاخانے اور کربلا اب بھی قائم اور آباد ہیں۔

پنجہ شریف موضع بھادی شاہ گنج

موضع بھادی تحصیل شاہ گنج میں نواب شجاع الدولہ بہادر کا تعمیر کردہ پنجہ شریف اچھی حالت میں قائم ہے اور شاہ گنج، بھادی اور اطراف کے مواضعات کے تعزیئے عاشورہ محرم اور چہلم شہدائے کربلا کے موقع پر اب بھی یہیں دفن کے لئے آتے ہیں۔ یوں بھی دور اور نزدیک کے مومنین بغرض زیارت یہاں پہونچتے رہتے ہیں۔

قصبہ بڑاگاؤں جونپور

تحصیل شاہ گنج جونپور میں ضلع جونپور و فیض آباد کی سرحد سے قریب ایک موضع سادات منڈھا تھا جس کو اب بڑاگاؤں کہنے لگے ہیں سادات کی قدیم آبادی ہے۔ اس موضع کی عزاداری کو نواب شجاع الدولہ کے دور میں بڑا فروغ حاصل تھا اور آج بھی قرب و جوار کے علاقہ میں یہی عزاداری کا مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ اس وقت یہاں ستائیس پختہ اور چار خام عزاخانے ہیں اس کے علاوہ درگاہ پنجہ شریف، درگاہ حضرت عباسؑ علمدار، قدم رسولؐ، روضہ حضرت علیؑ اور روضہ معصومینؑ اور آٹھ امام چوک اور مسجدیں موجود ہیں اس موضع کی عزاداری اور ۸ ربیع الاول کی عماری کے جلوس میں شرکت کے لئے غیر مقامات سے بکثرت لوگ آتے ہیں۔

جونپور کے چہلم شہدائے کربلا کی تاریخ

از ابتدا تا سنہ ۹۷۶ھ

جونپور میں ۲۰ صفر کو چہلم شہدائے کربلا کی عزاداریاں عزاخانوں کے اندر تک محدود تھیں۔ مجالس منعقد ہوتی تھیں علم اور تعزیے رکھے جاتے تھے مگر کوئی جلوس برآمد نہیں ہوتا تھا۔ تاریخ کنگھرہ فارسی قلمی کے فاضل مؤلف مرزا حسین علی بیگ بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۹۷۶ھ میں جب سید آقا غلام عباس مشرقی گورنر جونپور نے اپنا عزاخانہ واقع کنگھرہ کا چہلم ہوتا ہے تعمیر کیا تو انھوں نے ۲۰ صفر کو چہلم کا تعزیہ جلوس کے ساتھ عزاخانہ سے برآمد کیا اور ماتمی دستوں کے ساتھ خانقاہ ذاکران تک لے گئے یہ جونپور میں چہلم شہدائے کربلا کا پہلا جلوس تھا۔ سال آئندہ سید آقا غلام عباس (مرزا سنگین بیگ) نے تحریک شروع کی کہ ان تمام عزاخانوں کے تعزیے ایک جلوس کی شکل میں ۲۰ صفر کو بھی مثل یوم عاشور کے برآمد ہوں۔ چونکہ یہ دور حکومت نواب غازی مرزا منعم خانخاناں کا تھا اس لئے حکومت کی جانب سے بھی حوصلہ افزائی ہوئی اور اب جونپور میں چہلم شہدائے کربلا کی رونق پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی۔ سنہ ۱۱۶۵ھ مطابق سنہ ۱۷۴۶ء تک اسی طرح برابر جونپور میں چہلم شہدائے کربلا دیگر مقامات کی مانند اپنی اصل تاریخ پر یعنی بیس ۲۰ صفر کو ہوا کرتا تھا۔

سنہ ۱۷۴۶ء میں شہر جونپور میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے یہاں چہلم بجائے ۲۰ صفر کے ۱۹ صفر کو ہونے لگا جو اب تک رائج ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ اس شہر کے عزاداروں میں شیخ محمد اسلام ایک نمایاں فرد تھے صوم و صلوٰۃ کے پابند اور مذہبی معاملات میں ہر موقع پر پیش پیش رہنے والے ذاکر سید الشہداؑ بھی تھے پیشہ حکمت تھا۔ سیاسی اعتبار سے یہ دور بڑی افراتفری کا تھا۔ دہلی میں محمد شاہ بادشاہ تھے صوبوں کی سودابازی ہو رہی تھی محمد شاہ کی جانب سے نواب صفدر جنگ نواب اودھ مقرر تھے قلمرو جونپور کا انتظام راجہ بلونت سنگھ بنارس کے سپرد تھا۔ میر رستم علی ناظم اعلیٰ جونپور اور قاضی حسن سعید خاں قاضی شہر مقرر تھے۔ شب عاشور محرم سنہ ۱۱۶۵ھ مطابق سنہ ۱۷۴۶ء اپنے عزاخانہ پر تعزیے رکھنے کے بعد شیخ محمد اسلام بسلسلۂ ذاکری اور زیارت شہر کے دیگر عزاخانوں میں گئے واپسی پر قاضی محمد جمیل اللہ ابن ملا خلیل نے بربنائے مخاصمت مذہبی محمد اسلام کو گرفتار کرا لیا یہ واقعہ قاضی کی گلی میں پیش آیا۔ بڑی کوششوں کے بعد بھی جب محمد اسلام کی رہائی ممکن نہ ہوئی تو اہل خاندان نے منت مانی کہ جس تعزیہ کو شیخ محمد اسلام نے اپنے ہاتھوں سے شب عاشور چوک عزاخانہ پر رکھا ہے اس کو وہی بعد رہائی دفن کریں گے۔ چنانچہ یہ تعزیہ بعد عاشور محرم زینت چوک بارہا اور شیخ محمد اسلام قید شاہی جونپور میں مقید رہے۔

چند روز بعد قاضی شہر نے الزامات کی جانچ کر کے کاغذات ناظم اعلیٰ کو دے دیئے اور وہ آخری حکم کے لئے راجہ بلونت سنگھ کے پاس بنارس روانہ کر دیئے گئے۔ ۱۸ ماہ صفر سنہ ۱۱۶۵ھ کو شیخ محمد اسلام کو خواب میں بشارت ہوئی کہ کل تم رہا کر دیئے جاؤ گے۔

بھی بشارت ان کے برادر اور زوجہ کو بھی ہوئی۔ بعد نماز صبح شیخ محمد اسلام نے دربان کو حکم دیا کہ دروازے کھول دے کہ میرے مولا نے مجھ کو بشارت دی ہے کہ آج میں رہا ہو جاؤں گا اس کی اطلاع ناظم اعلےٰ کو پہونچی تو دریافت حال کیلئے خود بندی خانہ پر آگئے اور محمد اسلام سے گفتگو کر رہے تھے کہ راجہ بلونت سنگھ کا خاص ایلچی آپہونچا، حکم تھا کہ شیخ محمد اسلام بے جرم قید ہیں فوراً رہا کیا جائے۔ محمد اسلام کی رہائی کی خبر شہر میں مشہور ہوتے ہی مومنین قلعہ شاہی پر جمع ہو گئے۔ قید خانہ سے نکل کر محمد اسلام سیدھے روضہ امیر المومنینؑ پر درگاہ پنجہ شریف گئے اور نشان کف مبارک کو بوسہ دے کر ادائے شکرانہ بجا لائے۔ پھر اپنے عزاخانہ پر آکر تمام دن تعزیئے کے متعلق انتظامات میں مشغول رہے اور شہر میں ۱۹ ؍ صفر کو چہلم شہدائے کربلا منائے جانے کا اعلان کیا گیا چونکہ محمد اسلام کی معجزنما رہائی کی خبر تمام شہر میں مشہور تھی کسی نے مخالفت نہ کی اور اس سال چہلم شہدائے کربلا ۱۹ ؍ صفر کو ہو گیا پھر سال آئندہ سے اب تک یہی تاریخ چہلم کی رائج ہو گئی۔ صرف عزاخانہ سید آقا غلام عباس واقع محلہ کٹگھرہ ایک ایسا عزاخانہ رہ گیا جہاں اب تک چہلم ۲۰ ؍ صفر کو ہوتا رہا ہے۔ یہ چہلم محلہ کٹگھرہ کے چہلم کے نام سے مشہور ہے یہ عزاخانہ سنہ ۱۹۱۷ء میں بوجہ سیلاب گر کر تباہ ہو گیا صرف ایک چوک پختہ بچا، اہل خاندان کے حالات بعد غدر ایسے نہ تھے کہ عزاخانہ کو پھر سے تعمیر کراتے یا عزاداری قائم رکھتے اس لئے کٹگھرہ کا چہلم سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد بند ہو چکا تھا۔ جو سنہ ۱۹۱۶ء میں سیدہ افشاں بیگم والدہ عباس مرزا ایڈووکیٹ کی ایک منت کے سلسلہ میں پھر قائم ہوا اور اب سال بسال ترقی کرتا جا رہا ہے۔

حکومت برطانیہ سنہ ۱۷۶۴ء تا سنہ ۱۹۴۷ء

آغاز دور برطانیہ کے قبل سرزمین جونپور ۲۰۰ سال تک سلطنت مغلیہ کے زیر اقتدار رہی تھی۔ یہ زمانہ عزاداریوں کے عروج و بقا کے لحاظ سے عزاداری جونپور کی ایک ہزار سالہ تاریخ کا سب سے زیادہ کامیاب اور اہم دور گذرا ہے۔ سنہ ۱۷۶۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کو جونپور کے علماء اور عوام وطن عزیز پر غیر ملکی اور عیسائی حکام کا وجود اپنی قومی ذلت تصور کرتے تھے اس لئے یہ زمانہ غیر اطمینانی حالت میں گذرا ہے۔

اب تک اُمراء اور جاگیرداروں کے عزاخانے قرب و جوار کے علاقوں میں عزاداری کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ مگر اس وقت ہر خاص و عام کی تمامتر توجہ ایسی تحریکوں کی طرف مبذول ہوئی جس سے قوم پر حکومت وقت کے مذہب عیسائیت کا غلبہ نہ ہونے پائے جس کا عزاداری فرزند رسولؐ بہترین اور موثر ذریعہ تھا۔ چنانچہ جاگیرداروں اور زمینداروں نے اپنے حلقہ اثر میں جگہ جگہ عزاخانے اور عزاداریاں شروع کرا دیں۔ دہ چند ہی سال کے اندر گاؤں گاؤں پختہ یا خام عزاخانے نظر آنے لگے ہر موضع اپنی عزاداریوں کا خود مرکز بن گیا اُمراء اور زمینداروں سے ہر طرح کا تعاون حاصل تھا جس کی وجہ سے عزاداری گھر گھر پہونچ گئی اور تحفظ اسلام کا باعث ثابت ہوئی۔

برادران اہلسنت اور برادران اہل ہنود نے بھی بکثرت حصہ لینا شروع کر دیا جو سلسلہ جونپور اور اطراف جونپور میں آج تک باقی ہے۔ گو سلطنت برطانیہ کے دور میں عزاداریوں پر کوئی پابندی لگائی گئی اور نہ حوصلہ افزائی ہوئی مگر اس دور میں عزاداریاں ہر گھر میں قائم ہو گئیں جو اب بھی ہو رہی ہیں۔

دورِ حاضرہ میں جونپور کی عزاداریاں

اس وقت شہر و مضافات جونپور میں سات سو عزاخانے ایسے موجود اور آباد ہیں جو تعلق دور کی یادگار ہیں، شرقی عہد کے آٹھ عزاخانے آج بھی جونپور کی عزاداریوں کی رونق بنے ہوئے ہیں۔ دور مغلیہ کے تعمیر کردہ عزاخانوں میں ۴۸ موجود، قائم اور آباد ہیں جن میں سے ہر ایک کی تفصیل اس مضمون میں اُس دور کے تذکرہ کے ذیل میں درج جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں امام چوک موجود ہیں جن پر ایام عزا میں عزاداریاں

زمانہ قدیم سے ہوتی چلی آرہی ہیں یہ تمام امام چوک کسی نہ کسی قدیم عزاخانے کی پسماندہ یادگاریں ہیں جن کے عزاخانے غدر ۱۸۵۷ء میں منہدم ہو گئے یا سکندر لودی نے مسمار کرا دئے تھے اور پھر نہ بن سکے۔ علاوہ ان عزاخانوں اور امام چوک کے شہر جونپور اور مضافات جونپور میں بارہ نشان قدم مبارک جناب سرور کائنات اور آٹھ نشان کف مبارک جناب امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام موجود ہیں۔ آغاز سلطنت برطانیہ کے بعد جو عزاداری کی تحریک کارفرما تھی اس کے نتیجہ میں ہر محلہ ہر موضع اور ہر شیعہ گھر میں تعزیہ داری ہونے لگی اور اکثر برادران اہلسنت اور برادران اہل ہنود بھی تعزیہ دار ہوگئے۔ اگر ہر گھر، ہر موضع، ہر امام چوک اور ہر عزاخانہ کی عزاداریوں پر صرف چند ہی سطور لکھے جائیں گے تو بھی ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی جو اس مضمون میں نہ تو ممکن ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے اس لئے میں یہاں پر صرف اسی قدر دور حاضرہ پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو سکے کہ ہمارے قدیم اور عظیم ماضی نے یادگار اہلبیت رسول اور شہدائے کربلا کی جو امانت ہمارے سپرد کی ہے ہم اہل جونپور آج بھی اس کی پورے خلوص سے حفاظت کر رہے ہیں۔

چنانچہ میں عشرہ محرم کے مخصوص جلوسوں کی تفصیل اور ہر حلقۂ غم کے مرکزی جلوسوں کی فہرست دے کر اپنے مقصد کو پورا کرتا ہوں۔

عشرۂ محرم

ایک ہزار سال سے زیادہ کی جد و جہد کے بعد جب عزاداری فرزند رسولؐ شہر و مضافات جونپور کے ہر گھر تک پہونچ چکی ہے تو عشرۂ محرم کے دوران بھی ہر مکان ہر شیعہ گھر اور اکثر مکانات برادران اہلسنت میں عزاداری کے لحاظ سے عزاخانہ کا منظر پیش ہونے لگتا ہے۔ دوران محرم میں ہر حلقۂ غم کے چھوٹے بڑے جلوسوں کی تعداد کا شمار واقعی ممکن نہیں ہے پھر بھی پہلی محرم تا نہم ۹ محرم جونپور شہر اور اطراف میں دو سو ستر ۲۷۰ ایسے جلوس برآمد ہوتے ہیں جو دور دور تک کے مسلمانوں کو اپنی طرف رجوع ہونے کی دعوت دیتے ہیں ان جلوسوں میں نو ۹ رن کے اندر اٹھاون ۵۸ جلوس شبیہ ذوالجناح کے ہوتے ہیں۔ بہتر ۷۲ جلوس شبیہ علم مبارک کے ہوتے ہیں۔ اڑسٹھ ۶۸ جلوس میں شبیہ تابوت برآمد ہوتا ہے۔ گہوارہ حضرت علی اصغرؑ کے تیس ۳۰ جلوس مختلف تاریخوں میں مرکز زیارت ہوتے ہیں۔ ساتویں محرم کو علاوہ دیگر جلوسوں کے بتیس ۳۲ جلوس مہندی حضرت قاسمؑ کے برآمد ہوتے ہیں۔ بعض عزاخانوں میں چوکی برآمد ہونے کا قدیم رواج ہے اور ایسے چھ ۶ عزاخانے ہیں۔ برادران اہلسنت کے عزاخانوں سے تعزیہ کے علاوہ جلوس براق بھی برآمد ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ مشہور ترین جلوسوں کی تعداد ہے نہ کہ کل جلوسوں کی جو دوران محرم میں برآمد ہوتے ہیں۔

جونپور میں محرم کی چوتھی ۴، چھٹی ۶، ساتویں ۷ اور آٹھویں ۸ تاریخیں بہت مشہور ہیں ان تاریخوں میں غیر ضلعوں کے مسلمان بکثرت آکر جونپور کی عزاداریوں میں شرکت کرتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تاریخوں کے مخصوص جلوسوں کی تفصیل بھی یہاں پر دے دی جائے:—

چوتھی محرم

کو بوقت سہ پہر محلہ عالم خاں سے ایک بہت بڑا جلوس عزا نکلتا ہے جس میں تربت، گہوارہ اور علم مبارک ہوتے ہیں کئی جوڑ ماتمی طبل اور ماتمی انجمنیں نوحہ و ماتم زنجیریں اور تیغ لگاتی ہوئی ہمراہ جلوس ہوتی ہیں۔ شہر کے اندر یہ جلوس گشت کرتا ہوا مغرب کے وقت عزاخانہ کاظم علی خاں صاحب واقع محلہ تاڑتلہ جاکر ختم ہوتا ہے۔ مجمع کثیر آخر وقت تک جلوس کے ہمراہ رہتا ہے۔

چھٹی محرم

اس تاریخ کو عزاخانہ مرزا سنگین بیگ کے امام چوک سے یعنی جہاں کنگھرہ کا چہلم ہوتا ہے بعد ختم مجلس جنہیں ذاکری مولوی سبط حسن رضوی صاحب کے لئے مخصوص ہے نکلتا ہے۔ یہ جلوس اور اس کا علم

اپنی اہمیت کے لحاظ سے جونپور میں بہت اہم اور مخصوص تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ مذکور سے برآمد ہونے کے بعد اپنے مخصوص راستوں چوراہ لنڈ گنج، پل شاہی جونپور، چوراہا چہار سو بازار سے گزرتا ہوا حسینیہ کلو مرحوم کے سامنے سے ہو کر محلہ میر مست، محلہ شیخ محامد، محلہ اجمیری سے گزرتا ہے اور شام کے بعد سفتی جعفر صاحب کے عزاخانہ واقع محلہ حمام دروازہ جاکر ختم ہوتا ہے۔ تمام ایام عزا میں صرف یہی ایک ایسا جلوس عزا ہوتا ہے جو جونپور کی تمام شاہ راہوں پر سے گذرتا ہے اور شہر جونپور کے ایک سرحدی محلہ سے دوسرے سرحدی محلہ تک جاتا ہے۔ جس وقت شہر سے یہ جلوس گذرتا ہے حکام ضلع کو تمام ٹریفک بند رکھنا پڑتی ہے کیونکہ جلوس کے ہمراہ شہر کے تمام ماتمی دستے زنجیری ماتم اور قمع لگاتے ہوئے ساتھ رہتے ہیں اور جابجا بذریعہ لاؤڈ اسپیکر مسلم و غیر مسلم مقررین کی تقریریں برابر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ جلوس آج کل زیر انصرام انجمن بزم عزا اٹگھرہ برآمد ہوتا ہے جس کے صدر مرزا اشفاق حسین صاحب اور سرپرست مرزا انیس احمد صاحب ہیں۔

ساتویں محرم

کو عشرہ محرم کی عزاداریوں کے سلسلہ میں بڑی خصوصیت حاصل ہے اس روز جونپور شہر و اطراف میں تمام دن اور تمام شب جلوس عزا اور جلوس مہندی حضرت قاسمؑ کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ اس تاریخ کے شب و روز کے اندر تقریباً چونسٹھ [۶۴] جلوس عزا برآمد ہوتے ہیں جن میں اس تاریخ کی مہندی کے مخصوص جلوس شہر و مضافات میں بتیس [۳۲] عزاخانوں سے برآمد ہوتے ہیں اور چھبیس [۲۶] عزاخانوں سے شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتی ہے۔ جلوس مہندی کے لئے عزاخانے محلہ سلیح خانہ، عزاخانہ شیخ التفات حسین صاحب، عزاخانہ میر سید علی بلوا گھاٹ بہت مشہور ہے۔

ساتویں کا دن اور تقریباً نصف شب ختم کر کے محلہ خواجہ دوست پوستی خانہ کے عزاخانہ سے بعد ختم مجلس جلوس شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتا ہے اور عزاخانہ حکیم فتح محمد صاحب تک جاتا ہے۔ اسی وقت عزاخانہ نبی صاحب واقع محلہ سپاہ سے جلوس شبیہ ذوالجناح عزاخانہ حکیم مذکور پر پہونچتا ہے۔ ہر دو ذوالجناح کا ملنا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے، مومنین شدت گریہ سے بیتاب نظر آتے ہیں یہاں تک کہ سحر نمودار ہونے لگتی ہے اس کے بعد مجمع منتشر ہوتا ہے۔ محلہ خواجہ دوست کا عزاخانہ شہر کے اہم عزاخانوں سے ایک ہے اور وہی حیثیت تاریخ جونپور میں عزاخانہ نبی صاحب واقع محلہ سپاہ کو حاصل ہے۔

آٹھویں محرم

کو ہر عزاخانہ سے کوئی نہ کوئی شبیہ برآمد ہوتی ہے ان میں سے بارہ [۱۲] عزاخانوں کے جلوس ذوالجناح، سات عزاخانوں کے جلوس تربت، تابوت، گہوارے اور علم مبارک بہت مقبول ہیں۔ شہر جونپور کی آٹھویں بہت دور دور تک مشہور ہے، نزدیک کے تمام اضلاع کے لوگ اس تاریخ کو زیارت شبیہ ذوالجناح عزاخانہ ناظم علی خاں واقع محلہ نصیب خاں منڈی کے واسطے آتے ہیں۔ ناظم علیخاں مرحوم تحصیلدار اودھ نے ایک عظیم الشان عزاخانہ تعمیر کیا جس میں اس قدر قیمتی اور نایاب جھاڑ فانوس اور نادر قسم کے زردوزی اور دیگر قسم کے تبرکات فراہم کئے کہ اس کی مثال سوائے شاہان اودھ کے عزاخانوں کے کہیں نہ ملے گی۔

اس عزاخانے میں یکم تا نہم [۹] محرم دس بجے دن میں مجلس ہوتی ہے پہلے لکھنؤ سے کسی نہ کسی بلند پایہ ذاکر کو بلایا جاتا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب قبلہ لکھنوی نے تیس [۳۰] سال تک اس عزاخانے میں ذاکری کی ہے۔ آٹھ محرم کو بارہ [۱۲] بجے دن میں مجلس شروع ہوتی ہے۔ سوزخوانی کے بعد ذاکر فضائل و مصائب شہدائے کربلا بیان کرتا ہوا جس وقت شہادت امام مظلوم پر آتا ہے عین اسی وقت عزاخانہ کے ایک گوشہ سے شبیہ ذوالجناح نمودار ہوتی ہے مجلس ختم ہو جاتی ہے

مومنین اپنے سروں پر خاک اڑاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں سینہ زنی شروع ہو جاتی ہے۔ ذوالجناح عزاخانے سے باہر آتا ہے عوام کا کثیر مجمع ساتھ ہو جاتا ہے جس میں ہر مذہب کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اس جلوس میں بیش ہاتھی ہوتے ہیں جو سنہرے روپہلے ہودج اور زیورات سے مزیّن ہوتے ہیں۔ ہر ہاتھی پر سونے اور چاندی کے پنجوں اور زر دوزی کے پٹکوں کے علم مبارک لے کر لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کئی جوڑ جونپوری ماتمی طبل، تاشے اور مجا سجے ہوتے ہیں۔ اور تخت بند گاڑیوں پر شہنائی نواز نقار خانے ہوتے ہیں جو شہنائی کے ذریعہ پُر درد دُھن میں نوحہ خوانی کرتے ہوئے جلوس کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے ہیں۔ آگے آگے چودہ بڑے علم ہوتے ہیں جن کی بلندی تقریباً ۲۵ فٹ ہوتی ہے ہوا میں لہراتے ہوئے پھریروں پر سُرخ چھینٹے قلب پر ضرب لگاتے اور یاد دلاتے ہیں کہ میدان کربلا میں علمدار فوج شاہ کربلا اور سقائے سکینہؑ کے خون سے اسلام کا پرچم اسی طرح رنگین ہوا تھا۔ پنجہ کے ساتھ ہی حضرت سکینہؑ کا خشک مشکیزہ بندھا ہوتا ہے جس میں ایک پیوست تیر گواہی دیتا ہے کہ خیام حسینی تک پانی نہیں پہونچ سکا تھا۔ ان علموں کے آگے شہر کی تمام انجمنیں نوحہ و ماتم کرتی زنجیریں اور قمع لگاتی ہوئی چلتی ہیں اور مظلوم امام کے مرکب کی شبیہ کو اپنے حلقہ میں لئے رہتی ہیں جس کو دیکھتے ہی ایک منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ بعد شہادت حسینؑ مظلوم جب ذوالجناح تنہا در خیمہ گاہ پر آیا تھا اہلبیت نے یونہی حلقہ کر کے نوحہ و گریہ کیا ہوگا۔

اس شان کی شبیہ ذوالجناح کم دیکھنے میں آتی ہے قیمتی زر دوزی کے شامیانے کے نیچے گھوڑے پر خون سے تر چادر پڑی ہوئی، جگہ جگہ تیر پیوست ، باگیں کٹی ہوئی، ڈھال آویزاں اسی کے ساتھ میان میں ذوالفقار، امام کا عمامہ پشت ذوالجناح پر رکھا ہوا بڑا ہی دل شکن منظر پیش کرتا ہے اس کے بالکل پیچھے حسینؑ مظلوم کے ششماہے علی اصغرؑ کا خالی جھولا ، غیر مسلم بھی چشم پرنم نظر آتے ہیں۔ یہ جلوس عزاخانہ ناظم علی خان سے برآمد ہو کر شیخ التفات حسین مرحوم کے عزاخانہ تک جاتا ہے جو مسجد اٹالہ کے مقابل واقع ہے جس وقت ذوالجناح شیخ التفات حسین کے عزاخانہ کے سامنے پہونچتا ہے اس وقت عزاخانہ مذکور کے اندر سے ایک تابوت برآمد ہوتا ہے اور ذوالجناح سے ملتا ہے پھر تابوت اور ذوالجناح عزاخانہ کے اندر جاتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد ذوالجناح پھر باہر آجاتا ہے اس وقت آفتاب غروب ہو رہا ہوتا ہے۔ اب مختصر جلوس کے ساتھ ذوالجناح اپنے عزاخانہ پر واپس ہو کر وہاں ساتویں کو رکھی گئی مہندی سے ملتا ہے اس وقت تمام شہر کی خواتین عزاخانہ ناظم علی خاں میں جمع رہتی ہیں، ذوالجناح کو اپنے حلقہ میں لے کر دیر تک نوحہ ماتم کرتی رہتی ہیں، اس وقت وہی منظر سامنے ہوتا ہے جس طرح کربلا میں بعد شہادت امام مظلوم جب ذوالجناح در خیمہ پر تنہا آیا تھا اور اہلبیت حلقہ کئے ہوئے گریہ و ماتم کر رہے تھے۔ اس طور سے جونپور میں ایام عزا کا آٹھواں دن تمام ہوتا ہے۔ پھر شب میں سید کاظم علی صاحب ساکن دریبہ کے عزاخانہ سے شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتی ہے جس کا گشت تمام شب رہتا ہے۔

۹ نویں محرم

کا دن ہر عزادار کے لئے بڑی مشغولیت میں تمام ہوتا ہے جس کے یہاں تعزیہ نہیں بھی رکھا جاتا وہ لوگ بھی نذر و فاتحہ کے انتظامات میں مشغول رہتے ہیں چنانچہ اسی روز جلوس عزا زیادہ نہیں برآمد ہوتے پھر بھی شہر اور اطراف جونپور میں اس تاریخ کو چھ عزاخانوں میں شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتی ہے اور تین جلوس علم مبارک اور حضرت علی اصغرؑ کے

گہوارے نکالے جاتے ہیں۔ چار عزاخانوں سے تربت اور تابوت اُٹھائے جاتے ہیں۔ اس تاریخ کے تمام جلوس عزا میں پیر گھر محلہ دریبہ کے جلوس شبیہ ذوالجناح کو صدر جلوس تصور کیا جاتا ہے اس عزاخانہ میں تقریباً بارہ ۱۲ بجے دن میں بعد مجلس ذوالجناح برآمد ہوتا ہے ہاتھیوں پر لوگ علم لئے ہوئے ہیں کئی جوڑ ماتمی طبل ساتھ رہتے ہیں۔ ماتمی انجمنیں نوحہ و ماتم کرتی ہوئی جلوس کے ہمراہ ہوتی ہیں، یہ جلوس محلوں کا گشت کرتا ہوا عزاخانہ دالان پہونچتا ہے اور عزاخانہ مذکور کے اندر جاتا ہے وہاں سے واپسی پر محلہ پرانی بازار، چھتری گھاٹ، محل غازی سے گذر کر صدر امام باڑہ پہونچتا ہے اور بوقت سہ پہر اپنے عزاخانے پر واپس آتا ہے۔

یوم عاشور

جونپور کا قدیم شہری حصہ جہاں شیعی آبادی کی کثرت ہے دریائے گومتی کے شمالی ساحل پر آباد ہے۔ اس جانب کے تمام محلّوں اور مواضعات کے تعزیے برائے دفن صدر امام باڑہ جونپور میں لائے جاتے ہیں جن کا سلسلہ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور تا شام جاری رہتا ہے۔ اکثر عزاخانوں کے تعزیوں کے ہمراہ طبل اور اکثر کے ساتھ گاڑیوں پر نقار خانے ہوتے ہیں۔ دن کے آخر وقت شہزادوں کا تعزیہ (شرقی) بادشاہوں کی قبر سے اٹھ کر صدر امام باڑے لایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شہر کی انجمنیں بڑے بڑے علم لئے ہوئے نوحہ و ماتم کرتی ہوئی صدر امام باڑے میں داخل ہوتی ہیں اور روضہ امام حسینؑ اور روضہ حضرت عباسؑ کے درمیان رک کر تا دیر ماتم و گریہ کرتی رہتی ہیں۔

دریائے گومتی کے جنوبی ساحل کے محلّوں اور مواضعات کے تعزیے برائے دفن کربلا خانقاہ ذاکران واقع محلہ کنگھرہ لائے جاتے ہیں۔ پہلا جلوس عزاخانہ بڑے امام باڑے واقع محلہ ولاذاق کا قبل دوپہر پہونچتا ہے جو لوگ اعمال عاشور کے لئے کربلا خانقاہ ذاکران اور مقبرہ حسن بیگ کے درمیان لب دریائے گومتی جمع ہو جاتے ہیں، عجیب منظر ہوتا ہے ریتیلی نازمیں، سامنے بہتا ہوا دریا، دریائے فرات کا منظر پیش کرتا ہے ان جھاڑیوں کے درمیان عاشور کی نمازیں کربلا میں شہداء کربلا کی نمازوں کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔

تقریباً دو ۲ بجے دن کے بعد جب محلہ نئی گنج کا جلوس تعزیہ آجاتا ہے اس کے بعد عزاخانہ مرزا محمد امین مرحوم واقع محلہ کنگھرہ میں مجلس شروع ہوتی ہے جس میں تاحیات ذاکری عباس مرزا ایڈوکیٹ کرتے تھے اب مرزا اشفاق حسین ذاکر ہیں بعد ختم مجلس جلوس تعزیہ برآمد ہو کر پیاگ ساہو کی گلی سے گذرتا ہوا منشی اکبر کے تعزیہ سے مل کر امام چوک مرزا سنگین بیگ پر منزل لیتا ہے اور چوک کے گرد تا دیر انجمنیں نوحہ و ماتم کرتی رہتی ہیں پھر جلوس موضع تاراپور میں داخل ہوتا ہے اب جلوس میں شبیر خاں صاحب کا اور رحید رخان اور جگی بی بی کے تعزیے جلوس میں شامل ہو جاتے ہیں اب یہ جلوس موضع عمر پور وبالی پور سے گذر کر سرکاری سڑک پر آتا ہے اور مہابیر باغ دھرم شالہ کے صدر پھاٹک کے سامنے سڑک پر رکھ دیا جاتا ہے جب فقیران کنگھرہ کا تعزیہ ان کے چوک واقع محلہ ولاذاق سے آکر ملتا ہے اس وقت جلوس کربلا ذاکران کنگھرہ کی طرف بڑھتا ہے۔ جس وقت جلوس عزا درمیان کربلا خانقاہ ذاکران اور مقبرہ نواب غازی مرزا منعم خاں خانخاناں پہونچتا ہے اس وقت کنگھرہ کے زنانے عزاخانوں سے تعزیے برآمد ہوتے ہیں چھوٹے چھوٹے بچے سروں پر تربتیں لئے ہوئے یا سکینہؑ یا عباسؑ کی صداؤں کے ساتھ عجیب دل دوز انداز سے سینہ زنی کرتے ہوئے بڑھتے ہیں ساتھ ہی زنانہ عزاخانوں سے الوداعی نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا کی آوازیں آتی رہتی ہیں، بہت ہی رقت خیز منظر ہوتا ہے۔ اس کے بعد تمام جلوس کا یہ سلسلہ کربلا پہونچتا ہے اور تعزیئے بعد فاتحہ خوانی کے دفن کئے جاتے ہیں۔

مجلس شام غریباں

صدر امام باڑہ جونپور میں تعزیوں کے دفن ہو جانے کے بعد جو تقریباً مغرب کا وقت ہوتا ہے مومنین عیدگاہ صدر امام باڑہ کے احاطہ میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بعد غروب آفتاب مجلس شام غریباں شروع ہو جاتی ہے جس میں ذاکری مولوی سبط حسن رضوی صاحب کرتے ہیں۔ تمام صحن مسجد میں اندھیرا ہوتا ہے مومنین خاک نشین ہوتے ہیں سب شدت گریہ سے بیتاب نظر آتے ہیں دوران بیان میں دور سے ایک روشنی نظر آتی ہے جو نزدیک ہوتی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طشت میں شمعیں روشن ہیں اس کے پیچھے ایک تابوت نظر آتا ہے یہ بڑا ہی درد انگیز منظر ہوتا ہے مومنین کا اضطراب اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے یہ وقت مجلس کے اختتام کا ہوتا ہے اس کے بعد نوحہ و سلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور مجمع منتشر ہونے لگتا ہے۔

"زمانہ اربعین کی عزاداریاں"

عشرہ محرم کے بعد شہر کے عزاخانوں میں ہفتہ میں ایک مجلس ہوتی ہے۔ ان مجالس کے لئے ہر عزاخانے میں ہفتہ کا ایک ایک دن مجلس کے لئے مقرر ہے۔ ان کے علاوہ اکثر عزاخانوں میں عشرہ ثانی بھی ہوتا ہے جن میں قدیم اور مشہور عشرہ ثانی مفتی صاحب کے عزاخانہ واقع مفتی محلہ کا ہے جہاں ۱۱ر صفر سے ۱۸ر صفر تک مجالس کا سلسلہ رہتا ہے مشہور ذاکرین باہر سے مدعو ہوتے ہیں۔ دوسرا قدیم عشرہ ثانی ذوالقدر بہادر کے عزاخانہ میں ہوتا ہے جہاں سلسلہ مجالس بارہ صفر سے شروع ہوتا ہے یہاں صبح کے وقت مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ ہر دو عشرہ ہائے ثانی میں مومنین شہر و مضافات بکثرت شرکت کرتے ہیں۔

بعد چہلم شہدائے کربلا کے دو عشرہ ہائے ثانی مخصوص ہیں ایک عزاخانہ محمد سعید خاں صاحب مفتی محلہ اور دوسرا سید طاہر حسین خاں صاحب مرحوم کے عزاخانہ پر محلہ میرمست میں ان عشروں میں کسی بیرونی عالم کو مدعو کیا جاتا ہے۔

ان عشرہ ہائے ثانی کے علاوہ روزہی شہر جونپور اور اطراف جونپور میں مجالس اور کوئی نہ کوئی جلوس عزا برآمد ہوتا رہتا ہے جن میں سے چند مخصوص جلوس ہائے عزا کا تذکرہ یہاں پر بے موقع نہ ہوگا مثلاً چوبیس ۲۴ محرم کو بوقت شب جلوس شبیہ ذوالجناح جو قاضی تصدق حسین صاحب کے عزاخانے واقع مفتی محلہ سے برآمد ہوتا ہے۔ دوسری ۲ صفر کو منجانب خواتین جونپور تابوت حضرت سکینہؑ صدر امام باڑہ جونپور میں برآمد ہو کر اندرون احاطہ گشت کرتا ہے۔ اسی روز شب میں ایک مجلس عزا عباس مرزا ایڈوکیٹ مرحوم کی کوٹھی آغا منزل عباس مرزا روڈ پر منعقد ہوتی ہے جو جونپور کی مشہور مجلسوں میں شمار ہوتی ہے۔ صفر کے پہلے پنجشنبہ کو محلہ پرانی بازار سے جلوس عماری برآمد ہو کر صدر امام باڑہ تک جاتا ہے۔ پھر آٹھ صفر کو تابوت ثانی زہرا حضرت زینبؑ منجانب خواتین جونپور صدر امام باڑہ میں برآمد ہوتا ہے۔ اور ۱۲ صفر کو شبیہ علم مبارک سید نظیر حسن خاں صاحب محلہ میرمست کے عزاخانہ سے برآمد ہو کر چار سو اور ماتمی دستوں کے ساتھ عزاخانہ پنجین پر آکر اختتام پذیر ہوتا ہے ۱۷ر صفر کو مفتی صاحب کے عزاخانہ مفتی محلہ سے شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتی ہے جس میں شرکت کے لئے دور دور تک کے مومنین آتے ہیں۔

"چہلم شہدائے کربلا"

چہلم شہدائے کربلا کی تاریخ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اس وقت کچھ جلوس چہلم پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ جونپور کے چہلم کا مرکز عزاخانہ شیخ محمد اسلام ہوتا ہے عزاخانہ کے چوک پر اٹھارہ ۱۸ صفر کو بوقت مغرب تربت رکھ دی جاتی ہے اور تمام شب نوحہ و ماتم نذر و فاتحہ کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور تا سحر مجمع کثیر رہتا ہے۔ ۱۹ر صفر کو قریب ۱۲ بجے دن میں مجلس شروع ہو جاتی ہے بعد ختم مجلس تربت برآمد ہوتی ہے اور اس کے پیچھے عزاخانہ مذکور کے چوک کا تعزیہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہ جلوس محلہ الف خاں

یا قاضی کی گلی سے گذرتا ہوا اپنے مخصوص راستوں سے ہو کر عزاخانہ نقی بھاٹک پر بوقت مغرب کچھ دیر قیام کرتا ہوا صدر امام باڑہ جا کر دفن ہوتا ہے۔ راستہ بھر شہر کے دیگر عزاخانوں کے تعزیئے جلوس میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ جلوس کی شان اور مجمع کی کثرت اپنی مثال خود ہوتی ہے لوگ غیر اضلاع سے اس روز بکثرت جونپور بغرض شرکت چہلم آتے ہیں۔

چہلم شہداء کربلا محلہ کٹگھرہ

شہر جونپور کا چہلم سوا محلہ کٹگھرہ کے ۱۹ صفر کو تمام ہو جاتا ہے۔ محلہ کٹگھرہ میں حسب دستور قدیم چہلم ۲۰ صفر کو ہوتا ہے اور اسی تاریخ کو تمام مضافات جونپور میں بھی چہلم منایا جاتا ہے سوا موضع اٹلو کے جہاں ۲۱ صفر کو چہلم ہوتا ہے اور قصبہ ظفرآباد کا چہلم ۲۲ صفر کو ہوتا ہے۔

محلہ کٹگھرہ میں چوک مرزا سنگین بیگ پر تعزیہ ۱۹ صفر کی شام کو رکھا جاتا ہے اور ۲۰ صفر کو تقریباً تین بجے دن بعد مجلس جس میں ذاکری جناب مولانا سید محمد زماں صاحب فرماتے ہیں جلوس برآمد ہوتا ہے اور محلہ تاراپور، عمرپور، مالی پور سے گزر کر سڑک سرکاری پر آتا ہے اور کربلا خانقاہ ذاکران پہونچ کر تقریباً ۹ بجے شب میں دفن ہوتا ہے۔ جلوس کے ہمراہ شہر کے ماتمی دستے مع علم مبارک کے ہوتے ہیں اور کئی جوڑ طبل آخر وقت تک ساتھ میں بجا کرتے ہیں۔ شہنائی جلوس کے ہمراہ درد انگیز دھن میں نوحہ و مرثیہ خوانی کرتی رہتی ہے۔ مومنین کا مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے۔

یوم شہادت محمد مصطفےٰؐ و حسن مجتبیٰؑ

۲۸ صفر یوم شہادت رسول اسلام اور فرزند رسول جناب حسن مجتبیٰؑ ہے۔ چنانچہ اٹھائیس صفر کی شب کو جونپور شہر کے تقریباً ہر عزاخانہ اور مضافات جونپور کے تئیس ۲۳ عزاخانوں میں تعزیئے رکھے جاتے ہیں اور مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ مولوی عنایت حسین مرحوم ساکن مخدوم شاہ اڈھن کے یہاں کی عزاداری اس روز کی مرکزی عزاداری تصور کی جاتی ہے

اسی روز ایک بڑی مجلس مرزا محمد احمد صاحب ساکن محلہ رضوی خاں کے یہاں ہوتی ہے۔

۲۸ صفر کو قاضی صاحب کے عزاخانہ محلہ سپاہ پر مجلس ہوتی ہے جس میں کوئی باہر کا عالم ذاکری کے لئے مدعو ہوتا ہے۔ مفتی محلہ میں سید محمد سعید خاں صاحب کے عزاخانہ پر بعد دوپہر مجلس منعقد ہوتی ہے پھر تعزیہ برآمد ہوتا ہے۔ شہر کے تعزیئے ایک جلوس کی شکل میں طبل اور ماتمی دستوں کے ہمراہ جن کے ساتھ علم مبارک بھی ہوتے ہیں صدر امام باڑہ تک جاتے ہیں جہاں تعزیوں کی تدفین عمل میں آتی ہے

آٹھ ربیع الاول

اس تاریخ کو دو خصوصیتیں حاصل ہیں۔ اسی تاریخ کو اہل حرم قید شام سے رہائی کے بعد وارد مدینہ ہوئے تھے دوسرے یہ کہ اسی تاریخ کو گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام زہر سے شہید کئے گئے۔ چنانچہ محلہ سپاہ اس تاریخ کی عزاداری کا مرکز ہوتا ہے۔ جہاں تمام عزاخانوں میں تعزیئے رکھے جاتے ہیں اور ۸ ربیع الاول کو آٹھ بجے صبح مجالس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے بعد اس کے جلوس تعزیہ برآمد ہوتا ہے جس کے ساتھ نقیب مصائب امام مظلوم اشعار کی صورت میں بطور نقابت پڑھتا ہے۔ یہ جلوس قبل دوپہر امام باڑہ نبی صاحب پر ختم ہوتا ہے۔ محلہ سپاہ کے علاوہ شب ہشتم ذوالقدر بہادر کے عزاخانہ میں بھی تعزیہ رکھا جاتا ہے اور ۸ ربیع الاول کو بعد مجلس قریب دس بجے دن کے مختلف راستوں سے جلوس صدر امام باڑہ جا کر ختم ہوتا ہے۔

شب بیداری

گذشتہ چالیس سال کے اندر جونپور میں شب بیداریوں کا رواج زمانہ اربعین میں قائم ہوا ہے۔ پہلے مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ مجتہد کے ایماء پر مفتی محلہ میں امام باڑہ چوک مجید میاں میں شب بیداری شروع ہوئی پھر اسی تاریخ کو یعنی ۷ ربیع الاول کو حسنیہ کلو مرحوم واقع محلہ مخدوم شاہ اڈھن میں شب بیداری کا سلسلہ جاری ہوا۔ ان شب بیداریوں میں زیادہ تر ذاکرین لکھنؤ اور غیر مقامات سے

مدعو کئے جاتے ہیں اور تمام رات تا وقت نماز سحر سلسلہ بیان جاری رہتا ہے۔

ان دو شب بیداریوں کے علاوہ زمانہ اربعین میں اکثر عزاخانوں میں شب بیداریاں منعقد ہوتی ہیں جن میں مولانا سید جرار حسین صاحب قبلہ کے یہاں مقبول منزل کی شب بیداری مخصوص تصور کی جاتی ہے۔

جلوس عماری

شہر جونپور میں صفر کے پہلے پنجشنبہ کو جلوس عماری برآمد ہوکر صدر امام باڑہ جونپور جاتا ہے۔ مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے ماتمی انجمنیں اور طبل آخر وقت تک جلوس کے ہمراہ ہوتے ہیں۔

آٹھ ربیع الاول کو بعد نماز صبح جلوس عماری قصبہ بڑاگاؤں تحصیل شاہ گنج جونپور میں برآمد ہوتا ہے جو سید عباس حسینی صاحب ساکن بڑاگاؤں جونپور (نکہت الہ آباد) کی ذاتی دلچسپیوں کے نتیجہ میں کل ہند شہرت کا حامل ہو چکا ہے یہ جلوس پنجہ شریف بڑاگاؤں سے برآمد ہوتا ہے آگے آگے اونٹوں پر سیاہ عماریاں پھر علم مبارک اس کے شبیہ ذوالجناح، ماتمی انجمنیں نوحہ خوانی میں مصروف ہوتی ہیں۔ یہ جلوس تمام دن گشت کرتا ہوا بعد شام درگاہ میں داخل ہوتا ہے۔ نقیب تادیر مصائب مظلوم کربلا و اہل حرم اشعار کی صورت میں بیان کرتا ہے عماریاں صحن درگاہ میں روضوں کے سامنے گشت کرکے عزاخانہ کے پاس ٹھہر جاتی ہیں۔ مجلس منعقد ہوتی ہے اس کے بعد مجمع منتشر ہونے لگتا ہے۔

سال کے دیگر ایام عزا اور تبلیغی مجالس

۲۸ رجب

جس سفر کا انجام روز عاشور محرم سنہ ۶۱ھ کو میدان کربلا میں رونما ہوا وہ سفر ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ کو مدینہ سے شروع ہوا تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ناقابل فراموش دن ہے کہ اس روز فرزند رسولؐ نے نانا کا روضہ، ماں کی لحد، بھائی کا مزار اور وطن عزیز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر مع اہلبیت و انصار راہ کربلا اختیار کی تھی۔ اس روز اہل جونپور حسینیہ کلو مرحوم میں ایک بڑی مجلس عزا منعقد کرتے ہیں جس میں مرزا انیس احمد صاحب اور عطا حسین صاحب سوز خوانی کرتے ہیں پھر مولانا سید جرار حسین صاحب قبلہ مقصد سفر امام مظلوم پر مفصل روشنی ڈالتے ہیں پھر انجمنیں نوحہ خوانی کرتی ہیں۔

۲۹ رجب کو بھی اسی عزاخانہ میں مجلس اور آگ پر ماتم ہوتا ہے اور اکثر باہر سے مدعو کئے ہوئے ذاکرین بیان فرماتے ہیں۔

شہادت جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ

اس عزاداری کے لئے شہر جونپور میں عزاخانہ مدو مرحوم واقع محلہ بلوا گھاٹ مخصوص ہے جہاں ۱۹ رمضان کو بوقت سحر تعزیہ زینت عزاخانہ ہوتا ہے شب بستم کو اس عزاخانہ پر مومنین کا کثیر اجتماع تمام شب رہتا ہے مجالس منعقد ہوتی ہے جس میں ذاکری جناب مولانا سید جرار حسین صاحب قبلہ کے لئے مخصوص ہے۔ بیس رمضان کو بعد مجلس تقریباً ۱۰ بجے دن کو جلوس تعزیہ برآمد ہوکر مع ماتمی انجمنوں اور علم مبارک کے قلعہ روڈ، پل شاہی سے گذر کر کچہری روڈ پر آتا ہے اور درگاہ پنجہ شریف جاکر عزاخانہ درگاہ حضرت عباسؑ میں رکھا جاتا ہے۔ بعد افطار و مجلس پھر جلوس نوحہ و ماتم کے ساتھ صحن روضہ امیرالمومنینؑ میں لاکر ۲۰ رمضان کو تقریباً سات بجے شام کو دفن کیا جاتا ہے اور پھر مجمع منتشر ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد شہر کے عزاخانوں میں مجالس کا سلسلہ رہتا ہے اور حکیم غفور صاحب کی مسجد اور محلہ پرانی بازار جونپور میں شب بیداری ہوتی ہے۔ ۲۱ رمضان کو دن اور رات میں بھی مجالس کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ علاوہ شہر جونپور کے مضافاتی عزاخانوں میں جلوس عزا اور مجالس کثرت سے منعقد ہوتی ہیں۔

یوم جنت البقیع

۸ شوال یعنی جس روز اہلبیت رسولؐ اسلام سے جذبہ عناد رکھنے والوں کی تحریک کے مطابق شاہ ابن سعود نے ۱۹۲۶ء میں حضرت فاطمہ زہراؑ اور ان کی اولاد کی قبروں کو مسمار کر دیا تھا آج تک جونپور میں یوم غم کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ اس روز ایک شبیہ علم مبارک

ناصریہ عربی کالج جونپور سے برآمد ہوتی ہے اور محلوں کا گشت کرتی ہوئی امام باڑہ کلو مرحوم میں آکر ختم ہوتی ہے اس کے علاوہ تقریباً ہر خانۂ مومن میں مجالس منعقد ہوتی ہیں۔

یوم شہادت حضرت مسلم بن عقیلؑ

نو ذی الحجہ یوم شہادت حضرت مسلمؑ کے سلسلہ میں زمانۂ قدیم سے جونپور کے عزاخانوں اور مومنین کے گھروں میں مجالس عزا منعقد ہوتی تھیں اور یوم غم منایا جاتا تھا۔ تقریباً تیس ۳۰ سال یا اس سے کچھ زیادہ ہوئے کہ شیعہ خواتین نے صدر امام باڑہ جونپور میں تابوت حضرت مسلمؑ برآمد کیا جسمیں ذاکری نوحہ و مرثیہ خوانی بھی عورتیں ہی کرتی ہیں۔ جلوس اندر احاطہ صدر امام باڑہ گشت کرتا ہے خواتین کی انجمنیں ہمراہ جلوس ماتم اور نوحہ خوانی کرتی رہتی ہیں قریب سہ پہر مجمع منتشر ہوتا ہے۔

تبلیغی مجالس

تمام سال جونپور میں زیادہ تر ہفتہ کو کسی نہ کسی عزاخانہ میں مجلس ہوا کرتی ہے جسمیں کوئی غیر مقامی عالم ذاکری کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ چند موقعوں پر علماء کا اجتماع بھی ہوا کرتا اور کئی کئی روز مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے مثلاً مجالس بیادگار جناب مولانا سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم جو عموماً دسہرہ کی چھٹیوں میں مفتی محلہ میں عزاخانہ مفتی صاحب میں منعقد ہوتی ہیں کم از کم چار یا پانچ روز سلسلۂ مجالس قائم رہتا ہے۔

ذوالقدر بہادر کے عزاخانہ واقع محلہ ۔۔۔ میں سالانہ مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ خاندان ذوالقدر کے بزرگ بڑے پایہ کے مرثیہ گو گزرے ہیں موجودہ ذوالقدر بہادر جناب ناصر علی صاحب اور ان کے پسر اکبر سید محمد محسن صاحب ایم، اے کو مرثیہ گوئی میں کافی مشق سخن ہے۔ ان مجالس میں اکثر نایاب مرثیوں کو سننے کا موقع ہاتھ آتا ہے اس لئے مومنین کو ان مجالس کی تاریخوں کے اعلان کا انتظار رہتا ہے۔

مضافات جونپور میں سالانہ مجالس کے سلسلہ میں تعلقہ رنّو قصبہ بڑا گاؤں تحصیل شاہ گنج اور موضع نگہرہ کو خصوصیت حاصل ہے مقامی مومنین مہماں نوازی کے لئے مشہور ہیں۔

جونپور کا سب سے قدیم تبلیغی ادارہ انجمن تبلیغ الاسلام

مقبول منزل بلوا گھاٹ

کا ہے جو محتاج تعارف نہیں ہے۔ مقبول منزل میں تبلیغی مجالس کی بنا ۱۹۱۴ء میں صدر المحققین جناب مولانا سید مقبول احمد صاحب قبلہ طاب ثراہ کے ایماء پر قائم ہوئی تھی۔ شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم اس انجمن کی روح رواں تھے مرحوم بڑے حوصلہ مند اور صاحب ایمان بزرگ گزرے ہیں۔ اپنے ذاتی سرمایہ سے عرصہ تک انجمن مذکور اور سالانہ مجالس کو فروغ دیا کئے۔ مقبول منزل کی عمارت کو جو شیخ صاحب کی ذاتی ملکیت تھی مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ کے نام نامی سے ہمیشہ کے لئے موسوم کر دیا، خود اپنی زندگی کو بھی قومی خدمات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آج مقبول منزل اپنی مخصوص جائے وقوع اور قومی خدمات کے لحاظ سے جونپور کا ایک اہم تبلیغی ادارہ تصور کیا جاتا ہے۔ شیخ بشیر احمد صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عجب نہ ہوتا اگر یہ انجمن یادِ ماضی میں تبدیل ہو چکی ہوتی کچھ عرصہ تک شیخ ہدایت حسین مرحوم اور علی جعفر صاحب نے اپنی اپنی مخلصانہ خدمات سے سہارا دیا پھر غیب سے امداد ہوئی اور جناب مولانا سید جرار حسین صاحب قبلہ جو الہ آباد میں مقیم تھے اپنے ذاتی مفاد کو نظر انداز کر کے خدمت قوم و ملت کی خاطر وطن واپس آگئے اور یہی نہیں کہ آج انجمن تبلیغ الاسلام زندہ ہے بلکہ مولانا موصوف نے انجمن حیّ علیٰ خیر العمل کو قائم کر کے شہر و ضلع جونپور کے مومنین میں ایک تازہ روح پھونک دی اس لئے آج پہلے سے کہیں زیادہ بڑے پیمانہ پر انجمن تبلیغ الاسلام کی سالانہ مجالس زیر انصرام انجمن حیّ علیٰ خیر العمل منعقد ہوتی ہے اور مومنین شہر و ضلع اور قرب و جوار کے اضلاع کے مومنین کو اعلان تاریخ مجالس کا انتظار رہتا ہے۔ عموماً یہ تبلیغی مجالس ماہ نومبر کے کسی ہفتہ میں ہوتی ہیں اور کم سے کم دس سے پندرہ تک علماء دین غیر مقامات سے مدعو ہوتے ہیں۔ سلسلہ مجالس تقریباً پانچ روز تک قائم رہتا ہے اور روزانہ صبح، دوپہر اور شب میں مجلسیں ہوا کرتی ہیں بیرونی مہمانوں کے لئے معقول انتظام رہتا ہے۔

کندرکی کی تاریخِ عزاداری

قصبہ کندرکی ضلع مراد آباد کی دوسری بستیوں کی طرح ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ جائے وقوع کے لحاظ سے بھی اسے اہمیت حاصل ہے۔ وہ مراد آباد سے بذریعۂ ریل و پختہ سڑک صرف گیارہ میل دور ہے۔ یہ صوبائی پختہ سڑک اور ریلوے لائن کے بالکل کنارے واقع ہے۔ شمال میں مراد آباد اور جنوب میں ہندوستان کی مشہور منڈی چندوسی کوئی پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سڑک پر ہر وقت روڈویز کی بسوں اور ٹیکسیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مراد آباد سے کندرکی کے لئے سٹی بسیں بھی چلتی ہیں۔ ان کے علاوہ مراد آباد سے چندوسی، بدایوں، بلاری، سیونڈارا اور شاہ آباد ضلع رام پور آنے جانے والی بسیں بھی یہاں رکتی ہوئی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ کندرکی دوہری ریلوے لائن پر واقع ہے۔ ایک اُس لائن پر جو مراد آباد سے چندوسی جنکشن کو جاتی ہے۔ دوسرے اس لائن پر جو مُراد آباد سے راجہ کا سہنس پور اور سادات کی مشہور بستی قصبہ سرسی ہوتی ہوئی سنبھل کو جاتی ہے۔ اس طرح یہاں دوسرے مقامات کی بہ نسبت سب سے زیادہ گاڑیاں چلتی ہیں جن کی تعداد دن رات میں ایک درجن ہوتی ہے۔

کندرکی میں ریلوے اسٹیشن اُس زمانے میں قائم ہوا تھا جب کہ بریلی سے لے کر مراد آباد تک ریلوے لائن نہیں بنی تھی اس لیے کہ ان دونوں اضلاع کے درمیان ریاست رام پور واقع تھی اور اُس وقت کے والی ریاست نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم نے اپنے علاقہ سے ریل گزرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس زمانہ میں ساری ٹرینیں بریلی سے چندوسی، راجا کا سہنس پور اور کندرکی ہوتی ہوئی مراد آباد جایا کرتی تھیں۔ اُس وقت کندرکی کا اسٹیشن مین لائن پر واقع تھا۔ اس قصبہ کو آج کل بجلی اور واٹر ورکس کی سہولتیں بھی حاصل ہیں اور تمام سڑکیں اور گلیاں کوچے پختہ ہیں۔

یہاں کی آبادی کم و بیش آٹھ ہزار ہوگی جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور شیعہ افراد کی تعداد ہزار بارہ سو سے شائد زیادہ نہ ہو۔ قصبہ کی سب قومیں ہندو، سُنّی، شیعہ، جین اور عیسائی باہم اتحاد و اتفاق سے رہتے ہیں اور آپس میں کبھی ملال کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک دوسرے کے شریک کار رہتے ہیں۔

قصبہ کندرکی پرتھی راج کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ یہاں پہلے گوشائیوں کی آبادی تھی جن کے نام کے آخر میں لفظ "گر" لگا ہوتا ہے۔ جیسے جمنا گر، گنگا گر، رام گر، سوہن گر۔ اس بستی کو ابتداءً ایک گوشائیں "کندن گر" نامی نے بسایا تھا۔ اسی کے نام سے یہ بستی "کندن گر کی بستی" کہلائی جانے لگی جو کثرتِ استعمال سے کندرکی

رہ گیا۔ اب کندرکی میں گوشائیوں کا شائد ایک گھر بھی نہیں۔ ہمارے بچپن میں محلہ سادات سے قریب ہی دو تین گھر گوشائیوں کے باقی رہ گئے تھے اور وہیں اُن کے مُردوں کی قبریں تھیں جن کی شکل ہماری قبروں کی طرح مستطیل نہیں بلکہ مدوّر ہوتی تھی اور ہمیں رات کو اُدھر سے نکلتے ہوئے خوف معلوم ہوا کرتا تھا۔

شیعیانِ کندرکی کے مورثِ اعلیٰ پہلے پہل مشہد مقدس سے آکر آگرہ میں فروکش ہوئے۔ اُس کے بعد. . .

. . . . . اس خاندان کے ایک عالم متبحر سید عبدالرزاق صاحب طاب ثراہ شہنشاہ اکبر کے آخری عہد میں جب کہ مرادآباد کا گورنر رستم خاں دکنی تھا، کندرکی کے قاضی مقرر کرکے بھیجے گئے۔ آپ نے آکر شروع میں بستی کے باہر اپنے لئے عارضی مکانات بنوائے اور جہاں یہ مکانات بنائے تھے وہاں آج بھی ایک گاؤں قاضی پورہ کے نام سے انھیں کا آباد کیا ہوا موجود ہے۔

قاضی صاحب اپنے ساتھ دو نئے قسم کے تحفے بھی لائے تھے ایک اپنے خاندان کا نسّاب اور دوسرے ایک گورکن۔ اسی نسّاب کی اولاد آج تک ہمارے یہاں تقریبات کے موقع پر نسب نامہ پڑھتی ہے اور اسی گورکن کی اولاد ہمارے یہاں کی قبریں کھودتی ہے۔ گویا یہ ہمارے مورثِ اعلیٰ کو نسب کا بڑا خیال تھا اور موت ہر وقت اُن کے پیشِ نظر رہتی تھی جو ایک مومن کی علامت ہے۔

اس کے بعد آپ قاضی پورہ سے منتقل ہو کر کندرکی میں قیام پذیر ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے ایک مسجد کی تعمیر کرائی جو آج بھی قصبہ میں شیعوں کی واحد مسجد ہے۔ مسجد کے آس پاس اپنے اور اپنے متعلقین و لواحقین کے لئے مکانات تیار کرائے اور اُس کے بعد چاروں طرف حاشیہ پر رعایا کو آباد کیا۔

بس قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے وُرود کی تاریخ ہی کو کندرکی کی عزاداری کی تاریخ کا بابِ اول سمجھ لینا چاہیئے۔ قاضی صاحب کو جب وہ اپنی تعمیر کردہ مسجد میں مصروفِ تلاوتِ کلامِ پاک تھے، اُن کے ایک منافق غلام نے تلوار سے شہید کر دیا۔ چونکہ عہدِ جہانگیری میں اکبر کے بعد شیعوں پر پھر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تھا اس لئے اس خونِ ناحق کی شنوائی نہ ہوئی اور داد نہ ملی۔

آپ کے بعد قاضی صاحب کے دو صاحبزادوں میں سے عہدہ قضا ان صاحبزادے کو تفویض کیا گیا جن پر تشیع کا شبہہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی علیہ الرحمہ کی اولاد میں شیعہ سنی دونوں برابر ہوتے رہے جن کے آپس میں نہ کوئی اختلاف تھا نہ ملال بلکہ چونکہ اُن کے مابین رشتہ داریوں کا سلسلہ جاری تھا اس لئے وہ آپس میں بالکل ایک دوسرے سے گھُل مل گئے۔ باپ سُنّی تھا تو بیٹا شیعہ، شوہر شیعہ تو بیوی سُنّی، ماں سُنّی بیٹی شیعہ، ایک بھائی شیعہ تو دوسرے بھائی سُنّی چنانچہ ہمارے ہی دادا تین بھائی تھے۔ سید ہادی علی، سید ہاشم علی اور سید علی حسن۔ اول الذکر سُنّی تھے۔ جب اُن کے والد کا انتقال ہوا تھا تو دونوں بھائیوں کی عمر بہت کم تھی اس لئے اُن کی تعلیم و تربیت کا بار بھی اُنھیں پر پڑا۔ مگر اُنھوں نے بھائیوں کو اپنی ماں کے شیعہ مذہب کے اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ ان کے چار لڑکے بھی تھے (۱) سید واجد علی (والد سر سید رضا علی) حاجی سید فدا علی، سید نثار حسین اور سید آل حسن صاحبان۔ دونوں بھائیوں اور چاروں بیٹوں کی تعلیم و تربیت شیعہ عقیدہ کے مطابق ہی کی۔ خود بھی بڑے عالم تھے اور سُنّی و شیعہ دونوں کی فقہ و تاریخ پر عبور رکھتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے بھائیوں اور اولاد کو خود ہی شیعہ سانچے میں ڈھالا حالانکہ آپ خود عمر بھر حنفی عقیدہ کا اظہار کرتے رہے اور ہاتھ باندھ کر نماز

پڑھتے رہے۔ یہی نہیں کہ انھوں نے آپ ہی اپنے گھر میں شیعیت کو پروان چڑھایا ہو بلکہ وہ عمر بھر عزاداری بھی کرتے رہے حتیٰ کہ آٹھویں محرم کی نذر بھی کرتے تھے اور عشرہ کے دن خود بھی فاقہ سے رہتے تھے اور سارے عزاداروں کی فاقہ شکنی بھی کراتے تھے۔ یہ فاقہ شکنی آج تک ہوتی ہے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے دوسرے صاحبزادے حاجی سید فدا علی صاحب اس رسم حسنہ کو جاری کئے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حاجی سید آل حسن نے اس ذمہ داری کو سنبھالا۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں اُن کی وفات کے بعد سر سید رضا علی صاحب اپنے دادا کی خیر جاریہ کو جاری رکھے رہے۔ ان کے پاکستان چلے جانے کے بعد سید ہادی علی کے دوسرے پوتے سید انصار حسین صاحب رئیس خلف سید نثار حسین صاحب مرحوم (جو جوانی ہی میں انتقال کر گئے تھے) نے فاقہ شکنی کے بار کو اپنے کاندھوں پر لیا۔ سید انصار حسین صاحب کی رحلت کے بعد ان کے صاحبزادے سید صابر حسین صاحب اپنے خاندان کی روایتی اولوالعزمی کے ساتھ فاقہ شکنی کراتے ہیں۔

دادا سید ہادی علی صاحب مرحوم کی مثال کو دیکھ کر ہمیں عمّ رسولؐ حضرت ابوطالبؑ کی یاد آجاتی ہے۔ جس طرح سید ہادی صاحب مرحوم کے اخلاف و احفاد کو اُن کے شیعہ ہونے کا یقین ہے اُسی طرح حضرت ابوطالب کے اسلام لانے کا بھی یقین کامل ہے حضرت ابوطالبؑ کے اسلام و ایمان میں خواہ کچھ اہلسنت حضرات شبہہ سے کام بھی لیں لیکن قصبہ کندرکی کے سادات کو سید ہادی علی صاحب کی مثال کے پیش نظر ابوطالب کے اسلام و ایمان میں کوئی شک و شبہہ پیدا نہیں ہوسکتا کندرکی کے سُنی حضرات بھی برابر یہی سمجھتے رہے کہ ہادی علی صاحب اپنے مذہب کو کسی مصلحت سے چھپائے ہوئے ہیں۔ اگر حضرت ابوطالب نے بھی اسلام اور رسول اسلامؐ کے تحفظ کی خاطر اپنے اسلام کا کھُلّم کھُلا اعلان نہیں کیا تو اس میں تعجب کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے چاروں بیٹوں طالب جعفرؑ عقیل اور علیؑ کو مسلمان ہونے سے روکا تو نہیں۔ اسی طرح اپنی بیوی کو اسلامی مسلک پر باقی رہنے کی اجازت دے دی۔ تاریخ کی مستند شہادت ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد مسلمان تھیں لیکن ابوطالب کبھی مانع نہیں ہوئے۔ اگر ابوطالب مسلمان نہ ہوتے تو پیغمبر اسلام ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد کے نکاح کو فسخ نہ قرار دے دیتے اس لئے کہ مسلمان عورت اور کافر مرد کا نکاح باقی نہیں رہ سکتا۔

خیر یہ تو ایک تاریخی جملہ معترضہ بیچ میں آگیا تھا اب ہم پھر اپنے سابقہ مطلب پر آتے ہیں۔ قاضی عبدالرزاق صاحب کی اولاد میں سنی شیعہ دونوں تھے جن کے آپس میں رشتہ داریاں ہوتی تھیں۔ انھیں رشتہ داریوں کا نتیجہ ہمیں آج یہ نظر آرہا ہے کہ کندرکی کے سیدوں میں اب شاید ایک فیصدی سنّی بھی نہیں ہے حالانکہ ہمارے لڑکپن میں کم سے کم ایک تہائی سید سُنی تھے۔ اب آپس میں رشتہ داریاں بند ہوگئی ہیں۔ اگر لڑکے لڑکی کا لین دین آپس میں ہوتا رہتا تو یہ ایک فیصدی سُنّی بھی آج شیعہ ہی نظر آتے۔

کندرکی ہمیشہ سے بڑی مردم خیز بستی رہی ہے۔ ادب، تاریخ، ریاضی، عربی، فارسی غرض کہ ہر شعبۂ علم کے ماہر گزرے ہیں۔ مولانا سید ہدایت علی صاحب تمکین مرحوم بڑے جیّد عالم تھے جن کی قابلیت کا اعتراف مرزا غالب نے اردوئے معلیٰ میں بھی کیا ہے۔ اُنھوں نے ایک جامع کتاب واقعۂ کربلا پر بھی لکھی ہے جو ہنوز طبع نہیں ہوئی ہے۔ کتاب بڑی تحقیقی ہے۔ بڑے سائز کے ۳۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب

حکیم مولوی سید جمیل حسن صاحب رضوی کامل کے پاس موجود ہے۔ اس قابل قدر تصنیف کو کوئی مالدار انسان ہی چھپوا سکتا ہے۔ مولانا تمکین صاحب حنفی المسلک اور صوفی منش تھے۔ اُن کی ایک فارسی کتاب "رقعات سراجی" کے نام سے آج بھی موجود ہے جو میرے خیال میں فارسی پڑھنے والے لڑکوں کو گزشتہ ایک صدی سے پڑھائی جا رہی ہے۔ فارسی خطوط کی یہ کتاب مرحوم نے اپنے نواسے سید سراج الحق صاحب مرحوم کے پڑھانے کے لئے لکھی تھی جو چھپنے کے بعد بڑی مقبول ثابت ہوئی اور ریاست رام پور میں ہز ہائی نس نواب حامد علی خاں صاحب کے عہدِ حکومت کے اختتام تک رقعاتِ سراجی وہاں کے مدارس میں داخلِ نصاب تھی۔ ہم نے بھی رقعاتِ سراجی پڑھنے کے بعد ہی گلستاں شروع کی تھی۔ سید سراج الحق صاحب مرحوم کے اخلاف آج بھی موجود ہیں مگر اُن کی مالی حیثیت اس قابل نہیں کہ وہ اپنے بزرگ کے ایک غیر مطبوعہ شاہکار کو طبع کرا سکیں۔ البتہ اگر جسٹس سید ضیاء الحسن صاحب مرحوم چاہتے تو وہ اس کام کو انجام دے سکتے تھے اس لیے کہ وہ باشاء اللہ جج چیف کورٹ رہ چکے تھے اور بہت بڑے رئیس اور زمیندار بھی تھے۔

کندرکی کے کچھ ممتاز مرحوم ہستیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

شیعہ مرحومین

(۱) آنریبل سر سید رضا علی او بی۔ ای

(۲) سید جانباز حسین صاحب ایم۔ اے۔ انسپکٹر اسلامیہ اسکولس

(۳) مولوی سید مہدی حسن صاحب سشن جج رام پور اسٹیٹ متولی وقف میر سعادت علی خاں صاحب تحصیلدار مراد آباد۔

(۴) مفتی سید محمد ادریس صاحب سشن جج۔

(۵) سید نذیر حسین صاحب اسسٹنٹ کمشنر

(۶) خاں صاحب سید ذاکر حسین صاحب جیلر۔

(۷) مولانا سید انصار حسین صاحب مصاحب خاص اعلیٰ حضرت نواب حامد علی خاں صاحب آف رام پور

(۸) حکیم حاجی سید علی رضا صاحب جو خشکی کے راستہ سے براہ بلوچستان مشہد مقدس زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ نشتر اسی برس پہلے بڑا تکلیف دہ اور قریب قریب ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ دشوار گزار کوہستانی راستہ جو گھوڑوں خچروں اور گدھوں کے ذریعے طے کیا جاتا تھا لیکن وہ بخیریت پہنچ گئے اور روضۂ اقدس پر کچھ عرصہ رہے۔ وہیں موصوف کا انتقال ہو گیا۔

(۹) حکیم سید محمد حسین صاحب (جدِ امجد حکیم سید جمیل حسن صاحب کامل رضوی) بڑے حاذق طبیب تھے۔ حکیم سید محمد حسن صاحب (والد بزرگوار حکیم سید جمیل حسن کامل)۔ حکیم مولوی سید دلدار حسین صاحب طبیب ریاست چرکھاری واصف آباد۔

<u>سُنّی مرحومین</u>

(۱) خان بہادر سید ضیاء الحسن صاحب جج اودھ چیف کورٹ (۲) سید حسن صاحب رضوی وکیل مراد آباد (۳) حکیم سید حسین صاحب مرحوم بڑے پایہ کے طبیب گزرے ہیں (۴) حکیم سید جواد حسن صاحب۔

یہ سُنّی سید بھی سب ہمارے ہم جدّی ہیں اور وہ ہمیں اپنے سے جدا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جسٹس ضیاء الحسن صاحب رضوی مرحوم نے انتقال سے کچھ دن پہلے اپنے مورثِ اعلیٰ قاضی سید عبد الرزاق صاحب کے مزار کی از سرِ نو تعمیر اپنے خرچ سے حکیم سید جمیل حسن صاحب رضوی کامل کی نگرانی میں کرائی ہے اور مزار کا خرچ چلانے کے لئے اسی میں دو دوکانیں بھی نکلوا دی ہیں۔

کندرکی میں ساداتِ رضویہ کے علاوہ کچھ اور خاندان

مثلاً نقوی، کاظمی اور عابدی بھی موجود ہیں جو عرصۂ دراز سے یہاں مقیم ہیں اور باہمی رشتہ داریوں کی وجہ سے آپس میں ایسے گھل مل گئے ہیں کہ یہ پہچان بھی آسان نہیں ہے کہ اس مجمع میں کون رضوی ہے، کون نقوی، کون کاظمی اور کون عابدی۔

عزاداری میں ترقی و انہماک خاص طور پر ۱۸۵۷ء کے ایک واقعہ سے پیدا ہوا۔ ہمارے بزرگوں سے یہ روایت تسلسل کے ساتھ چلی آرہی ہے کہ جب پہلی جنگ آزادی کے دوران میں انگریز فوج نے کندرکی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو قصبہ کے تمام لوگ سربکفن ہو کر فرنگیوں سے مقابلہ کے لئے نکل پڑے۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں نے جو جنگ لڑی اُس میں کوئی باقاعدگی اور نظم نہ تھا وہ نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر لڑائی کی آگ میں پھاند پڑتے تھے اسی لئے نتیجتاً ہندوستانیوں کو ناکامی ہوئی۔ یہی حالت کندرکی کے لوگوں کی بھی ہوئی۔ سارے سید اپنے ہمدردوں اور فرنگی دشمنوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اکٹھا کر کے نکل پڑے۔ قصبہ کے کچھ غدار انگریزوں سے ملے ہوئے بھی تھے۔ انھیں کی شہ پر یہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ سادات کندرکی نے اپنی تمام مستورات کو بستی کے سب سے محفوظ مکان میں جس کا تھوڑا سا حصہ آج کل یہ نصیر حسین صاحب ٹھیکیدار کے قبضہ میں ہے جمع کر دیا اور اُن پر دو ایک مسلح محافظ تعینات کر دیئے جن کو ہدایت یہ تھی کہ جب کندرکی والوں کو شکست ہو جائے اور تم یہ دیکھو کہ دشمن بستی میں داخل ہو جائے گا تو فوراً ساری عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا تاکہ ہم لوگوں کی عزت ناموس محفوظ رہے۔

(نوٹ:- اُس زمانہ میں ہندوؤں میں خصوصاً راجپوتوں میں جوہر کی یہ رسم جاری تھی۔ انھیں سے مسلمانوں نے اس رسم کو لیا۔ اخلاقی لحاظ اور عزت و ناموس کے تحفظ کے اعتبار سے یہ بات خواہ کتنی ہی حسین و دلکش کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تو ظالم سے اپنی مدافعت آخر لمحہ تک کرنا چاہیئے۔ انسان کو تمام مصائب و آلام پر صبر کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ خودکشی کرنے کی۔ خانوادۂ نبوت کی مخدرات نے میدان کربلا میں بھیانک سے بھیانک ظلم برداشت کر کے ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ چھوڑ دیا ہے۔ ایڈیٹر)

ان شیعہ خواتین نے عالم مایوسی میں "یا علیاہ یا عباساہ" کی صدائیں بلند کرنا اور بارگاہ احدیت میں چہاردہ معصومین کے وسیلے سے یہ دعا مانگنا شروع کی کہ تو ہماری جانوں اور عزتوں کو محفوظ رکھ اور ہمارے سرپرستوں کو اس خطرہ سے نجات دے۔

جب غنیم نے کندرکی پر چڑھائی کی اور وہ اُس کے قریب پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ بہت سے ہتھیاربند سوار سبز لباس میں ملبوس کندرکی کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ دشمن دہشت زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ جب امن قائم ہو گیا تو حملہ آور فوج کے بعض افراد نے بڑے تعجب سے یہ واقعہ بیان کیا جسے سادات کندرکی نے معجزہ ہی سمجھا اور اس وقت سے کندرکی والوں کو عزاداری سید الشہداء میں بڑا انہماک پیدا ہو گیا۔

زمانۂ سابق میں عزاداری

پہلے یہاں دن رات میں غالباً تین مردانی اور ایک زنانی مجلس ہوتی تھی۔ دن کی مجلس اول وقت میر ولایت حسین صاحب رئیس کے یہاں اور دوسری مجلس رات کو حکیم سید محمد حسین صاحب مرحوم (جد سید جمیل حسن صاحب کامل) کے یہاں۔ یہ دو مجلسیں بڑی قدیم اور غالباً سوا سو ڈیڑھ سو برس سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ تیسری قدیم مجلس سید محمد احسن صاحب مرحوم کے یہاں ہوتی تھی جو بڑے باکی اور مجلس

کی رونق سمجھے جاتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے صاحبزادے مولانا سید انصار حسین صاحب مصاحب نواب صاحب رام پور مجلس کراتے رہے۔ جب سے مولانا پاکستان چلے گئے اُس وقت سے غالباً یہ مجلس بند ہو گئی۔ دن میں تیسری زنانی مجلس سید اخلاق حسین صاحب مرحوم کے یہاں ہوتی تھی جس کا سلسلہ آج بھی اُن کے پوتے سید رضی الحسن رضوی کرتے ہیں۔ یہ مجلس بھی سوا سو سال سے برابر ہو رہی ہے اور اُسی وقت سے اس گھر میں تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ شاید اس سے پُرانا اور قدیم تعزیہ کوئی نہیں ہے۔ اس گھر میں اربعین میں بھی زنانہ عشرہ ہوتا ہے اور یہ بھی قدیم عشرہ ہے۔ عاشور کی طرح اربعین کو بھی اس گھر سے تعزیہ نکلتا ہے اور دوسرے تعزیوں کو ساتھ لیتا ہوا کربلا جاتا ہے۔

سابق میں اربعین کا ایک عشرہ سید عطا حسین صاحب مرحوم زمیندار کے مکان پر قائم تھا۔ اُن کی مجلس سید محمد احسن صاحب مرحوم کی مجلس کے بعد ہوا کرتی تھی جس میں وہ خود کتاب سے حدیث خوانی کرتے تھے اور ختم مصائب پر واقعات کی مناسبت سے فوراً ہی بعد کوئی نوحہ منبر ہی پر شروع کر دیتے تھے اور منبر کے نیچے بیٹھے ہوئے بعض نوحہ خواں ساتھ میں پڑھوانے لگتے تھے۔ یہ مجلس بڑی رقت خیز ہوتی تھی اور نوحہ کے بعد تو سامعین کو ضبط کا یارا نہ رہتا تھا۔

ایک مردانی مجلس عشرہ میں نمبردار سید ارشاد حسین صاحب کے یہاں ہوا کرتی تھی اور وہ خود اپنی مجلس میں بیان کیا کرتے تھے۔ اس پُرانی مجلس کو اب اُن کے خویش سید مستجاب حسین صاحب جاری رکھے ہوئے ہیں اور یقین ہے اُن کے بعد ان کے صاحبزادے سید انتخاب حسین بی۔ اے۔ اس مجلس کو جاری رکھیں گے اور اسی طرح انشاء اللہ نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

دو زنانی مجلسیں سابق میں اور ہوتی تھیں۔ ایک سید مظفر حسین صاحب کے یہاں جو خود ہی سوز خواں نہ تھے بلکہ اُن کی اہلیہ بھی زنانی مجلسوں میں مقبول سوز خوانی کیا کرتی تھیں۔ اب وہ اور اُن کے سب صاحبزادے پاکستان چلے گئے اور مکان فروخت کر گئے مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مکان ایک مردِ مومن سید شریف الحسن صاحب نے خرید لیا اور اب وہ زنانی مجلس اُن کے یہاں ہونے لگی۔ ایک مجلس مفتی سید بشیر حسن صاحب مرحوم رئیس کے یہاں ہوتی تھی جو آج تک ہوتی ہے۔ اُن کے کوئی اولاد نرینہ تو نہیں رہی لیکن پوتی اور اُس کی اولاد اس کارِ خیر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مرحوم کے دوسرے مکان میں اُن کے بھائی مفتی سید ارتضیٰ حسن صاحب مرحوم مختار عدالت نواب گنج ضلع بریلی کے پوتے مجلس کراتے ہیں۔

ایک زنانی مجلس مولوی سید مہدی حسن صاحب مرحوم سشن جج رام پور کے یہاں ہوتی تھی۔ اُن کے مرنے اور اُن کی اولاد کے پاکستان چلے جانے اور تتر بتر ہو جانے کی وجہ سے نہ وہ مکان رہا نہ اُس کے مکین اور نہ اُس کی قدیم مجلس۔ یہ بھی شکر ہے کہ مکان اب بھی ایک سید صاحب ہی کے قبضہ میں ہے۔ ایک زنانی مجلس غالباً سید دلدار حسین صاحب مرحوم کراتے تھے جسے اُن کے مرنے کے بعد اُن کے دو صاحبزادے سید محمد اصغر اور سید محمد مُسلم صاحبان کراتے رہے اور اب غالباً اسی مجلس کو مردانی مجلس کی شکل میں تبدیل کر کے مولانا سید محمد سالم صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ بی ٹی کراتے ہیں۔

آج کل ایک زنانی مجلس صبح کو حکیم مولوی سید جمیل حسن صاحب رضوی کامل کے یہاں ہوتی ہے اور ایک سید الیاس حسین صاحب کے زنانے امام باڑے میں۔ ایک مجلس ڈپٹی سید نصیر الحسن رضوی۔ ایم۔ اے۔ ایل بی کے یہاں۔ اس کے علاوہ اور بھی مجلسیں ہوتی ہیں جن کو

سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ زنانی مجلس میں سوز خوانی، حدیث خوانی اور نوحہ خوانی سب عورتیں ہی کرتی ہیں۔

مردانی مجالس کم وبیش دس بارہ ہوتی ہیں جن میں سے دو منتقل رات کو ہوتی ہیں۔ ایک حکیم محمد حسین صاحب مرحوم کے پوتے کے یہاں سوا سو سالہ پرانی مجالس اور دوسری سید نذیر احمد صاحب رئیس مرحوم کے مکان پر جو آج کل اُن کے صاحبزادے حکیم سید عزیز احمد صاحب عزیزؔ کرتے ہیں۔

۸ محرم کی مجلسیں حضرت عباس علمبردارؑ کے نام سے منسوب ہوتی ہیں اور اسی لئے اُنھیں حاضری کہا جاتا ہے جن میں بہتر سے بہتر مٹھائی تبرک میں تقسیم کی جاتی ہے۔ تبرک کی تیاری ہر گھر میں ساتویں محرم ہی سے شروع کردی جاتی ہے۔ جہاں جائیے کہیں حلوائی لڈو تیار کر رہے ہیں کہیں بالوشاہی، کہیں امرتی اور کہیں پیڑے۔ غرض کہ اس ایک ہی تاریخ میں مومنین کندرکی سیکڑوں سے زیادہ تبرک پر خرچ کردیتے ہیں۔ منتقل ہونے والی مجالس ہی حاضریوں میں تبدیل نہیں کردی جاتی ہیں بلکہ دوسرے مومنین انفرادی طور پر بھی اپنے اپنے یہاں حاضریاں کراتے ہیں اور اس لئے یہ تاریخ بڑی مشغولیت کی ہوتی ہے۔ ہر مجلس میں "جب ہوئے بازوئے عباسؑ قلم دریا پر" والے مرثیہ کے دو ایک بند ضرور پڑھے جاتے ہیں اور وقت کی تنگی کی وجہ سے دو چار بندوں ہی پر مجلس ختم کردی جاتی ہے۔

ذاکرین:۔ عشرہ محرم میں باہر سے کوئی ذاکر نہیں بلایا جاتا۔ مقامی لوگ ہی ذاکری کرلیتے ہیں جن میں مخصوص اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا سید محمد سالم صاحب ایم۔ اے، سابق پرنسپل خصوصاً عشرہ کے دن دوپہر کو بڑی معرکۃ آرا مجلس پڑھتے ہیں جس کے بعد تابوت حضرت علی اکبرؑ نکلتا ہے۔

(۲) حکیم سید عزیز احمد صاحب عزیزؔ۔ اچھے ذاکر ہیں اور عام پسند کے خوب گوشے اور نکتے نکال لیتے ہیں۔

(۳) حکیم مولوی سید جمیل حسن صاحب رضوی کامل بھی اچھی ذاکری کرتے ہیں۔ پہلے بہت سی مجلسیں پڑھ لیا کرتے تھے جو بڑی کامیاب رہتی تھیں مگر آج کل عرصہ سے اُن کی صحت خراب ہوگئی ہے اور دو چار منٹ سے زیادہ مجلس پڑھنے کی سکت نہیں ہے۔ خدا انھیں بطفیل بیمار کربلا صحت کلی عطا فرمائے۔

(۴) حکیم مولوی سید یوسف علی صاحب سنبھلی خوب بیان فرماتے ہیں۔ اُن کی آواز بھی خدا کا ایک عطیہ ہے۔ اُن کی مجلس بڑی رقت خیز ہوتی ہے۔

(۵) ڈاکٹر سید حیدر رضا صاحب، طرز بیان دلکش ہے گوشے بھی خوب پیدا کرتے ہیں مگر اپنے پیشہ کی مشغولیتوں کی وجہ سے مجلسیں بہت کم پڑھ پاتے ہیں۔

(۶) سید محمد ناطق صاحب اچھے ذاکر ہیں اور بہت سی مجلسیں پڑھ ڈالتے ہیں۔

(۷) سید شریعت حسین صاحب۔ عزاداری میں انہماک کی وجہ سے پڑھنے کا شوق ہوا اور پڑھتے پڑھتے اتنی مشق بہم پہنچالی کہ ہر مجلس بڑی کامیاب ثابت ہوتی۔

(۸) سید قیصر رضا صاحب اپنے صنف کے اچھے ذاکروں میں سے ہیں۔

مولانا سید محمد سالم صاحب سابق پرنسپل کے علاوہ تقریباً یہ ذاکر سب قصبہ ہی میں مستقل قیام رکھتے ہیں اس لئے انھیں پہلی تاریخ ہی سے مجلسوں کی شرکت اور مجلسوں کی خواندگی کا موقع ملتا رہتا ہے۔ بعض

ملازمت پیشہ حضرات جو ذاکری بھی کرتے ہیں عشرہ کی کئی تاریخیں گزرنے کے بعد آیا کرتے ہیں۔ ان میں ماسٹر سید مختار حسین صاحب رضوی (برادرِ خورد حکیم سید عزیز احمد صاحب عزیز) بے جھجک، پڑھتے ہیں۔ آپ کو مناظرہ کے مضامین سے بڑی دلچسپی ہے اور اپنے ہر ہر نکتہ کو سامعین کے ذہن نشین اس طرح کرا دینا چاہتے ہیں جیسے کہ وہ بحیثیت ماسٹر کے ہر بات اپنے طلباء کے ذہن نشین کراتے ہوں گے۔ ماسٹر سید محمود الحسن صاحب ایم اے بھی اچھا پڑھتے ہیں۔ بس ان میں کمی یہ ہے کہ شاید وہ علاوہ کندرکی کے کہیں اور نہیں پڑھتے۔ اگر زیادہ سے زیادہ مجلسیں پڑھنے کی کوشش کریں تو بیان میں بڑی روانی پیدا ہو جائے

موجودہ تحت لفظ خوان

سید مختار حسین صاحب یاسؔ، سید عزیز الحسن صاحب سید قمر علی رضوی نبیرہ حکیم سید عزیز احمد صاحب۔

موجودہ سوز خوان

سید شاہد حسین صاحب۔ سید ضامن حسن صاحب، سید علی محسن صاحب، سید نذیر علی صاحب، سید انصار رضا صاحب۔ سید ثواب علی صاحب۔

موجودہ نوحہ خوان

سید غضنفر حسین صاحب بڑے مقبول اور اچھے نوحہ خواں ہیں۔ اپنی انجمن کے ساتھ باہر جاتے رہتے ہیں اور عزائی اجتماعات کے موقعوں پر نوحہ خوانی میں کامیاب رہتے ہیں۔

دوسرے نوحہ خواں سید افتخار حسین صاحب جو اپنی انجمن کے صاحب بیاض بھی ہیں۔ اُن کی نوحہ خوانی بڑی پسندیدہ ہوتی ہے اور وہ بھی اپنی انجمن کو لے کر باہر مجالس میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی نوحہ خواں ہیں مثلاً معجز حسن، آقا حسن، مسیح الحسن وغیرہ ان کے نوحے بڑے پسندیدہ، تبلیغی اور مبلکی ہوتے ہیں۔ گردونواح کے مواضعات میں بھی اہل سنت حضرات نے اپنے ماتمی دستے اور نوحہ خوانی کی انجمنیں قائم کر رکھی ہیں۔

اہل ہنود میں عزاداری

سورگیہ لالہ ٹھاکر داس صاحب کانستھ رئیس بڑے عزادار تھے۔ مسلمانوں اور خصوصاً شیعوں سے بڑے مراسم تھے بلکہ دن رات کا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ قصبے کے بڑے خوش عقیدہ ہندو عزادار تھے۔ عزاداری سے شغف کا سبب یہ واقعہ ہوا کہ اُن کے یہاں کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ تمنا تھی کہ دولت اور زمینداری و املاک کا کوئی وارث پیدا ہو۔ اُنھوں نے ایک سال یہ منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے بیٹا دیا تو میں مجلس کرایا کروں گا چنانچہ بہ تصدق امام مظلومؑ لالہ صاحب کے یہاں "ہری شنکر" نامی لڑکا پیدا ہوا اور لالہ ٹھاکر داس اپنی زندگی بھر عشرہ میں مجالس کراتے رہے۔ جب اُن کا انتقال ہو گیا تب بھی اس سلسلے کو اُن کے لڑکے ہری شنکر نے چند سال جاری رکھا لیکن بعد میں کسی دراندازی کرنے والے نے ہری شنکر کو مجالس سے بدظن کر دیا اور انھوں نے یہ سلسلۂ عزاداری اپنے یہاں سے ختم کر دیا۔ ان مجالس میں میں خود بھی اپنے لڑکپن میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ مگر مجلسوں کا بند ہونا تھا کہ لالہ ٹھاکر داس صاحب کے گھر پر تباہی آگئی۔ اُن کا پورا خاندان برباد ہو گیا اور اب اُن کے عالی شان مکانوں میں کہاروں کی آبادی ہے۔

(۲) اسی طرح شری مہیش بل صاحب رئیس کندرکی کے دادا سورگیہ بابو بیربل صاحب رئیس اپنے وسیع مکان میں بزمانۂ عشرۂ محرم مجالس کرایا کرتے تھے اور جب تک مجلسِ عزا برپا رہتی تھی وہ احتراماً کھڑے رہتے تھے۔ بابو بیربل صاحب کو میں نے اپنے بچپن میں دیکھا بھی اور اُن کے یہاں کی مجالس میں بھی شریک ہوا۔ اُن کی

تصویر آج تک میری نظروں میں ہے۔ وہ پستہ قد اور گٹھے جسم کے انسان تھے۔ وضع قطع بالکل سرحدی پٹھانوں کی سی تھی۔ وہی شلوار، وہی کوٹ، وہی کلاہ اور صافہ۔ صورتاً بڑے شکیل و وجیہ تھے۔ چہرہ مسکراتا ہوا تھا جس کو دیکھ کر خوف نہیں بلکہ کشش پیدا ہوتی تھی۔ وہ فارسی اور انگریزی دونوں زبانیں بڑی روانی سے بولتے تھے۔ میں نے اُن کو اپنے عم محترم حاجی سید فدا علی صاحب سے فارسی میں برابر گفتگو کرتے سُنا ہے۔ دونوں فارسی اچھی بولتے تھے اس لیے دونوں میں اتحاد بھی بہت تھا۔ وہ جب کبھی ایک جگہ موجود ہوتے تو فارسی ہی میں گفتگو کیا کرتے۔ کوئی پچاس سال سے اب اُن کے یہاں بھی مجالس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

بس آج کل ایک ہندو دھوبی کلو نامی عشرہ میں ایک مجلس کرا دیتا ہے۔ میرے بچپن تک کندرکی کے کائستھ صاحبان جن کو فارسی اور اُردو ادب سے بڑا ذوق تھا، ہمارے یہاں کی مجلسوں میں برابر شریک ہوا کرتے تھے اور مجھے یاد ہے کہ ۸ محرم کو چونکہ مسلمان حلوائیوں کے ہاتھ کی مٹھائی تبرک میں تقسیم ہوتی تھی اس لیے اُس دن بھی ہندو شرکائے مجلس کو تبرک میں بتاشے دیے جاتے تھے۔

سُنی حضرات کے یہاں مجالس

اہل سنت کے مقتدر اور باثر بزرگ قاضی مقبول احمد صاحب مرحوم جن کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں قیادت کرنے کا بھی فخر اپنے بزرگوں سے چلا آ رہا تھا اور جو کندرکی کے موجودہ قاضی حبیب احمد صاحب کے دادا تھے برابر اپنے یہاں مجالس منعقد کرتے تھے۔ مرحوم کے یہاں کی مجلس کا یادگار واقعہ ہے کہ مجلس موسم برسات میں رات کے وقت ہو رہی تھی اور ڈپٹی سید جانباز حسین صاحب مرحوم پُرخلوص انداز میں بیان فرما رہے تھے۔ موضوع کلام تھا۔ "سرور کائنات صلعم کا بنی نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ"۔ مجلس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی جس میں سنی شیعوں کے علاوہ ہندو اور عیسائی حضرات بھی کافی تعداد میں شریک تھے۔ جب ڈپٹی صاحب کی تقریر پورے شباب پر تھی کہ آسمان پر بادل چھا گئے۔ بارش کے آثار صاف ظاہر ہونے لگے اور ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ بس اب موسلا دھار بارش ہوا ہی چاہتی ہے۔ ترشح ... شروع ہو گیا۔ مجمع میں انتشار کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ خطیب نے بڑے استقلال سے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا اور مجمع کو مخاطب کر کے جس میں عیسائی حاضرین کے ساتھ خاص طور پر خطاب تھا پُرزور الفاظ اور یقینی لہجہ میں فرمایا کہ میں اس وقت آیۂ مباہلہ کے متعلق بیان کر رہا ہوں۔ یہ مباہلہ پیغمبر اسلام اور نصارائے بنی نجران کے درمیان ہوا تھا۔ میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو تقریر میں نے شروع کی ہے خداوند عالم بطفیل محمدؐ و آل محمدؐ اسے ضرور پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا اور میری اس تقریر کے دوران میں یہ متوقع بارش ہرگز کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالے گی۔ اس لیے آپ حضرات پریشان نہ ہوں میری بات سکونِ دماغی کے ساتھ سنتے رہیں۔ اگر اس وقت بارش نہ ہوئی اور میری تقریر میں کوئی رکاوٹ نہ پڑی تو سمجھ لیجیے گا کہ یہی سب سے بڑی دلیل اسلام کی صداقت و حقانیت کی ہے۔

ڈپٹی صاحب کے اتنے بڑے دعوے پر سامعین پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور ہر مسلمان کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر کہیں بارش ہو گئی اور چیلنج غلط ثابت ہوا تو معاندین خوب مضحکہ اڑائیں گے اور ہماری بڑی رسوائی ہوگی۔

لیکن لوگوں کے تعجب کی حد نہ رہی جب کہ گھنگھور گھٹا گھر

جو آسمان پر چھائی ہوئی تھیں چھٹنا شروع ہو گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تارے چمکنے لگے۔ اس کے بعد ڈپٹی صاحب نے اپنا بیان جاری کیا اور مسلمانوں نے اس کامیابی پر اطمینان اور مسرت محسوس کی۔

اسی کندرکی کے ایک دوسرے سُنّی رئیس حاجی باقر بیگ صاحب مرحوم کے دیوان خانہ میں مجلس ہوا کرتی تھی۔ اس مجلس کے بانی حاجی صاحب بڑے مؤدّب دو زانو آخر تک بیٹھے رہتے اور آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری رہتا۔

حسب ذیل سُنّی حضرات کے یہاں بھی برابر مجالس ہوتی تھیں:-

عبدالرحیم ٹیلر ماسٹر، پیرزادہ عاشق علی، عبدالغنی انصاری ان لوگوں کے انتقال کے بعد ان کے یہاں مجالس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب صرف نویں محرم کو ایک مجلس لیاقت قریشی کے یہاں ہوتی ہے اور دوسری سبط حسن صاحب کے یہاں۔

قدیم حدیث خواں

مولانا سید انصار حسین صاحب مرحوم رکن دربار رام پور (۲) حکیم مولانا سید دلدار حسین صاحب مرحوم (۳) مولوی سید جعفر حسین صاحب مرحوم (۴) حکیم سید محمد حسن صاحب مرحوم (سوز خواں اور حدیث خواں دونوں) (۵) مولانا مفتی سید کاظم حسین صاحب جو اب نقل وطن کر گئے ہیں۔ حاجی منظور حسین صاحب مرحوم سید احمد حسین صاحب حدیث خواں اور سوز خوان دونوں تھے۔ آواز بڑی اچھی تھی۔

تحت لفظ خوان

حکیم سید مقداد حسین صاحب فارسی اور طب کی اچھی لیاقت تھی۔ صحت الفاظ کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ دبیری دبستان خیال سے تعلق رکھتے تھے۔

(۲) منشی سید محمد اسرائیل صاحب مرحوم المتخلص بہ ارشد۔ انیسی مکتبۂ خیال سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن کی نظمیں "درخت کہن" اور "میرا مزار" بڑی مقبول ہیں، اُن کا کلام نصاب میں بھی داخل تھا۔ افسوس کہ فانی بدایونی کی طرح ان کی عمر نے بھی وفا نہ کی ورنہ آرزو، حسرت، اثر، جگر اور یگانہ چنگیزی کی طرح وہ بھی فلک شہرت کا درخشندہ ستارہ بنے ہوتے۔ معجز سنبھلی صاحب نے آج کل شاعری میں جو مقام حاصل کیا ہے وہ ارشد کندرکوی مرحوم ہی کا فیض ہے اس لئے کہ مرحوم جناب معجز صاحب کے حقیقی ماموں تھے اور انھیں مرحوم سے استفادہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ جناب معجز سنبھلی میں شاعری کے یہ "جراثیم" اپنے ننھیالی رشتے کے سبب جناب ارشد مرحوم ہی سے منتقل ہو کر پہنچے ہیں۔

پُرانے سوز خواں

میر محمد احسن صاحب، مولانا سید انصار حسین صاحب قبلہ مرحوم مصاحب خاص دربار نواب حامد علی خان صاحب والی رام پور کے پدر بزرگوار تھے۔ بڑے مذہبی، پابند شرع، انتہائی باکی تھے اور عزاداری میں رونق انھیں کے دم سے تھی۔ اگر کسی مجلس میں وہ نہ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ مجلس سامعین سے خالی ہے۔ سوز بہت اچھا پڑھتے تھے۔ خدا نے آواز میں کشش ہی پیدا نہیں کی تھی بلکہ وہ بڑی باٹ دار بھی تھی۔ صبح کے سناٹے میں اگر اذان دیتے تھے تو دو دو میل تک آواز سُنی جاتی تھی۔ سوز کا مرثیہ پڑھتے تو ہزاروں کے مجمع تک آواز باقاعدہ پہنچ جاتی اور انھیں بازوؤں کے سہارے کی چنداں ضرورت نہ ہوتی تھی۔ وہ اکیلے ہی پچاس پچاس بند کا مرثیہ بغیر بازوؤں کی مدد کے پڑھ سکتے تھے۔ ہر سال نویں محرم کو اپنے یہاں

کی مجلس میں وہ مرثیہ ضرور پڑھتے جس کا مطلع ہے ؎

رفیقان حسین ابن علی کیا کیا دلاور تھے
محمدؐ کے، علیؑ کے، مجتبیٰؑ کے تھے نہ یار ایسے

اس مرثیہ پر بڑی رقت ہوتی اور پھر کسی ذاکر کے پڑھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی (۲) سید محمد ذکی صاحب مرحوم کی آواز بڑی باریک اور سُریلی تھی (۳) سید عبدالباری صاحب حنفی المذہب اور میرے والد کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ بڑی اچھی آواز تھی۔ ہر مجلس میں شرکت کرتے اور سوز ضرور پڑھتے۔ مرحوم نے آخری عمر میں مسلسل مبارک خوابوں اور بشارتوں کے نتیجہ میں خود ہی مذہب حقہ شیعہ قبول کر لیا تھا۔ اس طرح انتقال کے بعد محبت و ذکر حسینؑ کے نتیجے میں قسمت نے اُنھیں جوار حضرت سیدالشہداء میں پہنچا دیا۔ اب اُن کی ساری اولاد بھی شیعہ ہے اور اُن کے پوتے سید نذیر علی صاحب بڑے اچھے سوزخوان اور میلاد خوان ہیں۔ (۴) سید محمد اصغر صاحب، مرحوم مولانا سید محمد سالم صاحب نقوی ایم اے پرنسپل کے عم محترم سوز خوب پڑھتے تھے اور ذاکری سے بڑا ذوق تھا۔ (۵) سید وصی حیدر صاحب مرحوم۔ اُن کے یہاں شب میں مردانہ مجلس مستقلاً ہوتی تھی اور زیادہ تر وہ اپنے یہاں کی مجلس میں سوز کا مرثیہ پڑھتے تھے۔ لحن بڑا اچھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے مرثیہ پڑھنے پر رقت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اُن کے دونوں صاحبزادے سید امیر حیدر اور سید عزیز حیدر صاحبان بھی اچھے سوزخواں تھے۔ لیکن اب نہ وہ مکان رہا اور نہ اُس کے مکین۔

یوم عاشور

عاشور کے دن تعزیوں کا جلوس موسم کے اعتبار سے چار پانچ بجے کربلا پہنچ جاتا ہے جو قصبہ سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کربلا میں پہلے شیعوں کے تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دیگر اقوام کے تعزیئے۔ مفصلات سے بھی بہت سے تعزیے آتے ہیں اور اُن میں سے بعض تو بہت بڑے اور اونچے ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے اور بلند کہ ہر تعزیئے کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے، تعزیئے کے چاروں طرف مضبوط رسیاں بندھی ہوتی ہیں جنھیں متعدد آدمی پکڑے رہتے ہیں تاکہ تعزیہ کسی طرف کو زیادہ نہ جھک جائے۔ دیہات کے تعزیوں کے ساتھ مسلمان ماتم بھی خوب کرتے ہیں۔

شیعہ حضرات جب اپنے تعزیے دفن کر دیتے ہیں تو زیارت روز عاشورہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد شیعہ عزادار آٹھ آٹھ دس دس افراد کی ٹولیاں آگے پیچھے بنا کر بستی کی طرف واپس ہوتے ہیں۔ ہر ٹولی باواز بلند حسب ذیل فقرات پڑھتی جاتی ہے۔

الوداع اے الوداع ۔ شاہ شہیداں الوداع
اے حسین ابن علیؑ ، دو جگ کے سلطاں الوداع

یہ مجمع سید صا محلہ سادات میں سید صابر حسین صاحب خلف سید انصار حسین صاحب مرحوم کے مکان پر پہنچتا ہے جہاں فاقہ شکنی کا انتظام ہوتا ہے۔ چائے اور پلاؤ سے فاقہ شکنی کرائی جاتی ہے۔ یہ وہی فاقہ شکنی ہے جس کا آغاز جناب سید ہادی علی صاحب جد امجد سید رضا علی صاحب مرحوم نے اب سے سوا سو ڈیڑھ سو برس پہلے کیا تھا اور اب تک وہ فاقہ شکنی ان کے اخلاف و احفاد کرا رہے ہیں جو بحمداللہ سب شیعہ ہیں اور جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، سید ہادی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اپنے سب بھائیوں، بہنوں اور بیٹوں کو شیعہ بنا دیا تھا حالانکہ خود آخر وقت تک حنفی مسلک کے پیرو رہے۔

زنانہ فاقہ شکنی

زنانی فاقہ شکنی کی رسم حسنہ اب سے کوئی پچاس سال

پیشتر جناب سید نذیر احمد صاحب رئیس و چیرمین ٹاؤن ایریا کندرکی نے جاری کی تھی۔ موصوف کے انتقال کے بعد اب یہ فاقہ شکنی اُن کے صاحبزادے حکیم سید عزیز احمد صاحب عزیز کراتے ہیں۔ عزیز صاحب کی اپنی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے مگر اُن کے دو چھوٹے بھائی سید ذکیر احمد اور سید کرار حسین اور ان دونوں کے کئی بیٹے موجود ہیں اس لئے یقین کامل ہے کہ یہ زنانہ فاقہ شکنی انشاء اللہ ظہور قائم آل محمد تک اسی طرح جاری رہے گی۔

کندرکی میں شام غریباں کی کوئی مجلس نہیں ہوتی بس مختلف مکانوں میں ریڈیو کے ذریعہ وہ مجالس شام غریباں سُن لی جاتی ہیں جو لکھنؤ اور کراچی سے نشر ہوتی ہیں۔

جلوس ذوالجناح

ہر سال صفر کی نوچندی جمعرات کو محلہ سادات میں میر مصطفےٰ احسن صاحب کے مکان سے جلوس ذوالجناح نکلتا ہے جس کا انتظام موصوف بڑے شوق اور محنت سے کرتے ہیں۔ اس جلوس نے بڑی مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ گرد و نواح کی شیعہ بستیوں کے مومنین اور ماتمی انجمنیں کافی تعداد میں آجاتی ہیں مثلاً سرسی، سنبھل، مراد آباد، رام پور، بریلی، سہاوا ضلع رام پور بکنالہ، منڈھن وغیرہ

شب میں بعد فراغت نماز و طعام پہلے مجلس عزا برپا ہوتی ہے جس میں باہر سے کوئی ذاکر پڑھنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد جلوس ذوالجناح برآمد ہوتا ہے جس کا گشت رات میں محلہ سادات ہی میں ہوتا ہے۔ نماز صبح کے وقت کوئی پانچ بجے وہ سید نجم الحسن صاحب کے عزاخانہ پر جاکر ختم ہوتا ہے۔

اربعین کی پنچایتی مہندی

عزیز الحسن صاحب کے یہاں سے مہندی کا جلوس برآمد ہوکر رات بھر گشت کرتا ہے اور علی الصباح سید الیاس حسین صاحب کے امام باڑہ میں جاکر ختم ہوتا ہے جہاں مہتمم امامباڑہ کی طرف سے ماتمی دستوں کو چائے بھی پلائی جاتی ہے۔

چہلم کے سلسلہ میں ماضی کے ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس واقعہ کو گزرے کچھ کم ایک صدی ہوچکی ہے واقعہ کی تصدیق مجھے اپنے بزرگوں سے ہوئی ہے۔ ابتداء میں تو اس واقعہ کا ذکر اُسی طرح نامناسب تھا جس طرح مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تاریخ آزادی ہند کے اُن ابواب کی اشاعت جو انھوں نے سنہ ۱۹۸۰ء کے بعد شایع کرنے کے لئے حکومت ہند کے پاس سر بمہر کرکے رکھائے ہیں۔

یہ واقعہ میری پیدائش کے پہلے کا ہے جب کہ ہمارے قصبہ میں پولیس اسٹیشن قائم تھا اور وہ منتقل ہوکر قریبی قصبہ بلاری میں نہیں بھیجا گیا تھا۔ زمانہ سابق میں کندرکی میں چہلم کے دن تعزیے نہیں نکلتے تھے بس دو ایک مجلسیں ہوجایا کرتی تھیں۔

مگر اُس زمانہ میں ایک شیعہ سب انسپکٹر پولیس کندرکی کے تھانہ میں تعینات ہوکر آگئے۔ اُنھیں یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس قصبہ میں چہلم نہیں ہوتا۔ اُن کی تعیناتی کے بعد جب پہلا چہلم پڑا تو اُنھوں نے تھانہ کے روزنامچے میں جہاں اور ضروری باتیں درج کیں، وہاں مختصراً یہ بھی لکھ دیا کہ آج کندرکی میں چہلم بخیر و خوبی گزر گیا۔ وہ کندرکی میں سات آٹھ برس تعینات رہے۔ ہر سال چہلم کے موقع پر وہ رازدارانہ طور پر روزنامچہ میں یہ تحریر کرتے رہے کہ یہاں چہلم کا جلوس امن و امان کے ساتھ گزر گیا۔

جب اُن کا تبادلہ ہوا تو اُنھوں نے سادات کے مقتدر اور با اثر افراد ہی کو نہیں بلکہ اُن ہنود حضرات کو بھی جو عشرہ میں تعزیے رکھتے تھے اور اُن ہندو رؤسا کو بھی جن سے سادات برادرانہ تعلقات رکھتے تھے بلوا کر خاموشی سے کہہ دیا کہ میں

نے آپ کے یہاں جلوس چہلم کے لئے ریکارڈ مکمل کر دیا ہے میرے چلے جانے کے بعد آپ اگلی چہلم میں تعزیئے اٹھائیے۔ انشاءاللہ آپ کو کامیابی ہوگی۔ ہندوؤں سے تو مخالفت کا کوئی اندیشہ نہیں تھا اور سنیوں کی زیادہ تعداد بھی تعزیہ دار تھی۔ بس کچھ شرپسند مسلمانوں نے مزاحمت کا فیصلہ کیا۔ چہلم کے موقع پر امن وامان قائم رکھنے کے لئے پولیس نے چند سنیوں اور شیعوں کو گرفتار کر کے حوالات بھیج دیا اور اپنی حفاظت میں جلوس بخیریت نکلوا دیا۔ اس کے بعد ہر سال بآسانی جلوس نکلنے لگا اور آج تک نکل رہا ہے۔

اب تو اس واقعہ پر تاریخوں پر تمادیاں عارض ہو چکی ہیں اور اب اس کے اظہار میں کوئی قباحت بھی نہیں معلوم ہوتی اس لئے کہ شیعوں کا یہ حق ایک صدی سے مسلّم ہو چکا ہے۔

چہلم کا جلوس

۲۰ صفر کو عشرۂ اربعین ختم ہو جانے کے بعد کوئی دو بجے تعزیے جلوس کی شکل میں بالکل اُسی نوعیت سے نکال کر کربلا لے جائے جاتے ہیں جس طرح یوم عاشورہ کو۔ اس تاریخ کو سید محمد عباس صاحب مرحوم مہتمم امامباڑہ میر سعادت علی صاحب مرحوم تحصیلدار جو نکھا ٹیل مراد آباد پلاؤ کی حاضری کرایا کرتے تھے اور مراد آباد اور امروہہ کے لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ اس میں مدعو کیا جاتا تھا جن کی وجہ سے تعزیوں کے جلوس میں بھی بڑی رونق پیدا ہو جاتی تھی۔ اس حاضری کے لئے مرحوم نے ایک جائداد بھی وقف کر دی تھی لیکن خاتمۂ زمینداری اور بڑھتی ہوئی گرانی کے باعث اُس کی آمدنی حاضری کے اخراجات کے لئے ناکافی ہوتی ہے جس کی وجہ سے حاضری بند کر دی گئی اور اب شائد اس کی جگہ مجلس ہو جاتی ہے اس وقف کا متولی ماسٹر سید رفیق حسین صاحب اسسٹنٹ ٹیچر پارکر مشن ہائی اسکول مراد آباد کو بنایا گیا تھا جو سید محمد عباس کے بھانجے تھے۔ اب اُن کے مرنے کے بعد اُن کی بڑی صاحبزادی اس کی متولیہ ہیں۔

رمضان کی ۱۹ر، ۲۰ر، و ۲۱ر کو بھی متعدد زنانی مجالس ہوتی ہیں اور ۸ر ربیع الاول کو بھی زنانی مجلس برپا کی جاتی ہے۔

(نوٹ:- کندرکی کی تاریخ عزاداری کے سلسلہ میں ایک بسیط مضمون حکیم مولوی سید جمیل حسن صاحب رضوی کامل نے کندرکی سے اور دوسرا ڈپٹی سید نصیر الحسن صاحب ایم۔اے نے بنارس سے بھیجا۔ بہت سی باتیں تو دونوں میں مشترک تھیں لیکن بعض ضروری باتیں اگر ایک میں تھیں تو دوسرے میں نہیں تھیں اور بعض اہم واقعات دونوں کے یہاں سے حذف تھے۔ پھر واقعات کی ترتیب بھی کچھ بہت زیادہ مناسب نہ تھی۔ جب میں نے دونوں مضامین پڑھے تو چاہا کہ دونوں کو ایک دوسرے میں سمو دوں۔ ایسا کرنے میں بہت سے اُن معلومات کا اضافہ بھی ہو گیا جو میرے حدودِ علم وسماعت میں تھے۔ اس لئے بھی کہ میں کندرکی ہی کا ساکن ہوں اور ان دونوں سے عمر میں بہت بڑا ہوں اور اس لئے ماتمی کے واقعات کے متعلق میری واقفیت بھی دونوں سے بہرحال زیادہ ہونا چاہیئے۔ اس مضمون کو مذکورہ دونوں صاحبان کا مشترکہ مضمون سمجھنا چاہیئے۔ میں نے تو صرف اسے خراد پر چڑھا کر ذرا اسڈول کر دیا ہے۔

مصطفیٰ حسن رضوی ایڈیٹر سرفراز)

ضلع سیتاپور کی عزاداری

سید محمد اکبر صاحب رضوی مرحوم سیتاپوری مولف "محمدی دنیا" وغیرہ

(ضلع سیتاپور کی عزاداری کے تفصیلی حالات جناب سید محمد اکبر صاحب رضوی مولف حسینی دنیا، محمدی دنیا و تاریخ سیتاپور وغیرہ نے ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۸ء میں جب وہ بقید حیات تھے مرتب فرمائے تھے۔ چونکہ مرحوم ریاست محمود آباد میں ملازم تھے اور وہاں کے بے نظیر کتب خانے سے استفادہ کرنے کا آپ کو پورا پورا موقع تھا اس لئے جو واقعات آپ نے لکھے ہیں وہ مستند اور ذاتی معلومات کی بنا پر لکھے ہیں۔ مرحوم چار بھائی تھے۔ ایک بھائی سید محمد اطہر صاحب مرحوم زائر سیتاپوری تھے جن کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ریاست محمود آباد کے مدار المہام کے عہدہ پر فائز تھے مگر دو تین سال ہوئے اب کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو بھائی جناب نادم سیتاپوری اور سب سے چھوٹے بھائی جناب سید محمد حیدر صاحب اسعد ہیں جو آجکل بہ سلسلہ معاش بمبئی میں مقیم ہیں خداوند تعالیٰ دونوں کو طول عمر عطا فرمائے اور وہ ادبی خدمات کرنے کے برابر مواقع پاتے رہیں حالات کے نشیب و فراز سے بہت کچھ تبدیلیاں ہو گئی ہیں جنکو تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ لہٰذا ہوسکتا ہے بہت سے واقعات مضمون کے مطابق نہ ہوں۔ (ایڈیٹر سرفراز)

تاریخ سیتاپور و اودھ کی تدوین میں جہاں تک عزاداری و تعزیہ داری کے انکشافات ہوئے وہ اپنی نوعیت سے اس ضلع کی نہیں بلکہ ہندستان کی عزاداری کا ایک اہم باب ہے جس کی طرف ابھی تک توجہ مبذول نہیں کی گئی تھی لیکن اس ضلع کی تاریخ لکھتے وقت چونکہ میری نظر ہر پہلو پر تھی اس بنا پر مجھے لکھنے میں مجھے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ میں یہ واضح کر دوں کہ ہمارے ضلع میں عزاداری ہندستان کا وہ شجر موجود ہے جس کے پھل اور پھول دور دور تک پھیلے اور پھولے ہیں جس کا انکشاف اب تک نہیں ہوا تھا۔

تیمور شاہ کا تعزیہ

جہاں تک تاریخ تعزیہ داری کا تعلق ہے اب تک لوگوں کا خیال ہے کہ تعزیہ داری تیمور کے عہد سے شروع ہوئی تھی۔ تیمور ہر سال کربلائے معلی بغرض زیارت جاتا تھا لیکن ایک مرتبہ اُس نے یہ ارادہ کر لیا کہ اب واپس نہیں جاؤں گا۔ ارباب سلطنت نے اس خیال سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ ارادہ میں کوئی تغیر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ کربلا والوں نے ایسی صورت میں ایک ضریح اس کی خدمت میں نذر کی جس کو اُس نے پسند اور قبول کر لیا وہ اس ضریح کو ہر وقت اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ جب یہ ضریح کربلا والوں نے پیش کی تھی وہ سنہ ۸۰۳ھ کا زمانہ تھا۔ جب وہ ہندستان آیا تب بھی یہ اس کے ہمراہ تھی۔ یہ ہے وہ تعزیہ داری کا انکشاف جو نویں صدی ہجری کا ہے اسی کو ہندستان میں تعزیہ داری کی پہلی کڑی یا نقطۂ آغاز سمجھا جاتا ہے۔

سیتاپور میں تیمور شاہ دہلی کے عہد کا علم

خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو ایسے تبرکات کی فراہمی کے کوشاں رہتے ہیں اور ان کی قدر و قیمت ان کے دلوں میں جاگزیں رہتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ریاست محمود آباد کے والیان کی دور رس نگاہیں قابل قدر ہیں وہ

ہمشہ حسینی یادگاروں کے قیام میں ہمہ تن کوشاں رہتے ہیں۔ یہ علم زمانہ عزا میں عزاخانہ بارہ دری میں آویزاں رہتا ہے اور آٹھویں ربیع الاول میں جب کہ زمانہ عزا ختم ہونے لگتا ہے تو آٹھویں ربیع الاول کے جلوس میں یہ علم آگے آگے ہوتا ہے اس کے دو مقام پر تیمور شاہ دہلی کندہ ہے سنہ ۸۰۱ھ اوپری حصہ میں جلوس تیمور شاہ دہلی کندہ ہے اور پھر دستہ پر بھی کندہ ہے۔ بیچ کا حصہ کٹاؤدار ہے جس پر (نصر من اللہ فتح قریب) کندہ ہے۔ یہ علم لوہے کا ہے جو اس ضلع کی نایاب چیز ہے اور عزاداری کی قدیم یادگار معلوم ہوتی ہے اس سے قبل کا علم آجتک نظر سے نہیں گزرا اور نہ دیکھنے میں آیا ہو۔ کیا عجب ہے کہ یہ علم ہندستان میں اولیت کا حامل ہو۔

سیتا پور عہد شاہی میں

سیتا پور خاص قدیم زمانہ میں بالکل غیر معروف مقام تھا اور اس کی ایک گاؤں کی حیثیت تھی۔ پہلے اس کا صدر مقام خیرآباد تھا جہاں نظامت تھی اور وہاں ناظم سرکار خیرآباد رہتا تھا۔ فوج۔ دفاتر اور تعلیمگاہیں غرضکہ سب ہی کچھ اسی مقام پر تھا اور کافی گنجان آبادی تھی جہاں ہر مذاق کے لوگ ہو نیچ گئے تھے۔ بڑے بڑے علماء اور صوفی منش بزرگوں وغیرہ کا وہاں پتہ چلتا ہے۔ غرضکہ وہاں کے لوگ ناقل ہیں کہ اس زمانہ میں وہاں باون محلے تھے لیکن عہد شاہی کے بعد جب انگریزوں کا زمانہ آیا تو چونکہ سیتا پور کے قریب کنٹونمنٹ قائم ہو چکا تھا لہذا خیرآباد کے بجائے سیتا پور کو صدر مقام قرار دیا گیا اور پھر خیرآباد میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا۔ خیرآباد کو اول میں خیرا پاسی نے آباد کیا تھا اور پاسیوں کی زیادہ تر آبادی تھی۔

یوسف غازی علیہ الرحمہ کا خیرآباد پر حملہ

مسٹر نیول آئی۔ سی۔ ایس منصف سیتا پور نے ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ سنہ ۱۹۰۳ء میں لکھا ہے کہ خیرآباد کو یوسف غازی نے فتح کیا تھا جو بارھویں صدی عیسوی کا آخر زمانہ تھا یعنی جس کو سنہ ۱۱۹۹ء سمجھنا چاہیئے۔ ہجری مطابقت سے وہ سنہ ۵۹۶ ہجری کا سال ہوتا ہے۔ چنانچہ پاسیوں کو خارج البلد کر دیا گیا اور مسلمانوں کا عمل دخل قائم ہو گیا مگر اس عہد سے قبل ہی مسلمانوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی جو سنہ ۱۰۲۶ء مطابق سنہ ۴۱۷ ہجری کا عہد تھا جبکہ سید سالار مسعود غازی وارد ہندستان ہوئے تھے جن کا مزار بہرائچ میں ہے اور جن کے متعلق عام خیال ہے کہ امامیہ مذہب رکھتے تھے۔ احمد آباد محلہ قصبہ تمبور میں بدرالدین شہید کی درگاہ ہے۔ اس کے علاوہ سید برہان الدین اور سید رحمن کے مزار واقع ہیں جو سید سالار کی معیت میں پانچویں صدی ہجری میں وارد ہندستان ہوئے تھے۔

محبِ تعزیہ داری یوسف غازی کا تعزیہ

یوسف غازی علیہ الرحمہ نے خیرآباد کو فتح کر کے وہاں اپنا تسلط قائم کیا۔ ان کے ہمراہیوں میں سید معصوم علی شاہ اور ملا حسن شہید کی خیرآباد میں قبریں ملتی ہیں جو نمایاں شخصیت کے حامل تھے۔ ملا حسن شہید کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ محب اہل بیتؑ اور عزادار تھے، خود مجالس کرتے تھے اور حدیث خوانی کرتے تھے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف غازی محب اہل بیتؑ اور تعزیہ دار تھے اور زائر سید الشہداؑ بھی تھے۔ کیونکہ جو تعزیہ آپ نے خیرآباد میں شروع کیا ہے وہ بالکل امام حسین علیہ السلام کی ضریح کی نقل ہے جو چاندی کے کٹہرے کی شکل ہو۔ پہلے زمانہ کی ضریح جو کربلا میں تھی وہ کیسی تھی لیکن جو ایک حد تک اب بدل گئی ہے۔ یوسف غازی نے جیسی اس زمانہ میں صورت ضریح کی دیکھی تھی اسی ساخت کی خیرآباد میں بانسوں کے ڈنڈوں سے تیار کرائی ہے۔ چونکہ راقم الحروف زیارت کر چکا ہے اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ وہ تعزیہ جو باون ڈنڈوں کا کہلاتا ہے اسی ضریح کربلا کا نمونہ ہے۔ بیچ میں تو بتیں بنا کر اس کے اوپر ایک کپڑے کا بیضاوی چھتری دار گنبد قائم کر کے اس کے

اور گرد ایک کٹہرا بنایا ہے جو تربتوں سے بہت دور ہوتا ہے اور ہاتھوں کا وہاں تک پہونچنا دشوار سا ہوتا ہے۔ اس جنگلے پر ہار ہوتے ہیں جو کافی بڑے ہوتے ہیں۔ عام لوگ بھی خوب ہار چڑھاتے ہیں۔ گاڑیوں باہر سے ہار اس تعزیہ کے لئے آتے ہیں۔ یہ ہے مختصر سی شباہت جو تعزیہ کی ہے۔ یہ تعزیہ قریب قریب اسی سائز کا ہوتا ہے جس سائز کی ضریح کربلا ہے۔ کافی وزن اس تعزیہ کا ہوتا ہے۔ بیس پچیس آدمی اس کو کاندھا دیتے ہیں۔ جب تعزیہ کے دفن کا وقت ہوتا ہے تو اس کے ڈنڈے جو باون ہوتے ہیں کھول لئے جاتے ہیں جو سال بہ سال بلا کسی کمی و زیادتی کے پھر تعزیہ میں استعمال ہوتے ہیں اس لئے ضریح کا سائز ایک ہی رہتا ہے۔ تربت بیچ سے نکال لی جاتی ہے جو کپڑے سے منڈھی ہوئی ڈہری ہوتی ہے اور ضریح مکا جمعدار کی کربلا میں دفن ہوتی ہے لیکن بجائے پانی کے دودھ اس کی ڈہل میں بھرا جاتا ہے۔ یہ تعزیہ باون ڈنڈوں کا تعزیہ مشہور ہے اور یوسف غازی کا کہلاتا ہے بہت سے لوگ بوڑھے بابا کا بھی تعزیہ کہتے ہیں خیال یہ ہوتا ہے کہ غازی علیہ الرحمہ معمر بزرگ ہو گئے تھے اس بنا پر آج بھی وہ بوڑھے بابا کا تعزیہ کہلاتا ہے۔ خیرآباد میں باون محلے تھے چنانچہ اسی رعایت سے غازی مرحوم نے ایک ایک محلہ سے ایک ایک ڈنڈا لے کر اس تعزیہ کی بنا کی تھی تاکہ یہ پورے قصبہ کا تعزیہ ہو جائے اور ہر ایک کا اس پر استحقاق قائم رہے جو آجتک برابر اٹھ رہا ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ یہ تعزیہ شب عاشور رکھا جاتا ہے اور عصر عاشور اٹھتا ہے جس جس مقام پر وہ ابتداً رکھا جاتا ہے اسی مقام پر ضروری ہے کہ وہ وہاں رکھا جائے اتنی مدت کے اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ یہ تعزیہ محلہ محلہ ہوتا ہوا گیارھویں محرم کو تین یا چار بجے سہ پہر تک دفن ہوتا ہو جو پہلے گیارھویں شب میں دفن ہوتا تھا جس کے سبب سے اس کی شہرت نہیں ہو سکی لیکن جب سے گیارہ محرم کو اٹھنے لگا کافی مجمع ہوتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ تقریباً ایک لاکھ کا مجمع ہوتا ہے۔ یہ تعزیہ جب گشت کرتا ہے اور دوسرے محلوں میں جاتا ہے تو محلے والے خود اس کا انتظام کرتے ہیں اور اٹھاتے ہیں۔ کربلا میں پہونچ کر بہشتیوں کے محلے والے ہمراہ ہوتے ہیں اور وہی اس تعزیہ کو کھولتے ہیں۔ جہاں تک حالات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے یہ تعزیہ چھٹی صدی ہجری کا ہے جس کو تیمور کے تعزیہ سے کافی اولیت حاصل ہے۔ یوسف غازی کا ۵۹۶ھ ہجری کا زمانہ ہے اور تیمور کا تعزیہ نویں صدی ۸۰۲ھ کا تعزیہ معلوم ہوتا ہے جو بہت بعد کا ہے کیونکہ اس سے قبل کسی تعزیہ کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ یہ تعزیہ ایک فقیر کے انتظام میں ہے اور اُسی کے گھر والے اس کے منتظم رہتے ہیں۔ یہ بھی اس تعزیے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے شہزادوں کی محمل کہلایا گیا تھا پھر بعد کو تعزیہ ہوا۔

یوسف غازی کا مذہب و خیالات

یوسف غازی کا مقبرہ خیرآباد کے روضہ محلے میں واقع ہے جو ایک احاطہ میں محصور ہے اور اس میں پھاٹک لگا ہے۔ دروازہ کے اندر داخل ہونے پر داہنی جانب ان کا تعمیر کردہ امامباڑہ جس میں باون ڈنڈوں کا تعزیہ رکھا جاتا ہے قدیم زمانہ کا ہے اور وہ اسی تعزیہ سے کچھ بڑا ہے جس کے اردگرد ایک آدمی پھر سکتا ہے اور جا سکتا ہے۔ بائیں طرف ایک مسجد ہے۔ مقبرہ کی بھی میں نے زیارت کی تھی کافی بڑی پختہ قبر قبہ کے اندر موجود ہے جیسی امامیہ مذہب والے لوگوں کے یہاں ہوتی ہے مگر اس میں کوئی فرق اب تک نہیں ہو سکا حالانکہ مقبرہ کے باہر حنفی المذہب حضرات کی قبریں ملتی ہیں جو بیچ میں ابھری ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زائر سید الشہدا جس نے تعزیہ کی بنا کی ہو اور امام باڑہ بھی بنا

ہو اور اس کے ساتھی ملا حسن شہید بھی ہوں جو محب اہلبیت اور خود عزاداری اور تعزیہ دار تھے۔ خود مجالس کرتے تھے اور اس میں حدیث خوانی بھی فرماتے تھے۔ یہ قرائن بتا رہے ہیں کہ یوسف غازی بھی محب اہل بیت اور تعزیہ داری کے بانی تھے اور حسن شہید ترویج عزا کے لئے مجالس و حدیث خوانی کیا کرتے تھے اور اس طرح عزاداری کی ترویج ہو رہی تھی۔ یہ تھی ابتدائی عزاداری جو خیرآباد سے وابستہ تھی جہاں کافی ہندو اور اُسی کے بقدر مسلمانوں کی آبادی تھی لیکن باوجود اس کے عزاداری میں کوئی رخنہ اندازی کا پتہ نہیں چلتا ہے بلکہ ہندو مسلمانوں میں یک جہتی اور بھائی چارگی کا جذبہ کارفرما رہا۔

خیرآباد کی مجالس اور جلوس عزا

ابتدائی عہد کا جو پتہ چل سکا وہ اُوپر تحریر کر دیا گیا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں جو صورتیں رونما ہو چکی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجالس جو شیعہ حضرات کرتے ہیں وہ چار پانچ سے زیادہ عشرہ میں روزانہ نہیں ہوتیں اور ان کا سیوم امام تک سلسلہ رہتا ہے۔ خیرآباد میں شیعوں کے چند گھر ہیں بقیہ تمام آبادی ہندو اور سنی حضرات کی ہے مگر کافی انہماک سے تعزیوں میں دونوں شرکت کرتے ہیں۔ بازداری محلہ میں ۱۲ر محرم تک چندہ سے اس محلہ کے امام باڑے میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ ۶ر ۹ر ۱۰ر محرم کو حکیم انوار حسین صاحب مرحوم کے گھر مجلسیں اور متولی عظیم الدین صاحب کے گھر پر ۸ر محرم کو ایک مجلس ہوتی ہے۔

خیرآباد کے جلوس عزا

مجالس محرم تو بہت مختصر ہوتی ہیں۔ جلوسوں کی تفصیل حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ۳ر محرم کو روضہ دروازہ سے (جہاں یوسف غازی کا تعزیہ رکھا جاتا ہے) علم ۱۲ بجے دن کو اٹھتے ہیں اور رات کو واپس ہوتے ہیں۔

(۲) ۴ر محرم کو قصائی محلہ کے امام باڑہ سے چندہ کر کے علم اٹھتے ہیں وہ بھی بارہ بجے اٹھ کر شب کو واپس ہوتے ہیں۔

(۳) ۵ر محرم کو محلہ تقیارہ کے امام باڑہ سے چندے سے اسی طرح بارہ بجے دن کو علم اٹھتے ہیں۔

(۴) بازداری محلہ سے ۶ر محرم کو اسی طرح چندے سے ۱۲ بجے علم اٹھتے ہیں۔

(۵) محلہ میاں سرائے سے ۷ر محرم کو اسی طریقہ سے علم اٹھتے ہیں۔

(۶) ۸ر محرم کو محلہ شیخ سرائے سے علم اٹھتے ہیں لیکن ذوالجناح بھی اس کے ہمراہ ہوتا ہے اس کا بھی اسی وقت پر جلوس اٹھتا ہے اور شام تک واپسی ہوتی ہے۔

(۷) ۹ر محرم کو ملائے سراؤں سے علم اٹھتے ہیں وہ بھی چندے کے ہوتے ہیں اور اسی مقررہ وقت پر اٹھتے ہیں۔

(۸) شب عاشور ہی یادگار پہلا تعزیہ جو یوسف غازی علیہ الرحمہ کا ہے اور جو ایک فقیر کے اہتمام میں ہے۔ غازی مرحوم کے امام باڑہ میں رکھا جاتا ہے اور عاشور محرم کو عصر کے وقت اٹھ کر ۱۱ر محرم کو سہ پہر کے وقت دفن ہوتا ہے جس کا ابتدا میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ زائر اور محب اہل بیت تھے جنھوں نے پہلے پہل تعزیہ کی بنا کی یا نقل ضریح سید الشہداء بنائی اور خیرآباد میں امام باڑہ تعمیر کیا۔

(۹) ۱۱ر محرم کو بعد دفن تعزیہ مذکورہ مکا جمعدار کے امام باڑہ میں تعزیہ رکھا جاتا ہے جو حکیم انوار حسین صاحب مرحوم کے زیر انتظام ہوتا تھا اور شب کو مجلس بھی ہوتی ہے۔

(۱۰) جو تعزیہ مکا جمعدار کے امام باڑہ کا ۱۱ر محرم کو رکھا جاتا ہے وہ سیوم کو اٹھایا جاتا ہے اور انصاری برادری کے تعزیئے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔

(۱۱) ۲۹ محرم کو یا ۳ر محرم کو مرزا امتیاز حسین کے گھر کا تعزیہ رکھا جاتا ہے اور ۱۲ بجے دن کو اٹھتا ہے اور نوحہ خوانی و ماتم بھی ہوتا ہے انجمن نشاۃ الاسلام خیرآباد اس میں کافی حصہ لیتی ہے۔

چہلم امام

۱۸؍ صفر کو تعزیے چوک پہ آتے ہیں اور ۱۹؍ صفر کو ۱۲ بجے دن کو بیاں سرائے سے جمع ہو کر اٹھتے ہیں۔ عالم حلوائی کے گھر کا تعزیہ ان میں قابل ذکر ہے۔

[illegible] بہر حال اتنے زمانہ میں بہ نسبت پہلے زمانہ کے عزاداری کو فروغ ہے۔ خیرآباد میں شیعہ تو بالکل برائے نام ہیں بقیہ پورا قصبہ حضرات اہل سنت اور اہل ہنود کا ہے لیکن دونوں کافی حصہ لیتے ہیں اور برابر کے شریک ہیں۔

نیا سیتاپور (خاص)

انگریزوں نے اپنا تسلط جمانے کے بعد اپنے دفاتر اور عمارتوں کی از سر نو تعمیر کی اور پھر خیرآباد اُجاڑ ہونے لگا اور انگریز حکام ۱۸۵۹ء سے آنا شروع ہو گئے۔ ۱۰ اپریل ۱۸۵۹ء مطابق ۷؍ رمضان ۱۲۷۵ھ تامسن گنج کی بنیاد رکھی گئی جہاں بالکل ویرانہ اور کھیت تھے اور مدار کا جنگل چہار جانب پایا جاتا تھا رفتہ رفتہ تعمیر ہو کر آبادی ہو گئی عہد شاہی میں یہ مقام اصطبل خانہ چھاؤنی تھی۔ عالم نگر و سرائے پختہ میں چند سال کے بعد ۱۸۹۳ء ۱۳۱۰ھ چھاؤنی اور صدر بازار قائم ہوا۔ صدر بازار کی بھی آبادی بڑھنے لگی اور وہاں بازار قائم ہو گیا۔ تامسن گنج کو تامسن صاحب ڈپٹی کمشنر نے آباد کرایا تھا اور انگریزی دفتروں کی وجہ سے بازار تامسن گنج کو کافی عروج ہو گیا اور وہ مقام جو نئے سیتاپور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دریائے سرائن کے جنوب مشرق کی سمت آباد ہوتا گیا اور گنجان آبادی اور بازار کو ترقی ہوتی گئی ۱۸۶۸ء میں میونسپلٹی کا قیام ہوا۔

جلوس عزا

اس ترقی کے زمانہ میں نئے سیتاپور میں عالم نگر میں مولوی ہادی علی خاں صاحب امام جمعہ و جماعت مسجد عالم نگر کے گھر سے چوتھی محرم میں علم اٹھتے ہیں اور ذوالجناح اٹھتا ہے جو پرانے سیتاپور میں بھی گشت کرتا ہوا آتا ہے اور پورے محلہ میں گشت کرتا ہے۔ جتنی صاحب اور ان کے اعزا اس میں نہایت منہمک رہتے ہیں۔ مجالس بھی ان کے یہاں ہوتی ہے۔ شب عاشور بہت سے گھروں میں تعزیے رکھے جاتے ہیں اور عاشور کو بعد دوپہر دفن ہوتے ہیں جن کی تعداد سیکڑوں کی ہوتی ہے۔ غرضکہ نئے سیتاپور میں عزاداری میں زیادہ تر مسلمان حنفی المذہب کافی حصہ لیتے ہیں۔ کربلا یادگار حسینی میں (جو پکے پل کے پاس واقع ہے) تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ ۱۹۵۵ء سے قبل صدر بازار سے ایک ہندو سبز کپڑے پہنے ذوالجناح امام باڑے میں لاتا تھا۔ لیکن اب نہ معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا جس کو زمانہ ہو گیا اور کچھ خبر نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا۔ ہمارے نانا سید ناظر حسین صاحب وکیل اس تعزیہ میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور کافی گریہ کرتے تھے۔

پرانا سیتاپور (خاص)

سرائن ندی کے اتر و پچھم جانب پرانا سیتاپور کہلاتا ہے یہ سیتاپور کی قدیم آبادی سمجھی جاتی ہے۔ تاریخ سیتاپور مولفہ اکبر علی صاحب (قلمی) سے واضح ہوتا ہے کہ پرانے سیتاپور میں محلہ کمنگری ٹولہ واقع تھا جو زمانہ شاہی میں کمنگروں نے آباد کیا تھا مگر پھر وہ لوگ اس مقام سے قصبۂ بسواں میں جا کر آباد ہو گئے جس سے وہ مقام شاہی نزول ہو گیا اور ہنگام بندوبست ۱۱؍ اگست ۱۸۶۱ء یہ ڈگری محلہ قضیارہ میں آ گیا اور یہ محلہ کمنگری ٹولہ محلہ قضیارہ سیتاپور میں شمار ہو گیا۔

بسواں کے کمنگروں کا مسکن محلہ قضیارہ ہے

اس محلہ میں کمنگروں کی آبادی تھی جو تعزیہ سازی سے روزی کماتے تھے اور یہ شاہی زمانہ میں محلہ قضیارہ جو ہے اسکے حدود میں رہتے تھے جو بندوبست سے قبل تک رہے اور بوجہ نزول ہو جانے اس محلہ والے بسواں میں جا کر آباد ہو گئے۔ مسٹر نیول آئی۔ سی۔ ایس نے سیتاپور ڈسٹرکٹ گزیٹر میں بسواں کے حالات میں لکھا ہے کہ یہاں تعزیے بہت

عمدہ بنتے ہیں اور بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں تعزیئے یہاں اپنی ساخت کے نہایت ہی عمدہ اور خوبصورت ہر سائز کے بنتے ہیں جو صناعی کی بہترین نمونہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کی ساخت نہایت موزوں اور تعمیری لحاظ سے بہترین صنعت ہے بسوان ضلع سیتاپور ہندوستان میں تعزیوں کی منڈی ہے جہاں کے بے مثل تعزیئے دور دور تک چھوٹے بڑے جاتے ہیں۔ ہر زمانہ میں چھپائی اور کھائی قلم سے اس مقام پر جاری رہتی ہے اور ان کے علاوہ پُرزے بھی بازاروں میں بنتے ہیں جو تعزیہ داری کی صنعت کا بہترین مقام ہے اور یہ سب بنیاد پُرانے سیتاپور کی تھی لیکن کنگروں کے بسوان میں چلے جانے سے اور دوری ہو جانے سے میرا تو خیال ہے کہ ان کی ترقیوں میں ایک حد تک کمی ہو گئی کیونکہ یہ صنعت اگر سیتاپور کے مقام پر ترقی کرتی تو کافی عروج ہوتا۔ بڑے بڑے تعزیئے جو اس مقام کے بنے ہوئے سیتاپور میں رکھے جاتے ہیں وہ انھیں لوگوں کی صناعی کا نمونہ ہوتے ہیں جو بسوان سے آتے ہیں اور قیام کرکے ان کو تیار کرتے ہیں۔ کپڑے پر چھپائی اور لحاف و رضائیاں انھیں لوگوں کی تیار کردہ صنعتیں ہیں مگر تعزیئے اس ضلع کے نہایت بہترین صنعت ہیں جس کی وجہ سے بسوان صنعت تعزیہ داری کا مرکز ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے پُرانے سیتاپور کی ابتدائی یادگار ہے جو تعزیہ داری میں تقویت پیدا کرتی ہے اور اس طرح خواہ قضیارہ کنگروں کا مقام ہو یا بسوان دونوں صورتوں میں اسی ضلع سیتاپور کے مقام ہیں جن کو ابتدا سے فوقیت حاصل ہو چکی ہے۔ یہ کنگر سب کے سب تقریباً حنفی المذہب ہیں لیکن تعزیوں کے متعلق جو روایات وہ خود بیان کرتے ہیں وہ تو میرا خیال ہو کہ شیعہ حضرات بھی اس سے آگاہ نہیں ہیں۔

عشرۂ محرم میں پُرانے سیتاپور کی عزاداری

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس مقام پر جو رجحانات عزاداری تھے اُن کا اثر پہلے سے تھا لیکن اُن میں ترقیاں نہ پیدا ہونا یہ وقت و زمانہ کا تقاضہ تھا جس کا پتہ نہیں چل سکا۔ چنانچہ یہاں کی عزاداری میں تین مجلسیں محرم کے ایام میں معلوم ہوتی ہیں ایک مجلس تو بڑے امام باڑہ کی ہے' دوسری مجلس حاجی صاحب کے امام باڑہ سے متعلق ہے اور تیسری مجلس بنگلہ پر کی ہے جہاں آٹھویں محرم کو علم نکلا کرتا تھا اس کے بعد سے مجلسیں بڑھنے لگیں اور جلوس عزا میں بھی اضافہ اور ترقیاں شروع ہوئیں اور پھر شب کو امام باڑہ کلاں کے بعد مولوی صادق حسین صاحب مرحوم کے یہاں بھی مجلس شب میں ہوتی تھی اور اس کے علاوہ دن میں مجلسیں اس سلسلے سے ہوتی ہیں (۱) والدی سید مقبل حسین صاحب مرحوم اور اہلیہ سید محمد وجیہ صاحب مرحوم قضیارہ (۲) سید محمد حیدر صاحب متولی قضیارہ (۳) حسینیہ جعفریہ (چھوٹا امام باڑہ بنگلہ) (۴) سید اسحاق حسین صاحب مرحوم وکیل (۵) ماسٹر سید رضی احمد صاحب (قضیارہ) (۶) سید نذیر حیدر صاحب (بنگلہ) (۷) پہلے سجاد مرزا صاحب مرحوم کی ہوئی بعدہ امام باڑہ کلاں میں ہوئی جو اب تک قائم ہے اور اس کے بانی قاضی سید محمد تقی صاحب ہیں (۸) امام باڑہ حاجی صاحب مرحوم (۹) حکیم نہال حسین صاحب مرحوم (۱۰) شیخ علی نقی صاحب . . . . . . (۱۱) سید جواد حسین صاحب جدید (۱۲) امام باڑہ سجادیہ کی مجالس کا اب کوئی خاص منتظم نہیں ہے کیونکہ ان کے صاحبزادے پاکستان چلے گئے اور امام باڑہ کس مپرسی کے عالم میں رہ گیا تاہم اہل محلہ قضیارہ اور ڈپٹی مسعود حسن خاں صاحب جو حنفی المذہب بزرگ ہیں اور وہاں رہتے ہیں مجلسیں کرنے لگے ہیں۔ پہلے یہ امام باڑہ بجلی کی فٹنگ سے آراستہ تھا جو بہت خوبصورت بنا ہے مگر ۳۰ء سے یہ انحطاط پذیر ہوتا جا رہا ہے (۱۳)۔ کچھ دنوں سید رضی احمد صاحب وکیل مرحوم نے اپنے مکان پر مجلسیں کی تھیں لیکن ان کے صاحبزادے ان کے بعد پاکستان چلے گئے جس سے مجلسیں ختم ہو گئیں (۱۴) سب سے آخری مجلس بڑے

امام باڑہ میں چھٹی تاریخ محرم تک ہوتی ہے پھر جلوسوں کے اُٹھنے کے باعث مجلسیں صرف آٹھ دس آٹھویں تاریخ ہوکر بند ہو جاتی ہیں اور ساتویں کو علم و تخت اٹھتے ہیں اور مہندیاں امام باڑوں میں چڑھائی جاتی ہیں۔ آٹھویں کو حاجی صاحب کے امام باڑہ سے شیعوں کی طرف سے ذوالجناح اٹھتا ہو اور تمام جگہوں پر وہ ہر گھر میں جہاں جہاں جاتا ہے اسی سلسلے سے آتا ہے جس کا تمام رات گشت رہتا ہے۔ یہ مجالس شیعہ حضرات سے متعلق ہیں۔ ۸ محرم کو امام باڑہ سجادیہ میں تابوت اور آٹھویں کو سید نذیر حیدر صاحب کے یہاں سے بعد مجلس علم نکلتا ہو جو بہت قدیم ہے۔ اور نویں کو میر محمد حیدر صاحب کے یہاں بعد مجلس گہوارہ اور میر اسحاق حسین صاحب کے یہاں بعد مجلس تابوت نکلتا ہے۔ امام باڑہ کی مجلس میں میر محمد تقی صاحب کی مجلس میں تابوت گہوارہ، ذوالجناح و علم سب یک ساتھ بعد مجلس نکلتا ہو۔

اسی سلسلے میں ایک طوائف بھی مجلس کرتی ہے جو سنی المذہب تھی اب اس مجلس کے وقت دوسری مجلس اسی گھر میں ہوتی ہے اور اس کے بعد محلے کے یہاں مجلس ہوتی ہے۔

غرضکہ شب عاشور پورے پرانے اور نئے سیتاپور میں چوک پر تعزیے رکھے جاتے ہیں اور روشنی ہوتی ہے۔ انجمن شمع حیدری سیتاپور کا بڑے امام باڑہ میں آگ پر ماتم ہوتا ہے جس میں تمام شیعہ سُنی اور ہندو حضرات شرکت کرتے ہیں' ماتم ہونے سے قبل جلوس علم اٹھتا ہے اور وہ ممبران جو کفنی پہن کر ماتم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں علم حضرت عباس علیہ السلام ہوتا ہے۔ عشرۂ محرم میں شب کو سُنی حضرات کے تعزیے ہر روز اُٹھتے ہیں اور جلوس نکلتے ہیں۔ ساتویں و آٹھویں کو علم و ذوالجناح سُنی حضرات شب کو اٹھاتے ہیں اور شیعوں کے بھی علم ۸ و ۹ محرم کو اٹھتے ہیں۔

عاشورہ محرم

دسویں محرم کی صبح کو انجمن گلدستہ حیدری سیتاپور کی جانب سے تابوت و علم بعد مجلس اٹھتا ہے اور کربلا یادگار حسینی (جو کچے پل کے قریب ہے) وہاں بڑھایا جاتا ہے۔ نوحہ خوانی اس تابوت میں ہوتی ہو اس تابوت میں بھی ہندو مسلمان شیعہ و سُنی شریک ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ قریب کربلا زنجیروں کا ماتم بھی ہوتا ہے جسے لوگ عام طور پر دیکھنے اور زیارت کے لیے آتے ہیں۔ شیعہ حضرات کے تعزیے اور تابوت اٹھتے ہیں اور سوز خوانی کے ساتھ تعزیے اٹھائے جاتے ہیں جن میں سنی حضرات بھی اپنے تعزیے شریک کر دیتے ہیں۔ اس میں سنی حضرات پورے جلوس میں شریک ہوتے ہیں اور گریہ بھی کرتے ہیں۔ بعد فراغ دفن کربلا میں ایک مجلس خاک پر ہوتی ہے اور سروپا برہنہ حضرات شیعہ شرکت کرتے ہیں۔ واقعہ کربلا اور سانحۂ عظمیٰ سید الشہداؑ پر تقریریں ہوتی ہیں اور ذاکر کے ہاتھ میں صرف ایک علم رہتا ہے۔ تقریر کھڑے ہوکر ہوتی ہے اس مجلس میں ہندو مسلمان اور شیعہ سب ہی شریک ہوتے ہیں۔ اس مجلس کی بے سرسامانی اُن حضرات کی ہمت افزائی کی متعین ہے جو اپنی بے زری کا بہانہ مجالس میں کرتے ہیں' یہ مجلس "میدان کرب و بلا" کے نام سے موسوم ہے جو ۱۹۳۱ء سے قائم ہے اور ہر سال ہوتی ہے۔ تمام دن تعزیوں کے دفن کا سلسلہ رہتا ہے اور شب کو گیارھویں محرم کو مجلس شام غریباں بلا فرش ماسٹر ریاست حسین صاحب قبلہ (مرحوم) کے امام باڑہ جعفریہ میں ہوتی ہے اور بعدہٗ بڑے امام باڑہ میں بھی ہوتی ہے اور علم و حاضری کی زیارت ہوتی ہے۔ پھر لکھنؤ کی مجلس شام غریباں جو غفرانمآب کے امام باڑہ سے ریڈیو سے براڈکاسٹ ہوتی ہے سُنی جاتی ہے اس میں کافی لوگ شرکت کرتے ہیں۔ شب کو تمام بستی کے تعزیے جو تقریباً سو ڈیڑھ سو سے کم نہیں ہوتے گشت کرکے کربلائے یادگار حسینی (متصل پل پختہ) میں جاکر دفن ہوتے ہیں۔ یہاں تک عشرۂ محرم کی مجالس و جلوس عزا کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱ محرم سے سلسلۂ عزا

۱۱ محرم کو ریاض حیدر صاحب مرحوم کا تعزیہ آتا ہو۔ ۱۱ محرم کے

۱۰ محرم تک ریاض حیدر صاحب کی مجالس سید مظاہر حسن صاحب کے دولتکدہ پر سہ پہر کو ہوتی ہیں۔ سنہ ۱۳۷۳ ہجری سے سید حیدر عباس صاحب بجائے زنانی مجالس کے مردانی مجالس اپنے مکان پر کرنے لگے ہیں۔ گیارہ محرم کا دن گزر کر شب میں میر محمد حیدر صاحب کے عزاخانے پر مجلس اور روشنی ہوتی ہے۔ پہلے صبح کو قاضی محمد طاہر صاحب کے یہاں پھر صبح کو ماسٹر رضی احمد صاحب کے یہاں کی مجلس ہوتی ہے اور یہ مجلسیں سہ پہر کو اور شب کو ہوتی ہیں۔ ۱۱ محرم کو دن گزر کر شب میں ہوتی ہو۔

۱۲ محرم سیوم امام صبح کو میر محمد حیدر صاحب کے عزاخانے میں مجلس ہوتی ہے اور پھر قاضی محمد طاہر صاحب . . . . مرحوم اور پھر نذیر حیدر صاحب کی علی الترتیب صبح کو مجلسیں ہوتی ہیں اور محمد حیدر صاحب کے یہاں کے تعزیئے اٹھتے ہیں۔ کربلا میں بھی ان کے یہاں کی مجلس ہوتی ہے بعدہ امام باڑہ سجادیہ میں ہوتی رہی اور پھر شیخ علی نقی صاحب کے یہاں سہ پہر کو ہوتی ہے۔ یہ تعزیئے محمد حیدر صاحب کے حاجی صاحب کی کربلا سے متصل کربلا سلیم پور میں دفن ہوتے ہیں۔ ۱۲ محرم کو انجمن ذوالفقار حیدری کی جانب سے مجلس ہوتی ہے۔

ہر اتوار کو چہلم تک قاضی سید محمد طاہر صاحب کے یہاں صبح کو مجالس ہوتی ہیں اور اربعین کے آخری اتوار کو علم بھی نکلتا ہو سیوم کو واجد بساطی کا تعزیہ اٹھتا ہے اور گشت کرتا ہو جو حنفی المذہب ہیں اور اسی شب کو مولوی ہادی علی خاں صاحب کے یہاں مجلس ہوتی ہے جو مسجد عالم نگر میں حنفی حضرات کے امام جمعہ و جماعت تھے۔

۲۰ محرم بسواں جھکو خاں کا تعزیہ رکھا جاتا ہے اور بھولا کمہار کا تعزیہ بھی رکھا جاتا رہا جو ہندو دھرم رکھتا ہے اس کا مٹی کا تعزیہ ہوتا ہے۔ اس درمیان میں کہیں کہیں عشرے بھی ہوتے ہیں اور تعزیئے رکھے جاتے ہیں۔

مجالس ۱۳ محرم تا چہلم امام ۔۔ ہر شب کو انجمن گلدستہ حیدری سیتا پور کی جانب سے مجلس ہوتی ہیں صرف دسواں، بیسواں اور چہلم کو انجمن ذوالفقار حیدری کی چہلم تک۔ پہلے یہ مجالس میر مظفر حسین صاحب وکیل کی طرف سے شب کو ہوا کرتی تھیں اور ہر مہینہ کی ۲۱ تاریخ کو اور ہر شب جمعہ کو مجلسیں وکیل صاحب مرحوم کی طرف سے ہوا کرتی تھیں مگر اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور انجمنوں نے ایک حد تک اس کام کو سنبھال لیا۔ یہ مجلسیں بڑے امام باڑے میں ہوتی ہیں۔ کچھ دنوں تک ماسٹر رضی احمد صاحب مرحوم نے اس سلسلے کو جاری رکھا تھا مگر پھر بند ہو گیا۔

۲۵ محرم ۲۵ محرم کی شب کو تابوت بیادگار امام زین العابدین علیہ السلام رکھا جاتا ہے میر مظاہر الحسین صاحب کے مکان پر شب کو مجلس ہو کر . . . . . تابوت اٹھایا جاتا ہے اور اس میں کوئی ذاکری نہیں ہوتی بلکہ یہ تابوت اسی طرح سے اٹھتا ہے جیسے کسی کا جنازہ اٹھایا جاتا ہو اور لوگ کاندھا دیتے ہیں۔ بس گریہ و بکا کی صدائیں اس تابوت کی زینت ہوتی ہیں۔

۲۹ محرم میر محمد حیدر صاحب کے یہاں کی اور میر مختار حسین صاحب مرحوم شیخ سرائے کے یہاں کی مجلسیں ہوتی ہیں اور انجمن ذوالفقار حیدری کی شب کو ہوا کرتی ہے اور ماسٹر علی جعفر صاحب کے یہاں سے تعزیہ اٹھتا ہے۔

یکم لغایۃ ۶ صفر پہلی تاریخ سے ابتدا میں یہ مجلسیں سید محمد اصغر صاحب عرف جھجو میاں مرحوم کیا کرتے تھے لیکن پھر وہ بند ہو گئیں ان کے مرنے کے بعد اب ان کے لڑکے حسن جان وغیرہ کرتے ہیں جس زمانہ میں یہ مجلسیں بند ہو گئی تھیں تو سید محمد جعفر صاحب وکیل نے شروع کیں مگر وہ بھی نہ کر سکے۔ سنہ ۱۳۷۱ ہجری سے سید محمد اصغر صاحب کے لڑکے اب یہ مجالس کرتے ہیں اور سید محمد منیر صاحب بھی ۶ صفر تک مجلسیں کرتے ہیں۔

۷ صفر لغایت ۹ صفر مجالس روزانہ امام باڑہ کلاں کے بعد جو شب کو انجمنیں کرتی ہیں۔ تین مجلسیں مرتب مضمون ہذا (محمد اکبر صاحب مرحوم) کے مکان

پر ہوتی ہیں جن کو کافی زمانہ ہوگیا۔ ۹ر صفر کو بیوہ رحم علی صاحب مرحوم ایک مجلس سہ پہر کو کیا کرتی ہیں۔ ۸ر لغایت ۹ر صفر میری مجلسوں کے بعد سید سردار حسین صاحب سابق سینیٹری انسپکٹر مجالس کرتے ہیں اور انھیں تاریخوں میں تجمل حسین صاحب کے صاحبزادے بھی میری مجلس کے بعد مجالس کرتے ہیں۔

۱۰ر صفر صبح کو اہلیہ احمد حسن صاحب مرحوم کے یہاں کے اور سردار حسین صاحب اور کوٹ کے تعزیے جو میر اسحاق حسین صاحب کے یہاں رکھے جاتے ہیں کربلائے حاجی صاحب مرحوم میں دفن ہوتے ہیں۔

۱۰ر تا ۲۰ر صفر شب کو میر نقی حسن صاحب کے یہاں مجالس کا سلسلہ ۲۰ر صفر تک رہتا ہے اور چہلم جو ۲۰ر صفر کو ہوتا ہے اس تاریخ کو اٹھ کر حاجی صاحب مرحوم کی کربلا میں مدفون ہوتے ہیں۔

دسویں حضرت سکینہ علیہا السلام رات کو دن گزر کر شب کو تمام گھروں کے تابوت جن پر پردے پڑے ہوتے ہیں امام باڑہ کلاں میں رکھے جاتے اور زنانی مجلس بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ کافی مجمع ہوتا ہے۔ دوسرے عزاخانوں میں ایسے ہی تابوت اٹھ کر ذاکری کے ساتھ انجمنیں سیتاپور کی اٹھاتی ہیں۔

۱۱ر لغایتہ ۱۶ر صفر۔ میر ممتاز حسین صاحب عطار کے دولتکدہ پر مجالس سالانہ ہوتی ہیں۔

۱۷ر صفر امام رضا علیہ السلام کا یوم شہادت ہے چنانچہ ۱۷ر صفر کو مجلسیں زنانی مرتب مضمون ہذا کے مکان پر ہوتی ہیں۔ تعزیے حاجی صاحب کی کربلا میں دفن ہوتے ہیں۔ زنانی مجلس میں شب چہلم گہوارہ کی زیارت ہوتی ہے۔ ۱۷ر صفر کو میر نقی حسن صاحب کی مجلس میں ذوالجناح سجایا جاتا ہے اور گشت ہوتا ہے اور محمد مہدی صاحب کے یہاں مہندی اٹھتی ہے جس میں ذاکری بھی ہوتی ہے۔ ۱۷ر لغایتہ چہلم سید محمد حیدر صاحب متولی کے یہاں کی ان کے عزاخانے میں مردانی مجالس برپا ہوتی ہیں۔ ۱۷ر لغایتہ ۱۹ر صفر سید احمد حسن صاحب محلہ بنگلہ کے یہاں کی مجلس ہوتی ہے۔

شب چہلم شب چہلم عزاخانوں میں روشنی ہوتی ہو سید علی نقی صاحب اور شبیر احمد صاحب اور ماسٹر علی جعفر کے یہاں سید نقی حسن صاحب کی مجالس کے بعد دیگر حضرات کے یہاں شب میں مجلسیں ہوتی ہیں۔

شب بست و یکم تو بابا کالا کا شب میں تعزیہ رکھا تھا جو حنفی تعزیہ دار تھا اب کون رکھتا ہے اس کا علم نہیں۔ روشنی کا کافی انتظام وہ کیا کرتا تھا۔ دن گزر کر شب میں دفن ہوتا ہے اور بستی کے تعزیے روشنی کے ساتھ کربلائے یادگار حسینی (متصل پل پختہ) دفن ہوتے ہیں۔

چہلم امام ۲۰ر صفر سیتاپور میں چہلم ۲۰ر صفر ہی کو ہوتا ہے۔ دن میں میر محمد حیدر صاحب اور میر نقی حسن صاحب اور سید محمد اکبر رضوی کے تعزیے کربلائے حاجی صاحب دفن کے لئے جاتے ہیں اور سلیم پور کی کربلا میں کچھ تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ سید محمد حیدر صاحب متولی کے تعزیوں کے ساتھ اس دن ذوالجناح گہوارہ بھی ہوتا ہے۔

بنی اسد بنی اسد کا قافلہ کربلائے حاجی صاحب میں آتا ہے اور شہدا کو دفن کرتا ہے۔ بنی اسد کا قافلہ عربی انداز کی پوشاک میں ہوتا ہے جو کفنی پہن کر پھاوڑے کاندھوں پر لے کر نکلتے ہیں اور تابوت دفن کرتے ہیں۔ ۱۳۵۰ھ ہجری سے یہ کربلائے حاجی صاحب میں نہایت عمدہ طریقہ پر سماں پیش کیا جاتا ہے اور کافی گریہ ہوتا ہے۔ قافلہ میں اونٹ وغیرہ سب کا انتظام ہوتا ہے۔ بعد ختم دفن شہدا کا سلسلہ سہ پہر تک رہتا ہے۔ مجلس عزا کربلا میں ہوتی ہے۔ یہ جلوس کربلائے سلیم پور میں جاتا ہے جس میں ۱۳۸۳ھ ہجری سے مزید اضافہ ہوا ہے۔

امام باڑہ سجادیہ میں بھی اسی روز مجلس ہوتی ہے اور

بڑے امام باڑے ہیں اور علی نقی صاحب کے دو تکڑے پر ہوتی ہے شب کو بابو کا تعزیہ اور دیگر بستی کے تعزیے اُٹھتے ہیں جو تقریباً سب حضرات اہل سنت کے ہوتے ہیں۔ روشنی کا انتظام ان تعزیوں کے گشت میں کافی ہوتا ہے۔

۲۷ و ۲۸ صفر شب

سید نذیر حیدر صاحب کے یہاں شب میں مجلس ہوتی ہے اور سید افتخار احمد صاحب عرف بیو میاں بھی مجلس کرتے ہیں۔

۲۹ صفر کو تابوت امام حسن علیہ السلام کا اٹھتا ہے جو انجمن رضویہ سیتاپور کا بنا کردہ ہے اس میں انجمن گلدستۂ حیدری اور انجمن ذوالفقار حیدری دو انجمنیں شریک ہو کر ذاکری کرتی ہیں بعدہٗ امیر علی صاحب کی مجلس بڑے امام باڑہ میں ہوتی ہے۔ تابوت کربلائے یادگار حسینی میں بڑھایا جاتا ہے۔

۴ ربیع الاول

دن گزر کر شب کو شیخ مشتاق علی صاحب کے مکان پر مجلس ہوتی ہے۔ شروع ربیع الاول میں بقید یکشنبہ بیوہ میر محمد عباس صاحب مرحوم کا تعزیہ اٹھا کرتا ہے۔

۵ ربیع الاول

علی الصباح بڑے امام باڑے سے چُپ تعزیہ اٹھتا ہے۔ پہلے یہ تعزیہ حکیم ظفر حسین صاحب محلہ عالم نگر سے اٹھانے تھے پھر مولوی صادق حسین صاحب نے اس کمی کو محسوس کر کے اٹھانا شروع کیا اور راقم الحروف اس تعزیہ میں ہر طرح سے شریک رہتا تھا۔ ذوالجناح کا سجانا اور محلوں وغیرہ کا انتظام میرے ذمہ رہتا تھا اور ذاکری (نقابت) بھی متعلق تھی پھر ان کے صاحبزادے اختر حسین صاحب اس تعزیہ کا انتظام کرتے رہے بعدہ ۱۳۶۱ھ ہجری سے سید محمد حسن صاحب کے یہاں سے اس کا اہتمام ہوتا ہے ذوالجناح اس تعزیہ کا گھروں میں نہیں جاتا۔ چُپ تعزیہ کے دفن کے بعد ناصر حسین صاحب مرحوم خلف پیشنماز صاحب کے نام سے ایک مجلس چھوٹے امام باڑہ میں منعقد ہوتی ہے لیکن پہلے یہ مجلس ان کے مسکونہ مکان میں ہوا کرتی تھی۔

۵ ربیع الاول کو انجمن شمع حیدری کی جانب سے چھوٹے امام باڑہ سے تابوت اٹھنے لگا ہے۔ دن گزر کر پانچویں شب میں سید محمد عابد صاحب کی جانب سے ایک مجلس چھوٹے اماباڑہ میں ہوتی ہے۔ اس مجلس کے بعد میر مظفر حسین صاحب مرحوم کے یہاں کے تعزیے ذاکری کرتے ہوئے بڑے تعزیے کے چوک پر آتے ہیں جن کو اب ہمشیرہ راقم الحروف بڑے تعزیے کو اپنے اہتمام سے اٹھاتی ہیں جو قدیم زمانہ کی یادگار ہے اور کافی مشہور ہے۔ اسی شب میں بابو سید احمد صاحب کا تعزیہ جو (تقیائین صاحبہ) کا تعزیہ مشہور ہے۔ اسی شب میں چبوترے پر آتا ہے اور امام باڑہ میں رکھا جاتا ہے۔ کافی لوگ ان تعزیوں کی زیارت کو آتے ہیں۔ پہلے تقیائین صاحبہ کا مذکورہ تعزیہ (بڑا) سیوم کو اٹھا کرتا تھا پھر ۸ صفر کو اٹھا۔ اس کے بعد ۴ ربیع الاول کو رکھا جانے لگا اور اب تو میر مظفر حسین صاحب وکیل مرحوم کے تعزیے کے ساتھ اُٹھنے لگا ہے جو چھٹی ربیع الاول کو شب میں اٹھ کر ساتویں شب میں تقریباً صبح تک دفن ہوتا ہے پوری رات ذاکری ہوتی ہے مگر بجلی کے تاروں کے لگ جانے کی وجہ سے اس تعزیے کو چھوٹا کرنا پڑا۔ ۱۳۱۶ھ سے بڑا تعزیہ اٹھتا ہے۔

۶ ربیع الاول

انجمن ذوالفقار حیدری کی جانب سے صبح کو تابوت بڑے پیمانہ پر اٹھتا ہے اور ممبران انجمن اس میں ذاکری کرتے ہیں۔ قریب ۱۲ بجے وہ کربلائے یادگار حسینی (متصل پل پختہ) پہونچتا ہے اور بڑے امام باڑے سے اٹھتا ہے۔ مجلس جو میر مظفر حسین صاحب مرحوم کی صبح کو ہوا کرتی تھی اس میں فی الجملہ تاخیر ہو جاتی ہے اور مجمع تابوت کے باعث مجلس میں کم جاتا ہے۔ یہ مجلس بڑے پیمانے پر ہوا کرتی تھی جس میں

طعام تقسیم ہوا کرتا تھا مگر زمانہ کے حالات کے بدلنے سے بلا حصہ یہ مجلس بہر حال ہوتی ہے لیکن سامان پر قید بند ہو جانے سے مجبوراً جس پیمانے پر یہ مجلس ہوتی تھی اس کو نظر انداز کرنا پڑا۔ ساتویں شب میں وہ بڑا تعزیہ اٹھتا ہے اور اس کے ساتھ چھوٹے تعزیئے ہوتے ہیں۔ سہ پہر کو پہلے محلوں میں چھوٹے تعزیئے گشت کرتے ہیں اور ذاکری کے ساتھ اٹھتے ہیں اور پھر اس جلوس کے واپس آنے پر بڑا تعزیہ اٹھایا جاتا ہے جو اس تاریخ کا سب سے قدیم تعزیہ ہے۔ کافی مجمع اس تعزیہ میں ہوتا ہے اور دونوں تعزیئے ایک ہی ساتھ ہونے سے کافی رونق بڑھ جاتی تھی۔ ہندو مسلمان شیعہ سُنی سب ان تعزیوں میں شرکت کرتے ہیں اور سیتاپور کی انجمنیں کافی حصہ لیتی ہیں۔ یہ تعزیہ بڑے تعزیہ کے نام سے سیتاپور میں مشہور ہے اور یہ تاریخ سیتاپور میں خاص اور یادگار تاریخ ہو۔

۸ ربیع الاول آٹھویں شب میں انجمن گلدستۂ حیدری کی جانب سے الوداعی مجلس ہوتی ہے اور وہ سیاہ لباس جو سوگ کی علامت ہے اور جسے محرم کا چاند دیکھتے ہی ممبران انجمن پہن لیتے ہیں آج کی تاریخ بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس مجلس کے بعد شیخ عابد رضا صاحب وکیل کے دولتکدہ پر مجلس ہوتی ہے اور بعد ختم مجلس ان کے یہاں کا تعزیہ سوز خوانی کے ساتھ کربلائے یادگار حسینی جاکر مدفون ہوتا ہے۔

زنانی انجمنیں زنانی مجالس جو تقریباً ہر جگہ ایام عزا میں ہر گھر میں روزانہ ہوا کرتی ہیں۔ لیکن بصورت عشرہ زنانی مجالس میں ذاکری کے لئے یہ دو انجمنیں قائم ہیں۔ ایک انجمن عزائے فاطمی۔ دوسری انجمن ہراولِ اسلام تیسری انجمن عزائے سکینہ ہے ان کی وجہ سے کافی زنانی مجالس میں رونق ہے۔

زنانی مجالس:- ۱۲ لغایۃ ۱۴ جمادی الاول جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی یادگار مجالس بیوہ احمد حسن صاحب مرحوم وکیل کے زیر اہتمام ہوتی ہیں اور تابوت رکھے جاتے ہیں۔ یکم لغایۃ ۳ جمادی الثانی کو بھی جناب فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کے دیہہ کے سلسلے میں بڑے امام باڑہ میں مجلس اور تابوت رکھے جاتے ہیں۔

دیہہ جناب زینب علیہ السلام پھر ۶ جمادی الثانی کو بیوہ ریاض حیدر صاحب مرحوم کے یہاں مجلس ہوتی ہے اور تابوت رکھے جاتے ہیں۔

دیہہ جناب سکینہؑ ۱۰ صفر کو عرصہ سے ہوتا ہے اور کافی مجمع اس تاریخ بڑے امام باڑہ میں ہوتا ہے لیکن ۱۳۸۷ھ میں کچھ اختلافات ایسے رونما ہوئے جس سے اس مجلس میں کمی ہوئی اور دوسرے امام باڑوں میں تابوت رکھے جانے لگے۔

۲۸ رجب صبح کو بیادگار سفر حضرت سید الشہداء چھوٹے امام باڑے سے جلوس اٹھتا ہے جس میں اونٹ اور ذوالجناح اور گھوڑے جن پر چادریں خالی پڑی ہوتی ہیں ہمراہ ہوتا ہے ۱۳۰۶ھ ہجری سے اس جلوس کی بنا ہوئی جو میر نقی حسن صاحب کی بنا کردہ ہے۔

۳ و ۴ شعبان ادارہ رضویہ کی جانب سے شب میں مجلس ہوتی ہے۔ ۴ شعبان کو میر مظاہر الحسن صاحب کے یہاں کی بڑے امام باڑہ میں مجلس ہوتی ہے۔

۱۸ لغایۃ ۲۰ رمضان شبیں ماہ صیام بڑے امام باڑہ میں تینوں دن پنج بھیوں کی جانب سے مجالس ہوتی ہیں ۱۹ کو مسجد قضیارہ میں ایک مجلس ہوتی ہے اور تابوت صبح کو بعد نماز بیوہ احمد حسن صاحب کے یہاں آتا ہے۔ بعد نماز عشا مسجد بنگلہ میں مجلس ہوکر تابوت اٹھتا ہے امام باڑہ کلاں آتا ہے۔ تینوں دن سید محمد حیدر صاحب کے یہاں صبح کو مجالس ہوتی ہیں اور پھر محمد وحید صاحب مرحوم کے

یہاں کی مجلس ہوا کرتی ہیں۔ ۱۲ر رمضان کو تابوت بعد مجلس اٹھتے ہیں۔ اور کربلا حاجی صاحب میں دفن ہوتے ہیں۔

۸ر شوال یوم انہدام جنت البقیع علم بڑے امامباڑے سے انجمن رضویہ کی طرف سے اٹھ کر حسینیہ خورد میں آتا ہے لیکن پہلے مجلس ہوتی ہے۔

۱۳ر و ۱۴ر شوال ان کے علاوہ حسینیہ خورد میں ۱۳ر کو ماسٹر سید ریاست حسین صاحب مرحوم کے یہاں کی مجلس ہوتی ہے اور ۱۴ر کو عبد المجید صاحب کی طرف سے اسی امام باڑہ میں ہوتی ہے۔

۲۲ر و ۲۳ر ذیقعدہ ۲۲ر کو شب میں قبل فراغ تابوت حسینیہ کلاں میں مجلس ہوتی ہے اور ۲۳ر کو ادارہ رضویہ کی طرف سے تابوت سہ پہر کو اٹھتا ہے اور صبح کو مجلس ہوتی ہے۔ ۲۹ر ذیقعدہ کو حسینیہ جعفریہ میں حکیم سید عسکری حسن صاحب کے یہاں کی صبح کو مجلس ہوتی ہے اور بعدہ علم اٹھتا ہے۔

۷ر و ۸ر و ۹ر ذی الحجہ ۷ر کو حسینیہ جعفریہ میں مجلس ادارہ رضویہ کی طرف سے ہوتی ہے اور بعدہ علم اٹھتا ہے۔ ۸ر کو حسینیہ کلاں میں میر مظاہر الحسن صاحب کے یہاں کی مجلس جناب مسلم علیہ السلام کی یادگار میں ہوتی ہے۔ ۹ر کو نقی حسن صاحب کے مکان پر مجلس ہوتی ہے جو جناب مسلم کی تاریخ وفات ہے۔

۲۸ر و ۲۹ر ذی الحجہ سہ پہر کو ۲۸ر ذی الحجہ مولوی التجا حسین صاحب مرحوم کے مکان پر مجلس ہوتی ہے مگر اب کئی سال سے ۲۹ر کو ہونے لگی ہے پہلے صبح کو اختر حسین صاحب کے یہاں ہوتی تھی مگر گذشتہ سے ان کی وفات پر بند ہو گئی۔ ۲۹ر ذی الحجہ کو قاضی سید محمد طاہر صاحب وکیل کی مجلس صبح کو ہوتی ہے۔ ۲۹ر ذی الحجہ کو رویت ہلال کے سلسلہ میں بڑے امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے اور پھر جلوس عزا ماتم و نوحہ خوانی سے اٹھتا ہے اور امام باڑوں میں جاتا ہے۔ ۲۹ر کو محمد حسن صاحب کے یہاں کی مجلس شب کو ہوتی ہے۔

ہر قمری مہینہ میں نوچندی جمعرات کو سید مظاہر الحسن صاحب کے مکان سے علم اٹھتا ہے اور ذاکری کے ساتھ بڑے امام باڑہ میں آکر مجلس ہوتی ہے۔ ۱۲ر تاریخ ہر ماہ قمری و شب جمعہ میر مظفر حسین کے یہاں کی مجلس ہوتی تھی مگر اب انجمنیں اس کو کرتی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ سیتاپور میں کافی عزاداری کو فروغ ہے حالانکہ تقسیم ملک کے باعث فی الجملہ کمی ضرور ہوئی مگر اب یہ کمی رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی ہے۔

جلسہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کی یادگار حسینی میں سیتاپور بھی پیچھے نہیں رہا اور اس سال نہایت اہتمام کے ساتھ جلسے بین الاقوامی کئے گئے جس میں الکٹرک فٹنگ اور لاؤڈ اسپیکر متعدد جگہوں پر لگے تھے اور کافی شاندار پنڈال سجایا گیا تھا۔

سیتاپور میں سنہ حسینی کا آغاز اسی سلسلے میں کربلا (متصل پل پختہ) میں کنوئیں کے کنارے ایک مینارہ تیار کیا گیا اور بنوایا گیا تھا جس پر کربلائے یادگار حسینی کندہ ہے اور اسی کے پہلو ۱۹۴۲ء اور آغاز سنہ حسینی مطابق ۱۳۶۱ھ ہجری کندہ ہے۔ اور اسی مینارہ پر اسی کے نیچے ایک دوسرا پتھر ہے جس پر انیس علیہ الرحمہ کا مشہور شعر کندہ ہے ؎

اک افسانۂ بیکسی رہ گیا
نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے

جس کے متعلق سنا گیا ہے کہ یہ شعر جرمنی کے عجائب خانہ میں سنہرے حروف میں لگایا گیا ہے جو واقعہ کربلا پر شاعر کا بہترین کارنامہ ہے اور واقعہ کربلا اس شعر میں پورا سمویا ہوا ہے۔

سیتاپور میں مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ نے بڑے امامباڑہ میں مجلس پڑھی ہے جو یاد رکھنے والی بات ہے۔

منحٹ :۔ سیتا پور میں عشرہ کی مجالس مرزائی جن کا ذکر کیا گیا ہے اور صرف تعدادان کی بیان کر دی گئی ہے ان مجالس میں راقم الحروف سید محمد اکبر رضوی کی پہلی مجلس ہوتی ہے اس میں اکثر باہر سے ذاکر آئے۔ مولوی غلام علی صاحب جلالپور جٹان سے آئے تھے اور کئی مقام پر ذاکری کرتے تھے جن میں بابو سید احمد صاحب کی مجلس سب سے آخر تھی اور ان کے اسوا حکیم نہال حسین صاحب اور مرزا سجاد مرزا صاحب کی مجلس میں بھی ذاکری فرمایا کرتے تھے۔

میر اسحاق حسین صاحب دہلی کے یہاں علاوہ مقامی ذاکروں کے مولوی لقا علی صاحب بدایونی اور کئی سال علامہ مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری عشرۂ محرم میں تشریف لائے ہیں جو آجکل مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ علاوہ بریں ذاکرین لکھنؤ اور دیگر مقامات سے تشریف لائے ہیں اور چھٹی ربیع الاول کے بڑے تعزیہ میں تو کافی سوز خوان آتے تھے جن میں سجاد حسین صاحب سوز خوان اور حسن جعفر صاحب لکھنوی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مولوی ظہور حسن صاحب مجتہد مرحوم لکھنؤ، شمس العلما مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم لکھنؤ۔ مولوی ابن حسن صاحب جارچوی۔ مولوی ہارون صاحب مرحوم۔ ماسٹر چھبن صاحب۔ مولانا سید محمد سعید مرحوم مجتہد لکھنؤ، خواجہ غلام الحسنین صاحب۔ مولانا محمد سبطین صاحب، مولوی برکات احمد صاحب، شیخ بادشاہ حسین صاحب، مولوی حیدر مہدی صاحب، مولوی محمد مہدی صاحب زیدپوری۔ مولوی مبارک علی شاہ وغیرہ وغیرہ آگئے ہیں اور سیتا پور میں پڑھے ہیں۔

کمال پور ضلع سیتا پور کی عزاداری

۱۰ صفر کو تمام قرب وجوار کے تعزیے جمع ہو کر اُٹھتے ہیں اور اطراف کے لوگ ان کی شرکت کے لئے آتے ہیں جس میں حضرات اہل سنت اور اہل ہنود کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ کاشتکاروں کے تعزیے ہوتے ہیں کیونکہ کمال پور میں زیادہ تر آبادی اہل ہنود کی ہے۔ کمال پور سیتا پور سے لکھنؤ جانے والی ریلوے لائن پر تیسرا اسٹیشن ہے۔ یہ ریلوے لائن ہو جانے سے بڑھنے لگا کیونکہ ابتدائی زمانہ میں کمال پور جس کی کوئی اہمیت نہ تھی غلہ کی منڈی کے لئے مشہور تھا۔ راجہ صاحب کسمنڈا کی کوٹھی اور باغ وہاں کا مشہور عمارتیں ہیں۔

موضع اسلام نگر کے سادات نقوی

کمال پور سے تقریباً ایک میل پر یہ گاؤں اسلام نگر کے نام سے آباد ہے جس کے زمیندار حنفی المذہب فقیر محمد خان صاحب ہیں۔ وہاں ایک مرتبہ تقریباً ۱۹۳۰ء میں وہاں شیعیان سیتا پور کا ایک وفد گیا تھا کیونکہ یہ مومنین (شیعہ تو ہیں) مگر دیہات کی بود و باش کے باعث تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ چنانچہ رضویہ دینیات اسکول سیتا پور کے طلبا کی ہمراہی میں یہ وفد گیا تھا۔ وہاں ایک امام باڑہ بننے کی کوشش کی گئی۔ جس کو زمیندار صاحب نے منظور فرما لیا۔ تقریباً چالیس پچاس مومنین سادات نقوی اس گاؤں میں آباد ہیں جو عزاداری اور تعزیہ داری کرتے ہیں۔ یہاں انکے جد اعلیٰ آکر آباد ہوئے تھے جنھوں نے اپنی اولاد کو تعزیہ داری کی ہدایت کی تھی۔ راجہ صاحب کسمنڈا ایک سخت مزاج آدمی تھے اور لوگوں کو تعزیہ داری سے روکنے کی کوشش بھی کی تھی مگر ان لوگوں نے راجہ صاحب کو خاموش کر دیا اور اپنے کام سے غافل نہیں ہوئے کیونکہ اُدھر کے گاؤں میں زیادہ ہندو آباد ہیں۔

قصبہ لہرپور ضلع سیتاپور

یہ مقام فیروز شاہ تغلق کا آباد کردہ ہے پہلے تغلق پور نام تھا مگر ایک لوہاری نامی پاسی نے مسلمانوں کو وہاں سے بھگا دیا تھا جب طاہر غازی ۱۳۶۲ء میں سید سالار کے مزار کی زیارت کے لئے اس قصبہ سے گزرے تو اپنی فوج کے ذریعہ ان پاسیوں کو جو چار سو برس سے وہاں تھے ان کو نکال دیا گیا یہ قصبہ راجہ ٹوڈرمل کی پیدائش کا مقام ہے جو شہنشاہ اکبر کا

وزیر اعظم تھا اور ۹۲۳ ہجری میں ولادت ہوئی تھی اور ۹۹۸ھ میں وفات پائی۔ ٹوڈرمل نے بندوبست اول اول ہندستان میں رائج کیا اور جمعبندی کا طریقہ قائم کیا۔ ملک کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ دس سالہ بندوبست کا طریقہ۔ صوبوں میں سرکاروں اور پرگنوں کی تقسیم، مال گزاری کی وصول یابی اور فوجی بھرتی کا طریقہ۔ زمینوں کی پیمائش اور فصلی سال سے مال گزاری کا قائم کرنا جو اب تک جاری ہے۔ یہ سب اسی ہوش مند وزیر کے دماغ عالیہ کے جلوے ہیں جو ہمارے سیتاپور کی مشہور و معروف ہستی اور ہندستان کی مایۂ ناز ہستی تھی۔

لہرپور کی عزاداری

یکم لغایت ۹ محرم مولوی شاکر علی صاحب کے موسومہ امام باڑہ میں عزاداری ہوتی ہے جس کو مولوی سید تقی صاحب نے بسلسلہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ میں پھر سے تعمیر کرایا ہے۔ یہ امامباڑہ شیعہ حضرات سے متعلق ہے۔ ساتویں محرم کو محلہ چھاؤنی سے علم اور ذوالفقاریں، دُل دُل وغیرہ کے جلوس نکلتے ہیں۔ اور ہر محلہ سے علم اسی ساتویں میں آکر شریک ہوتے ہیں اور پھر چار بجے صبح تک یہ علم وغیرہ علی الترتیب واپس ہوتے ہیں۔ آٹھویں محرم کو مہندی کے نام سے جلوس اٹھتا ہے جس کی ابتدا ادکھریاپور اور محلہ بہلول نگر سے اول شب ہوتی ہے اور آٹھ بجے رات سے سلسلہ شروع ہو کر ۴ بجے صبح تک ختم ہو پاتا ہے۔ گشت محلہ وار ہوتا ہے۔ ساتویں آٹھویں محرم کو ان جلوسوں میں کافی سبیلیں محلہ وار ہوتی ہیں پہلی سبیل قاضی ٹولے سے جہاں شاکر علی صاحب کا موسومہ امامباڑہ ہے شروع ہوتی ہے۔ نویں محرم کو ہر محلہ میں تعزیوں کا گشت ہوتا ہے اور جو تعزیہ پنچایتی ہوتا ہے اس میں چندہ سے تعزیہ داری کی جاتی ہے۔ اس قسم کے پنچایتی تعزیئے کافی اونچے اور بڑے ہوتے ہیں جو ۳۵، ۲۵ ہاتھ سے کم نہیں ہوتے۔ ۵۲ محلے اس قصبہ میں ہیں چنانچہ ۵۲ تعزیئے پنچایتی تو ہوتے ہی ہیں ان کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں۔

دسویں محرم عاشورہ

مولوی شاکر علی صاحب کے موسومہ امام باڑہ کے تعزیئے صبح ۶ بجے اٹھ کر ۱۱ بجے تک دفن ہو جاتے ہیں جو شیعوں کے ہیں جو تقریباً ۲۵ یا ۳۰ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دسویں محرم کو محلہ چھاؤنی سے تعزیئے اٹھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور ساتویں کی طرح علی الترتیب محلہ وار تعزیئے اٹھتے ہیں جن میں قرب و جوار کے مواضعات کے تعزیئے شرکت کرتے ہیں۔

۱۱ محرم

یہ مذکورہ تعزیئے اول اول ایک مخصوص مقام پر جسے گورکھیت کہتے ہیں آکر جمع ہوتے ہیں اور گیارھویں تاریخ مقررہ مقام سے اٹھ کر طاہر شاہ کی کربلا اور تاکشورے کی کربلا اور مفتی ٹولہ کی کربلا میں جاکر دفن ہوتے ہیں۔ ۱۰ محرم سے تعزیوں کا جمع ہونا تقریباً ۱۱ بجے شب سے شروع ہوتا ہے اور پھر ۶ بجے شام تک دفن کی نوبت آتی ہے۔

۱۱ محرم کی مجلس

شاہ ولایت احمد صاحب سجادہ نشین درگاہ مجا شاہ میں ۹ بجے صبح کو مجلس ہوتی ہے اور تقریباً تمام مسجدوں میں قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اس مجلس میں خصوصیت کے ساتھ کافی مجمع ہوتا ہے اور اسی درگاہ میں ہوتی ہے۔ شاہ ولایت احمد صاحب کے یہاں کا تعزیہ علیحدہ ہوتا ہے اور محلہ کے یہ دونوں تعزیئے درگاہ مجا شاہ میں رکھے جاتے ہیں۔ دسویں اور نویں کو بھی شاہ ولایت احمد صاحب کے یہاں مجالس ہوتی ہیں۔

چہلم

چند محلوں میں تعزیئے رکھے جاتے ہیں۔ شاکر علی صاحب کے امام باڑہ میں بھی تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ حضرات اہل سنت کے چالیس پچاس تعزیئے ہوتے اور آٹھ دس شیعوں کے ہوتے ہیں کیونکہ شیعوں کے صرف چند گھر ہیں بقیہ اہل سنت کی آبادی ہے۔ قاضی ٹولہ کا امامباڑہ باوجودیکہ منہدم ہو گیا ہے جو محمد حمید صاحب کا ملوکہ تھا

مگر اب بھی اس کھنڈر میں تمام جلوس آکر ضرور قیام کرتے ہیں۔

قصبہ تال گاؤں کی عزاداری

سنہ ۱۹۵۲ء تک عشرۂ محرم میں ۱۲ مجلسیں ہوتی رہی ہیں۔ ۱۲ محرم کو سیوم امام میں میر عابد علی صاحب مرحوم کا بڑا تعزیہ چوک پر رکھا جاتا ہے جس میں کافی مجمع ہوتا ہے اور کافی مشہور ہے ان کے صاحبزادے اب تک اس کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تعزیہ پھر ۱۳ محرم کو اٹھ کر ۱۴ محرم کو دفن ہوتا ہے۔ عاشورۂ محرم کو تقریباً پچاس تعزیئے ہوتے ہیں۔ انصاری برادری کی وہاں کافی آبادی ہے اور قرب وجوار کے مواضعات میں وہی لوگ بستے ہیں جو اہل سنت ہیں۔ مسٹر نیول نے سیتاپور گزیٹر میں لکھا ہے کہ ضلع سیتاپور میں بنکروں (یعنی انصاری لوگوں) کی اچھی خاصی آبادی ہو اور کافی مالدار ہیں۔ بہت سے بنکر اپنے کو انصاری نہیں بلکہ شیخ کہتے ہیں۔ سنہ ۱۳۷۵ ہجری میں یہ پتہ چلا کہ تقریباً ایک ہزار تعزیئے ہو گئے ہیں بہر حال نسبتاً بڑھ رہے ہیں۔ محرم کے زمانہ میں اگر آپ گذریں تو چاروں طرف سے تعزیوں کو آتے دیکھیں گے جو مختلف مقامات سے آتے رہتے ہیں۔

تال گاؤں میں ایک خنجر کا واقعہ

پرانے لوگوں سے اس کی تصدیق ہوئی ہے کہ جس مکان میں منشی زاہد علی صاحب رہا کرتے تھے ان سے قبل اس میں جو لوگ رہتے تھے وہ شب عاشور ایک خنجر ہانڈی میں رکھ کر اس پر ہار اور پھول چڑھا کر گھر ہی گھر میں اٹھایا کرتے اور نکالتے تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ بغداد سے آئے تھے اور یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے اور اپنے ہمراہ یہ خنجر لائے تھے۔ جب یہ خبر خنجر کی اہل محلہ کو معلوم ہوئی تو کافی برہمی پیدا ہوئی اور ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اُسے تالاب میں پھینک دیا۔ لیکن پھر وہ واپس خود بخود آگیا۔ بالآخر کئی مرتبہ کوشش کی گئی وہ بار بار اسی گھر میں آجاتا تھا۔ آخر میں اس کو گلا دینے کی فکر کی گئی اور لوہار سے اس کو گلا دینے کو کہا گیا۔ جب وہ آگ میں سُرخ کیا گیا تو جب اُس پر گھن پڑنے لگے تو وہ قد آدم اُچھلنے لگا۔ یہ دیکھ کر لوہار بہت گھبرایا اور اُس نے کہا کہ یہ تو کوئی پاپ ہے۔ بالآخر وہ واپس کر دیا۔ عرصہ سے اس خنجر کا پتہ نہیں ہے کہ کیا ہوا۔

میرا خیال ہے کہ یہ ان خنجروں میں سے کوئی خنجر تھا جس نے امام مظلوم کو مجروح کیا تھا اس لئے خدا کی قدرت سے یہ پوشیدہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ روز حشر اس کو گواہی دینا ہے بہر حال جو صورت خصوصیت سے معلوم ہوئی وہ تاریخی تھی جس کے جاننے والے اب بھی موجود ہیں اور انھوں نے تصدیق کی تھی۔

پرسینڈی کی عزاداری

قرب وجوار کے مواضعات میں بنکر (انصاری) کافی آباد ہیں اور کپڑوں اور دریوں کا کاروبار سیتاپور میں کرتے ہیں۔ پرسینڈی سیتاپور سے گونڈہ جانے والی ریلوے لائن پر پہلا اسٹیشن ہے اور ایک بڑے گاؤں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب ہلال محرم نکلتا ہے تو باجوں سے اس کا اعلان وہاں کے لوگ کرتے ہیں اور اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محرم شروع ہو گیا اور اسی طرح اور مواضعات میں اعلان ہوتا رہتا ہے۔ نویں محرم کو چوک پر مواضعات کے تعزیے آتے ہیں اور دسویں محرم کو موضع کی کربلا میں یکجا جمع ہو کر دفن کرتے ہیں جن کی تعداد شمار کرنا محال ہے۔ اس موضع کے ہندو مسلمانوں میں کافی عزاداری ہوتی ہے اور دونوں برابر کے حصہ دار ہیں اب بھی کوئی اس معاملہ میں اختلاف کی صورت پیدا نہیں ہو سکی ہے اور عزاداری برابر بڑھ رہی ہے۔

موضع کھنڈریہ کا چہلم

یہ محمود آباد سے سدھولی جانے والی پختہ سڑک پر واقع ہے

یہاں فقیر، حلوائی اور بھانڈوں کی آبادی ہے اسی وجہ سے اس کا نام بھانڈوں پر پڑا۔ ۶ یا ۷ تعزیے ۲۰ صفر کو رکھے جاتے ہیں اور ۲۱ صفر کو (چہلم وہاں کا ہوتا ہے) اس میں دفن ہوتے ہیں کافی مجمع ہوتا ہے اطراف کے لوگ آکر شرکت کرتے ہیں۔

موضع بہان کا چہلم

سب چہلموں کے بعد ۹ ربیع الاول کو جب عزاداری تقریباً ختم ہو جاتی ہے وہاں کا چہلم ہوتا ہے۔ بہان محمود آباد سے جانے والی سڑک پر موضع دولت پور کے پورب جانب واقع ہے۔ محمود آباد سے تین چار کوس ہے یہاں سب سے آخر میں چہلم کرتے ہیں تاکہ کافی مجمع ہو سکے۔ بڑے بڑے دس بارہ تعزیے اس چہلم میں ہوتے جو دس ربیع الاول کو مقررہ کربلا میں دفن ہوتے ہیں کافی مجمع اس چہلم میں ہوتا ہے۔

قصبہ باڑی کی عزاداری

سیتاپور سے لکھنؤ جانے والی ریلوے لائن پختہ سڑک پر قصبہ سدھولی واقع ہے۔ یہاں سے قصبہ باڑی ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے زمانہ میں سادات بارہا وہاں آکر آباد ہوئے اور فوجی چھاؤنی میں ملازمت کر لی تھی سلطنت اودھ کے خاتمہ کے بعد بہت سے حضرات بارہہ پلٹ گئے لیکن بعض یہیں آباد ہو گئے۔ ان کی اولادیں موجود ہیں۔ البیرونی سیاح نے باڑی کے متعلق ایک تاریخی انکشاف کیا ہے کہ قنوج کے زوال کے بعد باڑی اودھ کا پایہ تخت تھا۔ وہاں کا قلعہ اب تحصیل کی گورنمنٹی عمارات میں پڑ گیا اور کھنڈر گیا۔ مبارک شاہ خلف ہمایوں بادشاہ دہلی نے آباد کیا تھا اور ایک باڑی یعنی پھلواری بنوائی اسی پر بستی کا نام باڑی پڑ گیا۔ بہر حال قصبہ کافی آباد اور بڑا تھا جو انقلاب زمانہ سے زوال پذیر ہو گیا ہے۔

عشرۂ محرم

ابتدائی زمانہ میں وہاں کی عزاداری یوں بیان کی جاتی ہے کہ صبح سے لے کر پوری رات مجالس کا سلسلہ جاری رہا کرتا تھا اور بلا تفریق تمام مسلمان اس میں حصہ لیتے تھے شاہی میں بڑے امام باڑہ میں جو حاضری ہوتی تھی اس میں حضرات اہل سنت بھی شرکت کرتے تھے۔ اب موجودہ زمانہ میں چار مجلسیں شیعوں کی اور تین یا چار حضرات اہل سنت کی رہ گئی ہیں۔ دو امام باڑے شیعہ حضرات کے اور پانچ امام باڑے سُنیوں کے ہیں جن میں دلبر کا امام باڑہ مشہور ہے۔ طوائفوں کی مجلسیں دلبر کے امامباڑہ میں ہوتی ہیں۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانہ کی ایک ضریح چوبی کا ایک جز باقی رہ گیا ہے جو اپنی بہترین صناعی کا آئینہ دار ہے۔ یہ ساتویں کو بڑے امام باڑہ سے دن میں اُٹھتی ہے جس میں کافی مجمع ہوتا ہے آٹھ نو بجے شب کو پنج پیر دن میں لاکر بڑھا دیتے ہیں۔ آٹھویں محرم کو تمام رات علموں کے جلوس امام باڑہ دلبر سے اُٹھتے ہیں اور تمام شب گشت ہوتا ہے اور پھر صبح ۸ بجے واپسی ہوتی ہے۔ نوحہ خوانی ان جلوسوں میں حضرات اہل سنت کرتے ہیں۔ شب عاشور ایک علم ہندو طوائف کے یہاں سے اٹھتا ہے اور تمام شب اس کا گشت ہوتا ہے۔ تعزیہ دار اپنے اپنے تعزیے شب کو چوک پر لاتے ہیں جس کی زیارت کے لئے لوگ آتے ہیں۔

دسویں محرم کو ۸ بجے صبح کو شیعوں کے تعزیے کربلا میں دفن ہوتے ہیں اور ۱۰ بجے تک فراغت ہو جاتی ہے۔ پھر گیارہ بجے صبح کو سُنیوں کے تعزیئے اٹھتے ہیں اور ۱۱ بجے شب کو دریائے سرائن سے متصل کربلا میں دفن ہوتے ہیں اور یہ کربلا ان کی علیحدہ ہے۔ ۲۰ صفر چہلم کو شیعوں میں اور ۲۸ صفر کو چوک پر اور ۳۰ صفر کو سنیوں کے یہاں کا چہلم ہوتا ہے۔

تسبیح جو سُرخ ہو جاتی ہے

بڑے امام باڑہ میں ایک تسبیح ہے اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ شب عاشور وہ کسی وقت سُرخ ہو جاتی ہے۔ یہ امام باڑہ کے مہتم کے پاس رہتی ہے۔

لیکن اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں زیادہ چھان بین کرنے سے یہ انکشاف ہو سکا ہے۔ میں اس کی تصدیق کی کوشش کر رہا ہوں ابھی تک یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس تسبیح کا ایک دانا سُرخ ہوتا ہے جو قریب صبح عاشور دیکھا جا سکتا ہے۔

قصبہ صدرپور کی عزاداری

صدرپور میں دو امام باڑے ہیں جن میں یکم محرم لغایت ۲۰ر صفر مجالس ہوتی ہیں لیکن مردانی مجالس صرف عشرۂ محرم تک ہوتی ہیں۔ ایک مجلس مردانی ۱۲ر محرم کو کھانے کی شیخ امتیاز حسین صاحب کی جانب سے ہوا کرتی تھی جس میں کافی لوگ شرکت کرتے ہیں۔

زنانی مجالس چہلم تک دونوں وقت ہوا کرتی ہیں۔ باہر کا امام باڑہ چونکہ منہدم ہو گیا ہے لہٰذا مردانی و زنانی مجالس اندر ہی کے امام باڑہ میں ہوتی ہے۔ ۷ر محرم کو علم اٹھتے ہیں جن میں چار علم شیخ احسان حسین صاحب اور ان کے بھائیوں کے ہوتے ہیں۔ اور علم قریب دو سو قصبہ صدرپور کے لوگوں کے ہوتے ہیں اور سب علم ایک ساتھ ۲ بجے شیخ امتیاز حسین صاحب کے دروازہ پر آ جاتے ہیں وہاں سے سبیل کا انتظام منجانب شیخ صاحب ہوتا ہے بعدہ امام باڑہ میں مجلس ہوتی ہے اور پھر علم گشت کرتے ہیں جس میں دس گیارہ بجے شب کے ہو جاتے ہیں۔ بعد گشت علم ۱۲ بجے بڑی مسجد جو شاہجہاں کی تعمیر کردہ کہی جاتی ہے وہاں حضرت قاسم علیہ السلام کا تابوت اٹھ کر شیخ امتیاز حسین صاحب کے امام باڑہ میں آتا ہے۔

محرم میں شب کو اکثر قصابوں کے بڑے تعزیئے آتے ہیں جو کافی بڑے اور ۲۰ یا ۲۵ ہاتھ اونچے ہوتے ہیں پوری رات گشت ہوتا ہے۔ غنی بڑ قصاب بہت زیادہ عقیدت سے محرم میں حصہ لیتے ہیں۔

شب عاشور:۔ دسویں محرم کی رات میں قصبہ کے تعزیئے چوک پر لائے جاتے ہیں اور اس قصبہ کے تمام مسلمان تقریباً تعزیہ دار ہیں جن کی تعداد تقریباً چار ساڑھے چار سو ہے ان میں دو تعزیئے بہت بڑے ہوتے ہیں اور کافی مشہور ہیں ایک تعزیہ بڑ قصاب کا اور دوسرا بھاندو ڈال کا ہوتا ہے۔ ۱۰ر محرم کو قریب ۲ بجے تعزیئے اٹھتے ہیں اور شب کو تقریباً گیارہ بجے تک کربلا میں مدفون ہوتے ہیں۔ اسی طرح ۲۰ر صفر بروز چہلم صبح کو تعزیئے اٹھتے ہیں جو تقریباً سو ہوتے ہیں۔ شیخ احسان حسین صاحب کے یہاں کی مجالس مردانی شب میں ہوتی ہیں۔

موضع شیخ پور متصل صدرپور سیتاپور

کی عزاداری میں سید ابرار حسین صاحب کا گھر ہی بہت انہماک سے حصہ لیتا ہے۔ مجالس عشرۂ محرم تقریباً صبح کو ۹ بجے تک ہوتی ہیں۔ عاشور کو ان کے یہاں کے تعزیئے اُٹھتے ہیں۔ ۲۸ر صفر کو پھر مجلس برپا ہوتی ہے اور اس میں محمود آباد کی انجمن حیدری پڑھنے کے لئے مدعو کی جاتی ہے۔ طعام و قیام کا بندوبست سب ابرار حسین صاحب اور ان کے گھر سے ہوتا ہے۔ محرم اور صفر میں ذاکرین مجالس پڑھنے کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ فدا حسین صاحب کے یہاں شب کو مجالس ہوتی تھیں مگر اب وہ نہیں ہوتیں۔ مہدی حسن صاحب کے یہاں سید ابرار حسین صاحب کے گھر کی مجالس کے بعد ہوتی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ بند ہو گئیں۔

ابرار حسین صاحب کے بھائی مقبول حسین صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں عزاداری کی بقا کے لئے ایک وقف کیا تھا جو وقف علی الاولاد کی نوعیت کا ہے۔ سنہ ۱۳۶۹ ہجری میں سید مقبول حسین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ معلوم نہیں اب کیا حالت ہے۔

قصبہ بنتیہ پور ضلع سیتاپور کی عزاداری

کچھ فاصلے پر یہ قصبہ

ریلوے اسٹیشن پر واقع ہے جو سیتاپور سے بڑھول جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے اور محمود آباد سے دوسرا اسٹیشن ہے مگر محمود آباد سے خام سڑک سے وہ دو ڈھائی کوس ہے۔ ساڑھے تین سو سال کا زمانہ ہوا کہ ہوں کے انہوں پیتے پال نامی نے اس قصبہ کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔ یہاں پیتے پال کے قلعہ کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں اور یہ قلعہ اب ریاست بلہرہ کی ایک تحصیل کا مرکز تھا جو اب بھی ہے۔ قلعہ پھاٹک کے قریب یہاں شیخ گوہر علی صاحب مشیر کا مکان تھا جو اب منہدم ہو گیا۔ میاں مشیر اسی پیتے پور ضلع سیتاپور کے رہنے والے تھے جو تمام ہندستان میں اپنی ہرسیہ گوئی میں لاثانی سمجھے گئے ہیں۔ آپ مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔ ان کے ہرسیوں کو مولانا شبلی نے خاص طور پر اپنے مخالف ہوتے ہوئے کلام کی ندرت اہمیت کے پیش نظر سنا تھا اور کافی تعریف کی تھی۔ آپ مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۲۰ھ میں تقریباً ولادت ہوئی تھی۔ آپ نے ہرسیہ گوئی کو درجۂ کمال پر پہونچا دیا تھا۔ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ اپنا وطن ان خطرات کی بنا پر جو ہرسیہ گوئی کے باعث پیدا ہو گئے تھے اپنی جان کو غیر محفوظ سمجھ کر شاہ اودھ کے یہاں پناہ لی اور لکھنؤ کے محلہ مفتی گنج میں رہنے لگے۔ "کنڈاپ کتاب" نے جو نقاب کے جواب میں لکھی گئی تھی ان کے لئے اور بھی خطرہ پیدا کر دیا اور واجد علی شاہ بہادر اودھ کے پاس کلکتہ پہنچے۔ یہ کتاب ضبط کر لی گئی تھی کیونکہ پبلک میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ آپ کے مرثیے بھی ہیں اور ہرسیئے ۹۶ کے ہیں۔

آپ ہندستان میں بہت مشہور و معروف تھے جن کا نام فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے کلام میں یہ بند بہت مشہور ہوئے

تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہو ساقیا
چودہ پلانے والے ہیں پر وا ہو کس کو کیا
بتلائے دیتا ہوں تجھے میخانوں کا پتا
بطحا و کاظمین و خراسان و سامرا
خورشید مدعا مرا برج شرف میں ہو
اک کربلا میں اک مرا ساقی نجف میں ہو

پیتے پور کے امامباڑے

جو قلعہ پیتے پال کا بقبضہ ریاست بلہرہ ہے اور جس کے آثار باقی ہیں اسی قلعہ میں نو تعمیر گوشوں میں ایک امام باڑہ بھی بنا ہے جو تعزیہ داری و مجالس کے لیے مخصوص ہے اور ریاست کے عمال کی زیر نگرانی ہے۔ یہ پیتے پور کی آبادی سے اچھا خاصا اونچا ہے۔ نصیر عالم کا قدیم امامباڑہ کسی زمانہ میں تعمیر ہوا تھا جس کے اب پانچ در دکھائی دیتے ہیں جو شاہی عہد کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ محرم میں ریاست بلہرہ کی طرف سے ریاست کے امامباڑہ میں مجلس و تعزیہ رکھا جاتا ہے۔

پیتے پور کی عزاداری

اس قصبہ میں تعزیہ داری کافی ہوتی ہے۔ خصوصیت سے یہاں کا چہلم مشہور ہے ۲۳ صفر کو یہاں چہلم میں تعزیئے چوک پر آتے ہیں اور ۲۴ کو وہاں کے چہلم میں دفن کئے جاتے ہیں۔ چہلم میں کافی مجمع ہوتا ہے اور دور دور کے لوگ وہاں شرکت کرتے ہیں۔ زیادہ تر آبادی وہاں اہل سنت کی ہے ۱۳۵۳ ہجری سے سید ریحان علی صاحب تحصیلدار بلہرہ کی سعی سے وہاں آگ پر ماتم بھی ہونے لگا ہے جس میں حضرات اہل سنت بھی شرکت کرتے ہیں۔ عشرہ میں تھوڑے سے تعزیئے ہوتے ہیں جو دسویں محرم کو کربلا میں مدفون ہوتے ہیں مگر چہلم کے تعزیئے تقریباً چودہ پندرہ ہوتے ہیں جو کافی اونچے اور بڑے ہوتے ہیں اس کے علاوہ چھوٹے بھی تعزیئے ان کے ہمراہ ہوتے ہیں۔

قصبہ ریاست محمود آباد سیتاپور کا مختصر ذکر

قاضی شیخ نصر اللہ شہر بغداد کے

قاضی القضاۃ جو جد والیان محمود آباد تھے عہد سلطنت غوریہ میں وارد ہندستان سنہ ۱۲۰۴ء مطابق سنہ ۶۰۱ھ ہوئے تھے اور منظوری خلیفہ بغداد جو کوئی مذہبی حیثیت سے نہ تھا بلکہ بادشاہ خلیفہ کہلاتا تھا اور یہ طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ خلیفہ سے ان کو تبلیغی خدمات کرنے کی اجازت ملی جو سلطان شہاب الدین غوری کی مرہون منت تھی۔ آپ اسلام کی تبلیغ کرنے پر مقرر ہو گئے آپ نے کھتریوں کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا۔ چنانچہ یہ معلوم کر کے سلطان غیاث الدین تغلق نے ان کے خدمات کا اعتراف کیا اور نہایت امتنان و تشکر کے ساتھ فرمان خوشنودی مزاج اور خلعت فاخرہ عطا کیا۔ غرضکہ شاہان دہلی میں ان کو تقرب حاصل ہوتا گیا اور جاگیریں ان کے خدمات پر عطا ہونے لگیں چنانچہ اس خاندان میں نواب محمود خان تک اس خاندان کا سلسلہ جاری رہا نواب صاحب شکار کے شائق تھے اور اطراف محمود آباد میں برابر آنا جانا رہتا ہے چنانچہ ان کی وجہ سے چند گھر وہاں لوگوں کے بن گئے اور ضروریات کی چیزیں نواب صاحب کی وجہ سے رکھی جانے لگیں اور ایک بازار چھوٹا سا ہو گیا۔ یہاں روسہ اور بنوار کا جنگل تھا ایک مسجد اس قصبہ کی قدیم ہے جو اسی جنگل میں تھی یہ مسجد عالمگیری کے نام سے اب تک مشہور ہے اس کی پشت پر ایک قبر ہے اور ایک اسی جگہ پر املی کا درخت ہے جو محمود آباد کی تاریخ میں اول تھیں۔ محمود آباد کا نام نواب محمود خان کے نام پر ہوا ہے۔ یہاں کے والیان نے کافی اس مقام کو فروغ دیا اور ترقی دی۔ یہ خاندان محمود آباد ہمیشہ حکومت کا بہی خواہ رہا لیکن مفاد اسلام پر ہمیشہ اس کی نظر رہی چنانچہ آج مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا قیام جو اسی ریاست سے وابستہ ہے انھیں تبلیغی خدمات کا اثر ہے جو ان کے جد اعلیٰ کرتے رہے چونکہ تاریخ اپنے حالات کو دہراتی ہے اس بنا پر یہ صورت تبلیغی اب بھی اس خاندان میں پائی جاتی ہے۔

اس ریاست کے خاندان میں اپنے جملہ خاندانی خطابات پر ممتاز رہے۔ نواب بایزید خان ان کے قائم مقام ہوئے جو عہد جہانگیر بادشاہ دہلی میں فوجدار آف جونپور کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہو کر وہیں عمر ختم کر دی۔ فتح جنگ اودے پور میں خلعت فاخرہ اور شمشیر عطا ہوئی اور دربار شاہی سے عمدۃ الموالی' امیر الملک' غضنفر الدولہ' مظفر جنگ کے خطابات جلیلہ عطا ہوئے۔ میاں مصاحب علی خاں سنہ ۱۲۰۸ف میں ہوئے جو نہایت فیاض اور مہمان نواز تھے صبح کو دوکان داران کا نام لے کر دوکان کھولا کرتے ہیں جس طرح آصف الدولہ بہادر کا نام لکھنؤ میں دوکان دار صبح کو لیا کرتے تھے۔ راجہ نواب علی خاں تک یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے ہوتا رہا۔ پھر راجہ امیر حسن خان بہادر اور ان کے بعد مہاراجہ علی محمد خان صاحب کے سی' ایس' آئی ہوئے ان کی وفات کے بعد اب موجودہ والی راجہ محمد امیر احمد خان صاحب بہادر زاد حشمتہ ہیں جو دور انقلابی سے گزر رہے ہیں لیکن عزاداری کی بقا میں ہمہ تن کوشاں ہیں اور انھیں روایات قدیمہ پر عزا میں انہماک ہے۔

مشاہد محمود آباد: اس خاندان کے خدمات ایسے ہیں جو نہایت شاندار اور نمایاں ہیں جو کافی طولانی ہیں اس لئے چھوڑے جاتے ہیں لیکن تعارف کے لئے مختصر سا خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ محمود آباد کا قلعہ معلّٰی نہایت خوبصورت اور شاندار ہے اور الکٹرک فٹنگ سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ یہاں محلسرا میں متعدد امام باڑے ہیں جو ہر ایک کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں جس میں بجلی کے جھاڑ و فانوس اس کی شان کو دوبالا کرتے ہیں۔ یہاں مشاہد مقدسہ کی عمارات ایک ہی مقام پر تعمیر ہوئی ہیں جس میں پہلے روضہ حضرت عباس علیہ السلام (موسومہ درگاہ) ۲۔ روضۂ نجف ۳۔ روضۂ پسران مسلم ۴۔ روضہ کربلا ہے ان میں اسی طرح بجلی کی فٹنگ ہے۔ مشاہد میں روزانہ وہاں وقف کی جانب سے مجلسیں ہوتی ہیں جو عملہ وقف کے زیر انتظام ہیں۔

عزائے محرم: تقریباً میرے قیام محمود آباد میں جو اطلاعات

ہوتیں ۱۹ مجالس عشرۂ محرم میں یکے بعد دیگرے ہوتی تھیں مگر اب ان میں کمی ہو رہی ہے جو راجہ صاحب نزاد حشمہ کے عراق چلے جانے سے رونما ہوئی ہے راجہ صاحب ممدوح دامے درمے برابر کفیل رہتے تھے لیکن ان کی عدم موجودگی کے باعث کافی ضعف ہو گیا ہے اور متعدد مجالس بند ہو گئیں۔

یکم لغایت ۱۰ر محرم تقسیم طعام دو سو من لنگر روزانہ بمقام کربلا ہوتا ہے اور عام تقسیم ہے۔ ۸ر محرم کو بستی کے علم محلہ خداگنج سے اٹھتے ہیں۔ ۸ر محرم کو ریاست کے علم اور ذوالجناح و گہوارہ کا جلوس اٹھتا ہے تمام بستی میں ذوالجناح گھروں میں جاتا ہے۔ یکم لغایت ۹ر محرم روضہ حضرت عباس علیہ السلام شب میں ہوتی ہے اور میر محمد صغر صاحب اور میر تفضل حسین صاحب اور علی محمد صاحب۔ اور ریاست کی بارہ دری کے امام باڑہ میں جو نہایت عمدہ طریقہ سے جھاڑ و فانوس و علموں سے سجایا جاتا ہے جس میں کافی بڑا منبر نقرئی ذاکری کے لیے موجود ہے دونوں وقت وہاں صبح و شام مجلسیں ہوتی ہیں۔

مہندی کا جلوس ۶ر محرم

یہ محمود آباد کا جلوس مہندی جو ریاست کی جانب سے اٹھتا ہے کافی شہرت رکھتا ہے گیس کی روشنی اور تخت بتیوں کے جن میں چینی کے گلاس لگتے ہیں کافی شان بڑھا دیتے ہیں۔

۱۱ر محرم لغایتہ ۲۰ر محرم

صبح کو تین چار مجلسیں ہوتی ہیں جن میں صرف ریاست کی مجلس تو ہوتی ہے اور مجلسیں تقریباً ختم ہو گئی ہیں۔ یہ بعد ختم زمینداری کے اثرات معلوم ہوتے ہیں۔ ۲۴ر محرم کو تابوت امام زین العابدین قلعہ معلی میں ذاکری کے ساتھ آتا ہے اور بارہ دری کے امام باڑہ میں بعد کو مجلس ہوتی پھر ۲۵ر محرم کو تابوت و ذوالجناح اور چاندی کے ماہی مراتب اور جھنڈیاں سبز جلوس کے ساتھ دفن کے لیے کربلا تک جاتی ہیں اور ہمراہ تابوت ہوتی ہیں۔ غرضیکہ پھر ۲۶ر صفر کو اسی طرح امام رضا علیہ السلام کا تابوت قلعہ میں آتا ہے اور ۲۷ر صفر کو اسی طرح ساز و سامان کے ساتھ تابوت اٹھتے ہیں اور ذاکری کرتے ہوئے کربلا لائے جاتے ہیں بعد دفن کربلا میں مجالس ہوتی ہیں۔ دفن تابوت پر توپ داغی جاتی ہے۔ ان جلوسوں میں تابوت کے آگے اور پیش پیش اس خاندان کے افراد (ایک مجاہد کی حیثیت سے) ہوتے ہیں اور ذاکری ان کے سامنے ہوتی ہے۔ ان حضرات کی شان یہ ہوتی ہے کہ تلوار لگی ہوتی ہے اور سر و پا برہنہ ہوتا ہے اور ایک چوب ہاتھوں میں رہتی ہے۔ یہ قدیم دستور اس ریاست میں برابر چلا آتا ہے اور اس خاندان کا شعار ہے۔ محمود آباد میں اب تک باوجود اختلافات شرپسند حضرات یہ طریقہ ہے کہ جلوس عزا کے ساتھ ہر مذہب و ملت کا شخص سر و پا برہنہ ہو کر شریک ہوتا ہے اور یہ طریقہ اور رواج قدیم اب باوجود انقلاب کے اب تک رائج ہے۔

مجلس شام غریباں

گیارھویں شب میں امام باڑہ میاں جانی صاحب مرحوم میں جو شکستہ ہو گیا ہے ہوتی ہے اور اسی میں لکھنؤ کی غفران مآب کے امام باڑہ کی جو مجلس براڈکاسٹ ہوتی ہے وہ بھی سنی جاتی ہے۔

۲۵ر محرم

امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات کی تاریخ میں تابوت ۲۴ کا دن گزر کر شب میں قلعہ معلی میں ذاکری کے ساتھ آتے ہیں اور پھر امام باڑہ بارہ دری میں مجلس ہوتی ہے ۲۵ر کو دن میں پھر قریب دس گیارہ بجے تابوت اٹھتے ہیں اور ذاکری کے ساتھ کربلا جا کر دفن ہوتے ہیں۔ جلوس میں نقارہ، سبز جھنڈیاں اور ماہی مراتب اور ذوالجناح ہوتا ہے اور ایک دو بجے سہ پہر کو دفن ہوتا ہے۔ درگاہ کے قریب جو سب سے پہلے واقع ہے جب ذوالجناح

پہونچتا ہے تو خود بخود وہ گھوڑا دوڑتا ہوا کربلا جاتا ہے۔

۱۷ر صفر

۱۷ر صفر کو شب میں تابوت قلعہ میں امام رضا علیہ السلام کے آتے ہیں اور ذاکری کے ساتھ محلسرا اور بارہ دری کے امام باڑہ میں رکھے جاتے ہیں۔ دن میں بطریق محرم کی طرح جلوس تابوت مع حشم وخدم اٹھتا ہے اور تعزیوں کے سامنے والیان ریاست یا ان کے قریب کے اعزا تلواریں لگائے پیش پیش ہوتے ہیں اور ذوالجناح اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام کے قریب پہونچتا ہو تو خود بخود جست کرتا ہوا کربلا کے مشہد کی طرف بھاگنے لگتا ہے اور روضہ کے اندر جاکر ضریح کے سامنے باہر اک دم سر جھکا دیتا ہے۔ یہ طریقہ ذوالجناح کا اس ریاست میں برابر رہا کر باوجود روکنے کے کوئی اس کو روک نہ سکا۔ شب کو ریاست کی جانب سے قلعہ میں ایک مجلس ہوتی ہے جو بڑے پیمانے پر ہوتی ہے جن میں پانچ چھ ہزار کا مجمع ہوتا ہے اور خصوصیت سے اس میں جلیبیوں کی تقسیم ہوتی ہے اور پھر ۱۹ر کو شب میں بوندیوں کی قلعہ میں ہوتی ہے۔ یہ دونوں مجلسیں مشہور ہیں۔

۲۸ر صفر

امام حسن علیہ السلام اور سرکار رسالت کی شہادت کی تاریخ میں ۲۷ر صفر کو شب میں تابوت قلعہ میں ذاکری کے ساتھ آتے اور بارہ دری کے امام باڑے اور محلسرا کے امام باڑوں میں رکھے جاتے ہیں جو متعدد ہوتے ہیں۔ دن میں دس گیارہ بجے پھر جلوس اسی شان سے اٹھتا ہے اور والیان واعزا اور والیٔ ریاست انھیں روایات کے ساتھ شرکت کرتے ہیں اور ان کے سامنے ذاکرین پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ اب تک جاری ہے کوئی نہ کوئی گھر والا ضرور ان تاریخوں میں ہوتا ہے۔ ایک دو بجے سہ پہر تک جلوس عزا ختم ہوتا ہے اور تابوت دفن ہوتے ہیں بعد فراغ توپ سے سلامی ہوتی ہو جو ریاست میں موجود ہے۔ بہرحال ۱۷ر لغایتہ ۲۸ر صفر دو تین مجالس روزانہ ہو جاتی ہیں۔

۱۸ر تا ۲۰ر صفر

شب کو روزانہ قلعہ میں بارہ دری کے امام باڑہ میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ امامباڑہ بارہ دری نہایت خوبصورت ہے جس میں جھاڑیں اس کی شان کو دوبالا کرتی ہیں۔ بجلی کی فٹنگ ہے اور منبر بھی نہایت شاندار چاندی کا کافی اونچا چاندی کے تخت پر رکھا جاتا ہے۔

۲۲ر صفر کو محمود آباد کا چہلم

۲۰ر صفر کو مجلس تو ہوتی ہے مگر ۲۱ر کو قلعہ میں اسی طریقہ سے ذاکری کے ساتھ تابوت وکربلا (جو محمود آباد ہی میں بنتی ہیں) آتی ہیں اور رکھی جاتی ہیں پھر ۲۲ر کو جو یہاں کی تاریخ چہلم ہمیشہ سے ہے اپنے قدیم روایات وحشم وخدم کے ساتھ جلوس ۱۱-۶ر اٹھتا ہے اور کافی مجمع اس تاریخ میں قصبہ میں ہوتا ہے۔ یہ سب جلوس قلعہ سے اٹھ کر مسجد عیدگاہ کے قریب سے گزر کر کربلا جاتے ہیں اور یہی قدیم راستہ ہے۔ پولیس والے اسی طرح سر و پا برہنہ جلوس عزا کے ساتھ رہتے ہیں ورنہ علیحدہ دور دور ہوتے ہیں۔ اس تاریخ میں کافی اہتمام کیا جاتا ہے سبیل ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ نقارہ کا گھوڑا اور جھنڈیاں سبز ماہی مراتب ذوالجناح۔ علم وکربلائیں (یعنی جو محمود آباد میں بنتی ہیں) اور بالکل کربلا کے روضہ کی شکل ہوتی ہیں کربلا میں جاکر دفن ہوتی ہیں۔ یہ کربلائیں نہایت گہرے گڑھے میں جو کنویں کے اندر کا ہوتا ہے اندر اتاری جاتی ہیں اور پھر دفن ہوتی ہیں بعد ختم جلوس توپ کے فیر سے سلامی آخری ہوتی ہے اور اسی طرح اور جلوسوں میں بھی ہوتا ہے۔

۲۸ر صفر

اس سے قبل مذکورہ بالا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ماسوا اس کے صبح کو الطاف حسین صاحب عرف کلو کے مکان پر مجلس ہوتی ہے اور تعزیہ اٹھتا ہے اور پھر امام باڑہ چودھری صاحب

کے یہاں سید زوار علی صاحب کے زیر اہتمام مجلس ہوتی ہے جو ۹ / ۱ یا ۱۰ / ۱ تک ہوتی ہے اور پھر ۲۹ / ۱ کو وزیر علی صاحب کے یہاں کا تعزیہ دفن کے لیے جاتا ہے۔

یکم ربیع الاول لغایتہ ۸ ربیع الاول

صبح کو روزانہ مجلس ہوتی ہے۔ یکم ربیع الاول کو شب کو مسجد عالمگیری جو قلعہ معلّٰی سے قریب ہو تمام جلوس وہیں سے اٹھ کر قلعہ میں آتے ہیں۔ چنانچہ یہ تابوت بھی اسی مسجد سے قلعہ معلّٰی میں ذاکری کے ساتھ آتے ہیں اور پھر بارہ دری کے امام باڑہ اور محلسرا کے امامباڑہ میں شب کو رکھے جاتے ہیں اور ان میں دس گیارہ بجے اسی طریقہ سے جلوس اٹھتے ہیں جس کا کچھ مختصر ذکر کیا گیا ہو۔ ۲ / ربیع الاول کو پھر تابوت اٹھتے ہیں اور کربلا میں جاکر دفن ہوتے ہیں۔

۳ / تا ۷ / ربیع الاول

۳ / تا ۷ / ربیع الاول کو محلسرا میں مہاراجہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے امام باڑہ میں مردانی مجلسیں اور باہر کے لوگ پڑھتے ہیں۔ ذاکرین مقامی و غیر مقامی ان مجالس میں آتے ہیں۔ شب میں ۷ / و ۸ / ربیع الاول کو قلعہ معلّٰی میں وہ علم اٹھتا ہو جو تیمور کے عہد کا ہے۔

آٹھویں ربیع الاول

۸ / ربیع الاول کو خاص طور پر لوگ محمود آباد آتے ہیں۔ کافی مجمع ہوتا ہے اور سب وہی ساز و سامان جو عام طور پر ہوتا ہے اس کے علاوہ انجمنوں کے دستے اور زنجیروں کا ماتم بڑے جوش و خروش سے ہوتا ہے۔ پھر تمام شہدائے کربلا کے تابوت جن پر ان کے اسمائے مطہرہ لکھے ہوتے ہیں اور بنی اسد کا قافلہ بھی شربے اور پھاوڑے لئے نکلتا ہے سب سے آخر میں تابوت سید الشہداؑ ہوتا ہے جس پر کافی تیر لگے ہوتے ہیں آتا ہے۔ مجمع کافی ہوتا ہے قریب شام یہ جلوس ختم ہو جاتا ہے اور توپ کی آخری سلامیاں ہوتی ہیں۔ جب یہ جلوس مسجد عیدگاہ کے قریب پہونچتا ہے تو اس مسجد میں گہوارہ سج کر نکلتا ہے اور جلوس میں شریک کیا جاتا ہے۔ کافی گریہ و بکا اس موقع پر ہوتا ہے کیونکہ وہابیوں نے اس میں کافی مداخلت کی تھی حتیٰ کہ مقدمہ بازی کی بھی نوبت آئی اور بحمد اللہ یہ مقدمہ کامیاب ہوگیا اور عزاداروں کے حق میں فیصلہ ہوگیا۔ گہوارہ بدستور تقریباً چالیس سال سے زائد سے اسی طرح اسی مسجد سے نکلتا ہے چنانچہ کافی پولیس اس کے اہتمام کرنے آتی ہے۔ انجمن سجادیہ محمود آباد کے اہتمام سے بعد فراغ جلوس عزا آگ پر ماتم کئی سال ہوگئے ہونے لگا ہے۔ جہاں تک ریاست کا تعلق ہے وہ تو جلوس و مجالس جاری ہیں مگر اہالیان قصبہ کی کچھ ایسی حالت خاتمۂ زمینداری کے بعد سے ہوگئی کہ عزاداری میں کافی کمی ہوگئی ہے اور کافی مجلسیں بند ہوگئی ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ والیان ریاست کے بل بوتے پر مجالس کرتے تھے اور جب سے وہ باہر ہیں ان حضرات میں توجہ کم ہوگئی ہے۔

محمود آباد کا ذوالجناح

یہ ذوالجناح بجز جلوس عزا کے کسی اور کام میں نہیں لایا جاتا۔ جب ریاست کے جلوس اٹھتے ہیں تو یہ سجا جاتا ہے اور چاندی۔ کے ساز سے مزین کیا جاتا ہے۔ عجب بات ہے کہ جب یہ حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ کے سامنے آنے لگتا ہے تو کنوتیاں بدلنے لگتا ہے اور پھر ایک دم سے کربلا کے روضہ کی طرف دوڑتا ہے اور روضہ کے باہری حصہ میں جاکر ضریح کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور ماتھا ٹیک دیتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے زور آزمائی کی مگر اس کو روک نہ سکے۔ نیا ذوالجناح بھی آیا مگر وہ بھی اسی طرح سے دوڑ پڑتا ہے اور روضہ امام حسین علیہ السلام دوڑتا ہوا جاتا ہے اور ضریح کے سامنے آکر سر جھکا دیتا ہے۔

ریاست محمود آباد کی انجمنیں

دو انجمنیں خصوصیت کے ساتھ ایام عزا میں حصہ لیتی ہیں اگر زیادہ تر انجمن حیدری اور اسی کی ایک برانچ انجمن غنچۂ حیدری محمود آباد ہے جو کم و بیش جلوسوں میں ذاکری کرتی ہیں اور ماتم میں حصہ لیتی ہیں یہ سنہ ۱۳۰۸ھ میں انجمن حیدری اول اول معلوم ہوتی ہے۔ انجمن محمدی بھی کچھ دنوں رہ کر اب خاموش ہے۔ انجمن سجادیہ بھی قائم ہے جس کا سنہ ۱۳۱۹ھ سے آغاز ہوا ان میں زیادہ تر حضرات اہل سنت شریک ہیں اور ماتم میں اور ذاکری میں حصہ لیتے ہیں۔
انجمن غنچۂ حیدری انجمن حیدری کی برانچ ہے جس میں نو عمر بچے شریک ہیں اور ان کا علم آٹھویں ربیع الاول کو اٹھتا ہے اور زنجیروں کا ماتم کرتے ہیں۔ محمود آباد کی حالت بعد خاتمہ زمینداری کے بہت کمزور ہو گئی ہے اور عزاداری کی حالت بمقابلہ پہلے کے بہت ہی اضمحلال پر ہے۔

نوٹ:۔ بہرحال اپنی ملازمت کے سلسلے میں میں نے کافی رنگ عزا دیکھے اور کافی ترقی پذیر حالات کا مشاہدہ کیا لیکن ضبطی زمینداری کے بعد یہاں کے حالات کچھ اتنے کمزور دیکھے جو بیان کے قابل نہیں ہیں۔ تاہم جہاں تک ریاست کا تعلق باقی ہے ان کے حالات ایک حد تک کچھ ایسے ناگفتہ بہ نہیں ہیں جو عزاداری کو اتنا کمزور کر سکیں جیسا کہ انقلاب حکومت کا عزم و ارادہ ہے تاہم بہت کچھ باتیں اس عزا میں اثر پذیر ہیں اور رخنہ اندازی سے دوچار ہیں جو بدلتے حالات سے رونما ہونے کا خیال ہے۔ پھر بھی ابھی تک ایسے بدحالات نہیں ہو سکے ہیں جو ناامیدیوں کا رنگ چڑھا سکیں۔ زمانہ عزا بہت کچھ باوجود رخنہ اندازی کے غنیمت کہنے کے قابل ہو کیونکہ والی محمود آباد اور ان کے اہل و عیال کا قیام ریاست میں رہتا ہے اور زنانی مجالس ریاست تو برابر اسی طریقہ سے ہو رہی ہیں اور مردانی مجالس جو اہالیان محمود آباد سے متعلق تھیں ان میں کمی محسوس کی جا سکتی ہے لیکن خاص خاص مواقع اپنی شان عزا کو برابر قائم و برقرار کئے ہیں۔ خداوند عالم بحق محمدؐ و آل محمدؐ ان کو قائم و برقرار رکھے۔

دیگر عزاداری

۱۹ر رمضان تا ۲۱ر رمضان کو علی اصلاح مسجد متصل قلعہ معلّٰی سے تابوت قلعہ میں آتا ہے اور مجلس عزا ہوتی ہے۔ یہ تابوت سب ذاکری کے ساتھ آتے ہیں اور امام باڑہ بارہ دری میں رکھے جاتے ہیں۔ شبوں میں صبح اور شام مجالس اسی امام باڑہ میں ہوتی ہیں۔ عزا خانہ کافی سجایا جاتا ہے جو منبر اور جھاڑوں سے آراستہ ہے۔ منبر پر ایک جوڑی علم کی نہایت قیمتی آویزاں ہے جو اپنی صناعی میں اپنا خود ہی جواب ہے۔ علاوہ بریں اور بھی علم عزا خانے کے خاص ہیں جو قدیم زمانہ کے ہیں۔ اس کے بعد امام باڑہ چودھری صاحب مرحوم جو قلعہ سے ملحق علیحدہ ہے بعد بارہ دری کے امام باڑہ کے وہاں شبوں بھر مجالس ہوتی ہیں۔ تابوتوں کے دفن پر اندر روزانہ مشاہد میں بھی مجالس وقف سے ہوتی ہیں اور علی جان خدمت گار بھی مجالس روزانہ کرتے ہیں۔ ۲۱ر رمضان کو شب میں ایک مجلس بڑے پیمانے پر ہوتی ہے جس میں کافی دور دور کے لوگ شرکت کرتے ہیں اور اس میں حضرات اہل سنت اور اہل ہنود اور مومنین سب لوگ ہوتے ہیں اور حصہ بھی لیتے ہیں۔ یہ عام بات ہے کہ جلوس عزا میں جو لوگ شرکت کرتے ہیں وہ سر و پا برہنہ ہو کر شرکت کرتے ہیں اور یہ قدیم رواج محمود آباد کا ہے تاہم اب اس میں بھی کمزوریاں محسوس ہو رہی ہیں

محمود آباد کے قرب و جوار کے مواضعات میں عزاداری

موضع دیپینا بی بی مومنین

کے تین گھر ہیں جن کے یہاں روزانہ صبح کو مردانی مجالس ہوتی ہیں جس میں ہنود اور اہل سنت حضرات گاؤں کے شریک ہوتے ہیں۔ ۱۰ محرم کو عاشور کے دن تقریباً چالیس تعزیے ہوتے ہیں اور چہلم میں آٹھ دس تعزیے ہوتے ہیں۔

موضع بھردلی

موضع بھردلی میں امام باڑہ وسیع ہے جو کہ ریاست محمود آباد کا تعمیر کردہ ہے اور وہ سید صاحبان کی زیر نگرانی ہے جو اب بھی ریاست کے امام باڑہ بادہ دری قلعہ میں ملازم ہیں۔ زنانی مجالس ان کے یہاں ہوتی ہیں مردانی مجلس ایک ہر سال ہوتی ہے اور محمود آباد کے حضرات اس میں شریک ہوتے ہیں۔ سید جواد حسین صاحب وحیدی حسن صاحب کا گھر شیعہ ہے اور وہ کاشتکار ہیں۔ بدلو نداف اہل سنت ہو وہ بھی موضع بھردلی میں تعزیہ داری کرتا ہے۔ بالادین و کبیرعلی کورمی ہندو ہے۔ غرضکہ ابھی تک یہ لوگ تعزیہ داری کرتے ہیں۔ دس محرم اور چہلم کو تعزیہ اٹھاتے ہیں یہ سب مواضعات محمود آباد سے قریب واقع ہیں۔

موضع کلواپور

حاجی ہرا گجی فقیر۔ جمن فقیر۔ رجب و رمضان۔ اہل سنت ہیں اور تعزیہ دار ہیں۔ بچو لونیا اور دیگر ہندو لوگ تعزیے رکھتے ہیں۔

موضع گوہلی

ابوالقاسم و اعجاز حسین و اصغر حسین وہاں شیعہ تعزیہ دار ہیں۔ اشرفی کوری کلو کمہار، گرودھاری پاسی اہل ہنود ہیں اور تعزیہ دار ہیں۔

موضع پہاڑاپور

فصاحت حسین، اعظم اللہ خاں، علی حسین وغیرہ محرم میں تعزیے رکھتے ہیں اور ان کو کافی انہماک ہے۔

موضع نعمت پور

۲۵ صفر کو چوک پر تعزیے رکھے جاتے ہیں اور ۲۶ کو دفن ہوتے ہیں۔ فقیر میاں جو صوفی بزرگ ہیں وہ مجلس کرتے ہیں اور کافی ذوق سے موضع میں چہلم کرتے ہیں۔ غرضکہ قرب و جوار کے مواضعات میں کافی عزاداری ہوتی ہے اور اہل ہنود کافی تعزیے محمود آباد سے لاتے ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ کیونکہ کافی لوگ تعزیے بناتے ہیں۔

تحصیل بسواں خاص ضلع سیتاپور

سیتاپور خاص کے حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہاں ایک کنگری محلہ تھا جو اب محلہ قضیارہ سیتاپور میں آگیا اور اس کنگری محلے کے لوگ بسواں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ بسواں میں تعزیہ ساز ہیں اور اس کام میں کافی ترقی کی ہے۔ مسٹر نیول آئی۔ سی۔ ایس نے سیتاپور گزیٹیر میں لکھا ہے کہ بسواں اپنی تعزیہ سازی کے لئے مشہور ہے جو صنعت و حرفت کا وہاں کی کافی آئینہ دار ہے۔ اس تعزیہ سازی میں کافی لوگ کام کرتے ہیں وہاں سے تعزیے دور دور تک جاتے ہیں جو اپنی صناعی کی بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ چھپائی تعزیوں کے پرزوں کی علیحدہ ہوتی ہے اور ظم کا کام تو نہایت ہی عمدہ ہوتا ہے اور تعزیوں کی بندش وہ لوگ ایسی کرتے ہیں جو اپنی آپ ہی مثال ہے اور ہندوستان بھر میں یہاں کے تعزیے اپنی بندش اور ساخت کے اعتبار سے سب مقاموں پر فوقیت رکھتے ہیں اور دور دور مشہور ہیں۔

مختصر ذکر

عہد شاہی میں یہاں کمانیں خوب بنتی تھیں چنانچہ یہاں اسی وجہ سے کمان گری محلہ موجود ہے اور دوسری وجہ کنگروں کی ہے جن کی صنعت و حرفت ہندوستان میں نمایاں ہے۔ تاریخی وجہ تسمیہ بسواں کی یوں بیان کی گئی ہے کہ تقریباً پانچسو برس کا زمانہ گزرا ہے کہ اس مقام کو ایک فقیر مسمی بسور ناتھ نے آباد کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ بسواں ہو گیا ہے۔ یہ سیتاپور سے بڑھول جانے والی ریلوے لائن پر تیسرا اسٹیشن ہے اور اکبر شاہ کے عہد میں آباد ہوا تھا۔ تعزیے اور تابوت کے لیے یہ مقام مشہور ہے اور چھپائی کا کام بھی خوب ہوتا ہے۔

عزاداری

جہاں تک تعزیوں کا تعلق ہے یہ مقام تعزیوں کی منڈی ہے. بڑے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے تعزیے یہاں کے خوب ہوتے ہیں. چہلم یہاں کا جو ۲۲ر صفر کو ہوتا ہے قابل دید ہے. ۲۱ر صفر کی شب میں چوک پر تعزیے رکھے جاتے ہیں اور شب میں چراغاں ہوتا ہے دور دور سے لوگ یہاں کا چہلم دیکھنے آتے ہیں کیونکہ تعزیے یہاں کے بے مثل صناعی کا مظاہرہ کرتے ہیں پورے سال میں وہ اپنے تعزیوں کو بناتے ہیں جو بہت چھوٹے ہوتے ہیں لیکن صناعی کا کمال ہوتا ہے جو ایک ہی رُخ کے ہوتے ہیں. بائیسویں صفر کو تعزیے دفن ہوتے ہیں. ایک تعزیہ اُن میں اسی طرح کا ہوتا ہے جیسا خیر آباد میں یوسف غازی نے ۵۹۶ھ ہجری میں شروع کیا تھا اور میرا یہ خیال ہو کہ سب سے پہلا تعزیہ ہندستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کا پہلا تعزیہ یہی ہے جو ایک ہی پیمائش پر آج تک قائم ہے کیونکہ اس کی لمبان و چوڑان کا چوکھٹا اور ڈنڈے محفوظ رہتے ہیں اور ہر سال اسی پیمائش پر تعزیہ سجا جاتا ہے. اس تعزیے میں صرف تربتیں دو دو سے دفن ہوتی ہیں جو غالباً کہیں نہیں ہوتا جو ایک چھپر کھٹ پر بنایا جاتا ہے جس میں کمی و بیشی اس کی پیمائش کے سبب سے ممکن نہیں ہے.

۱۰ر صفر اور ۱۲ر صفر کو شیخ تجمل حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ مرحوم کے یہاں شب کو مجالس ہوتی ہیں اور قرب و جوار کے لوگوں کو موصوف مدعو فرماتے ہیں. قاضی محمد طاہر صاحب وکیل اور سید محمد اطہر صاحب ذاکر منیجر ریاست محمود آباد و علاوہ دیگر ذاکرین کے خصوصیت سے وہاں ذاکرین کرتے ہیں. سیتاپور، محمود آباد، شیخ پور وغیرہ سے لوگ آکر شرکت فرماتے ہیں. ۲۲ر صفر چہلم کو ان کے یہاں ضریح اٹھتی ہے. اہلسنت و اہل ہنود اور شیعہ حضرات ان کی مجالس میں برابر شرکت کرتے ہیں. بسواں ایسا مقام ہے جہاں وہابیوں کی کسی طرح دال نہیں گلتی کیونکہ بستی کی بڑی آبادی تعزیہ ساز ہے تقریباً پورے سال وہاں تعزیے بنتے رہتے ہیں اور سال بھر تک بکری ہوتی رہتی ہے جو طلب حاجت اور برکت کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں. محمد اُمیاں کے یہاں تعزیہ رکھا جاتا تھا جو قاضی عزیز الدین صاحب دیوان دتیا کے بہنوئی تھے. تعزیے کی بقا کے لیے ساٹھ بیگہ معافی تھی. قاضی ہادی حسن صاحب پدر قاضی ننھو صاحب جو اہلسنت ہیں قاضی ٹولہ میں مجلس کرتے تھے اور واقعہ خوانی کی طرز پر ذاکری کرتے تھے. ریاست محمود آباد کی کوٹھی واقع بسواں میں ریاست کی جانب سے عشرہ میں مجالس ہوتی ہیں. میر مومن علی صاحب مرحوم کا ایک امام باڑہ بہت قدیم ہے جہاں عشرہ محرم میں مجالس ہوتی ہیں اور اب ان کے مرنے پر ان کے بھانجے مختار حسین صاحب تعزیہ بھی رکھتے اور مجالس بھی کرتے ہیں. یہ تعزیہ تمام بستی میں گشت کرتا ہے. قصائیوں کا تعزیہ جو چندہ کا ہوتا ہے وہ اہل سنت کا ہے بڑی دھوم سے اُٹھتا ہے.

بسواں کا قدیم تخت تعزیہ اور بزرگ

عہد شجاع الدولہ بہادر میں (جو ۱۱۷۵ھ لغایت ۱۱۸۸ھ کا عہد ہے) میر ثناء اللہ صاحب ملازم شاہی بسواں آکر تعزیہ داری شروع کی تھی اس سے قبل وہاں تعزیہ داری کا پتہ نہ تھا. انھوں نے ایک تخت کی پہلے پہل بنا کی تھی جس تخت پر ایک مسند ہوتی تھی اور اس پر ہار ڈالے جاتے ہیں. یہ تخت مومن علی صاحب کے امام باڑے سے اٹھتا ہے اور محلہ محلہ اس کا گشت ہوتا ہے سنی و شیعہ سب شرکت کرتے ہیں. میر ثناء اللہ کے زمانہ سے اب تک یہ تخت برابر اٹھتا ہے اور چہلم میں بھی اس کا گشت ہوتا ہے. کمگر ان کے تعزیے جنھیں خود وہ لوگ بناتے ہیں خاص طور سے قابل دید

ہوتے ہیں۔ تعزیئے چھوٹے ہوتے ہیں اور صرف ایک رُخ ایسا ہوتا ہے جس میں صناعی اُن کی دیکھی جاسکتی ہو۔ ۱۹۰۰ء میں مخالفین عزاداری نے کچھ جھگڑا بسواں میں کرنا چاہا تھا جس سے تعزیئے بند ہو گئے تھے اور احتجاج کے طور پر نہیں اٹھائے گئے لیکن معاملہ رو بہ اصلاح ہونے کے بعد پھر تعزیہ داری اس سے کہیں زیادہ ہو گئی اور اب بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ بسواں میں زیادہ تر تعداد اہل سنت کی ہے جو تعزیہ دار اور تعزیہ ساز ہیں۔

موضع جہانگیر آباد کی عزاداری

یہ موضع پہلے ریاست محمود آباد کی تحصیل تھی۔ یہاں مسلمانوں کی کافی آبادی ہے زیادہ تر مُنگر بستے ہیں۔ دسویں محرم کو تقریباً پچاس ساٹھ تعزیئے قرب و جوار کے مل کر یہاں جاتے ہیں اور وہاں کی کربلا میں دفن ہوتے ہیں۔ چہلم کی کوئی خاص تاریخ مقرر نہیں ہے بلکہ آخر ایام عزاداری میں اس کا اعلان ہو جاتا ہے اور چہلم ہوتا ہے۔ یہ بسواں کے قریب واقع ہے۔

سیوتہ کی عزاداری

مرزا اصغر علی بیگ صاحب سیوتہ کے سربرآوردہ حضرات میں ہیں اور ایک جوشیلے مذہبی انسان ہیں۔ ان کا امامباڑہ بھی ہے۔ مذہبی شغف کافی ہے اور عزاداری کے لئے ایک امام باڑہ بھی بنوایا ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ صاحب تصنیف بھی ہیں۔ اصلاح کی کافی سعی رہتی ہے۔ تین رسالے تحقیق مذہب کے لئے لکھے ہیں اور راقم الحروف کو عنایت فرمائے ہیں۔

۶ محرم کو مرزا اصغر علی بیگ صاحب اور امجد علی بیگ صاحب کے یہاں کی صبح کو مجلسیں ہوتی ہیں جن میں کبھی خود یا اور کوئی ذاکر پڑھتا ہے۔

۷ محرم کو علم اُٹھتے ہیں جو تقریباً ستر یا اسّی ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ مہندی بھی ہوتی ہے۔

۸ محرم کو ریاست کے کوٹھار میں ریاست کا جو تعزیہ رکھا جاتا ہے اس کا گشت تمام رات رہ کر پھر کوٹھار میں واپس آجاتا ہے۔

۹ محرم کو چوک پر سو ڈیڑھ سو تعزیئے رکھے جاتے ہیں جن میں ہندو مسلمان سب ہی کے تعزیئے ہوتے ہیں۔ جکووُں کا تعزیہ جو چندہ سے بنوایا جاتا ہے پندرہ بیس ہاتھ اونچا ہوتا ہے اس میں شور اور تھنی اور گھسیٹے جلوسے خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں جو بڑے انہماک سے حصہ لیتے ہیں۔ سیوم امام میں مجلس ہوتی ہو۔

۱۰ محرم کو ریاست محمود آباد کے کوٹھار میں مقامی ذمہ دار ریاست مجلس کرتا تھا۔ مرزا اصغر علی بیگ وغیرہ کے یہاں ملاکر دس بارہ مجالس عشرہ میں ہوتی ہیں مگر اب ان میں کمی بتلائی جاتی ہے میرے خیال میں ضبطی زمینداری کی وجہ سے یہ کمزوری پیدا ہوئی ہے۔ موضع بھنافوان، موضع ریوسہ اور موضع کنڈاری کے مل کر سب تعزیئے موضع اڈری جو سیوتہ کے قریب ہے جمع ہوتے ہیں جن کی تعداد پچاس ساٹھ کے قریب بتلائی گئی ہے عاشور محرم کو ہو جاتے ہیں اور چہلم میں فی الجملہ کم ہوتے ہیں۔ سیوتہ خاص میں تعزیوں کی تعداد قریب آٹھ دس بیان کی گئی ہے اور چہلم میں ۶ یا ۷ تعداد ہوتی ہے۔ قرب و جوار میں عاشور محرم کو سو ڈیڑھ سو کی تعداد تعزیوں کی ہو جاتی

ہے اور چہلم میں آٹھ دس کی تعداد ہوتی ہے ریاست کے باغ میں جو کربلا ہے اس میں دفن ہوتے ہیں جس میں سہلاپور کیرٹھی پوروہ۔ منگل پوروہ وغیرہ کے تعزیے ہوتے ہیں۔

کنڈری کے تعزیے

موضع کنڈری جو سیوتہ کے قریب واقع ہے اس میں دس بارہ کبڑیوں کے گھر ہوں گے وہ سب اہل سنت ہیں اور تعزیہ دار ہیں۔ سیوتہ میں صرف اصغر علی بیگ صاحب کے گھر والے شیعہ ہیں اور انھیں کا تعمیر کردہ امام باڑہ سیوتہ میں موجود ہے۔

پرگنہ تمبور ضلع سیتاپور کی عزاداری

ایک گھر شیعوں میں سید ظفر حسین صاحب کا ایسا ہے جو عزاداری میں میر قافلہ ہے۔ آپ کی بدولت مجالس محرم میں ہو جاتی ہیں اور آپ کو کافی شغف ہے۔ یہاں کا انداز مجلس کا یہ ہے کہ جب کوئی شخص مجلس کی بنا کرتا ہے تو فرش بچھا دیا جاتا ہے اور میر ظفر حسین صاحب کو بلوایا جاتا ہے وہ میر انیس اعلی اللہ مقامہ اور مرزا دبیر مغفور کے مراثی پڑھتے ہیں اور وہاں حصہ کی تقسیم ہوتی ہے وہاں ایک امام باڑہ بھی تھا مگر وہ منہدم ہو چکا ہے۔ سید ظفر حسین صاحب کے اجداد تمبور کے زمینداروں میں تھے اور محمد نذیر آزاد سیتاپوری کی اس موضع میں موضع احمد آباد میں زمینداری تھی۔ قرب و جوار کے مقابلہ میں موضع احمد آباد میں تعزیہ داری کافی ہوتی ہے۔ چاند رات سے روزانہ شب کو مجالس ہوتی ہیں جو ظفر حسین صاحب کی کوشش و توجہ کا نتیجہ ہیں اور آپ خود ہی ذاکری فرماتے ہیں جو جلوس تعزیے اور علم اٹھتے ہیں ان میں جب تک میر صاحب نہیں تشریف لے آتے نہیں اٹھائے جاتے۔ عشرۂ محرم میں ظفر حسین صاحب مذکور کے یہاں روزانہ شام کو مجالس ہوتی ہیں۔ پھر سیوم امام کے روز مجلس ہوتی ہے چہلم کی شب میں بھی ایک مجلس ہوتی ہے اس میں تمام حضرات اہل سنت اور ان کے مولانا صاحبان بھی شریک ہوتے ہیں۔

مستجاب الدعوات علم

یہ مقبول علم محرم کو پہلے پہل سید یوسف علی صاحب نے اٹھایا تھا۔ اس علم پر حضرت عباس علیہ السلام کے توسط سے لوگ خدا سے دعائیں مانگتے ہیں اور مرادیں بر آنے پر وہ لوگ اسی کی بقدر علم اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ ساٹھ پینسٹھ کی تعداد عباسی علموں کی ہو چکی ہے اور برابر تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ علم ۲ بجے دن کو اٹھتے ہیں اور شام تک واپسی ان کی ہو جاتی ہے۔ سید ظفر حسین صاحب کے مکان پر یہ جلوس ختم ہوتا ہے۔ سید یوسف علی صاحب مرحوم' سید ظفر حسین صاحب کے جد اعلیٰ اور رئیس تمبور تھے اور محرم میں بڑے اہتمام سے ساتویں کی مہندی اٹھاتے تھے۔ چہلم اور ساتویں کو بھی جو علم اٹھتے ہیں وہ بھی سید ظفر حسین صاحب کے گھر سے اٹھتے ہیں جو تقریباً ۱۰ بجے صبح کو اٹھ کر ۵ بجے شام تک ختم ہوتے ہیں' ہر جلوس کے ختم پر سید ظفر حسین صاحب کے مکان پر مجلس ہوتی ہے اور تمام اہل سنت حضرات اس میں شرکت کرتے ہیں۔ عاشور محرم کو ۱۲ بجے دن تعزیے اٹھتے ہیں جن کی تعداد دو ڈھائی سو کی ہوتی ہے اور گیارھویں تاریخ صبح کو علی الصباح ان کے دفن کی نوبت آتی ہے۔ چہلم میں پچاس ساٹھ کی تعداد چھوٹے اور اوسط درجہ کے تعزیوں کی ہوتی ہے جو ۱۲ بجے دن کو اٹھ کر علی الصباح عاشور کی طرح دفن ہوتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے سید ظفر حسین صاحب موجود نہیں ہو سکے تو ان کے صاحبزادے سید محمد انیس سلمہ ان کے قائم مقام ہوتے ہیں اور اسی طرح وہ اپنے باپ کے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ شیعہ اثنا عشری ہیں مگر تمام اہل سنت اس معاملہ میں اسی گھر کے لوگوں کا احترام کرتے ہیں جو یہاں کی عزاداری کا بانی ہے بہر حال ان کی وجہ سے تمبور کی عزاداری میں کافی رونق باقی ہے۔ کافی ہندو مسلمان

ان کا خیال رکھتے ہیں۔

تحصیل مسرکھ خاص کی عزاداری

یہ مقام اس تحصیل کا صدر مقام ہو۔ یہ مقام راجہ دوربج رشی کا آباد کردہ ہے جن کا پہلے وید میں ذکر ملتا ہے۔ یہ ہندستان بھر کا بڑا تیرتھ گاہ ہے۔ پھاگن کے مہینہ میں یہاں پیکرمے کا میلہ ہوتا ہے۔ غرضکہ ہندو آبادی میں یہ مقام نہایت متبرک اور پاک سمجھا جاتا ہے۔ میلوں میں دور دور سے لوگ آکر شرکت کرتے ہیں۔ یہاں بیاس جی کا آشرم رہا ہے جنھوں نے ویدوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ رگوید۔ سام وید۔ یجروید اور اتھربن وید سب اسی رشی کی یادگار ہیں جس نے سیتاپور میں رہ کر اس عظیم کام کو اٹھائیس ہزار فقرا کی موجودگی میں پایۂ تکمیل کو پہونچا دیا۔

مسرکھ کی عزاداری

یہاں سید اقبال حسین صاحب کا گھر سادات کا ہے اور ان کے چند اعزا بھی ہیں۔ چودھری نخو کے والد ماجد تعزیہ دار تھے اور مجالس بھی کرتے تھے سید علی نقی صاحب کے یہاں بھی مجالس ہوتی تھیں جو سید صادق حسین صاحب کے پدر بزرگوار ہیں۔ ان کے گھر کے کئی آدمی ہیں جو تعزیہ دار اور عزادار ہیں اور مجالس کرتے ہیں۔ دیگر لوگ بستی کے جو مسلمان ہیں وہ بھی تعزیئے رکھتے ہیں۔ عشرۂ محرم میں بیس پچیس تعزیئے شب عاشور کو رکھے جاتے ہیں اور دسویں کو دفن ہوتے ہیں اور چہلم میں بھی اتنی ہی تعداد ہو جاتی ہے۔ بازار مسرکھ میں ایک مسجد تیرتھ کی پشت پر ہے اور عیدگاہ تحصیل کی کچہری سے بالکل متصل واقع ہے۔ بنکروں اور منہیاروں کی آبادی ہے لیکن سب عزاداری کرتے ہیں۔ ساتویں بھی ہوتی ہے جس میں چھوٹے بڑے علم تقریباً پچاس کی تعداد میں اٹھتے ہیں اور دو علم تو کافی بڑے ہوتے ہیں۔ آٹھویں محرم کو ایک بڑی مجلس بھی ہوتی ہے۔ ۲ یا ۳ مجلسیں روزانہ ہو جاتی ہیں۔ عاشور کے دن پیر صاحبان کے تعزیئے ۱۰ بجے صبح کو دفن ہو جاتے ہیں جن کی تعداد پانچ چھ ہوتی ہے۔ زنانی مجلسیں بھی روزانہ ہوتی ہیں جو تعزیئے اٹھتے ہیں وہ ۷ سے ۹ فیٹ بلند ہوتے ہیں۔

مسرکھ کی خصوصیت ماتمداری

چونکہ مسرکھ میں کافی ہندوؤں کی آبادی ہے اور تیرتھ ان کا استھان ہے پھر بھی مسرکھ ایسے مقام پر حضرت سیدالشہداء علیہ السلام کے ماتمدار زیادہ ہیں جو ہندو ہوتے ہیں ہندو ماتم میں کافی شرکت کرتے ہیں بلکہ مسلمان بمقابلہ ان کے کم ہیں اور ماتمداری میں کم شریک ہوتے ہیں۔ ایک ہندو لنے مقام پر حسین علیہ السلام کی ماتمداری میں بمقابلہ مسلمانوں کے ہندو زیادہ شریک ہوں یہ ایک خاص بات ہے۔ راقم الحروف مسرکھ میں رہا ہے: ہاں تقریباً کل بستی ہندوؤں کی ہے تھوڑے سے مسلمان ہیں۔ مگر ہندوؤں کا ماتم میں شرکت کرنا ایسے مقام پر تعجب خیز ہے۔

موضع زہمن کی عزاداری

سید سردار حسین صاحب اور ان کے بھائی نشاد حیدر صاحب و صغیر الحسن صاحب وغیرہ کے یہاں عشرۂ محرم میں مجالس ہوتی ہیں اور موضع کے لوگ ان کے امام باڑہ میں جو ان کے جد کا تعمیر کردہ ہے مجالس کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کے چہلم میں ایک بڑا تعزیہ اٹھتا ہے جو تقریباً ۳۰ فیٹ اونچا ہوتا ہے۔ بیس پچیس تعزیئے عشرۂ محرم میں ہوتے ہیں جو دسویں کو دفن ہوتے ہیں۔ چہلم میں دس بارہ تعزیئے ہو جاتے ہیں۔ ان کے عشرۂ محرم میں بیرونی ذاکرین بلائے جاتے ہیں۔ وہاں کا سیوم خصوصیت رکھتا ہے۔ مسرکھ کے قرب و جوار اور اطراف میں جہاں مسلمان آبادی ہے تعزیئے داری ہوتی ہے۔ زہمن مسرکھ سے ۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سردار حسین صاحب کا گھر عزاداری میں کافی منہمک رہتا ہے۔

پرگنہ اورنگ آباد ضلع سیتاپور:۔ صدیق مرزا صاحب

وہاں کے تعلقدار رہے ہیں۔ اورنگ آباد میں ٹھکروں، مغلوں اور پٹھانوں کی آبادی ہے جو تقریباً تین ساڑھے تین ہزار ہوں گے ہندو وہاں تقریباً پانچسو ہوں گے۔ وہاں کے روساء میں امیر مرزا صاحب اور حامد مرزا صاحب کے خاندان کے لوگ عزاداری کرتے ہیں اور مجالس برپا کرتے ہیں ایک بڑا تعزیہ عاشور محرم کو ان کے گھر سے اٹھتا ہے۔ مدار بخش گھوئی ٹولا اپنے وسیع مکان میں تعزیہ رکھتے ہیں اور بھی لوگ تعزیہ دار ہیں۔ عاشورۂ محرم کو بارہ پندرہ تعزیئے ہو جاتے ہیں اور چہلم میں آٹھ دس کی تعداد ہوتی ہے۔

پرگنہ قطب نگر کی عزاداری

یہاں کے تعلقدار ابن حسن صاحب تھے۔ وہاں ایک انجمن حیدری قطب نگر قائم ہے۔ ساتویں میں مہندی اور ذوالجناح ہوتا ہے۔ اور آٹھویں محرم کو علم اُٹھتے ہیں اور حاضری بھی ہوتی ہے۔ پندرہ گھروں میں روزانہ صبح و شام ۵ مجلسیں ہو جاتی ہیں۔ عاشور کو تعزیئے دس گیارہ بجے اٹھتے ہیں۔ وہاں کے رئیس احمد شاہ ان کے یہاں برابر عشرہ محرم میں مجالس ہوتی ہیں اور لکھنؤ سے پڑھنے والے آتے ہیں۔ کافی اہتمام کرتے ہیں۔ علاوہ بریں احمد حسین صاحب اور مولوی افضال حسین صاحب اور صادق حسین صاحب اور سید محمد باقر صاحب کے یہاں کی مخصوص مجالس ہوتی ہیں اور عشرۂ محرم میں ان حضرات کی وجہ سے کافی رونق ہوتی ہے۔ انجمن حیدری مقامی ضروریات عزا کے لیے ہے لیکن کبھی کبھی وہ انجمن باہر بھی جاتی ہے اور اس انجمن کے صدر ذاکر حسین صاحب ہیں۔

مہولی کی عزاداری

مہولی میں چند سید صاحبان کے گھر ہیں جو تین بھائی تھے یہ تینوں میر صاحبان راجہ نولے سنگھ کے توپ خانہ پر ملازم تھے۔ راجہ نولے سنگھ کے صاحبزادے کنور بھدر سنگھ کی جب ولادت ہوئی تھی تو اس پیدائش کی خوشی میں چھپر بیگہ آراضی ان بھائیوں کو عزاداری کے سلسلے میں عطا کی گئی تھی جس کی سند ان کے یہاں موجود کہی جاتی ہے یہ زمانہ غدر سے پہلے کا تھا۔ ابتدا میں ہندو مسلمان مل کر تعزیئے اپنے اپنے ایک ساتھ لاکر دفن کیا کرتے تھے لیکن کچھ عرصہ سے وہ لوگ کسی مسلمان کے یہاں اپنے تعزیئے رکھنے لگے ہیں جو منتی تعزیئے سمجھے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کسی نہ کسی طرح ان کو رکھتے ہیں۔ اس موضع مہولی میں ہر مسلمان کے گھر میں تعزیئے رکھے جاتے ہیں وہ کسی خوف سے دوسرے لوگوں کے یہاں نہیں رکھتے بلکہ منت جہاں کی ہوتی ہے وہاں رکھتے ہیں۔

محرم میں شیعوں کے گھروں میں زنانی مجالس برابر ہوتی ہیں۔ پانچویں محرم کے بعد مردانی مجالس بھی ہوتی ہیں۔ تقریباً دس بارہ مجالس گھروں کے اعتبار سے ہو جاتی ہیں سُنی حضرات بھی مجالس کرتے ہیں اور تعزیئے دار ہیں۔ ۸ محرم کو اقبال صاحب مرحوم کے یہاں سے تخت اٹھتا ہو ان کے بعد ان کے صاحبزادے انوار صاحب اٹھاتے ہیں۔ آٹھویں محرم کو شیعوں کے یہاں مخصوص طور پر نذریں ہوتی ہیں۔ غفور نامی بھی بڑا تعزیہ دار تھا جو اپنا تعزیہ بڑے اہتمام سے اٹھایا کرتا تھا جو ۱۳۰۳ھ میں فوت ہو گیا۔ شب عاشور عام طور پر تعزیئے محرم کے چوک پر لائے جاتے ہیں اور عاشورہ کو نوحہ خوانی وغیرہ کے ساتھ شیعوں کے تعزیئے دس گیارہ بجے صبح تک دفن ہوتے ہیں۔ اعمال عاشورہ بجا لاتے ہیں۔ اہل سنت حضرات اپنے تعزیئے چار بجے سہ پہر کو اٹھاتے ہیں اور قریب ۵ بجے وہ سب تعزیئے بڑے گاؤں کی سڑک کے کنارے رکھ دیئے جاتے ہیں جہاں نواب صاحب شیش محل کا باغ بھی ہے وہاں قرب و جوار کے مواضعات موضع گجیا۔ املیا وغیرہ کے تعزیئے بھی آتے ہیں۔ پہلے کنگرہ اور تکیہ کے بھی تعزیئے آتے تھے لیکن اب ان لوگوں نے اپنی علیحدہ کربلا بنائی ہے اور وہیں دفن کرتے ہیں۔ سبیلیں لوگ کافی رکھتے ہیں۔ تعزیئے تقریباً

ایک دو بجے تک دفن ہوتے ہیں۔ سیوم کو بھی ایک مجلس ہوتی ہے اور بیسویں کو منظور صاحب کے یہاں کا تعزیہ رکھا جاتا ہے اور رضا حسین صاحب کے یہاں مجلس ہوتی ہے جس میں سیتاپور کے حضرات اور محمود پور سریاں کی انجمن نمائندگی کرتی ہے۔ موضع پاتا بوجھ ہولی سے ایک میل پر واقع ہے وہاں بھی تعزیہ خصوصیت کے ساتھ اٹھتا ہے باہر کے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں جو ایک سُنی منہیار کا تعزیہ ہے جو لوگ اس تعزیئے میں آتے ہیں ان کی وہ خاطر داری اور مہمان داری کرتا ہے۔

قصبہ آنٹ کی عزاداری

شاہ فضل اللہ آملی نے شہر آمل سے ہندستان میں آکر عظیم آباد پٹنہ میں توطن اختیار فرمایا تھا ان کی زوجہ اور ان کے فرزند قطب زماں سید شاہ عبدالرحمٰن الملقب بہ شاہ سلطان جہانگیر ہر سہ بزرگواروں نے اسی مقام پر انتقال کیا اور وہ موضع اساڑھی پرگنہ تلا کا اطراف عظیم آباد پٹنہ میں دفن ہوئے آپ کا مزار نواب عبدالرحمٰن خاں ملقب بہ نواب افضل خاں خلف علامہ شیخ ابوالفضل میر منشی اکبر شاہ دہلی نے جو سید شاہ سلطان جہانگیر کے سمدھی بھی تھے تعمیر کرایا تھا۔ سید شاہ مصطفےٰ خلف سلطان جہانگیر قصبہ آنٹ میں اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے دو شادیاں کی تھیں جن میں سے ایک شیخ ابوالفضل کی پوتی تھی۔ یہ خاندان آنٹ میں پھلا پھولا۔ یہ نسباً نقوی سادات ہیں جو اس قصبہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے ان کا سلسلہ نسب امام علی نقی علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔

بہرحال ان سادات میں زیادہ تر صوفی منش بزرگ گزرے ہیں اور حضرات صوفیا عزاداری کے حامی تھے یا کم از کم اتنا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حضرات مخالف عزاداری نہیں تھے اور شیخ ابوالفضل کا سلسلہ کبھی اس کو گوارہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف سمجھا جائے۔ قرب و

جوار میں تعزیہ داری ہوتی ہے قصبہ میں بھی تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ نویں محرم کا دن گزار کر شب دہم کو تعزیے چوک پر آتے ہیں اور عاشورۂ محرم کو دفن ہوتے ہیں۔ جہاں تک علم ہو سکا تقریباً اٹھارہ بیس تعزیئے محرم میں ہوتے ہیں اور سات آٹھ چہلم کے موقع پر ہوتے۔ مزید حالات نہ معلوم ہو سکے۔

قصبہ مجھرہٹہ کی عزاداری

ساتویں محرم سو ڈیڑھ سو علم ہوتے ہیں اور مجمع تقریباً آٹھ دس ہزار کا ہوتا ہے۔ ان علموں میں چند عباسی علم بڑے ہوتے ہیں اور بقیہ چھوٹے ہوتے ہیں۔ براق، باجہ، اکھاڑہ بھی ساتویں کے جلوس میں ہوتا ہے اس قصبہ میں زیادہ تر جوگیوں کی آبادی ہے جو پہلی محرم کو جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں محرم میں مجھرہٹہ میں ضرور آجاتے ہیں۔ یہ اس مقام کی خصوصیت ہے کہ کوئی جوگی ایسا نہیں ہو جو مجھرہٹہ کا ہو اور محرم کے دنوں میں قصبہ میں موجود نہ ہو۔ پہلی محرم کو اس کا اس مقام پر ہونا لازم ہے جو جوگی بستی میں حاضر نہ ہوگا اس پر کافی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ تقریباً پچاس تعزیئے محرم میں ہوتے ہیں جو صبح گیارہ بجے اٹھ کر ۲ بجے شب کو دفن [illegible] تے ہیں۔ دسویں بیسویں و چہلم میں کچھ کم یا زائد چالیس پچاس تعزیئے ہوتے ہیں۔ سیتاپور گزیٹیر میں مسٹر نیول نے لکھا ہے کہ یہاں ایک امام باڑہ بھی ہے مگر اب معلوم ہوا ہے کہ وہ رنڈیوں کے قبضہ میں ہے۔

یہ چھوٹا قصبہ ہے جو شہنشاہ اکبر کے عہد میں آباد ہوا تھا یہاں پہلے جنگل تھا۔ یہاں مچھندر ناتھ کا استھان تھا جس کے نام سے یہ قصبہ موسوم ہوا ہے۔ چار مسجدیں اور ایک امام باڑہ کو سیتاپور گزیٹیر نے لکھا ہے جو مسٹر نیول آئی۔سی۔ایس کی تالیف ہے۔

موضع پسانواں کی عزاداری:۔ یہ ایک جنگلی اور غیر آباد مقام

ہے صرف تھوڑی سی آبادی اس گاؤں کی ہے۔ یہاں جرائم کے باعث گورنمنٹ نے ایک تھانہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی اور تھانہ وہاں قائم ہے۔ یہاں کی عزاداری اپنی نوعیت کی امتیازی ہے۔ نویں محرم تک یہاں محرم کے کوئی آثار نہیں معلوم ہوتے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ محرم آ گیا لیکن دسویں محرم کو وہاں کے ٹھاکروں وغیرہ دیگر تعزیہ داروں کے تقریباً دس بارہ تعزیے آکر ایک چبوترے پر جمع ہوتے ہیں اور ان کے گھر کی عورتیں آکر ان تعزیوں کے گرد طواف کرتی ہیں اور ان پر چاول اور کھوٹیاں نچھاور کرتی ہیں۔ اس چبوترے کے اوپر ایک شامیانہ لگا دیا جاتا ہے جس پر وہ تعزیے رکھتے ہیں۔ وہاں شربت کی سبیلیں مختلف لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں۔ شربت اب بگڑ کا ہوتا ہے وہ ہر سال گڑ کی بار یاں امام کے نام پر گڑ بناتے وقت رکھ چھوڑتے اور محفوظ کر لیتے ہیں اور انھیں سبیل کا شربت تیار کیا جاتا ہے۔ قرب و جوار کے سب تعزیے جب اس مقام پر آکر جمع ہو جاتے ہیں تو تمام گھروں کے پلنگ و چار پائیاں اس چبوترے کے چاروں طرف بچھا دی جاتی ہیں اور ان پر کوئی دری یا چاندنی بچھا دی جاتی ہے اور تب ان پلنگوں پر وہ قرب و جوار کے تعزیے رکھے جاتے ہیں جو اطراف کے مواضعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب سب تعزیے یکجا ہو جاتے ہیں تو سبیل پلانے کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے بعدہ کربلا میں دفن کے لئے لے جاتے ہیں۔ یہاں کے تھانہ دار بھی تھانے پر سبیل ضرور رکھتا ہے اور لوگ تھانے کی سبیل میں بھی شرکت کرتے ہیں۔

موضع بھیٹی و موضع سندولی کا چہلم

یہ موضع بالکل ریاست محمودآباد سے ملا ہوا ہے۔ ۲۵ صفر ۱۳۶۵ھ سے حضرات فتح پور کی سعی سے یہاں ہندو و مسلمانوں نے ایک جدید چہلم قائم کیا ہے۔ پولیس نے اس جدت پر اعتراض بھی کیا تو ان لوگوں کو موضع والوں نے جواب دیا کہ جب ہم ہندو مسلمان مل کر اپنی خوشی سے یہ چہلم کر رہے ہیں اور کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے تو پولیس کی مداخلت کا کیا سبب ہے۔ تھانہ پر جانے والے لوگ سب ہندو تھے۔ چنانچہ تھانیدار صاحب نے اس چہلم کو اپنے یہاں نوٹ کر لیا اور خاموش ہو گئے۔ یہ مزید ترقی عزائے محمودآباد کی کمی کو پورا کرتی ہے جو کم ہونے لگی تھی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حقیقتاً قدرت کی مدد ہے ورنہ ایسی صورتوں کا ہونا جب کہ حکومت بدل گئی اور ہندوؤں کے جذبات کافی بھڑک گئے ہیں تو اس قسم کی ترقی ہونا اس زمانہ میں تعجب خیز ہے۔ ۲۰ صفر یہاں کا چہلم ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد نور پور کا چہلم اور پھر موضع املیا کا نمبر ہے یہ مقامات قریب محمودآباد کے واقع ہیں تقریباً بیس پچیس چھوٹے بڑے تعزیے وہاں ہو جاتے ہیں۔ موضع بانسرہ و نعمت پور میں ۲۶ صفر اور نور پور میں ۲۸ صفر اور املیا میں ۲۹ صفر چہلم کی تاریخیں ہیں جو محمودآباد سے قریب مقامات ہیں۔

۹ و ۱۰ ربیع الاول موضع بہماں کا چہلم

عام طور پر ایام عزا آٹھویں ربیع الاول کو ختم ہو جاتے ہیں مگر موضع بہماں جو محمودآباد قصبہ سے تین چار کوس پر واقع ہے وہاں اس کے بالکل خلاف نویں ربیع الاول کو تعزیے رکھے جاتے ہیں اور چوک پر آتے ہیں اور دسویں ربیع الاول کو دفن ہوتے ہیں۔ کافی مجمع کئی ہزار کا ہوتا ہے اور وہاں لوگ قرب و جوار کے آتے ہیں۔ بلکہ دور دور کے لوگ وہاں کے چہلم میں شرکت کرنے آتے ہیں۔ بڑے بڑے تعزیے وہاں ہوتے ہیں اور چھوٹے اور اوسط کے بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ وہاں ایک نیا انداز ہے ان کا خیال ہے کہ جب سب جگہ چہلم ہو جائیں تو ہم لوگ اطمینان کے ساتھ اپنے یہاں کا چہلم کریں گے۔ مسلمان کچھ زیادہ نہیں ہیں ٹھاکر صاحبان بہماں وہاں کے با اثر ہیں تاہم بڑے جوش و خروش

سے وہاں کا چہلم کرتے ہیں جو خصوصیت کا حامل ہو۔

اوقاف سیتاپور

(۱) ریاست محمود آباد بقائے اُمورِ خیر کے لئے ہیں چنانچہ ۲۴ر اگست ۱۸۸۱ء کو موضع سرولی کا وقف کیا گیا مجالس تعزیہ داری محرم و اربعین و عزاداری ماہ صیام و نیز ولادت و شہادت معصومین کے لئے ہے۔

(۲) دوسرا وقف ۶ مواضعات کا بیادگار صاحبزادہ علی احمد خاں آف محمود آباد کیا گیا جو مہاراجہ علی محمد خاں صاحب نے اپنے بھائی کی جانب سے فرمایا ہے جو ۱۹۱۹ء میں ہوا تھا اور بغرض بقائے مدرسۃ الواعظین لکھنؤ و مدرسہ احمدیہ و دیگر اُمورِ مذہبی مثلاً فاتحہ اموات وغیرہ و تحفظ مشاہد محمود آباد و لنگر و مہندی حضرت قاسم علیہ السلام مع روشنی وغیرہ ہوا ہے۔

(۳) تیسرا وقف بیادگار بڑی رانی صاحبہ مرحومہ محمود آباد ہوا برائے تنخواہ قرآن خواناں کربلا و روشنی و مجالس پنجشنبہ و فاتحہ سالانہ ۳ر مئی ۱۹۲۳ء مہاراجہ صاحب نے کیا تھا۔

(۴) چوتھا وقف مہاراجہ کے نام سے ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۸ء ہوا جو پبلک اغراض مثلاً زہرا اسپتال (زنانہ) و تنخواہ داران و دیگر مفادِ عامہ پر مشتمل ہے جو تقریباً ۱۳ لاکھ کا ہے۔

(۵) پانچواں "وقف امیریہ" کے نام سے ہوا ہے جس میں اُمورِ خیر اور تنخواہ داران کا مشاہرہ ہے اور اُس میں دیگر اُمورِ خیر کی ادائیگی کی صراحت ہے جو ۱۳۶۲ھ ہجری کیا گیا ہے۔

(۶) سیتاپور میں ریاست محمود آباد اور ریاست بلہرہ کی جانب سے ۱۳۰۱ھ میں عزاداری کی بقا کی خاطر موضع کنچھار کا وقف کیا گیا۔ دونوں ریاستوں کا اس میں نصف نصف حصہ ہے۔

(۷) ایک وقف سجاد مرزا صاحب مرحوم ہوا ہے جو امام باڑہ اور عزاداری کے لئے ہے اور متولی منتظم کے لئے معاوضہ بھی دیا جانا منظور کیا گیا۔ اس کے علاوہ تین وقف سجاد مرزا صاحب مرحوم نے اور فرمائے ہیں۔ جن کی تفصیلات انھیں اُمورِ خیر پر مشتمل ہے۔

(۸) امام باڑہ سیتاپور (بڑے امام باڑہ) کے لئے ایک وقف موضع پیپری کا دس بسوہ کا کیا گیا جو محمدی بیگم زوجہ عنایت علی صاحب مرحوم کی جانب سے ہے جس کی نکاسی حاصل ۵/۳ ہے اور مالگزاری ۵ ہے مورخہ ۸ر مئی ۱۹۰۵ء کو ہوا ہے اور اس کے منتظم سید احمد صاحب مقرر کئے گئے ہیں۔

(۹) ایک وقف سید احمد حسن صاحب محلہ بنگلہ نے اپنے حصہ نگرا سے متعلق کیا ہے جو عزاداری اور اس کی بقا کی خاطر ہے جن میں مجالس عشرہ محرم شامل ہیں اور سید ریاست حسین صاحب اس کے منتظم ہیں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا وقف نامہ باقاعدہ ہوا ہے یا وقف زبانی ہے۔

(۱۰) ایک وقف مرزا محمد مرزا صاحب قزلباش عرف محسن صاحب خلف مرزا ابو الحسن صاحب کا ہے اور وہ بقدر حصہ خود متعلقہ وظائف و عزاداری ہے اور اسی سلسلے میں تین اور وقف ہوئے ہیں جو انھیں اغراض سے متعلق ہیں۔

(۱۱) ایک وقف مجالس محلہ بنگلہ کے سلسلے میں موضع اگراسی کا ہوا ہے اور اس کا اندراج واقف حضرات ہی کے نام ہے۔

(۱۲) ایک وقف علی الاولاد مسماۃ زہرا بیگم زوجہ میر مظفر حسین صاحب وکیل کی جانب سے ۱۹۳۵ء میں ہوا تھا اور سردار حسین صاحب اس کے متولی و منتظم ہیں یہ باغ پختہ متصل اسٹیشن بڑی لائن کے کنارے واقع ہے۔

(۱۳) ان اوقاف کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے اوقاف معلوم ہوتے ہیں مثلاً بسواں میں ساتھو بیگم کا وقف عزاداری

سے متعلق ہوا تھا۔

(۱۴) اسی طرح بادن ڈنڈ وں کے تعزیئے کے لئے کسی ہندو کی جانب سے کچھ وقف ہوا ہے جن کی صراحتیں نہیں معلوم ہو سکیں اور جو پتے چلے ان کا اس موقع پہ ذکر کر دیا گیا ہو جس طرح مہوتی کی عزاداری میں کچھ وقف راجہ ٹونے سنگھ نے عزاداری کے لئے کیا تھا اور وہ فرمان وغیرہ ان حضرات کے بیان سے ہے۔ محمود آباد میں محلہ خدا گنج کے امام باڑہ کے لیے قدیم زمانہ سے ایک وقف تھا مگر تفصیلیں نہ معلوم ہو سکی۔

سیتاپور کے امامباڑے اور ان کا مختصر ذکر

اس ضلع میں عزاداری کے سلسلے میں کافی امام باڑے تعمیر ہوئے تھے لیکن اب ان میں سے بہت سے منہدم ہو چکے ہیں میں ان منہدمہ امام باڑوں کو چھوڑ کر باقی کا ذکر کر رہا ہوں۔

سیتاپور خاص کے امامباڑے

ایک امامباڑہ محلہ قضیارہ سیتاپور میں بڑے امام باڑہ کے نام سے ہے جو شیعوں کا وقف عام ہے (۲) ایک امام باڑہ محلہ بنگلہ سیتاپور میں ہے جو امام باڑہ جعفریہ کہلاتا ہے اور عام لوگ چھوٹا امام باڑہ کہتے ہیں (۳) ایک امام باڑہ سجادیہ محلہ قضیارہ میں واقع ہے جس کی عمارت نہایت شاندار ہے لیکن اب کس مپرسی کے عالم میں ہے (۴) ایک امام باڑہ سید محمد حیدر صاحب متولی وقف کچناؤ کے مکان میں ہے (۵) ایک امام باڑہ محلہ شیخ سرائے میں حاجی صاحب کے نام سے مسجد سے ملحق واقع ہے۔ (۶) ایک امام باڑہ جوگیوں کا تعمیر کردہ ہے جو سب اہل سنت تعزیہ

خیرآباد کے امام باڑے

یہاں ملکہ جہاں کا امامباڑہ قدیم زمانہ کا ہے اور اب اس کو آثار قدیمہ میں لانے کی سعی ہے اور محلوں میں بھی امام باڑے ہیں۔ آغائی صاحب کا امام باڑہ اچھے حال میں ہے۔ محلہ قضیارہ خیرآباد کا امام باڑہ جو محلہ والوں کا ہے امام باڑہ مرزا بندہ علی بیگ اب تقریباً منہدم ہو گیا ہو کچھ آثار باقی ہیں۔

امام باڑہ واقع لہرپور

مولوی شاکر علی صاحب کا ہے جو سید محمد تقی صاحب کے انتظام میں ہے۔ قاضی ٹولہ میں جو امام باڑہ ہے وہ تقریباً منہدم ہو چکا ہے لیکن اس کی عظمت یہ ہے کہ لہرپور کے تمام جلوس وہاں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر پھر اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ امام باڑہ سید محمد حیدر صاحب خلف محمد افضل صاحب کا تھا جو بے توجہی سے زدہ حالت میں ہو گیا۔

امام باڑہ موضع سندولی

یہ موضع محمود آباد سے بالکل متصل ہے وہاں پختہ امامباڑہ ہے جو اب شکستہ حالت میں ہے۔ موضع کلو پور (بہرولی) کا امام باڑہ خام ہے لیکن وسیع ہے۔

پیچھے پور کا امام باڑہ

یہ قلعہ میں ہے اور نو تعمیر عمارت ہے جو تعزیہ داری کے لیے مخصوص ہے۔

باڑی کے امام باڑے

پرانا قصبہ ہے شیعوں کے دو امام باڑے اور سنیوں کے تین امام باڑے ہیں۔ ایک بڑے امام باڑہ کے نام سے اور ایک دلبر طوائف کا مشہور ہے۔

موضع مصطفیٰ آباد کا امام باڑہ

یہ موضع خلیل نگر سے متصل ہے اس میں انصار حسین صاحب عرف بچھن صاحب مرحوم کے گھر کا امام باڑہ ہے جس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ۱۳۸۲ھ میں وہ فوت ہو گئے۔

موضع نعمت پور

سدعولی کو جو سڑک محمود آباد سے گئی ہے اس سے کچھ دور واقع ہے

جو ایک طوائف کا امام باڑہ ہے۔ ۲۶ صفر کو وہاں چہلم ہوتا ہے۔

موضع بانسرہ کا امام باڑہ

یہ گاؤں ریاست محمود آباد کا ملوکہ تھا اور اس کا زیادہ حصہ ریاست کا تھا وہاں دو امام باڑے ہیں ایک اشفاق حسین صاحب کا دوسرا قمرالدین صاحب کا خاص ہے۔

موضع لہرپور کا امام باڑہ

سید محمد تقی صاحب مرحوم کے گھر کا ہے جس کی یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ھ میں جدید تعمیر کی گئی ہے۔ خانپورہ کا امام باڑہ اب منہدم ہو چکا۔ محمد تقی صاحب نے اس امام باڑہ میں ایک مہمان خانۂ حسینی اور تعزیہ خانہ کی تعمیر کرائی تھی (سرفراز لکھنؤ ۱۸ ستمبر سنہ ۴۲ء)

سیوتہ کا امام باڑہ

سیوتہ گانجر کا مقام ہے وہاں مرزا اصغر علی صاحب کا تعمیر کردہ امام باڑہ ہے جو قدیم و پختہ ہے اور حالت اس کی غنیمت ہے مرزا صاحب کا گھر صرف شیعہ ہے۔

تالگاؤں کا امام باڑہ

وہاں قدیم امام باڑہ ہے جس میں عزاداری ہوتی ہے۔ عابد علی صاحب مرحوم کا گھر وہاں بڑی شان سے تعزیہ داری کرتا ہے۔ بڑا تعزیہ وہاں کا مشہور ہے۔

موضع کچنار کا امام باڑہ

یہ گاؤں وقف تھا جو سید محمد حیدر صاحب متولی کے زیر اہتمام تھا۔ وہاں ایک امام باڑہ موجود ہے۔

خیرآباد میں یوسف غازی کا امام باڑہ

یہ امام باڑہ روضہ محلہ میں غازی علیہ الرحمہ کے مزار کے احاطہ میں ہے جہاں ان کا تعزیہ باون ڈنڈوں والا رکھا جاتا ہے۔ شب عاشور وہ اسی امام باڑہ میں سجایا جاتا ہے جو ایک چھپرکھٹ کے چوکھٹوں پر سجایا جاتا ہے۔ اسی کے برابر ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ امام باڑہ قدامت کے باعث بہت مشہور ہو چکا ہے۔

موضع اسلام نگر کا امام باڑہ

نقوی سادات اور شیعہ وہاں تقریباً چالیس کے ہوں گے جو چند گھروں پر مشتمل ہیں۔ راقم السطور وہاں گیا تھا وہاں کے زمینداروں سے امام باڑہ کی تعمیر کی منظوری حاصل کرائی سیتاپور کا ایک وفد وہاں گیا تھا جس کی میں بھی ایک فرد تھا۔ یہ علم نہیں کہ امام باڑہ کی حالت کیا ہے۔

قطب نگر اور موضع زرہن کے امام باڑے

تحصیل مسرکھ میں یہ مقامات واقع ہیں۔ قطب نگر میں تین چار امام باڑے ہیں جہاں عزاداری ہوتی ہے۔ سید اصغر شاہ و محمد شاہ کا خاندان عزادار و تعزیہ دار ہے۔ موضع زرہن میں سردار حسین صاحب اور ان کے بھائیوں کے دم سے تعزیہ داری ہوتی ہے وہاں دو امام باڑہ ہیں سیوم وہاں کا مشہور ہے۔

موضع ڈپنیہ کا امام باڑہ

یہاں تین امام باڑے ہیں ایک حامد حسین خاں صاحب کا اور دوسرا بادشاہ حسین خاں صاحب اور تیسرا تہور حسین صاحب کے گھر کا ہے۔ جہاں یکے بعد دیگرے یکم تا نہم محرم مجالس ہوتی ہیں اور زنانی مجالس کا تو چہلم تک سلسلہ رہتا ہے۔

بسواں کے امام باڑے

(۱) راجہ اسکول بسواں کی فیلڈ ہے اسی میں قدیم زمانہ کا ایک امام باڑہ ہے جس کے اب صرف تین در رہ گئے ہیں، چھتیں گر چکی ہیں جو قریب خانہ سے موسوم تھا (۲) ایک امام باڑہ چودھری علی اختر صاحب (مرحوم) کے مکان میں ہے (۳) مختار حسین صاحب کے گھر کا ایک قدیم امام باڑہ ہے۔

ریاست محمود آباد کے امام باڑے

دیہی تو گھروں میں کافی امام باڑے محمود آباد میں ملیں گے لیکن جو نمایاں ہیں وہ تحریر کیے جا رہے ہیں۔

امام باڑہ عطا حسین صاحب مرحوم محمود آباد یہ شاہی زمانہ کا ہے جو محلہ خدا گنج میں واقع ہے اس سے متصل ٹکاپور کی معافی ہے اور ایک فرمان سنہ ۱۲۳۶ف ۱۲۴۵ھ اسی معافی کا دیکھنے میں آیا ہے۔

امام باڑہ میاں جانی صاحب تصدق حسین صاحب کا یہ امام باڑہ بالکل منہدم ہو گیا ہے۔ چھتیں باقی نہیں ہیں صرف در رہ گئے ہیں تاہم وہاں اب تک شام غریباں کی مجلس ہر سال ہوتی ہے۔

امام باڑہ داروغہ محمد بخش مرحوم محمود آباد یہ امام باڑہ اسٹیشن محمود آباد جانے والی سڑک پر واقع ہے اس کی بھی حالت بہت ابتر ہو گئی ہے اور بہت شکستہ حال ہے۔

امام باڑہ داروغہ دلدار رضا صاحب مرحوم محمود آباد یہ امام باڑہ کچھ غنیمت حال میں ہے اور اسی سبب سے وہاں مجالس ہوتی ہیں۔ امام باڑہ غالب علی خاں صاحب محمود آباد اور امام باڑہ بیجو میاں کے امام باڑہ تقریباً اب ختم ہو چکے ہیں صرف کچھ آثار باقی رہ گئے ہیں۔

حکیم امداد علی صاحب کا امام باڑہ مکان میں ہے اور وہاں عزاداری ہوتی ہے اور مجالس ہوتی ہیں۔ غنیمت حال میں ہے۔

امام باڑہ چودھری صاحب کافی وسیع اور بڑا ہے جو ریاست کی زیر نگرانی ہے۔ مجالس وہاں برابر ہوتی ہیں، یہ قلعہ معلی سے متصل ہی واقع ہے۔

امام باڑہ موسومہ (بارہ دری) نہایت ہی عمدہ ہے جس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا ہے اور اس میں ایک صندل کی ضریح رکھی ہے۔ بیچ میں چاندی کا منبر رکھا ہے جو کافی بلند ہے۔ جھاڑ اور فانوس سے یہ امام باڑہ آراستہ ہے۔ ایک جھاڑ سو بتیوں کا بہت بڑا ہے جس میں بجلی کی فٹنگ ہے اور اسی کے سٹے کی اور جھاڑ بھی وہاں لگے ہیں۔ بجلی اور پنکھوں کی فٹنگ ہے اور کافی وسیع ہے۔ ریاست میں یہ امام باڑہ بہت عمدہ ہے۔

محلسرا کے امام باڑے زنان خانے میں کئی امام باڑے ہیں جن میں مہاراجہ صاحب مرحوم کے نام کا امام باڑہ بہت آراستہ و پیراستہ ہے۔ ایک امام باڑہ امیر الدولہ بہادر کا ہے۔ اور دو امام باڑے یا تین امام باڑے اندر اور ہیں۔

امام باڑہ موسومہ امراؤ بیگم یہ امام باڑہ داروغہ احمد حسین صاحب کے مکان میں ہے اور اچھی حالت ہے۔

امام باڑہ اچھی بی مرحومہ محمود آباد یہ امام باڑہ اسی کے قریب مکان سید اشتیاق علی صاحب تحصیلدار کے مسکونہ مکان میں ہے جو ان کو رہنے کو دیا گیا ہے۔

امام باڑہ حسن جان جمعدار مرحوم محمود آباد یہ امام باڑہ ان کے مکان میں ہے اور باہری حصہ میں واقع ہے۔ اسد حسین صاحب اس کا انتظام کرتے ہیں۔

امام باڑہ مسماۃ منیر انجمن مرحومہ محمود آباد یہ امام باڑہ مکان میں بہت خوبصورت بنا ہے اور مجلس بھی اسی سلسلے میں ایک ہوتی ہے۔

امام باڑہ مدی جمعدار ڈیوڑھی مرحوم محمود آباد یہ امام باڑہ جبیں احمد خاں صاحب عرف منتو میاں کے تصرف و انتظام میں ہے۔

ہندوؤں کی عقیدت

یوں تو منتوں اور مرادوں کے لئے ہندو حضرات بڑی مان دان کرتے ہیں اور سبیلیں رکھتے ہیں اور تعزیہ داری کرتے ہیں لیکن

ایک بات خصوصیت کے ساتھ ہندو عورات میں ایسی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی ذات بابرکات سے ان کو کیسی عقیدت ہے۔ اولاد کے لیے یا کسی اور اہم کام کے لیے جب عورتیں کوئی منت یا مراد تعزیوں کے ایام میں کرتی ہیں تو جب سے تعزیہ چوک پر رکھا جاتا ہے اُس وقت سے وہ نہیں بیٹھتیں بلکہ تمام تعزیہ خانوں میں جاتی ہیں اور تعزیوں کے سامنے لوبان کی دھونی دیتی رہتی ہیں اور وہ خوشبو بھی مرچھل سے تعزیہ کی طرف دیتی رہتی ہیں تمام رات اور تمام دن وہ تعزیہ خانوں کا گشت کرتی رہتی ہیں۔ نہ کھاتی ہیں اور نہ پیتی ہیں بلکہ وہ ضروریات جو جبراً و قہراً طاری ہوا کرتے ہیں یعنی از قسم بول و براز اس سے بھی دور رہتی ہیں کیونکہ ایسی حالتوں میں بیٹھنا ضروری ہے مگر وہ جب نہا دھو کر اس غرض سے کے لئے نکلتی ہیں تو پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دو آدمی ان کو سنبھالے رہتے ہیں جب ان کی مُرادیں آجاتی ہیں اور اولاد ہوتی ہے تو بعض تو حسینؑ مظلوم کی عطا کے باعث حسینؑ مظلوم کے نام کی مناسبت سے حُسینی یا اور کوئی نام رکھتی ہیں۔ غرضکہ امام حسین علیہ السلام کی عالمگیر شخصیت وہ ہے کہ خود بخود متاثر ہوتے ہیں اور ان سے کافی عقیدت ہے۔ یہ اس قدر اہم کام ہے کہ عورتیں بے ہوشی ہو جاتی ہیں مگر اپنے عزم و ارادہ میں کامیابی حاصل کر کے تب دم لیتی ہیں۔ چنانچہ اس ضلع میں بھی شب عاشور یا اور چہلم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات دیکھنے میں آئے جس کو چوکی بھرنا عام لوگ کہتے ہیں لیکن یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یاد رکھنے والی بات ہے جو عزاداری میں خصوصیت رکھتی ہے۔

ماہنامہ مجاہد لکھنؤ

اس کی خریداری قبول فرمایئے کہ یہ رسالہ اہم دینی خدمات انجام دے رہا ہے

(۱) برابر ترجمہ نہج البلاغہ پیش کر رہا ہے جس کی پہلی جلد تیار ہو چکی ہے ناظرین للعہ ارسال فرما کر طلب فرما سکتے ہیں۔

(۲) اہم مضامین اور نظمیں پیش کرتا ہے محرم نمبر میں ۱۰۰ نوحے اور مضامین ہیں جس میں اسداللہ خاں غالب مرحوم کے مرثیہ کے چند بند بھی ہیں۔

(۳) رسالہ حضرت نجم الملۃ طاب ثراہ کی یادگار کے سلسلہ میں نکلتا ہے لہٰذا اس رسالہ کی خریداری ضرور قبول فرمایئے اور محرم نمبر بذریعہ وی پی مبلغ ۱۲؍ طلب فرمائیں یا چندہ ۶؍ ارسال فرما کر محرم نمبر طلب فرمائیں۔

مجاہد بکڈپو نے مترجم قرآن مجید طبع کر رہا ہے جس کا جلی قلم ۳۰ پارہ مع محصولڈاک عصہ رعایتی عمہ چھوٹا سائز ۸/۔
تحفۃ العوام ہے دقائق الابرار ہے دینیات ۳ ۲ ۱۲ عہ ہندی اردو دینیات ۱۰ مجالس شیعہ عمدۃ المجالس ریاض المصائب
حالات مختار مکمل مجلد ۱۲ چہاردہ ۱ مجاہد بک ڈپو گلی شاہ چھڑا لکھنؤ

دو سو سال پرانا مرثیہ

تاریخ عزاداری نمبر کے نام کی مناسبت سے اب کی ہم جو مرثیے، سلام اور نوحے دے رہے ہیں وہ بھی پرانے شاعروں ہی کے ہیں تاکہ ان سے کم از کم ہندوستان میں عزاداری کی قدامت پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑ سکے۔

حسب ذیل مرثیہ ایک قدیم شاعر خلیفہ محمد علی سکندر کا ہے جن کی وفات سنہ ۱۸۰۰ء میں ہوئی تھی۔ یہ مرثیہ کھڑی بولی میں نظم کیا گیا ہے۔ اس مرثیہ کو اگر دیہات کے مخلوط مجمعوں میں پڑھا جائے تو بڑا مقبول اور پُر اثر ثابت ہوگا۔ ہم نے سکریٹری امامیہ مشن پر بھی زور دیا ہے کہ وہ اس کو کتابی شکل میں شائع فرما دیں تاکہ اس طرح اس سے زیادہ سے زیادہ افراد استفادہ کر سکیں اور وہ دیہات دیہات پہونچ سکے۔

(ایڈیٹر)

۱

بن کربل ما بانو دکھیا نینا نیر بہاوت ہے
چھاتی پیٹت آنسو ڈھلکت رو رو پہو سناوت ہے

ابن علیؑ کی لوتھ کے اوپر بیاکل ہو ہو جاوت ہے
زہراؑ جی کی بہو پیاری بن سیاں دکھ پاوت ہے

یا حیدرؑ تم ساقی کوثر چلو تو اتنا تنک پلاؤ
تس کے مارے بہو تمھاری ترس رہی ہے پیاس بجھاؤ

تم بن مورا کون ہے کا سے مانگوں نیر
کنبہ سگرا کھت گیو کھیت رہے شبیرؑ

۲

بستی موری کس جنگل میں ہے بے آن بسیلی — پلپٹت پلپٹت، چھاتی موری پھٹ کر ہو گئی نیلی
پھولن جوں کمھلائے کے جل بن کانٹا سوکھ بیلی — ماٹی کے سے رنگ بھئی ہوں سیاں کارن پیلی
سیاں کو میں کیونکر جا کے اپنے گلے لگاؤں — ظالم لوگوا گھیرے کھڑے، ہیں کیونکر لوتھ اٹھاؤں

بانز ایسا کون ہے جو ہاتھ پکڑ لے جائے
لوتھ کنے شبیرؑ کے مو کو جائے بٹھائے

۳

سیاں اپنا گلا کٹا کر لے گئے مورا سکھڑا — رات بسے میں بھیتر بیٹھی کیسے کاٹوں دکھڑا
بھالے انیا پروا کا، چندن جیسے مکھڑا — جوں موری نظر پڑت ہے دم جاوت ہے گھبرا
داغ بھئی، نیلی کی چھاتی، نینن اندر تارے — نینا رو رو لال بھئے ہیں سوکھ اگن کے مارے

پتلی اوپر انسوا ایک تیئں بھر آئے
گرم توے پر بوند جوں چمک چمک ڈھر جائے

۴

بیڑے اوپر اہل حرم کے اے مورے کرتارا — لوہو کی ندیا میں ڈوبا پار لگاون ہارا
سوکھ سمندر بیچ پھرت ہوں سو جھت ناہ کنارا — آن پڑی منجدھار بپت کی دیوے کون سہارا
سیاں بن یوں غم کی ماری ہو رہی مت موری — نیر بنا جوں مچھلی تڑپے ہو بھئی گت موری

منھ پر ڈھانپنے کو کتی لے دامن کا پاٹ
لہریں لے لے رو رہی لگی رنڈاپے گھاٹ

۵

ناکوئی مورا دُکھ پوچھت ہے ناکوئی سنگ سنگھاتی
کالی رین ڈرانی لاگے دوجے دیا نہ باتی
کیس بکھیرے بھوکی پیاسی سیّاں کا دُکھ کھاتی
ہائے حسینؑا سیّاں جو جھے یوں کہہ کر چلّاتی
ادنٹن کی ڈھگ بیٹھی بن میں سر کو مے مے مارے
نندن کے گرے ڈار کے بنھیاں رو رو ہاتھ پسارے

۶

تب نندن سے میں اُٹھ بولی آوے کیسے چینا
دُور وطن سے قید پڑی ہوں تھکتے ناہیں نینا
کس کے آگے بیٹھ بجھانوں اپنے غم کے بینا
اصغرؑ اکبرؑ قاسمؑ جو جھے ٹکڑے بھئے حسینؑا
اب ان کی لوتھن کے صدقے کوئی بند چھڑا دے
میلی سی اک چادر دے کر اپنا بول سُنا دے

اے بانو تو چھٹ گئی اُٹھ یاں سے چل جب
سیّاں کو نہلائے کے کفن پہنا گڑوا

۷

جواب کے میں جلیتی چھوٹوں سیّاں کے ڈھگ جاؤں
بن کربل میں اپنے ہاتھوں وا کی گور بناؤں
چاروں اُور رد وار اٹھا کے خاصے پیڑ لگاؤں
تکیہ کی سی صورت باندھوں نیکا کنواں کھدائوں
پانی بھر بھر تھلیاں لاؤں سر کاندھے پر دھر دھر
رات بسا کر اُد س میں پانی ٹھنڈا کر کر

رستے میں جھرنی رکھوں نیر بہا کر نین
پیو بٹاؤ لو گوا ندر امام حسینؑ

۸

سن کر موری ہانک بٹاؤ پانی پیون آویں　　ابن علیؑ کی گور کا صدقہ اپنی پیاس بجھاویں
چھاؤں تلے جھاڑو کی بیٹھیں تکیہ میں سُکھ پاویں　　جَدۡ وہ موری بپتا پوچھیں کہ بی بی ہم جاویں
کس کنبے کی بی بی ہے تو کس نگری سے آئی ہے　　کیوں تکیے میں روتی ہے کس کی گور بنائی ہے

تب اُن سے میں یوں کہوں ارے بٹاؤ لوگ
اسی گور کی کارنا لینا ہم نے سوگ

۹

زہراؑ موری ساس کہاوت سسرا مورا حیدرؑ　　سیّاں مورا لگت حسینؑ جیٹھ حسنؑ سا دیور
دیور وہ عباسؑ بہادر پُوت سا جانی اکبرؑ　　قاسمؑ بنڑا لال بھتیجا ننھا بٹوا اصغرؑ
اتنا مورا کنبہ کٹا ہے اتنوں کی میں پیاری　　وطن ہمارا دیس مدینہ میں بانو دکھیاری

بھلا بٹاؤ لوگوا کیجو مجھ پر غور
ایسی کوئی جہاں میں ہو گی دکھیا اور

۱۰

تکیہ کے دروازے آگے خاک لپیٹے منھ کو　　کیس کھلے کُل[1] کفنی پہنے کھڑی کہت ہر دورو
کوئی نجف کو جاتا ہو تو ارے بٹاؤ لوگو　　اتنا مورا ایک سندیسا حیدرؑ جی سے کہیو
بن کربل میں بانو بہو تمھاری پیاری　　ابن علیؑ کی گور کے اوپر دیکھی کرتی زاری

بلک بلک مر جائے گی نیکی پہونچیو یا شاہ
صدقہ اپنے پوت کا واکا کرو نباہ

[1] کل:- مالی

۱۱

ارے بٹاؤ لوگو! پھر تم دیس مدینے جانا
جتنے وہاں کے رہنے والے ان سب کو بلوانا
ختم رسولؐ کے روضے آگے جا کے سیس نوانا
سر چھاتی کو پیٹ کے اپنی رو رو بپتا سنانا
جائے کھبریا واکی لیجیے سب سے پیغمبرؐ
زہراؑ جی کی بہوا کیلی بانو کربل بھیتر
تکیے میں دیکھی گھٹری راکھ لپیٹے کیس
ابن علیؑ کی گور کے اوپر کیے فقیری بھیس

۱۲

یا احمدؐ جی یوں امت نے بانو کو بلکایا
تین دنا کربل کے بھیتر پانی ناہیں پایا
بے بس کر کے کنبہ واکا پیاسا کاٹ گرایا
لوٹ لیا دھن جو کچھ پایا گھر کو پھونک جلایا
اب تکیے میں کھکو یں گدڑی اوڑھے آہیں مارے
یا پیغمبرؐ نام تمہارا لے لے بہو پکارے
بانو بیٹھی فقیرنی اتنی بھیک دلاؤ
درس حسینؑ شاہ کا موکو تنک دکھاؤ

۱۳

ارے بٹاؤ لوگو! جائیو پھر وہاں کیجو زاری
جس روضے میں بی زہراؑ ہے جگ لستا دن ہاری
اتنی موری اور سے کہیو اے بی بی دکھیاری
اک تکیے میں کالی کفنی پہنے رانڈ بچاری
کیس بکھیرے گور کے اوپر کہتی ہے دن رینا
اٹھ چلیے زہراؑ کے ڈیرے مورے سنگ حسینؑا
تم زہراؑ کے لاڈلے اور زہراؑ موری ساس
تم دونوں اوٹھ گئے بیٹھوں کا کے پاس

۱۴

سنو بٹاؤ لوگو! پھر تم اون قبروں پر جانا　　بس کہا کر جس جائے حسنؑ نے لینو گور ٹھکانا
پھاڑ گریباں دھول اُڑا کر رو رو یہو سنانا　　بیٹھ حسنؑ کی پینتیاں رو رو سیس لگانا
اک تکیہ میں بھابھی تمھری بانو غم کی ماری　　سانجھ سویرے بال بکھیرے کہتی ہے بے چاری

اس تکیہ کو چھوڑ کر اوٹھ جاؤں کت اور
تکیہ دونوں جہان کا ہے سیّاں کی گور

۱۵

تمھیں حسنؑ بانو کہتی تھی جیٹھ کہاوت مورے　　اور قاسمؑ بنڑے کے ناتے سمدھی لاگت مورے
سو یہ دو ناتے لے گئے سکھ اور بپت مورے　　تم جنت میں سو رہے یاں نینا برست مورے
نیند نہ آوے غم کے مارے دل اندر سے پکیا　　ماٹی مو کو بچھونا ہے، ہے گور سرہانے تکیا

ہوں تمھری، واری گئی، تنک حسنؑ جی آؤ
جہاں تمھارا بیر ہے ہاتھ پکڑ لے جاؤ

۱۶

اتنی باتیں کہہ کر بانو جب رو رو چلائی　　گلے لگا کر زینبؑ بولی سُن اصغرؑ کی مائی
رونے سے کچھ ہاتھ نہ آوے ہوتی ہے رسوائی　　جس تن لاگے سو ہی جانے کس کی پیر پرائی
ایسا کون ہمارا والی کھبر کھبر جو لیوے　　اہل حرم کے بند چھڑا کر اک اک چادر دیوے

پوچھن ہارے سب موئے رہ گئے عابدؑ لال
سو تو دوہرے سنگ بندھے ہیں سر ننگے بے حال

۱۷

بانو زینبؑ جوں جوں روویں یوں کلثومؑ پکارے
مجھ دکھیا کو چھوڑ حسینؑ نا کیدھر جائے بسارے
گھروالی عباسؑ کی کہتی دونوں ہاتھ پسارے
سیّاں مورا کھوئے کٹاکر جو جہاں ندی کنارے
ماں بہنوں کو دیکھ پکاری قاسمؑ جی کی دلہن
دولہا مورا سہرے کی لڑیں سنگ کٹا کر گردن
سن عابدؑ نے یوں کہا اے بہنی مت رو
ابھی رین ہے کاٹنی بھور بھئے کا ہو

۱۸

ارے محباں رو کر بیٹو وا پچی دکھیاری
جا کا نام سکینہؑ بی بی ابن علیؑ کی پیاری
عابدؑ لاگے دیکھنے کانن سونی تھی بے چاری
ماں بہنیں بھتیجین کا رونا سن کو چونک پکاری
اے بابا تم رکت سووت ہو مو کو نیند نہ آوے
کانن کے دردن کے مارے گردن مور پراوے
تھپکی دے بہلائے کے، عابدؑ بولے پاس
بہنی تورے بابا نے لینو ہے بن باس

۱۹

چین کہاں آوت تھا وا کو اُٹھ بیٹھی وہ بالی
عابدؑ جوں جوں بہلاوت ہے جاوت ناہ سنبھالی
بیا کل ہو ہو ہے ہے کہتی بابا مورے والی
گودی میں بیٹھلا کے مو کو کرتے تھے خوشیالی
اب اپنی چھاتی سے بابا مجھ کو کیا نرالا
ایسی کیا تقصیر ہوئی جو بن میں لا کر ڈالا
مجھ بالی کی بالیاں لے گئے لوٹ غنیم
خالی کانن رو رہی تم بن بھئی یتیم

۲۰

چاچا جی نے پانی کارن ادھر جیا کھپایا — ایدھر تم نے مورے کارن پیاسا گلا کٹایا
عابدؑ کو ظالم لوگوا نے بندھوا کر بٹھلایا — تس پر مجھ بالی بچی کو بن پانی ترسایا
اب تک پیاسی مرتی ہوں بابا پیاس بجھاؤ — کوثر سے اک پیالا بھر کر مو کو لا پلواؤ

کیا کروں کا سے کہوں نکست ناہیں جان
اک بھڑک پیاس کی رو جے دُکھتے کان

۲۱

کیسے آئے بابا ہم کو آج بچھڑ کر چینا — چھاتی اوپر اپنی مجھ کو رکھتے تھے دن رینا
میں گودی میں ہنس ہنس کہتی بابا جان حسینؑا — بول سکینہؑ بی بی کہہ کر کرتے تھے یہ بینا
تب تم اپنے من کے بھیتر پھولے ناہ سماتے — گلے لگا بہلا کر مورے سر پر ہاتھ پھراتے

نا جانوں اب کیا ہوا بابا تمھرا پیار
آج کبھوئی بے سدھ نا لینی ایسے گئے بسار

۲۲

اے بابا کیا روٹھ گئے ہو کیسی جی پر ٹھانی — اب لگ مورے پاس نہ آئے رو رو بھئی دِوانی
جوں جوں مو کو پیاس لگت ہے جاوت ہوں گھبرانی — جان چلی جاوت ہے بابا تنک پیاؤ پانی
جیبھ جدی اینٹھت ہے منھ میں ہونٹھ جدی پپرائے — نیر لگا نینن کا ڈھرنے تو بھی خبر نہ آئے

جو تم اب اس حال میں تنک کروگے دیر
پھر دیکھیو تم آن کر بھئی سکینہؑ ڈھیر

۲۳

جب سے مورے ہاتھ بندھے ہیں تب سے نیند نہ آئی — سنکل سے جاتی ہے ٹوٹی موری نرم کلائی
اکین اور سسکتی قیدی بانو موری مائی — دوجے اور پڑا روتا ہے بندھوا عابدؔ بھائی
پھپھیاں چچیاں سر پیٹت ہیں بہنی رانڈ بلکتی — میں ان سب کے آگے بابا باٹ تمھاری تکتی
میں ان سب کی لاڈلی تم سب کے سرتاج
بندی آن چھڑایئے سب کی رکھیئے لاج

۲۴

تب عابدؔ نے سن کر واکو اتنا بول سنایا — اے بہنی کوئی اودھر سے موا یہاں نہیں آیا
اتنا کیوں روتی ہے بی بی جو لکھا سو پایا — کوئی گھڑی دم لے کر سولے کہتا ہے ماں جایا
بھور بھئے اب کیسی دیکھیں ہم پر بپتا آوے — بانو ابھی سے کانپن لاگی سیدھ ہوا نہیں جاوے
جل پی کے منھ ڈھانپ لے اپنا اوڑھ سنبھال
اے بہنی وہ دیکھ لے اُکھڑے تمبو پال

۲۵

بھور بھئے جب پوچھاٹن لاگی باجا کوچ نکارا — اونٹن پر دکھیا چڑھ جالیں اودھر ہوا گذارا
جدھر پڑا تھا بن سر گھائل دین دنی کا پیارا — کٹا ہوا سب کنبہ واکا دہل رہا تھا سارا
اونٹن کی لے ہاتھ مہروا عابدؔ آن پکارے — کس بپتا میں چھوڑ کے موکو بابا جان سدھارے
ماں بہنیں پھوپھیاں سبھی قیدی مورے سنگ
باٹ کٹے نہیں ایک دو کھ دوجے روگی انگ

۲۶

عابدؑ کی سن زاری دکھیا اونٹن پر چلائیں بیاکُل ہو کر گر پڑیاں ہے ہے کر کر دھائیں
سیس کھلے زنجیریں پہنے لوگن پر جب آئیں پیاروں کو پہچان کے اپنے آنسو بھر بھر لائیں
آپس میں یہ دیکھ پکاریں اے بہنو یہ کیا ہے ایک جسینؑ جو جھے ناہیں سگرا کنبہ کٹا ہے
تب تو سگری بیبیاں لوگن کو پہچان
سر چھاتی کو پیٹ کر کرنے لگیں بیان

۲۷

لوگن کے ڈھگ سیس کھلے بن چادر چھوٹی بڑیاں ہے ہے کر کر پیٹن لاگیں مقتل اوپر کھڑیاں
غم کے مارے کھائی گھمری رو رو کر گر پڑیاں ہاتھ ادھٹا دکھلاون لاگیں زنجیروں کی کڑیاں
کہنے لاگیں ہم رانڈوں کی بندی کون چھڑاوے کون ہمارا ہووے سنگھاتی کون وطن پہونچاوے
والی وارث مر گئے لوٹ لیا گھربار
ہم قیدی بن میں تیری دیکھت ہے سنسار

۲۸

کو ڈکھڑی سرورؑ کو پیٹے کو ڈکھڑی اصغرؑ کو کو ڈکھڑی قاسمؑ کو پیٹے کو ڈکھڑی اکبرؑ کو
کو ڈکھڑی کانن کو پکڑے کو ڈکھڑی زیور کو کو ڈکھڑی کہتی ہے سر سے چھین لیا چادر کو
ایکن اور کھڑے ہیں عابدؑ گلے پہ طوق سنبھالے ایکن اور لعیناں نے جب ان دکھلائے بھالے
تب تو سگری بیبیاں پیٹت پیٹت لاچار
اونٹن کے ڈھگ جا کے رو رو بھئیں سوار

۲۹

پکڑ مہروا عابدؑ جاتے نینن نیر بہاتے — پھر پھر لوٹیں دیکھت جاتے یوں کہہ کر چلاتے
اے بابا ہم تم کو بن میں بے بس چھوڑے جاتے — شام نگر لے جاتے ظالم تنک نہیں ٹھہراتے
کیونکر مو سے راہ کٹے گی پیر چلا نہیں جاوے — ماں بہنوں کی زاری سن کر جگرا اُلٹا جاوے

تس پر لاگی پیاس ہے دور بڑی ہے راہ
بابا کیسے ہوئے گا عابدؑ کا نرباہ

۳۰

اب آگے کچھ کہا نہ جاوے مو سے حال حرم کا — موری چنتا میں یو آوے بھیس بنا ماتم کا
بیٹھ محباں آگے باچوں یہ مرثیہ غم کا — بہت رلا دوں رو دوں پیٹوں نہیں بھروسہ دم کا
کہت فقیر غریب سکندرؔ ہوں تمہرے بلہارا — یہاں رکھیئے پت موری سرورؑ وہاں کیجئے سہارا

دو جگ کے تم دھنی مانگوں کا کے دوار
بھیک تمہارے دوار سے مانگت ہے سنسار

ہندی الفاظ کے معنی

لفظ — معنی
- ما — میں۔ اندر
- یہو — یہی
- چلّو اتنا — چلّو بھر
- کاسے — کس سے
- سگرا — سارا
- کھت گیو — کھیت رہا۔ قتل ہو گیا
- آن بسیلی — آن بسی
- بھیلی — بھئی۔ ہو گئی
- سُکھڑا — سُکھ، آرام، چین
- اگن — آگ۔ تپش
- کرتارا — خدایا
- پار لگاون ہارا — پار لگانے والا
- سوکھ سمندر — سوکھے سمندر میں

- بپت — بپتا۔ مصیبت
- سنگھاتی — ساتھی
- دوجے — دوسر
- دیا نہ باتی — چراغ نہ بتی
- ڈھنگ (بالکسر) — نزدیک
- جو جھے — قتل ہو گئے
- نندن — بیٹا
- گرے ڈار کے — گلے میں ہاتھ ڈال کے
- بکھانوں — بیان کروں
- نیکا (بہ یائے معروف) — اچھا۔ عمدہ
- جھرئی — سبیل۔ پیاؤ
- بٹاؤ — مسافر
- جلد — جب

- کارنا — کارن۔ واسطے
- لینا (بہ یائے معروف) — لیا
- بٹوا — بیٹا
- کفنی — کالی کفنی
- سندیسا — پیغام۔ خبر
- سیس نوانا — سر جھکانا۔ تسلیم بجا لانا
- ہلکوریں — بھٹی۔ پرانی
- جگ نستارن ہاری — دنیا کے دکھوں کو دور کرنے والی
- — دن رات
- ڈیرے — ٹھکانا۔ گھر
- پکیا — پک گیا
- بیر — بھائی

لفظ — معنی
- دُہرے سنگ بندھے ہیں — ہمارے ساتھ دہری بیڑیاں یعنی جکڑے ہوئے ہیں
- بسارے — بھول گئے۔ یعنی کدھر جا کر مجھے بھول گئے
- پسارے — پھیلائے
- عابد لاگے — عابد کے پاس
- کت — کہاں۔ کدھر
- مور — میری
- پراوے — دکھتی ہے
- اسمت — بے چین
- سنگل — زنجیر
- مہروا — مہار
- پت (بفتح) — عزت

انجمن ایمانیہ دریاآباد کا نایابُ تحفہ

فاطمہ زہرؑا کی سوانح عمری

حجم کتاب ۵۲۸ صفحات مجلد قیمت چھ روپیہ آٹھ آنہ

اگر آپ کو مذہبی کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہے اور تحقیق حق سے بھی کچھ دلچسپی ہے تو آپ اس کتاب کو ضرور پڑھیئے جو واقعی پڑھنے کی چیز ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس شان کی "فاطمہ زہرؑا کی سوانح عمری" جو معتبر کتب اہل سنت والجماعت کے حوالے سے لکھی گئی ہو اور جو سوانح عمری بھی ہو' تاریخ اسلام بھی اور شمع ہدایت بھی اُردو زبان میں اب تک شایع نہیں ہوئی ہے اور اسی خیال کی تصدیق کے لیۓ ہم اس کتاب کو آپ حضرات کے سامنے اس شرط کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ اگر آپ کو پڑھنے کے بعد بھی پسند نہ آئے تو آپ اندر پندرہ یوم اسے واپس کر کے اپنے دام واپس لے لیں بشرطیکہ کتاب گندی اور خراب نہ کی گئی ہو۔

آپ اس کتاب کو کسی سے اور کہیں سے بھی خرید فرمائیں رسید ضرور حاصل کر لیں اور کتاب پسند نہ آنے کی صورت میں جس سے آپ نے کتاب خریدی ہے اگر وہ آپ کو نہ مل سکے تو آپ اس کتاب کو رسید کے ہمراہ ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم انشاءاللہ آپ کا روپیہ دستی یا بذریعہ منی آرڈر آپ کی خدمت میں پہونچا دیں گے۔

نوٹ:۔ جو کتب فروش حضرات ہماری کتابوں کی ایجنسی لینا چاہیں وہ ہم سے شرائط معلوم فرمائیں۔ ہم انشاءاللہ انھیں ہر ممکن سہولتیں دیں گے خط وکتابت کرنے ونیز کتاب منگوانے کا پتہ حسب ذیل ہے:۔

المشتہر

مظفر علی خاں ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس آنریری جنرل سکریٹری انجمن ایمانیہ ۲۴۱ دریاآباد الہ آباد

لکھنؤ کے مآثر متبرکہ - روضے اور کربلائیں

از جناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈووکیٹ مرحوم

۱۔ کربلائے عظیم اللہ خاں

اس کربلا میں عظیم اللہ خاں مخاطب بہ اعظم الدولہ نے متصل کربلائے میر خدابخش روضہ حضرت امام رضا علیہ السلام بعہد دولت محمد علی شاہ تعمیر کرایا تھا روضہ میں مسالے سے دلکش گلکاری کی گئی ہے اور فرش میں مختلف رنگوں سے دیدہ زیب شطرنجی بنائی گئی ہے ایک مسجد روضے کے اندر ہے اور دوسری باہر جو مسجد گوہر شاد کی نقل بنائی جاتی ہے۔ عظیم اللہ خاں کو محمد علی شاہ نے دیوان عام کا داروغہ مقرر کر کے اعظم الدولہ کا خطاب بھی عطا کیا تھا۔ پانچ سال تک داروغہ عظیم اللہ خاں کا ستارۂ اقبال بہت آب و تاب سے چمکتا رہا اُس کے بعد ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ مشہور ہے کہ مدار یہ حقہ عظیم اللہ خاں کی ایجاد ہے جس کو عظیم اللہ خانی حقہ بھی کہتے ہیں قیصر باغ کے قریب ایک عالیشان دو منزلہ کوٹھی بھی عظیم اللہ خاں نے بنوائی تھی جس کو چار لاکھ روپئے میں واجد علی شاہ بہادر کے ہاتھ فروخت کر دیا اسی وجہ سے یہ کوٹھی "چولکھی کوٹھی" کے نام سے مشہور ہوئی۔ محمد علی شاہ نے عظیم اللہ خاں اور اُن کی دو بیویوں فخفۃ اور اماسن کے وثیقہ بھی مقرر کئے تھے جو اُن کے ورثا کو اب تک مل رہے ہیں۔ ۱۷ اپریل ۱۸۴۹ء کو بزمانہ شہریاری واجد علی شاہ عظیم اللہ خاں مرگ مفاجات سے ملک عدم کو راہی ہوئے اور اپنے ہی تعمیر کردہ روضہ میں مدفون ہوئے۔

۲۔ کربلائے میر خدابخش و
۳۔ کربلائے حاجی مسیتا

یہ کربلا شہر کی آبادی سے دور موضع کری کنورہ میں واقع ہے اس کو بزمانہ فرمانروائے شاہ زمن غازی الدین حیدر میرخدابخش نے ۱۲۳۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کے قبل دو اور کربلائیں میاں الماس علیخاں اور حاجی مسیتا اسی کربلا کے قریب بزمانہ حکومت نواب سعادت علیخاں بنوا چکے تھے اس طور پر یہ تیسری کربلا تھی جو سرزمین لکھنؤ پر تعمیر ہوئی۔

احاطہ کربلا میں داخلے کے لئے تین بلند اور ہموضع پھاٹک مثل زینو لیہ کے تعمیر ہیں۔ کربلا کے وسط میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا روضہ ہے جس کے چاروں طرف نہایت وسیع مستطیل صحن ہے اور ہر طرف غلام گردش ہے۔ روضہ کے بالائی حصہ میں ایک سبز گنبد ہے جس کے آگے عراقی طرز کے دو گلدستے ہیں۔ روضے کے جانب جنوب بھی عراقی وضع کا ایک بلند مینار برائے اذان تعمیر ہے۔

روضے کے مغربی دروازے پر حسب ذیل تاریخ تعمیر

گندہ ہے :-

مقتل اطہر حسین شہیدؑ   شدہ تاریخ این خجستہ بنا
۱۲۳۲ھ

ایک مرتبہ شاہ غازی الدین حیدر نے اپنے مدار المہام آغا میر مخاطب بہ معتمد الدولہ سے ناخوش ہو کر اُن کو خانہ نشین کر دیا اور ان کی جگہ پر نواب قمر الدین خاں اور میاں آفریں علیخاں مقرر ہوئے۔ آخر الذکر کے کارکن ان کے خاگرد میر خدا بخش تھے ایک سال چند ماہ کے بعد بادشاہ کا ملال دور ہو گیا تو آغا میر پھر بحال کر دیئے گئے۔ آفریں علیخاں و قمر الدین محاسبہ میں دھرے گئے۔ آفریں علیخاں کی ساری آفت ان کے کارندے میر خدا بخش پر آئی بہزار دقت رزیڈنٹ کی سفارش سے ان کی گلو خلاصی ہوئی ۱۲۴۲ھ میں انتقال کیا اور اپنی ہی کربلا کی شرقی رواق میں دفن ہوئے۔

زمانہ شاہی میں باشندگان لکھنؤ اپنی مرضی کے مطابق کل کربلاؤں میں اپنے تعزیئے لیجاتے تھے کسی کربلا کی قید نہ تھی مگر جب ہنگامہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد محرم کا زمانہ قریب آیا تو سرکار انگریزی نے اعلان کر دیا کہ کل تعزیئے صرف کربلائے میر خدا بخش میں جائیں سب کربلاؤں میں مناسب انتظام نہیں ہو سکتا۔ یہی امر اس کربلا کے بعد فروغ اور دوسری کربلاؤں کی بے رونقی کا باعث ہو گیا۔

۴۔ کربلائے ملکہ آفاق

شاہ نصیر الدین حیدر کی کربلا کے جانب غرب تھوڑی ہی دور پر محلہ ملکا گنج میں ملکہ آفاق کی شہرۂ آفاق کربلا ہے جس کے گنبدوں اور میناروں کی کلسیاں دور ہی سے جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہیں اس کربلا کا دوسرا نام "عسکریین" بھی ہے۔

کربلا میں ایک امام باڑہ بھی ہے جس کی چھت پر دو بڑے گنبد ہیں۔ سب سے زیادہ قابل تذکرہ اس امام باڑہ کا فرش ہے جس میں نفیس ساخت کے زرد، سُرخ اور سبز مختلف وضع و قطع کے روغنی چمکدار چوکوں کو ملا کر شطرنجی کی وضع بنائی گئی ہے یہ چوکے اپنی چمک دمک اور خوشنمائی میں جاپان کے بنے ہوئے چوکوں سے ٹکر کھاتے ہیں۔ امام باڑہ کے بائیں جانب دوسرے ملحقہ احاطہ میں ایک دوسری عمارت ہے جس میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مزارات مواقع سامرہ کی نقل بنائی گئی ہے اس روضہ کی گلکاری اور رنگ آمیزی قابل دید ہے اس کے بالائی حصہ میں ایک قبہ اور دو گلدستے ہیں جن کی سنہری کلسیاں نہایت ہی دلکش اور جاذب نظر ہیں۔

ملکہ آفاق نواب امام الدین خاں کی بیٹی تھیں جو نواب قمر الدین خاں وزیر اعظم محمد شاہ بادشاہ دہلی کے پوتے تھے۔

ملکہ آفاق محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کو بزمانہ صاحبزادگی منسوب ہوئیں اُن کا نام جہاں آرا بیگم عرف چھتو بیگم تھا۔ ۸ رجولائی ۱۸۳۷ء کو جب اُن کے شوہر کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا تو موصوفہ کو ملکہ آفاق مخدرۂ عظمیٰ ممتاز الزمانی نواب جہاں آرا بیگم کا خطاب عطا ہوا۔

یہ کربلا زمانہ حکومت محمد علی شاہ بادشاہ میں تعمیر ہوئی، ملکہ آفاق نے بتاریخ ۲ را کتوبر ۱۸۵۰ء اپنی جائے سکونت حسن باغ میں رحلت کی دوسرے روز انھیں کا تعمیر کردہ امام باڑہ ان کی دائمی آرام گاہ بنا۔

۵۔ کربلائے شاہ نصیر الدین حیدر

یہ کربلا محلہ ارادت نگر میں واقع ہے جس کے روضے کے بالائی حصے میں دو بڑے بڑے گول سر کے گنبد اور دو نامکمل مینار ہیں اس کا نام بانی کربلا نے "تشبیہ کربلا" رکھا تھا، روضہ کے وسط میں دو درجے ہیں پہلے درجے میں ایک خوشنما چوبی ضریح رکھی ہے اور دوسرے میں بادشاہ کی قبر ہے۔ روضے کے صدر دروازے

کے بائیں جانب اُس غار یا نشیبی مقام کی نقل تعمیر کی گئی ہے جہاں پر شمر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک تن اطہر سے جدا کیا تھا۔

ابھی کربلا زیر تعمیر تھی کہ بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۳۷ء شاہ نصیر الدین حیدر کو اُن کے بدخواہوں نے زہر دیکر عالم بالا کو رخصت کر دیا۔ دوسرے روز اپنی ہی بنوائی ہوئی کربلا میں آغوش لحد میں سُلائے گئے۔ سرور نے تاریخ وفات کہی:-

مردا ہے وائے نصیر الدین حیدر بادشاہ
۱۲۵۳ھ

بادشاہ کی رحلت کے بعد پھر کسی کو توفیق نہ ہوئی جو عمارت کو مکمل کر کے آراستہ کر دیتا چنانچہ وہ اسی طرح بے رونق پڑی ہوئی ہے پہلے اُس کے اخراجات کی متحمل گورنمنٹ ہوتی تھی مگر جب سے شیعہ کالج کربلا کی اراضی پر تعمیر ہوا ہے اس وقت سے اُس کے مصارف کالج کے ذمہ ہو گئے ہیں۔

۶- کربلائے نواب سعید الدولہ

یہ کربلا نصیر الدین حیدر بادشاہ کے شاہی اسپتال کے سامنے محلہ حیدر گنج قدیم میں لب سڑک واقع ہے اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا روضہ تعمیر ہے۔ روضہ کے اندرونی جانب دلفریب رنگ آمیزی ہے اور آیات قرآنی نہایت خوش خط تحریر ہیں بوجہ امتداد زمانہ غلام گردش کے کچھ حصے منہدم ہو گئے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ کربلا کی بقاء و داشت کے لئے کوئی جائداد وقف نہیں ہے کربلا کے بانی نواب ذکی سلیمان مخاطب بہ سعید الدولہ نواب ممتاز الدولہ کے بیٹے اور نواب ملکہ زمانیہ کے نواسے تھے اُن کی شادی پرنس مجتبیٰ علیخاں مرزا خورم بخت کی بیٹی سے ہوئی تھی موصوف نے ۱۸۷۵ء میں انتقال کیا اور اپنی ہی کربلا میں مدفون ہوئے۔ اُن کی رحلت کی وجہ سے کربلا نا تمام رہ گئی۔

۷- کربلائے نواب معتمد الدولہ

یہ کربلا غازی الدین حیدر بادشاہ کے وزیر اعظم نواب معتمد الدولہ سید محمد خاں عرف آغا میر نے محلہ نرہی میں ۱۸۱۵ء میں تعمیر کرائی تھی جس میں موصوف نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ واقع عراق کی شبیہ بنوائی تھی روضہ کے چاروں گوشوں میں چار گلدستے ہیں اور بالائی حصہ میں تین گول قبے بنے ہیں دو آگے کی طرف اور ایک ان کی پشت پر۔ روضہ کے اندر صرف ایک درجہ تھا جو اب تک بدستور قائم ہے کربلا کا پھاٹک اور چہار دیواری معدوم ہو چکی ہے ایک مختصر سی مسجد بھی کربلا کے وسط میں تھی جو شکستہ حالت میں اب تک موجود ہے کربلا کے متعلق بارہ بیگہ دس بسوہ اراضی تھی جس میں تعزیئے دفن ہوتے تھے۔ انگریزوں نے اس کربلا کو ضبط کر کے اس میں اس کا ٹنش میسن لاج ( ) قائم کیا تھا جس کو عوام جادو گھر کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ابھی تک یہ کربلا موجودہ گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے۔

۸- کربلائے نواب رفیق الدولہ

اس کربلا میں حضرت عباس علیہ السلام کا روضہ ہے جس کو سید امام علی رفیق الدولہ محلہ ٹھاکر گنج کے آگے کاکوری کے راستے میں تعمیر کرایا تھا روضہ کے اندرونی جانب رواق اور وسطی حصہ میں سفید پتی ہوئی دیواروں اور محرابدار چھتوں پر نہایت خوشنما گلدستے۔ قدرتی مناظر، جدولیں اور بیلیں مختلف رنگوں کے نال میل سے بنائی گئی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ روضہ کے اوپر ایک خشتی گنبد ہے جس کے دونوں جانب دو منارے بنے ہوئے ہیں۔ اراضی جس پر یہ روضہ تعمیر ہوا ہے عطیہ شاہی تھی۔ بعد تعمیر روضہ یہ مقام "عباس باغ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

میر امام علی محمد علی شاہ بادشاہ کے قدیمی رفیق تھے جب وہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے تو امام علی کو رفیق الدولہ کا خطاب عنایت کیا۔ بادشاہ کا ہاتھ بوجہ کسی مرض یا ضعف پیری کے از کار رفتہ تھا یہ کھانا بھی اپنے ہاتھ سے کھلاتے تھے اور شب کو داستان بھی سناتے تھے۔ اُن کا وثیقہ بھی بادشاہ نے مقرر کیا تھا۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۷۸ھ میں رفیق الدولہ نے مرض اسہال سے انتقال کیا اور اپنے تعمیر کردہ روضے کی رواق میں دفن ہوئے قبر پر قطعہ تاریخ مندرجہ ذیل لگا ہوا ہے۔

چوں یازدہم ز ربیع الثانی — رفتہ زجہاں ولائے رفیق الدولہ
تاریخ غم رحلت او کیوان گفت — شد قصر جناں جائے رفیق الدولہ

۱۲۷۸ھ

۹۔ کربلائے بی مصری

یہ کربلا محلہ مصاحب گنج میں قریب برف خانہ واقع ہے بی مصری نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں ایک مشہور صاحب فن تھیں۔ نواب آصف الدولہ اُن کے بڑے قدرداں تھے سفر و حضر میں حاضر باش رہتی تھیں۔ نواب موصوف نے ان کو تخمیناً بارہ بیگہ اراضی عطا کی تھی جس میں موصوفہ نے ایک مسجد اور سکونتی مکان بنوایا تھا۔ دونوں عمارتوں کے درمیان ایک معمولی سا امام باڑہ بنوایا تھا مسجد نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے مگر ظاہرہ لباس سے آراستہ نہ ہوسکی تھی امام باڑہ کے باہر ایک درخت کے نیچے چھوٹی چھوٹی تربتیں بنی ہوئی ہیں بغیہ میں تعزیئے اور میتیں بھی دفن ہوتی ہیں۔ بی مصری کے دو لڑکیاں ابراہیم اور بی مصاحب نامی تھیں جو دو سیدوں کو بیاہی گئیں۔ سید جالب مرحوم مدیر ”ہمت“ نے اخبار مذکور کی ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں بہت تجسس و تحقیق کے بعد لکھا تھا کہ مصری کی بغیہ لکھنؤ کا بہت پرانا قبرستان ہے...... یعنی مثنوی سحرالبیان کے جادو نگار مصنف میر حسن مرحوم یعنی میر انیس کے جد امجد اسی گورستان میں مدفون ہیں بعض معمر لوگوں کی زبانی یہ بھی سننے میں آیا کہ تاج الشعراء میر تقی میر کا مرقد بھی اسی بغیہ میں تھا مگر اب کوئی یہ بتانے والا بھی نہ رہا کہ میر حسن کی قبر کون سی ہے اور میر تقی کا مزار کونسا ہے یا دونوں باکمالوں کے مرقد برقرار بھی ہیں یا دستبرد زمانہ سے ناپید ہوگئے۔

۱۰۔ روضہ حضرت زینبؑ معروف بہ زینبیہ

یہ روضہ مہدی گنج میں واقع ہے اس میں داخلہ کے دو پھاٹک ہیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ۔ اصل روضہ سادہ مگر شاندار ہے دالان در دالان سے متصل شہ نشین ہے جس کے کئی درجے ہیں جس کے سامنے کے رُخ دروازوں کی جوڑیاں لگادی گئی ہیں۔ شہ نشین میں حضرت زینبؑ کا مزار بنایا گیا ہے جس کے کٹہرہ پر سیاہ پوشش ہے اس مزار کے عقب میں حضرت فضہ کا مدفن بنا ہے برابر والے دوسرے درجہ میں جناب سکینہؑ دختر حضرت امام حسینؑ کا مرقد بنایا گیا ہے اس کے کٹہرہ پر بھی چاروں طرف سیاہ غلاف چڑھا ہوا ہے شہ نشین کے بالائی جانب ایک بڑا کرخی گنبد ہے۔ یہ روضہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۸ء) میں تعمیر ہوا۔ تاریخ تعمیر یہ ہے۔ ”روضہ زینب محبوس ملال“ (۱۲۹۷ھ) اس روضہ کو میر مدد علی عرف اچھے صاحب متخلص بہ عیش نے تعمیر کرایا تھا اصلی روضہ شام میں واقع ہے۔ میر مدد علی شہزادہ سلیمان قدر کے مختار اور لکھنؤ کے نامور مرثیہ گو جناب مودب کے نانا تھے انھوں نے ۱۸۹۳ء میں انتقال کیا اور اپنے ہی تعمیر کردہ روضے میں مدفون ہوئے۔

اس روضہ میں ہر سال دو دلیہ ہوتے ہیں جن میں فرقہ امامیہ کی مستورات شریک ہوتی ہیں پہلا دلیہ دسویں صفر کو حضرت سکینہؑ کا ہوتا ہے اور دوسرا ۱۵ جمادی الثانی کو حضرت زینبؑ کا جس میں شیعہ خواتین کثیر تعداد میں شریک ہوتی ہیں۔

۱۱۔ کربلائے منشی فضل حسین

یہ کربلا وکٹوریہ اسٹریٹ پر شاہ نصیر الدین حیدر کے

شاہی اسپتال سے تھوڑے فاصلے پر کربلائے تال کٹورہ جاتے ہوئے سڑک کے داہنی جانب ملتی ہے۔ اس میں صاحبزادگان حضرت مسلم کے روضہ کی نقل بنائی گئی ہے مشہور ہے کہ یہ عمارت اصلی روضہ واقع مسیب عراق عرب سے بہت مشابہ ہے اس میں دو حجرے پہلو بہ پہلو واقع ہیں جن کے اوپر دو قبے پاس پاس بنے ہوئے ہیں۔ چہار دیواری کے اندر تعزیے دفن ہوتے ہیں اور ایک مسجد بھی ہے۔ یہ روضہ منشی فضل حسین نے $\frac{۱۲۹۶ھ}{۱۸۷۷}$ میں تعمیر کرایا تھا۔ تاریخ تعمیر درج ذیل ہے:۔

مقام دلکش از فضل حسین ست ؎ دہر ہر سو منے را یاد مسلم
نوشتم سال تاریخ بنائش ؎ بود ایں روضۂ اولاد مسلم

منشی فضل حسین عہد دولت سلطان عالم واجد علی شاہ دفتر بخشی گری میں منشیوں میں ملازم تھے بعد انتزاع نواب محسن الدولہ کے یہاں کارپرداز رہے پھر بعد ہنگامۂ غدر ۱۸۵۷ء حسین آباد ٹرسٹ میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز رہے سکونتی مکان وکٹوریہ اسٹریٹ پر تھا موصوف نے $\frac{۱۳۱۰ھ}{۱۸۹۱}$ میں انتقال کیا اور اپنے ہی بنا کردہ روضہ میں موت کی میٹھی نیند سو رہے ہیں۔

۱۲- کربلا مصاحب الدولہ

یہ کربلا مصری کی بغیہ میں مصاحب گنج کے قریب واقع ہے۔ اس میں مصاحب الدولہ نے حضرت عباس علیہ السلام کا روضہ تعمیر کرایا تھا۔ جو درگاہ حضرت عباسؑ واقع رستم نگر کی مشہور عمارت سے بہت مشابہ ہے روضہ کی شہ نشین پر ایک نہایت کہنہ مگر خوشنما ضریح سنگ مرمر کی رکھی ہوئی ہے روضہ کے اوپر ایک بڑا خشتی گنبد ہے جس کے بالائی حصے میں سنہری کلسی لگی ہوئی ہے چھوٹے خاں (انیس الدولہ) اور گھسیٹے خاں (مصاحب الدولہ) دو سگے بھائی دہلی کے باشندے تھے بعہد دولت بادشاہ امجد علی شاہ دونوں بھائی سلطان عالم کے ملازم ہو کر بخطاب مصاحبان خورد سر بلند ہوئے۔ ۱۸۴۷ء میں جب سلطان عالم صاحب صاحب تاج و تخت ہوئے تو گھسیٹے خاں کو خطاب مصاحب الدولہ اور خدمت عرض بیگی عطا ہوئی۔ ۱۸۵۶ء میں جب سلطان عالم بعد ضبطی سلطنت کلکتہ تشریف لے گئے تو مصاحب الدولہ بھی ان کے ہمرکاب تھے۔ ۱۸۸۷ء میں جب سلطان عالم اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے تو مصاحب الدولہ بھی لکھنؤ چلے آئے اور یہاں بڑے ٹھاٹھ سے رئیسانہ زندگی بسر کرتے رہے اپنے نام پر محلہ "مصاحب گنج" انھیں نے آباد کیا تھا۔ موصوف نے تخمیناً ۱۸۹۳ء میں انتقال کیا اور اپنی مسجد کے سامنے والی اراضی میں مدفون ہوئے۔

۱۳- کربلائے نواب عظمت الدولہ

یہ کربلا منصور نگر کے قریب محلہ مہدی گنج میں واقع ہے۔ اس میں صرف ایک عالیشان امام باڑہ بنا ہے جس میں عریض و طویل شہ نشین اور دالان کے علاوہ بغلی درجے بھی تعمیر ہیں امام باڑہ کے سامنے وسیع صحن میں تعزیے دفن ہوتے ہیں احاطہ کے اندر ایک مسجد بھی کسی خانم صاحبہ کی تعمیر کردہ موجود ہے جس کی تاریخ تعمیر "منزل دین" ہے ۱۲۹۴۔ لکھنؤ کا قدیم تعزیہ انیسویں صفر کو اور فقیر کا تعزیہ ۲۲ صفر کو اسی کربلا میں دفن ہوتا ہے اس کربلا کو ابتداً جناب سید محمد باقر صاحب منصف الدولہ نے تعمیر کرایا تھا آپ جناب مولوی سید محمد صاحب سلطان العلما کے نور نظر اور غفران مآب جناب مولوی سید دلدار علی صاحب نصیرآبادی کے پوتے تھے۔

یہ کربلا بعد میں کسی صورت سے نواب عظمت الدولہ کے قبضہ میں آگئی عظمت الدولہ منتظم الملک سید محمد رضا خاں انتظام جنگ معجز الدولہ مرزا ابو القاسم خاں جنرل فوج کے بیٹے تھے جن کو شاہ غازی الدین حیدر کی بیٹی

نواب زہرہ بیگم منسوب تھیں۔ عظمت الدولہ کی شادی بھی آخری تاجدار اودھ کی بیٹی سپہر آرا اکبری بیگم سے ہوئی تھی۔ بعد طوفان غدر ۱۸۵۷ء جب انگریزوں کی دوبارہ عملداری ہوئی تو کپتان کارنگی نواب عظمت الدولہ کی کئی لاکھ روپیہ کی مالیت کا کُل ساز و سامان لے کر چلے گئے موصوف اس وقت صرف لنگی باندھے بیٹھے تھے۔ دشمنوں نے پہننے کے کپڑے تک نہ چھوڑے جب نواب نے اپنا گھوڑا ہزار روپے کو فروخت کیا تو کپڑے نصیب ہوئے نواب نے سرکار سے برابر مراسلت کی مگر کچھ سماعت نہ ہوئی۔

۱۴۔ کربلائے دیانت الدولہ

یہ کربلا محمد حسین خواجہ سرا

مخاطب بہ دیانت الدولہ نے بزمانہ شہریاری واجد علی شاہ مرحوم ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں محلہ منصور نگر میں تعمیر کرائی تھی۔ اس روضہ میں حضرت امام حسینؑ کے مزار پُرانوار کا شبیہ بنی ہے کل روضہ میں سنگ مرمر کا نفیس فرش ہے اور دیواروں وغیرہ پر جامہ وار کے مانند دلکش اور خوشنما جال بنا کر اس کے خانوں میں تال میل کے رنگوں سے دیدہ زیب اور دلفریب پھول بنائے گئے ہیں دوسرے مقامات پر بھی حسب موقع نہایت جاذب نظر گلکاری کی گئی ہے۔

روضہ کی چھت پر ایک خوبصورت اور عالیشان سنہرا گنبد ہے جس کے اوپر نہایت خوبصورت کلس لگا ہے اس گنبد کی پشت پر ایک دوسرا خشتی گول گنبد بھی ہے اور روکار کی چھت کے دونوں گوشوں پر دو خشتی گلدستے ہیں۔ اُن کا بالائی حصہ بھی سنہرا اور نہایت خوشنما ہے۔ تاریخ تعمیر ہے:—

کربلا مقتل حسین شہید
۱۲۶۸ھ

دیانت الدولہ کالا قوم کے زنگی نفر اور خواجہ سرا تھے اور بزمانہ ولیعہدی واجد علی شاہ کے ملازم ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی خدمات کی وجہ سے اپنے آقائے نامدار کے دل میں گھر کر لیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اُن کو محمد معتمد علیخاں کا خطاب عطا کیا پھر تخت نشین ہو کر انھیں "دیانت الدولہ متدین الملک محمد معتمد علیخاں بہادر امانت جنگ" خطاب دے کر سرفراز فرمایا۔ بعد انتزاع سلطنت دیانت الدولہ بادشاہ کے ہمرکاب کلکتہ بھی گئے۔ وہاں سے زیارت عتبات عالیات کو گئے۔ زیارت سے فراغت کرنے کے بعد پھر کلکتہ واپس آکر باریاب شرف ملازمت ہوئے مگر ۱۸۶۹ء میں پیمانہ عمر چھلک گیا لاش ریل پر لکھنؤ آئی اپنی کربلا کے روضہ میں جانب مغرب مدفون ہوئے۔

اُن کے وصی میاں داراب خواجہ سرا تھے جو ملکہ عہد کے یہاں نواب ناظر تھے۔ کربلا انھیں کے اختیار میں تھی ہر مہینے کی پانچویں کو مجلس عزا پابندی سے برپا ہوتی تھی میر انیسؔ کے بیٹے میر خورشید علی نفیسؔ رونق افروز منبر ہوتے تھے۔ جو مجلس اُمنائی (BOARD OF TRUSTEES) میاں داراب کے امام باڑہ واقع کچا احاطہ فقیر محمد خاں کا انتظام و نگرانی کرتی ہے وہی کربلائے دیانت الدولہ کا بھی انتظام و انصرام کرتی ہے اور میاں داراب کے علاقہ کی آمدنی سے چودہ سو روپے سال برائے مصارف کربلائے دیانت الدولہ بھی دیے جاتے ہیں۔

۱۵۔ شاہ نجف لکھنؤ

یہ روضہ سکندر باغ کی بغل میں ۱۲۳۳ھ میں

شاہ غازی الدین حیدر نے بنوایا تھا جو شاہ نجف کے نام سے مشہور ہے اصل روضہ بمقام نجف اشرف حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے مزار پُرانوار پر تعمیر ہے لکھنؤ کا یہ روضہ اسی اصل روضہ کی نقل ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش ہے اور بالائی حصہ میں ایک بڑے قد کا

خوبصورت گنبد ہے جس پر سنہرا کلس لگا ہوا ہے۔ تاریخ تعمیر شاہ نجف یہ ہے:-

باحسن عقیدت نجف اشرف را ✽ فرمود بنا بہند نواب وزیر
تاریخ مبارکش چو جستم از عقل ✽ ہاتف گفتا عجیب نجف شد تعمیر
۱۲۳۲ھ

زمانہ شاہی میں روضہ کے وسط میں نہایت خوشنما سبز بلوری تعزیہ رکھا تھا جو انگلستان سے ڈھل کر آیا تھا۔ اس پر نہایت خوشنما اور دلکش سنہرا مینا کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے تعزیے ہاتھی دانت۔ آبنوس۔ صندل۔ نقرئی۔ گنگا جمنی یا کسی دوسری شے کے بنے ہوئے تھے۔ اس روضہ میں شاہ غازی الدین حیدر کے علاوہ ان کی تین بیویاں مبارک محل۔ ممتاز محل۔ سرفراز محل بھی زیر خاک موت کی میٹھی نیند سو رہی ہیں۔

شاہ غازی الدین حیدر نے ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ تاریخ ذیل اُن کے مدفن پر لگی ہوئی ہے۔

چوں رفت شہ زمن ز دنیا ✽ ماتم دل خاص و عام بگرفت
از روئے بکاہ و آہ گفتم ✽ حیدر بہ نجف مقام بگرفت
۱۲۴۳ھ

۱۶۔ کاظمین

اس کربلا میں ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام اور نویں امام حضرت امام محمد تقی علیہ السلام یعنی دادا پوتے کے مزارات واقع بغداد کی نقل محمد رضا خاں تو مسلم نے محلہ منصور نگر میں تعمیر کرائی۔ یہ عمارت بہت شاندار منظر پیش کرتی ہے جس کے بالائی حصے پر دو بڑے بڑے گول مونڈھے بنا کر دونوں پر شلجم نما قبے تعمیر کر کے ان پر خوشنما کلسیاں لگائی گئی ہیں دونوں مونڈھوں اور قبوں پر سونا چڑھا ہوا ہے جس میں طلائی گوٹوں کی ایسی جڑائی دکھائی گئی ہے جب آفتاب کی شعاعیں ان قبوں پر پڑتی ہیں تو اُن کی جگمگاہٹ سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی گلکاری اور رنگ آمیزی بھی قابل دید ہے۔

محمد رضا خاں عہد امجد علی شاہ میں گزرے ہیں انھیں شرف الدولہ خطاب ملا تھا۔ انتظام علاقہ حضور تحصیل ان کے سپرد ہوا اس کے علاوہ اور بھی چند نفع بخش سرکاری کام ان سے متعلق رہے۔

۱۲۶۹ھ میں روضہ کاظمین بنوایا اور ۲۶ جمادی الاول ۱۲۷۶ھ کو اس جہان فانی سے سدھار گئے۔

۱۷۔ کربلائے ملکہ جہاں

اس کربلا کو ابتداءً داروغہ عاشق علیخاں پیشدست داروغہ ایوان عام عظیم اللہ خاں نے بمقام عیش باغ بعہد دولت شاہ محمد علی شاہ تعمیر کرایا تھا جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا روضہ تعمیر ہے مابعد نواب ملکہ جہاں نے داروغہ صاحب کو معاوضہ دے کر کربلا حاصل کر لی اور اس میں ایک دوسرا روضہ حضرت عباس علیہ السلام کا بھی تعمیر کرایا اس روضہ میں خط ثلث کے کتبے بہترین قسم کے ہیں ملکہ جہاں محمد علی شاہ کی چہیتی بیوی تھیں ان کا نام حسینی خانم تھا سلطنت اور حکومت ہاتھ آنے پر موصوف نے بمقابلہ خاص محل نواب ملکہ آفاق اُن کو نواب ملکہ جہاں کا خطاب دیا تھا موصوفہ بہت سلیقہ مند تھیں خط نسخ خوب تحریر کرتی تھیں بادشاہ نے معتمد الدولہ آغا میر کی کل ضبط شدہ املاک واقع دولت پورہ (متصل سٹی اسٹیشن) مع وزیر باغ و بلند باغ ان کو عطا کر دی تھی۔ مجالس عزا موصوفہ نے بہت حوصلہ مندی سے منعقد کیں انھیں بیگم سے بادشاہ کے ایک بیٹے ہمایوں بخت مرزا احمد علیخاں تھے جن کی شادی نواب نور بیگ خاں رئیس مدراس کی بیٹی سے ہوئی تھی جن کو سسرال سے خاقان بہو خطاب عطا ہوا تھا۔ اُن کی محل سرا موسومہ "خاقان منزل" محلہ وزیر گنج میں اب تک موجود ہے۔ ملکہ جہاں نے ۹ جولائی ۱۸۸۱ء کو انتقال کیا لاش کربلائے معلیٰ روانہ کی گئی۔

۱۸۔ درگاہ حضرت عباسؑ

یہ درگاہ شہر لکھنؤ کی قدیم ترین اور نہایت مقبول زیارت گاہ ہے جو محلہ رستم نگر میں واقع ہے۔ اس کی وضع قطع امام باڑہ کی ایسی ہے جو حضرت عباس علیہ السلام

سے منسوب ہے خاص روضہ درگاہ کے اوپر ایک نہایت خوشنما اور شاندار کرخی سنہرا گنبد ہے جس کی کلسی پر ایک جالدار اور دیدہ زیب علم لگا ہوا ہے۔

اس زیارت گاہ کے بانی مبانی ایک شخص مرزا نقیر بیگ تھے جنھوں نے اس کو بزمانہ حکومت نواب آصف الدولہ تعمیر کرایا تھا مگر اس وقت تک عمارت خام تھی مابعد نواب آصف الدولہ نے اُس کے اوپر ایک خشتی گنبد تعمیر کرا دیا تھا۔

نواب سعادت علیخاں کے زمانہ میں اس درگاہ کی بہت ترقی ہوئی انھوں نے گنبد خشتی کو طلائی کیا درگاہ وسیع کرائی اور اُس کے دو درجے مردانے اور زنانے قرار دیئے بعد تعمیر نواب سعادت علیخاں اس زیارت گاہ کا نام حضرت عباس مشہور ہوا۔ مرزا محمد حسن قتیل نے قبہ کا مادہ تاریخ کہا۔

ع این گنبد جدید بنائے سعادت است
۱۲۱۷

اس درگاہ میں زیادہ تر حاضری چڑھائی جاتی ہے جس میں پہلے شیرمال۔ کباب۔ ادرک کی ہوائی۔ پنیر کے ٹکڑے۔ مولی کی قاشیں۔ پیاز کا لچھا اور پودینہ ہوتا ہے مگر اب شیرمال کے علاوہ دوسری چیزوں میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے پنیر تو بالکل نایاب ہو گیا ہے۔

نواب سعادت خاں کے بعد سے یہ دستور ہو گیا تھا کہ جو نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا وہ اس آستانہ پر شاندار شاہی جلوس کے ساتھ ضرور حاضر ہوتا۔ جب سلطان عالم واجد علی شاہ کلکتہ جانے لگے تو اپنا تاج اور تلوار درگاہ میں چڑھا گئے۔

۱۹۔ شبیہ روضۂ فاطمین واقع رستم نگر

یہ روضۂ مبارک

ابتداء عہد واجد علی شاہ میں ایک مسماۃ مومنہ جواہر خانم یا صرف جواہر نامی نے تعمیر کرایا جب وہ پریشان مفلوک الحال اور شاید بیوہ ہوگئیں۔ تو انھوں نے اس روضہ کے ساتھ ساتھ اس کی متعلقہ اراضی کا بیع نامہ ایک خطیر رقم لیکر نواب سلطان بیگم صاحبہ بنت شاہ اودھ نواب محمد علی شاہ کے نام کر دیا۔ بیگم صاحبہ نے کچھ عرصہ بعد اس کو اپنے فرزند نواب صادق علیخاں صاحب کے نام کر دیا اور بیگم صاحبہ کے شوہر نواب معظم الدولہ باقر علیخاں ابن نواب کمال الدین حیدر خاں ابن نواب شجاع الدولہ بہادر نے اس میں اور اراضی خرید کر شامل کی آپ کے بعد نواب صادق علیخاں صاحب نے روضے کے برابر ایک پختہ وسیع کمرہ تعمیر کرایا اور اس میں مومنین دفن ہونے لگے آپ کی جانب سے جناب حکیم چھوٹے صاحب موسوم بہ حکیم لسوڑا اس روضے کے منتظم و نگراں معین ہوئے اور تاحین حیات نگراں رہے اس روضہ کے پائیں ایک تہ خانہ تھا جسمیں متعلقہ سامان رکھا جاتا تھا ہر نوچندی جمعرات کو نہایت اہتمام سے مجلس ہوتی تھی روضہ کی چہاردیواری کے باہر پھاٹک کے برابر ایک وسیع دالان اور کمرہ تھا جس میں سبیل تھی کمرہ میں سبیل کا سامان رکھا جاتا تھا ساتویں محرم کو سبیل پر شربت ہوتا تھا اب اس کا کوئی پتہ نہیں صرف نشان باقی ہیں۔

نواب صادق علیخاں صاحب کے انتقال کے بعد اُن کے تین فرزند نواب حسین علیخاں صاحب و نواب اصغر علیخاں صاحب و نواب زین العابدین خاں صاحب اس کے مالک و متولی ہوئے جو اب بھی ماشاء اللہ موجود ہیں اور اپنے موروثی مکان عقب مدرسۃ الواعظین واقع کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ میں فروکش ہیں۔

۲۰۔ شبیہ روضہ نجف اشرف واقع رستم نگر لکھنؤ

حسن مرزا صاحب لکھنوی تاجر تھے اُنھوں نے دوران سفر کلکتہ میں خواب دیکھا کہ میں تابوت جناب امیرؑ اٹھا رہا ہوں اور تابوت کی ساخت اس وضع کی ہے جب وہ ۱۲۹۲ھ میں لکھنؤ آئے اور اپنے ہاتھ سے تابوت بنا کر شب نوزدہم ماہ صیام یعنی شب ضربت اپنے قرابت دار میر محمد شاہ صاحب کے مکان واقع رستم نگر میں (اسی مقام پر جہاں اب نجف اشرف ہے) تابوت رکھا اور

شب لبست وکیم اٹھایا۔ اب اس کورٹ رت کی برکت کہئے یا فیض امام سے مقبولیت کہ ابتدا ہی سے کثیر مجمع ہونے لگا کچھ عرصہ بعد تو محلے کے مکان مستورات سے اور میدان اور سڑکیں مردوں سے مملو نظر آنے لگیں جب یہ مکان ناکافی ہوا تو محلے کے بڑے مکانوں سے تابوت اٹھایا جانے لگا۔ حسن مرزا صاحب کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی دو بیٹیاں تھیں جن کے شوہر برابر شریک و سہیم رہا کرتے تھے حسن مرزا صاحب کے انتقال کے بعد اُن کے بڑے خویش حاجی افضل حسین صاحب جو کارخانہ دار تاجر اور ریاست اصغر آباد کے کارپردازان خاص سے تھے اُسی طرح تابوت اٹھاتے رہے اسی کے ساتھ ساتھ حاجی صاحب نے پہلے وہ مکان خریدا جس سے تابوت کی ابتدا ہوئی تھی رفتہ رفتہ نجف اشرف کا نقشہ بنوا کر انتظام کرتے رہے بالآخر ۱۳۳۲ھ میں مرحوم نے ایک اجتماع کثیر کیا جس میں تمام مجتہدین کرام بھی شریک تھے سرکار ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ نے اپنے دست حق پرست سے سنگ بنیاد رکھا اُسی سال قبہ تعمیر ہوا جس میں مداح آل پیمبر جناب مرزا کاظم حسین صاحب محشر کا تصنیف کردہ قطعہ تاریخ نصب ہے۔

فروغ گنبد عالیست ہمچو ماہ تمام :: طواف مہر کند از نہار تا شام
بگوش اہل نواب آید ایں ندا ازغیب :: شدہ ایں بنائے مقدس پئے زیارت عام
بآستان مبارک بیاد بوسہ بزن :: کہ سجدہ گاہ جہان است خوابگاہ امام
پئے وضو بطلب آب کوثر و تسنیم :: کہ تا قبول شود بہرشن باد

برائے سال بنائش رقم کن اے محشر
شبیہ تربت شاہ نجف امام انام
بعدہٗ تعمیر مبارک کی تکمیل دو سال بعد - - - -

ہی ہوئی اب اس روضہ مبارک کے متولی حسن مرزا صاحب مرحوم کے نبیرگان خادم حسین صاحب اور ناصر حسین صاحب ہیں جو اپنے اسلاف کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔

۲۱۔ کربلا نواب امین الدولہ

لکھنؤ میں حضرت عباس علیہ السلام کے ۵ روضے ہیں، سب سے پہلے مرزا فقیر بیگ نے بزمانہ نواب آصف الدولہ محلہ رستم نگر میں درگاہ حضرت عباس کی بنا ڈالی، دوسرا روضہ علیش باغ میں بعہد دولت محمد علی شاہ مرحوم داروغہ عاشق علیخاں نے بنوایا جس کو بعد میں نواب ملکہ جہاں نے معاوضہ دے کر حاصل کر لیا۔ تیسرا روضہ اُسی زمانے میں میر امام علی رفیق الدولہ نے بمقام عباس باغ کاکوری کے راستے میں تعمیر کرایا۔ چوتھا نواب امداد حسین خاں امین الدولہ نے دریا گنج میں، پانچواں گھسیٹے خاں مصاحب الدولہ نے مصری کی بغیہ میں بزمانہ شہریاری جان عالم واجد علی شاہ بنوایا۔

نواب امداد حسین خاں امجد علی شاہ مرحوم کے وزیر اعظم تھے، ان کے تعمیر کردہ روضے کی جھریوں میں آیات قرآنی نہایت نستعلیق خط میں مسالے سے تحریر ہیں اور اس کی منبت اور رنگ آمیزی نہایت نفیس اور دلکش ہے، فرش میں رنگین چوکے بنائے گئے ہیں روضے کے اوپر دو خشتی گنبد اور دو منارے ہیں یہ کربلا ۲ دو برس میں، واجد علی شاہ مرحوم کی تخت نشینی کے تیسرے سال بن کر تیار ہو گئی، تاریخ تعمیر حسب ذیل ہے:۔

کرد تاریخ چو نواب امین الدولہ :: مرقد پاک علمدار شہ عرش مقام
برق تاریخ رقم کرد با مداد حسینؑ :: شد بنا مشہد عباس علمدار حسینؑ

۱۲۶۶ھ

۱۲۵۶ھ میں نواب امین الدولہ نے مرض فالج میں مبتلا ہو کر انتقال کیا اور اپنے ہی تعمیر کردہ روضے میں سپرد خاک کئے گئے۔ اب اس کربلا کے منتظم نواب محمد رضا صاحب عرف ننھے نواب صاحب ہیں جو اس کی بقا اور ترقی میں کافی کوشاں رہتے ہیں۔

نواب آصف الدولہ اور عزاداری

جناب تصدق حسین صاحب بی، اے، ایل ایل، بی لکھنؤ (مرحوم حنفی)

پونے دو صدی قبل یعنی ۱۷۷۵ء سے پہلے لکھنؤ کی حیثیت ایک قصبہ کی ایسی تھی - یہ ہلال ابھی بدر کامل نہ ہوا تھا اس کی مختصر سی آبادی ٹیلہ حضرت پیر محمد شاہ سے لے کر بعد لیوان تک متفرق طور پر پھیلی ہوئی تھی - تہذیب و تمدن کی لہریں پورے طور پر ابھی یہاں تک نہیں پہونچی تھیں - دو چار اکابر ملت اور بزرگان دین کے یہاں مزارات تھے یا فرنگی محل کا مدرسہ نظامیہ تھا جس نے بعہد حکومت شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب جنم لیا تھا اور اسی سرچشمہ علم و فضل سے سب فرقے یکساں سیراب ہو رہے تھے۔

۱۷۷۵ء میں نواب شجاع الدولہ کے نور نظر نواب آصف الدولہ مرزا یحییٰ علیخاں عرف مرزا امانی اپنی والدہ محترمہ امۃ الزہرا بیگم مخاطب بہ نواب بہو بیگم صاحبہ سے بوجوہ کشیدہ خاطر ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ چلے آئے اور اسی مقام کو اپنا دارالحکومت قرار دے دیا نواب کے دم قدم سے لکھنؤ کے لئے رونق چمن میں ایک تازہ بہار آگئی موصوف نے اس میں باون ۵۲ مواضعات شامل کرکے بڑی بڑی عالی شان و فلک بوس محل سرائیں اور کوٹھیں، خوابگاہیں اور بہت سے دلکش اور نزہت بخش باغات سے بھی اس کو زیب و زینت دی اور جیتے جی دس لاکھ روپیہ سالانہ بمد تعمیرات صرف کرتے رہے۔

اس طور پر لکھنؤ کو شہر کا رتبہ بخشنے اور اس کو دلہن کی طرح آراستہ کرنے کا سہرا نواب آصف الدولہ کے سر ہے چنانچہ موصوف نے اپنی زرپاشیوں اور کاوشوں سے اس ننھے سے پودے کو صرف بائیس برس کی آبیاری سے ایک چھتنار درخت بنا دیا جس کے زیر سایہ بڑے بڑے علماء و فضلاء و کاملین فن - نامی گرامی شعراء اور مشہور و معروف ادبا پناہ لیتے گئے اور شہر لکھنؤ ہندوستان کا پیرس اور فخر اصفہان ہو گیا۔

لکھنؤ میں تعزیہ داری کا عروج بھی انھیں کی ذات سے ہوا - چنانچہ جس دوکان پر سر بازار تعزیہ ملاحظہ کرتے تو ادھر سے پاپیادہ نکلتے اور کم سے کم پانچ روپیہ اور زیادہ سے زیادہ ہزار روپئے بطور نذر چڑھاتے اور کئی لاکھ روپئے ہر سال محرم میں صرف کرتے تھے۔

سنہ ۱۷۸۴ء میں لکھنؤ میں قیامت خیز قحط پڑا جب کہ آدمی کو آدمی کھائے جاتا تھا اور قحط زدہ لوگ اولاد جیسی پیاری اور محبوب چیز کو فروخت کرکے اپنا پیٹ پال رہے تھے جب رحم دل اور بلند حوصلہ نواب کو رعایا کی تباہی و بربادی کا المناک نقشہ دکھایا گیا تو انھوں نے خزانے کا منہ کھول دیا اور امام باڑہ کی بطور امدادی کام کے احاطہ مچھی بھون میں داغ بیل ڈالدی مگر سیرچشم اور دریا دل نواب نے اس خیال سے کہ یہ امام باڑہ بہترین قسم کی

عمارت ہو اور اب تک جو امام باڑے تعمیر ہو چکے ہیں ان سب سے اعلیٰ و افضل ہو بہت سے نقشے مختلف معماروں سے تیار کرائے مگر کفایت اللہ دہلوی کا نقشہ سب سے زیادہ پسند خاطر ہوا اور اسی کے موافق عمارت تعمیر ہوئی تھی۔ تہی دست اور مفلوک الحال شرفاء جو زمانہ کے ہاتھوں پامال ہو رہے تھے مگر آبرو کے رکھ رکھاؤ کے خیال سے مزدوروں کے ساتھ کام کرنا اپنی کسر شان اور ہتک عزت خیال کرتے تھے وہ شب کی تاریکی میں آ کر مشعلوں کی روشنی میں معمولی سا کام کر جاتے تھے اور پاس شرافت سے ان کو معاوضہ میں پورے دن کی اُجرت بغیر نام پکارے دے دی جاتی تھی اور ان کی توہین و تذلیل نہیں ہونے پاتی تھی سات برس کے بعد بقول مرزا ابو طالب مصنف تفضیح الغافلین و معاصر نواب آصف الدولہ یہ مایۂ ناز شہرۂ آفاق امامباڑہ بن کر تیار ہوا۔ مرزا کمال الدین حیدر مصنف قیصر التواریخ راوی ہیں کہ اس عمارت میں پچاس لاکھ روپیہ کی لاگت آئی اور تقریباً اسی قدر رقم اس کی تزئین و آراستگی میں صرف ہوئی۔

امامباڑہ تیار ہونے پر اس کے وسطی ہال میں تعزیہ داری ہونے لگی یہ ہال بقول مسٹر نیول NEWILL اور گزیٹیر ۲۰۳ فٹ لمبا ۵۳ فٹ چوڑا اور ۶۳ فٹ بلند ہے جو اینٹ اور چونے کی صناعی کا بہترین نمونہ ہی نہیں پیش کرتا ہے بلکہ اس کا شمار دنیا کے اعلیٰ ترین دالانوں میں ہے جس کی چھت بغیر لکڑی یا لوہے کی مدد کے محراب دار بنائی گئی ہے۔

مرزا ابو طالب کے بیان کے مطابق وسطی ہال کی لمبائی ۶۰ گز اور چوڑائی ۲۰ گز ہے امام باڑہ کے آگے ایک وسیع چبوترہ تھا جس کے وسط میں ایک حوض بھی بنایا تھا مگر اب کوئی حوض چبوترہ پر موجود نہیں ہے۔

امام باڑہ کے حدود میں ایک ضعیفہ کا مکان بھی آ گیا تھا جس کی وجہ سے عمارت کانی رہی جاتی تھی مگر بڑھیا اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی اور مکان دینے پر کسی طرح راضی نہ ہوتی تھی بالآخر وہ اس شرط پر رضا مند ہوئی کہ مکان کے عوض اس کو دوسرا مکان بنوا دیا جائے اور امام باڑہ میں اس کے نام کا تعزیہ بھی ہر سال رکھا جائے نواب نے اس کی دونوں شرطیں منظور کر لیں اور جب امام باڑہ میں تعزیہ داری شروع ہوئی تو عہد کے پکے وعدے کے سچے نواب نے بڑھیا کے نام کا تعزیہ بھی مغربی جانب کی شہنشینی میں زندگی بھر خود رکھا اور اب تک اس مقام پر بدستور سابق رکھا جاتا ہے۔

امام باڑہ کی آراستگی اور سجاوٹ کے متعلق مرزا ابو طالب لکھتے ہیں۔ امام باڑہ کی تکمیل کے بعد سے نواب آصف الدولہ چار پانچ لاکھ روپے سالانہ اس کی آرائش و زیبائش پر صرف کرتے تھے۔ انھوں نے سینکڑوں چھوٹے بڑے تعزیے چاندی سونے کے بنوائے تھے اور شیشے آلات کی مد میں سفید و رنگین کنول دار اور بلا کنول جھاڑ اور فانوس مردنگیں جو خریدی جاتی تھیں وہ حد و حساب سے باہر تھیں۔ امام باڑے کے کل بڑے بڑے دالانوں کی چھتیں اور فرش شیشہ آلات سے پٹے پڑے تھے اسی لئے زیارت کرنے والوں کے لئے اندر بالکل گنجائش نہ رہتی تھی اور زائرین کھٹے ہوئے چبوترے پر بیٹھ کر دور سے زیارت کرتے تھے اس قدر ساز و سامان موجود ہوتے ہوئے بھی نواب کو سیری نہ ہوئی اور جب ڈاکٹر بلین ولایت جانے لگے تو نواب نے ان سے ایک سبز اور ایک سُرخ تعزیے اور جھاڑوں اور دیگر سامان شیشہ آلات کی فرمائش کی، کل سامان کی قیمت ایک لاکھ روپیہ طے پائی ۱۲۱۱ھ میں ایک تعزیہ آ گیا اور دوسرے کے لئے سال آئندہ کا وعدہ ہوا۔

۱۸۲۴ء بزمانہ حکومت شاہ غازی الدین حیدر پادری ہیبر (HEBER) بسلسلہ سیاحت لکھنؤ بھی آئے۔ تھے امام باڑہ آصفی کی نسبت وہ حسب ذیل رقمطراز ہیں:۔

"اس مقدس عمارت میں بکثرت جھاڑ لٹک رہے تھے جس کی سنہری اور روپہلی ڈالوں اور پھل دار ترشی ہوئی خوش رنگ قلموں کی چمک دمک سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوتی تھی اور جو جھاڑ بہت وزنی اور لٹکانے کے قابل نہ تھے وہ فرش پر رکھے ہوئے تھے ان جگمگاتے ہوئے بیٹھک کے جھاڑوں کا نچلا حصہ بہت گھیردار تھا اور اوپر کی جانب گاؤدم ہوتے چلے گئے تھے ان کے بیچ بیچ میں نقرئی اور مرصع روضے یا تعزیے جو آٹھ دس فٹ بلند ہوں گے رکھے ہوئے تھے۔

ان کے علاوہ نوربان اودھ کے پرانے زمانے کے زرنگی پٹکے جن پر آیات قرآنی کڑھی ہوئی تھیں بڑے بڑے نقرئی پنجے جن پر بخط طغرا الفاظ کندہ تھے مقدس ڈھالیں جن پر خدائے قدوس کے اسمائے گرامی کی مرصع کاری کی گئی تھی خراسانی تلواریں، نیزے، بھالے مشہور زمانہ سپہ سالاروں کے عمامے اور چند مخصوص قسم کے متبرک منبر بھی تھے جو امام باڑہ کی زیب و زینت میں چار چاند لگا رہے تھے۔"

آصف الدولہ نے ۲۱ ستمبر ۱۷۹۷ء کو انتقال کیا اور اپنے ہی تعمیر کردہ امامباڑہ میں سپرد خاک کئے گئے مگر بدقسمتی سے انھوں نے امامباڑہ کی شکست و ریخت کی مرمت و مصارف امامباڑہ کے لئے کوئی جائداد وقف نہیں کی اس وجہ سے یہ عرصہ تک وقف حسین آباد کی زیر نگرانی رہا۔ اب کچھ عرصہ سے محکمہ تحفظ آثار قدیمہ نے اس کو باستثنار مسجد اپنے تحت میں لے لیا ہے آصف الدولہ کے مرقد کے علاوہ ایک اور قبر بھی امامباڑہ میں ان کی بیوی شمس النسا بیگم کی ہے موصوفہ اور نواب سعادت علی خاں میں موافقت نہ تھی اس وجہ سے وہ الہ آباد میں سکونت پذیر تھیں اور وہیں رحلت کی مگر بزمانہ حکومت شاہ غازی الدین حیدر ان کی لاش الہ آباد سے لکھنؤ لاکر آصف الدولہ کی قبر کے مشرقی پہلو میں دفن کی گئی۔ مس سڈنی نے (. . . . .) اپنی کتاب ہسٹارک لکھنؤ . . . . میں بعد جانچ و تحقیقات لکھ مارا کہ آصف الدولہ کی قبر کے برابر کفایت اللہ معمار کی قبر ہے مگر یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ کفایت اللہ کی مسجد موسومہ بلند مسجد اور امام باڑہ محلہ مصاحب گنج میں ہے عہد آصفی کا یہ مایہ ناز معمار جس کی تعمیر کی ہوئی عمارت کو دیکھ کر یورپ کے بڑے بڑے انجینیر انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں اپنے ہی امامباڑہ واقع مصاحب گنج میں موت کی میٹھی نیند سو رہا ہے۔

آصف الدولہ کے عہد دولت میں چھتوں کا کوئی قلابہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی جھاڑ ہانڈی یا جھاڑ فانوس آویزاں ہو مگر وہ زمانہ اس کی بہار کا تھا اب خزاں رسیدگی کے زمانہ میں یہ جھاڑ ہونے کے بعد صرف چند قد آدم آئینے جن میں پرانی وضع کے سنہرے چوکھٹے لگے ہیں اور تھوڑا سا شیشہ آلات باقی رہ گیا ہے اس کمی سامان کے متعلق منشی رام سہائے تمنا جو حضرت محمد علی شاہ کے ہمعصر تھے اپنی کتاب افضل التواریخ میں تحریر کرتے ہیں کہ امامباڑہ حسین آباد کی آرائش کے لئے امامباڑہ آصف الدولہ کی قیمتی اور نادر اشیاء منگوائی گئی تھیں زینت حسین آباد باعث بے رونقی امامباڑہ کلاں ہوئی اور روشنی بھی کم ہونے لگی مگر "نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی" امامباڑہ آصفی کی عمارت خود اتنی پُر صفت اور پُر عظمت ہے کہ اس ننگی بوچی حالت میں بھی اپنے پرائے، ملکی و غیر ملکی سبھی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں اور اودھ کے دوسرے فرمانرواؤں کی آراستہ و پیراستہ عمارتوں کا اس کو سرتاج خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت اس عمارت کے تانبے اور سونے پر سہاگہ کا کام دیا ہے جس سے اس کی دلکشی اور دلفریبی میں چار چاند لگ گئے ہیں اور بغیر امامباڑہ آصفی عمارات لکھنؤ کا تصور بے دولہا کی برات معلوم ہوتا ہے۔

درگاہ حضرت عباسؑ (لکھنؤ)

تاریخ و تعمیر کی روشنی میں

(از نواب زادہ سید فدا حسین صاحب لکھنؤ)

جس جگہ پر یہ درگاہ بنی ہے یہاں پہلے مرزا فقیرا کا مکان خام تھا جس کی چھت اور دیواریں خام تھیں۔ مرزا فقیرا کو ایک شب بشارت ہوئی کہ دریا کے گومتی کے فلاں فلاں کنارے پر جہاں علم ہائے حضرت عباسؑ میں سے جن کو کربلائے معلّے میں بلند کیا تھا ایک علم دفن ہے اس کو کھود کر نکالے اور اپنے مکان میں لاکر نصب کرے۔ چنانچہ حسب بشارت مرزا صاحب موصوف نے اس مقام کو کھودا علم برآمد ہوا جو تھجرت کا سرشاخہ تھا۔ اسے نہایت تعظیم و تکریم سے اپنے گھر واقع رستم نگر لائے اور اسے اپنے گھر میں نصب کیا۔ علم مبارک نے شہرت پائی اور شہر کے عوام وہاں جاکر منت مُرادیں اپنی مانگتے تھے اور ان کی حاجت برآری ہوتی تھی۔

چند روز بعد نواب آصف الدولہ بہادر اپنے کسی خدمت گار پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ کل تیری ناک کٹوالوں گا وہ ہر طرف دوڑا، منتیں مُرادیں کرنے لگا۔ چنانچہ درگاہ آیا منت مانگی۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے دوسرے دن اس کی ناک نہ کٹوائی بلکہ چند روز بعد اس پر ایسے مہربان ہوئے کہ اس سے باتیں کرنے لگے۔ اس نے نواب کو مہربان پاکر عرض حال کیا کہ حضور نے تو کٹوانے کے باب میں حکم دیا تھا۔ مگر بہ تفضل و صدقہ میں حضرت عباس علیہ السلام کے بچ گیا۔

نواب نے تفصیل اس علم مبارک کی پوچھی اس نے تمام و کمال کیفیت اس علم مبارک کے برآمد ہونے کی بیان کی۔ نواب آصف الدولہ ازبسکہ شیدائے جناب عباسؑ کے تھے اپنے کسی معتبر کو مرزا فقیرا کے مکان پر بھیجا اور ایک ہزار روپیہ بھی نذر کیا۔

نواب کے آدمی نے واپس آکر تمام کیفیت علم مبارک بیان کی، زیارت کو گئے۔ ایک گنبد اینٹوں کا وہاں تعمیر کرایا جب مرزا فقیرا نے قضا کی تو ان کے صاحبزادہ نے وہ طریق حاضری جاری رکھا۔ اور اس آمدنی سے اپنی بسر اوقات کرتا تھا۔ عشرۂ محرم میں زیادہ رونق ہوتی تھی ۱۲۱۷ھ عہد نواب آصف الدولہ بہادر نواب اودھ اس کی عمارت خشتی رہی۔

نواب آصف الدولہ بہادر سے صفائی قلبی شاید نواب سعادت علی خاں سے نہ تھی اور انھوں نے منت مانی تھی کہ اگر سلطنت حق بحقدار رسید ہوگی تو اس جگہ گنبد طلائی تعمیر کراؤں گا۔ چنانچہ جب سربرآرائے سلطنت ہوئے اور علیل بھی ہوگئے تھے بعد غسل صحت درگاہ میں حاضری دی۔ دسترخوان بڑے تکلف سے ہوا اسی دن منہیات سے اجتناب کلی فرمایا دم آخر بھی انھیں سے اجتناب

چاہتے تھے لب پر نام عباسؑ تھا خلاصہ بعد اس کے تیاری درگاہ میں خصوصیت ہوئی۔ تیاری درگاہ میں گنبد طلائی ہوا مرزا محمد حسن قتیل نے مادہ تاریخ اس گنبد کی کہی۔ "ایں گنبد جدید ندائے سعادت است" مکان عالیشان و دروازہ سب طرح سے درست ہوا۔ جب سے پہرہ سرکار اور ایک داروغہ بھی سرکار سے مقرر ہوا اور صندوق نقرہ و علم ہائے طلائی و نقرہ معہ فرش شیشہ آلات و منبر نقرہ رکھا گیا۔ مگر بانی مبانی درگاہ کو سب نذر ملتی رہی۔

نواب سعادت علی خاں کے بعد ان کے صاحبزادے نواب رکن الدولہ بہادر کے بڑے بیٹے نواب امیر الدولہ نے ایک حوض اندرون صحن درگاہ بنوایا جس کی تعمیر کی تاریخ سلمان خاں اسعد نے اس طرح نظم کی ہے:۔

چشمۂ فیض چوں نواب امیر الدولہ
کرد نقر پے نذر امام دوسرا
گشت مشہور جہاں ہمت آں بحر سخا
حرف زد شد چو دریں وجہ حسنؑ بہر حسینؑ
حاصلش دیں شد و ہم نام بگو در دنیا
اسعد از بہر تماشش بہ طہارت تاریخ
قلمم کرد رقم ثانی کوثر بادا

نواب سعادت علی خاں کے بعد جب حسب شرع شریف ان کے سب سے بڑے صاحبزادے غازی الدین بہادر تخت نشین ہوئے ان کے حال میں لکھا ہے کہ درگاہ بڑے تجمل اور احتشام سے تے تھے اکثر دستر خوان درگاہ میں ہوتا تھا۔ آراستگی درگاہ خوب کی تھی جلوہ خانہ وسیع بنوایا ہوا انھیں کا ہے اور نوبت نہ گھڑیال رکھا گیا۔ آج تک ان کی بنوائی ہوئی دھوپ گھڑی شاید

جلوہ خانہ پر ہے۔ انھوں نے اندرون درگاہ منبر و دیگر سامان عمارت سب درست کیا اور درگاہ کے دروازہ پر چاندی چڑھوائی۔ منظور تھا کہ اولاد محبت جان وزیر باغ میں رہے جو قریب درگاہ واقع ہے اس لئے کہ اکثر محرم میں فساد ہوا کرتا تھا جاتا رہے اور اس جگہ عباس گنج آباد کیا جائے۔

ملکہ زمانہ نصیر الدین بادشاہ کی بیوی ہر نوچندی جمعرات کو درگاہ حاضر ہوتی تھیں۔ اس بستی کے زمانہ میں مبلغ دس ہزار صرف دستر خوان درگاہ ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے باورچی خانہ درگاہ مذکور تعمیر کرایا۔

جس دن نواب فضل علی خاں جن کا خطاب منجانب بادشاہ نصیر الدین حیدر اعتماد الدولہ تھا نائب بادشاہ ہوئے مرزا آغا جان کو داروغہ درگاہ کیا اس واسطے کہ بڑا امام باڑہ آصف الدولہ بہادر کا اہتمام و انتظام انھیں کے اختیار میں تھا اور کرتے تھے۔ یہ دستور تھا کہ آمدنی درگاہ مردانی سرکار میں جاتی تھی جس سے داروغہ چوکی پہرہ وغیرہ مقرر تھا اور آمدنی زنانی درگاہ مرزا فقیرا کی اولاد کو ملتی تھی۔ زمان شاہی تک یہی دستور رہا۔ غدر میں جس طرح لوٹ مچی اس کا حال سب کو معلوم ہے۔ اس لوٹ میں جملہ سامان میں علم جو برآمد کردہ مرزا فقیرا تھا تلف ہو گیا اور درگاہ سرکار برطانیہ میں نزول ہو گئی۔ بعد دو ایک سال کے شرف الدولہ غلام رضا خاں جس کی تعمیر سے روضہ کاظمین شریفین لکھنؤ میں ہے اور واجد علی شاہ جو اس وقت کلکتہ میں تھے معرفت صمصام الدولہ عاقل الملک حکیم سید مرزا خاں بہادر کے رجسٹر نزول سے واگذار کر دیا۔ غلام رضا خاں نے کچھ مزید سامان اپنی طرف سے چڑھایا۔ اولاد مرزا فقیرا کو درگاہ سے بالکل خارج کیا اور کل آمدنی درگاہ کو لیکر اس پر صرف کرتے تھے۔ بعد انتزاع سلطنت اودھ حضرت سلطان عالم

محمد واجد علی شاہ نے اپنا تاج و تلوار بھی اسی درگاہ میں چڑھا دیا تھا ایام غدر میں یہ بھی تلف ہو گیا۔

شرف الدولہ غلام رضا خاں کے انتقال پر نواب پیارے صاحب خلف نواب حسن علی خاں درگاہ کے متولی ہوئے جس کو محمد واجد علی شاہ نے متولی کیا تھا زمانہ غدر کے بعد اکثر حکام نے چاہا کہ درگاہ میں جو اسباب چاندی، سونے کا ہے اسے بھی ضبط کر لیں مگر مفتاح الدولہ نے عرض کیا کہ تصرف مال وقف جائز نہیں اس لئے محفوظ رہا۔

غدر کے محرم کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ برجیس قدر رمضان علی مرزا پسر حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ، جو انگریزوں سے بعد روانگی واجد علی شاہ در سمت کلکتہ زائد عرصہ از ۱۵ ماہ ٹکر لیتے رہے ان کا تعزیہ جواہرات و سامان جلوس جو اس درگاہ سے زمانہ برجیس قدری اٹھا تھا سب لٹ گیا۔ اس واقعہ کو فاربس صاحب نے زبان انگریزی اپنی کتاب "HISTORY OF INDIAN MUTINY" by R.W. Forbes. بہ تشریح تمام لکھا ہے۔ اس لوٹ میں صرف کلغی نقرئی جو لوٹی تھی اس کو مبلغ ڈیڑھ لاکھ روپیہ میں ولایت میں جا کر فروخت کیا گیا تھا۔

شرف الدولہ محمد ابراہیم جن کے متعلق وثیقہ حریت حضرت محمد علی شاہ بادشاہ اودھ بابت پنشد ایران حسین باد مبارک لکھنؤ تھا غدر میں قتل ہوئے۔ اس کی تشریح تمام صفحہ ۳۵۷ جلد دوم تاریخ اودھ جلد دوم مصنف سید کمال الدین حسنی الحسینی اس طرح دی ہوئی ہے" خلاصہ بروز جمعہ ۲ شعبان ۱۲۷۴ھ جب کارنیگی صاحب "Carnagie" صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ) گورے لے کر کوٹھوں پر سے ہو کر داخل درگاہ ہوئے دو ظالم جو ننگی تلوار لئے کھڑے تھے انھوں نے دوڑ کر پوچھا کہ اس اسیر کو کیا حکم ہوتا ہے، کہا مار ڈالو جب نامرد ازلی بڑھے نواب نے عنایت علی خدمتگار کو بازو سے جوشن بند اتار کر دیئے، کہا یہ میری نشانی ہے میرے گھر پہونچا دینا اس نے خوف سے انکار کیا۔ کہا وہ دیکھو میرے قاتل آ پہونچے یہ کہہ کر پہلوئے منبر نماز کو کھڑے ہو گئے۔ ایک نامرد نے بندوق دوسرے نے تلوار ماری مقام سجدہ پر گر پڑے سسک رہے تھے اس عرصہ میں کارنیگی صاحب بھی آ گئے عنایت خدمتگار سے پوچھا یہ کس کی لاش ہے، کہا شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں کی۔ کارنیگی "Carnagie" صاحب نے خاکروبوں کو حکم دیا کہ سب لاشوں کو اٹھا کر صاف کر دو فوراً، "باورچی خانہ درگاہ میں ہے اور مقتولین متوسلین کی دیگر لاشوں کو پیوند خاک کر دیا"۔ یہ شرف الدولہ محمد ابراہیم وہی ہیں جنھیں ملکہ حضرت محل صاحبہ نے اپنا مشیر خاص بنایا تھا اور جو کورٹ (Court) ملکہ حضرت محل صاحبہ نے قائم کیا تھا اس کے کرتا دھرتا تھے ملکہ حضرت محل صاحبہ اور ان کے صاحبزادے نے زائد از پندرہ (۱۵) ماہ واجد علی شاہ کے بعد حکومت کی۔ ہزار ہا لڑائیاں ان کی سپاہ نے انگریزوں سے لڑیں ہزار ہا انگریز اور میم صاحبان مارے گئے۔ سکہ مرزا برجیس قدر کا تھا اور یہ بادشاہ تھے۔

راقم الحروف نے شرف الدولہ محمد ابراہیم کا حال اس لئے لکھا کہ غفلت میں حضرات کوئی اور استعمال نہ کر بیٹھیں بلکہ شرف الدولہ محمد ابراہیم وغیرہ اور جو دوسرے شہید یہاں دفن ہیں احترام کریں۔

بہادر شاہ ظفر اور اہلبیت سے عقیدت

مسز عندلیب زہرا کاظمی (کامونپوری) ایم اے علیگ

ہندوستان کی مغل حکومت کے آخری بادشاہ سراج الدین شاہ ظفر سے متحد ہندوستان کی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں دودمان تیموریہ کا یہ آخری چشم و چراغ تخت نشین ہوا۔ ان کی حکومت کی بساط ۱۸۵۷ء میں الٹ گئی۔ بہادر شاہ ظفر پر ہندوستان کی مسلم حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ رنگون میں جلاوطنی کی حالت میں آپ کا ۱۸۶۲ء میں انتقال ہو گیا۔

بہادر شاہ ظفر فن کار۔ شاعر۔ مصنف۔ خطاط اور خوش نویس ہونے کے ساتھ فن سپہ گری، تیر اندازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے یہ اہل بیت کرام سے عقیدت رکھتے تھے ان کی نظمیں ان کے دلی ارادت کی گواہ ہیں۔ ان کی زندگی کی تاریخ شاہد ہے کہ انھیں اہل بیت طاہرین سے کس قدر خلوص و عقیدت تھی ان کی شاعری اور ان کی زندگی کے واقعات سے اس خلوص و عقیدت کی تراوش ہوتی ہے۔ "کتاب بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد تالیف" رئیس احمد جعفری ندوی مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں سے کچھ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، جن کی روشنی میں ظفر کی عقیدت و احترام اندازہ کیا جا سکتا ہے:۔

"آج کے دن جہاں پناہ کے محلات میں حضرت علیؑ کے دسترخوان کی نیاز ہوتی ہے جو کستو بڑے بڑے خوانوں میں چوٹی تک بھر کے دسترخوان پر رکھ دیئے جاتے ہیں اور پردہ گرا دیا جاتا پھر باہر بیٹھ کر نیاز دی جاتی ہے پھر پردے باندھ دیئے جاتے ہیں اور شمع کی روشنی میں ستوؤں کو دیکھا جاتا ہے۔ آج ایک خوان کے ستوؤں پر حضرت علیؑ کی تسبیح کے دانے کا نشان نظر آیا اور حضور جہاں پناہ نے اس خوان کے ستوؤں کو خود بطور تبرک نوش فرمایا۔ پھر اپنے دست مبارک سے وہ ستو شہزادوں اور بیگمات کو تقسیم کئے۔ اور اس کے بعد سب نے بارگاہ جہاں میں نذریں پیش کیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دسترخوان یا کھانوں پر کوئی خاص نشان نظر آ جاتا تو سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ نے یہ نیاز قبول فرمائی ہے اور اس پر اپنی انگلی کا نشان ثبت کر لیا ہے۔ دسترخوان پر ہر قسم کے کھانے ہوتے اور جو کے ستو بھی۔ حضرت علیؑ کی تسبیح کا نشان صرف جو کے ستوؤں پر ظاہر ہوتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان ستوؤں کو اس طرح چوٹی دار بھرا جاتا تھا کہ کہیں کسی چھوٹے بڑے نشان کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ مگر جب تسبیح کا نشان اس میں نظر آیا تو سب کو بیحد خوشی ہوئی کہ حضرت نے اس ستو کو قبول فرمایا۔

(سرطاس مٹکاف کی ڈائری صہ ۱۰۹)

حضرت علیؑ اور امام حسینؑ سے ظفر کی عقیدت

بہادر شاہ ظفر کی حضرت امام حسین سے گہری عقیدت کا اظہار ان کے کیف و اثر میں ڈوبے ہوئے اشعار سے ہوتا ہے محرم کی رسمیں بجا لاتے اور ہر طرح سے اپنے جذبے کا اظہار کرتے تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

جو اس امام کا ہے دوست ہے خدا کا دوست
قبول ہوتی ہے اس کی علی الدوام نماز
جو ہو حسینؑ کا دشمن اسے کہاں ایمان
اگرچہ پڑھتا بھی ہو وہ برائے نام نماز
نماز پڑھ کے سدا سجدہ و قیام کے ساتھ
وظیفہ چاہیے ذکر عظیم امام کے ساتھ

نہیں در دولت سے ہوتے بہرور شاہ وگدا
پھر بھلا اس در کے ہوتے کس سے کیجئے التجا
آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں پر ظفر ہے آپ کا
آیئے اب تو مدد کو واسطے بہر خدا
یا حسین ابن علیؑ بندہ بہت ناچار ہے
مستغنی کونین ہی رکھ اپنے ظفر کو
محتاج نہ رکھ حیدر کرار کسی کا

محرم میں بادشاہ فقیر بنتے، سبز کپڑے پہنتے اور گلے میں سبز جھولی ڈالتے تھے۔ چھٹی تاریخ کو تھوڑی دیر کے لئے بند ہاتھ میں لیکر اور چاندی کی زنجیر کمر میں ڈال کر گشت کرتے تھے۔ ساتویں کی مہندی بڑی دھوم دھام سے اٹھتی تھی اور بادشاہ بنفس نفیس اس کی مشایعت کرتے تھے آٹھویں میں حضرت سقائے حرم کی یادگار لال کھاروے کی لنگی باندھکر بھشتی بنتے اور شربت کی بھری پوستک کندھے پر رکھکر معصوموں کو شربت پلاتے تھے۔ دسویں تاریخ کو موتی مسجد میں عاشورہ کی نماز پڑھ کے ظہر کے وقت حاضری کے دسترخوان پر نیاز دیتے تھے۔ دسترخوان پر شیر مالیں چنی ہوتی تھیں۔ شیرمال کے اوپر کباب، پنیر، پودینہ اور ادرک، مولیاں کتر کے رکھی جاتی تھیں

(بزم آخر منشی فیاض الدین مرحوم)

عاشورہ

حضور انور عاشورہ کے دن درگاہ شریف کے آثار کی زیارت کو تشریف لیجاتے تھے۔

مرزا جہاندار شاہ متولی کی خلعت قبائے خاص سر رقم جواہر دستار سربستہ گوشوارے مرصع اور حافظ قطب الدین کو خلعت پارچہ سہ رقم اور ان کے لڑکے کو سہ پارچہ اور دو رقم جواہر اور سادات عالی درجات کو پہننے کو کپڑے اور زر نقد اور فقرا و مساکین کو نیاز کا کھانا رحمت فرمایا۔

(۲۳ر جنوری ۱۸۴۶ء۔ بہادر شاہ کا روزنامچہ)

بہادر شاہ اپنے آباؤ اجداد کے برعکس خود شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ اس نے لاہور کے مقام پر چاہا کہ خطبہ شیعہ طریقے پر پڑھا جائے اور اس عظیم الشان کو اس کام کی انجام دہی پر مامور فرمایا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی بلکہ ہر طرف شورش برپا ہو گئی اور اچھے بُرے سب لوگوں نے متحد ہو کر خطیب کو منبر پر سے کھینچ لیا اور خوب لاتیں ماریں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ عظیم الشان بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ شیعوں کی طرح خطبہ پڑھا جائے اس لئے اس نے بھی اس شورش کو بہت زیادہ ہوا دی۔ اس واقعہ کے بعد بہادر شاہ ستر سال کی عمر میں ۱۱۲۴ھ میں ایک ماہ پانچ سال سلطنت کرنے کے بعد لاہور ہی میں انتقال کر گیا۔

(ترجمہ فارسی "گلستان ہند" مصنفہ راجہ درگا پرشاد مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

تاریخ عزاداری تاج پور

(جناب سید علی شبیر مضطر تاج پوری - تاج پور ڈیہمہ ضلع غازی پور)

بانئ موضع

جناب سید تاج الدین سبزواری قدس اللہ سرہٗ کا آبائی وطن مملکت ایران کا سبزوار شہر تھا۔ صاحب موصوف موسوی سید تھے۔ میر صاحب مذکور کا سلسلہ نسب چودہ واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:۔
سید تاج الدین ابن سید قاسم ابن سید ابراہیم زاہد ابن سید حبیب اللہ ابن سید میکائیل ابن سید پیر محمد ابن سید ہاشم ابن سید حسین زاہد المحدث ابن سید علی نقی ابن سید قمرالدین ابن سید حسین ذوالکرامت ابن سید زید شہید ابن سید امیرالاشرف ابن سید عبداللہ ابن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (از نسب نامہ سادات غازی پور بہ تحویل عالیجناب سید شبیر حسن صاحب عابدی ایڈووکیٹ غازی پور واز نسب نامہ مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم بہ تحویل عالیجناب مولانا سید مشتاق حسین صاحب عابدی ممتازالافاضل تاج پور ضلع غازی پور)

ورود بر زمین ہندوستان

جب کہ ایران اور ترکستان میں سادات پر عرصۂ حیات تنگ تھا۔ زندگی بسر کرنا دوبھر تھی۔ اسی زمانے (تقریباً ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء) میں مملکت ہندوستان پر سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی جس کی ادب نوازی اور علم دوستی کا شہرہ ہندوستان سے باہر دیگر ممالک سے بھی خراج تحسین لے رہا تھا۔ چنانچہ سید صاحب مذکور کے ساتھ عالم و فاضل حضرات کی ایک وافر تعداد نے ہندوستان پناہ لینے آئی۔ سلطان مذکور نے بڑی قدر و منزلت کی۔ اور حسب لیاقت صاحب کے ہمراہیوں کو انتظامیہ عدلیہ اور فوج کے اعلیٰ عہدوں سے سرفراز کیا۔ سید تاج الدین سبزواری کو فوج کے پنج ہزاری سپہ سالار کا عہدہ تفویض ہوا۔ سید صاحب موصوف نے حکومت کے دفاعی محکمے کا کام بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔

بنائے تاج پور

جب سید تاج الدین سبزواری دفاعی سرگرمیوں کے تحت ہلدی راجہ ہلدی سے خراج وصول کرنے کے کام پر مامور ہوئے۔ سید صاحب موصوف جب مختلف علاقوں سے گزر کر سرزمین تاج پور (جو پہلے غیر آباد علاقہ تھا) پر وارد ہوئے تو موصوف کا لشکر پیاس کے مارے تباہ حال تھا۔ سید صاحب کے ماتحت سرداروں نے بہت دوڑ دھوپ کی لیکن پانی کوسوں نایاب تھا۔ تمام علاقہ جنگل جھاڑیوں سے پٹا پڑا تھا۔ فوج پانی کی نایابی سے جاں بلب تھی جب تمام کوششیں رائگاں گئیں تو سید صاحب موصوف نے تیمم کر کے بارگاہ ایزدی میں سر جھکا دیا اور خضوع و خشوع سے پانی کے لئے دست بدعا ہو گئے۔ صاحب موصوف نے اپنے سر کا تاج اُتار کر سامنے رکھ دیا تھا۔ بفضل خداوندی شامل حال ہوا اور اسی تاج کے نیچے سے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا (جو بعد میں بند ہو گیا) موصوف کا سارا لشکر سیراب ہوا۔ ہلدی کے راجہ سے بھی مصالحت ہو گئی اور سید صاحب موصوف

اپنے لشکر کے ساتھ دہلی واپس چلے گئے۔ (الجواد بنارس محرم نمبر ۱۹۵۹ء)

۱۲۴۰ء میں سلطانہ رضیہ بیگم کے مارے جانے کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت اپنے وقار کو قائم نہ رکھ سکی اور ۱۲۶۶ء تک لاقانونیت کا راج رہا۔ اس خلفشار اور افراط و تفریط سے بچنے کے لئے سید صاحب اپنے ماتحت سرداروں سمیت اس جگہ (تاج پور) واپس آ گئے اور ۶۶۲ھ مطابق ۱۲۶۴ء میں تاج پور کی بنیاد رکھی۔ جہاں سے پانی کا سوتا چھوٹا تھا اُسے تالاب کی شکل دے کر تاریخی نام "تاج سر" رکھا۔ اپنے نام کی رعایت اور "تاج سر" کی مناسبت سے موضع کا نام تاج پور رکھا۔ تالاب "تاج سر" آج بھی باقی ہے۔ جسے عرف عام میں اب "تاسر" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سید صاحب موصوف کے ماتحت سردار تری غوثل راے، تری ڈاہم لال، شیخ علے اور حاجب حسن خاں نے علی الترتیب غوثل پور ڈیہہ، شیخ علی پور اور حسن پورہ مواضعات آباد کئے۔ سید صاحب موصوف نے ان مواضعات کی زمینداریاں انھیں سرداروں کو دے دیں۔ اور کچھ مواضعات اپنے تصرف میں رکھے، جن میں کوٹھیاں، اسیریاں، مرچی، مہربوان اور بیرا وغیرہ خاص اہمیت رکھتے ہیں (ماہنامہ الجواد بنارس محرم نمبر ۱۹۵۹ء و ہفتہ وار پیام اسلام لکھنؤ ۱۷ مارچ ۱۹۵۹ء)

آبادکاری موضع

جب سید صاحب موصوف یہاں آنے لگے تھے تو اُن کی فوج کے کافی افراد اُن کے ساتھ چلے آئے تھے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے یہاں کے غیر آباد علاقہ کو کھیتی باڑی کے قابل بنایا۔ جنگل جھاڑیوں کو کاٹ کر صاف کیا۔ خالی زمینوں کو آباد کیا۔ زیادہ تر لوگوں نے زراعت کے ہی پیشے کو اپنایا۔ کچھ لوگوں نے اپنے آبائی پیشے کو ہی اختیار کیا۔ اس طرح کچھ لوگ کپڑا بننے لگے اور کچھ لوگ دوسرے کام کرنے لگے۔ موضع کی تعمیر میں کافی وقت صرف ہوا۔ اور بڑی محنت و جفاکشی کرنا پڑی۔ دوسرے علاقوں سے اہل حِرفہ لا کر بسائے گئے۔ اُن کو مکان بنانے کے لئے زمین اور زراعت کرنے کے لئے معافیاں دی گئیں۔ موضع میں ہر قوم و ملت کے لوگوں کو ہر طرح کی سہولت مہیا کی گئی۔ صرف چھتری خاندان کے لوگ موضع میں نہیں تھے۔ اس کمی کو بعد کے لوگوں نے پورا کر دیا۔ اس طرح موضع مختلف اقوام و ملت کا گہوارہ بن گیا۔ ہر شخص کو اپنے مذہبی فرائض کے انجام دہی کی پوری آزادی تھی۔ کسی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم و ستم روا نہیں رکھا گیا۔

دسویں صدی ہجری تک موضع کی آبادی تقریباً دس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ یہ موضع فتح پٹی، منصور پٹی، قاسم پٹی اور ادھیارہ پٹی پر منقسم تھا۔ بعد میں سید زریا ابن سید قاسم نے ایک الگ محلہ قائم کیا جس کا نام زریا پٹی رکھا۔ لیکن یہ نام اب معدوم ہو چکے ہیں۔

مساجد و معابد

سید تاج الدین صاحب نے قلب موضع میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو لاہوری اینٹوں سے بنی ہے۔ گو کہ مومنین نے سیمنٹ کا پلاسٹر چڑھا دیا ہے مگر کھپریل اب بھی اپنی قدامت کا ثبوت دیتی ہے۔ سید عابد حسین ابن سید فرات حسین عرف میر لساون کے زمانے تک لوگ اس مسجد کے راستے سے بعد غروب آفتاب گذرنا، پل صراط سے گذرنا سمجھتے تھے۔ اس زمانہ تک یہ مسجد جنات کا گہوارہ تھی۔ اس مسجد میں سید ریاضت حسین مرحوم ہی جیسے لوگ نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ باتیں ختم ہو چکی ہیں۔ اور اب ہر بچہ بوڑھا بغیر کسی جھجک کے آتا جاتا ہے۔ موضع میں اس مسجد کے علاوہ اور کوئی مسجد بنا کردہ مورث اعلیٰ نہیں ہے۔ اہل تسنن حضرات کی بھی ایک مسجد ہے جسے حاجی شیخ جمن انصاری نے بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں تعمیر کرایا تھا۔ اہل تسنن حضرات کی عیدگاہ تعمیر کردہ حاجی جمن انصاری شیعہ قبرستان کے متصل تاج سر کے شمالی کنارہ پر ہے (ماہنامہ الجواد محرم نمبر ۱۹۵۹ء)

شیعہ قبرستان اور تاج سر کے مغربی کنارے پر ایک کربلا بھی تعمیر کردہ مورث اعلےٰ تھی۔ جس کی چہار دیواری کی تعمیر

اور کربلا کی از سر نو تعمیر جناب متین الدین مرحوم منصف کار برطانیہ زوجہ مسماۃ واحد النساء بی بی مرحومہ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ ۱۳۰۹ھ میں منصف مرحوم نے اپنے نقشے کے مطابق کربلا کی از سر نو تعمیر کی۔ موصوف نے کربلا کی چہار دیواری کے اندر ایک مسجد بھی بنوائی، جو اب منہدم ہو چکی ہے۔

(ماہنامہ الجواد محرم ۱۳۵۹ھ)

امام باڑے اور چوک

موضع کی ترقی کے ساتھ ساتھ عزاداری کی طرف بھی لوگوں کا رجحان بڑھتا گیا۔ اور رسم زمانہ کے مطابق مراسم عزاداری ادا ہوتے رہے۔ دسویں صدی ہجری کے آخر میں حسب ذیل تین امام باڑوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

بڑے نیم تلے کا امام باڑہ

اس امام باڑے کی بنیاد سید قاسم حسین ابن سید سالار ثانی نے ڈالی تھی۔ جسے سید اکبر ابن سید قاسم حسین مرحوم کے بعد تک کافی عروج حاصل تھا۔ اس امام باڑے میں اہل اسلام کے دیگر فرقے بھی دامے، درمے، قدمے و سخنے مدد دیا کرتے تھے۔ لیکن چودھویں صدی ہجری کے وسط سے اس کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہو گیا۔ امام باڑہ منہدم ہو گیا۔ سید اکبر مرحوم کے وارث سید سخاوت حسین مرحوم نے امام باڑے کی زمین ایک کلوار کے ہاتھ فروخت کر دی۔ اب ایک چوک باقی ہے جس کا انتظام سید اکبر مرحوم کے وارثان اب بھی کرتے ہیں۔

بچلا امام باڑہ

اس امام باڑے کو سید قاسم حسین ابن سید سالار ثانی کے لڑکے سید دریار مرحوم نے قائم کیا تھا۔ جسے چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک کافی شہرت حاصل تھی۔ لیکن امام باڑہ کی مرمت نہ ہو سکنے کے باعث عمارت منہدم ہو گئی۔ زمین افتادہ ہے۔ میر عبادت حسین کے زمانہ تک یہ امام باڑہ اپنی شان و شوکت میں جواب نہیں رکھتا تھا لیکن ان کے وارثان نے عدم توجہی برتی۔ ایک چوک باقی ہے جس پر تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ اور ۵ محرم کو ایک مجلس بھی ہوتی ہے۔

بڑ کے بر تلے کا امام باڑہ

اس امام باڑے کو سید منصور مرحوم ابن سید سالار ثانی نے قائم کیا تھا جسے سید اجمل علی ابن سید قادر بخش کے زمانے تک بڑا عروج حاصل تھا۔ لیکن وارثان موصوف کی عدم توجہی کے باعث امام باڑہ منہدم ہو گیا۔ اب صرف چوک باقی ہے۔ جس پر تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ سید علی حسین مرحوم کے متبنیٰ سید فدا حسین کے وارثان اب بھی بڑی دلچسپی سے تعزیہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا امام باڑوں کے علاوہ حسب ذیل امام باڑے ابھی عالم وجود میں ہیں:-

مولوی محمد شفیع صاحب کا امام باڑہ

مولانا مذکور کے آبا و اجداد موضع گنگولی سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ اور انھوں نے تقریباً بارہویں صدی ہجری میں ایک امام باڑہ قائم کیا۔ جو اب مولانا کے نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ جسے مرحوم کے فرزند مولانا سید مشتاق حسین عابدی ممتاز الافاضل صدر انجمن عباسیہ آباد کئے ہوئے ہیں۔ اس امام باڑے میں ایام عزا میں پورے عشرہ مردانی مجالس ہوتی ہے۔

سید محمد غفور مرحوم کا امام باڑہ

سید محمد غفور مرحوم کے آبا و اجداد نے اواخر بارہویں صدی ہجری میں اس امام باڑے کو قائم کیا۔ ایام عزا میں مردانی و زنانی مجالس پورے عشرہ میں ہوتی ہیں۔ اس امام باڑے کا انتظام سید نذیر حسن صاحب کرتے ہیں

امام باڑہ وقف

سید بندہ علی عرف میر بدلن نے ایک امام باڑہ قائم کیا تھا۔ جس کے قیام کو تقریباً دو سو برس ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں جناب متین الدین مرحوم منصف متوطن بنارس نے امام باڑہ پختہ کرایا اور کچھ جائداد وقف کر دی۔ تب سے یہ امام باڑہ "امام باڑہ وقف" کے نام سے مشہور ہوا۔ جو بحمد اللہ اچھی حالت میں ہے۔

میر سید صاحب مرحوم کا امامباڑہ

اس امام باڑے کے قیام کی مدت نہ معلوم ہو سکی، صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ میر سید صاحب مرحوم کا امام باڑہ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ ایام عزا میں بڑا اہتمام برتا جاتا تھا۔

جناب ظہیر حسن مرحوم کا امامباڑہ

۱۹۳۵ء میں سید ظہیر حسن مرحوم سابق صدر انجمن عباسیہ تاج پور نے ایک عزاخانہ قائم کیا تھا صاحب موصوف کے ۱۹۴۰ء میں فوت ہو جانے کے بعد بھی مرحوم کی بیوہ تا انتقال پاکستان (۱۹۶۷ء) بڑے خلوص کے ساتھ مراسم عزاداری انجام دیتی تھیں۔ موصوفہ زنانی و مردانی مجالس برپا کرتی تھیں لیکن صاحبہ مذکورہ کے چلے جانے کے بعد اُن کے اعزا نے عدم توجہی برتی۔ جس کے باعث یہ عزاخانہ ختم ہو گیا۔

مندرجہ بالا امام باڑوں کے علاوہ موضع میں بہت سے چوک ہیں۔ شیخ قادر علی کا چوک اب غیر آباد ہو چکا ہے میرزا یارت حسین مرحوم اور میر بکھو مرحوم کے چوک علی الترتیب جناب شیخ محمد عمر چوڑی فروش اور شری سادھو کلوار آباد کئے ہوئے ہیں۔ بیگم بی بی کے چوک کو حکیم محمد صوبیدار آباد کئے ہوئے ہیں۔ چوبچال کے چوک کو ماسٹر محمد حلیم آباد کئے ہوئے ہیں۔ میر ابو الحسن کے چوک کو اُن کے بھتیجے سید احمد حسن کاظمی پرنسپل آباد کئے ہوئے ہیں۔ میر تیغ علی کے چوک کو سید واجد حسین و سید حسین اصغر صاحبان آباد کئے ہوئے ہیں مسجد سید تاج الدین سبزواری کے چوک کو سید ابن حسن ابن سید محمد تقی آباد کئے ہوئے ہیں۔ شری چندر بو کاندو اور جناب شیخ عنایت اللہ اپنے اپنے چوک پر تعزیہ رکھتے ہیں۔ شیخ نصیر مرحوم کا چوک ہری کورمی کے مکان میں پڑ جانے کے باعث کچھ دنوں تک غیر آباد رہا لیکن جب ہری کورمی نے ترک سکونت کر دی تو اس چوک کو عرصہ دس سال سے سید ذو الفقار حسین ابن سید عبادت حسین مرحوم آباد کئے ہوئے ہیں۔ جولہ پورہ اور بھولی کے چوک پر بھی وہاں کے مومنین تعزیہ رکھتے ہیں۔

مجالس عزاء

اوائل چودھویں صدی ہجری تک صرف چار مجالس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے بعد سید ظہیر حسن مرحوم سابق صدر انجمن عباسیہ کی مساعیٔ جمیلہ سے مجالس کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ وسط چودھویں صدی ہجری میں مجالس کی تعداد تیرہ تک ہو گئی تھی۔ اب بھی حسب ذیل مجالس اپنے وقت معینہ سے اختتام پذیر ہوتی ہیں:-

۱۔ جناب سید محمد شکور مرحوم کی مجلس
۲۔ امام باڑہ وقف کی مجلس
۳۔ جناب سید ابن حسن کی مجلس
۴۔ " سید مظہر عباس عابدی کی مجلس
۵۔ " سید شبیر حسن کاظمی کی مجلس
۶۔ " سید رازق حسین کی مجلس
۷۔ " سید احمد حسن کاظمی صاحب پرنسپل کی مجلس
۸۔ " سید مختار حسین صاحب کی مجلس
۹۔ " سید توقیر حسن کی مجلس
۱۰۔ " سید نذیر حسن کی مجلس
۱۱۔ " مولوی سید مشتاق حسین صاحب عابدی کی مجلس

مندرجہ بالا مجالس کے علاوہ سید ذو الفقار حسین صاحب سوزخواں کی چاند رات کی مجلس اور ۴ محرم کی ۱۰ بجے دن کی مخصوص مجلس، بچلا امام باڑہ کی ۵ محرم کی ۶ بجے شام کی مجلس، ماسٹر محمد حلیم کی ۵ محرم کی دوپہر کی مجلس، سید احمد حسن کاظمی کی شب عاشور کی مجلس اور سید مظہر عباس عابدی کی شام غریباں کی مجلس بھی اپنی خصوصیت کی حامل ہے۔

مندرجہ ذیل زنانی مجالس بھی عشرۂ محرم میں منعقد ہوتی ہیں۔

۱۔ جناب سید واجد حسین صاحب کی زنانی مجلس
۲۔ " سید توقیر حسن صاحب

۳- جناب سید احمد حسن صاحب کاظمی　زنانی مجلس
۴- 〃 سید آغا حسن صاحب　〃 〃
۵- 〃 سید مظفر عباس صاحب　〃 〃
۶- امام باڑہ وقف کی　〃 〃
۷- جناب سید نذیر حسن صاحب　〃 〃

جلوس عزاء

زمانۂ سابق میں ۴ر محرم کو چوک کا گشت اٹھتا تھا اور ۹ر محرم کو شب میں ذوالجناح کا گشت ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ گشت موقوف ہو گئے۔ اور اب حسب ذیل پانچ گشت مختلف تاریخوں میں اُٹھتے ہیں :-

۱- چاندرات کا گشت

محرم کی چاندرات کو تاج سر سے مٹی لانے کا گشت زمانۂ قدیم سے اُٹھتا چلا آرہا ہے یہ گشت میر وکیل احمد مرحوم کے دروازے سے اُٹھتا تھا۔ لوگ ماتم و نوحہ خوانی کرتے ہوئے صلحاتی نورباف اور حاجی جمن انصاری مرحوم کے راستے سے ہوتے چوک چوبچال ہو کر کربلا جاتے تھے اور مٹی لے کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے تھے۔ لیکن راقم الحروف نے گشت میں ایک علم کا اضافہ کیا اور انجمن کا ماتمی دستہ سید ذوالفقار حسین سوزخواں کے یہاں ایک مجلس کر کے رخصت ہوتا ہے۔

۲- حضرت علی اکبرؑ کے تابوت کا گشت

۴ر محرم کو شب میں ۹ر بجے نوجوان بچّوں کی طرف سے یہ گشت عرصہ دس سال سے اٹھایا جا رہا ہے۔ سید مختار حسین صاحب کے عزاخانے سے یہ گشت اُٹھتا ہے۔ یہ گشت چوک سید ابوالحسن مرحوم و چوک میر زیارت حسین مرحوم ہو کر بازار میں آتا ہے۔ وہاں سے چوک میر بھیکھو ہو کر ہنومان کاندو اور رام لچھمن کلوار کی درمیانی گلی میں ہوتا ہوا چوک بڑ کی نیم تلے آتا ہے۔ وہاں سے سبھگ کاندو اور مہرن کلوار کی درمیانی عام شاہراہ پر آتا ہے۔ چوک شیخ نصیر مرحوم پر آکر پھر ڈاک خانے کی طرف پلٹ آتا ہے۔ وہاں سے عام شاہراہ سے گاجر دھوبی اور مسجد سید تاج الدین سبزواری کے راستے سے امام باڑہ مولوی سید مشتاق حسین صاحب آتا ہے۔ پھر وہاں سے پلٹ کر چوک مسجد مذکور و چوک سید محمد تقی مرحوم پر آتا ہے۔ وہاں سے عام شاہراہ سے گلاب چند تنبولی اور گورکھ تنبولی کے راستے سے امام باڑہ میر محمد غفور مرحوم آتا ہے۔ پھر وہاں سے چوک بچلا امام باڑہ ہو کر جناب محمد عنایت اللہ ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر کے دروازے سے ہوتا ہوا چوک سید تیغ علی مرحوم و چوک بڑ کے بر تلے آکر امام باڑہ وقف آتا ہے۔ وہاں سے صلحاتی نورباف کی گلی سے چوک چوبچال آتا ہے۔ وہاں سے چوک بیگم بی بی بیگم بی بی ہو کر مسجد حاجی جمن انصاری کے شمالی راستے سے عزاخانہ سید مختار حسین میں واپس آجاتا ہے۔

۳- حضرت علی اصغرؑ کے تابوت کا گشت

۵ر محرم کو ۹ر بجے شب میں انجمن عباسیہ کی طرف سے ۱۹۳۴ء سے یہ گشت نکالا جاتا ہے۔ تاریخ مذکورہ میں یہ گشت مولوی سید مشتاق حسین صاحب قبلہ عابدی صدر انجمن عباسیہ کے عزاخانے سے اُٹھتا ہے۔ مولانا کے عزاخانے سے یہ گشت چوک سید محمد تقی مرحوم پر آکر شری گلاب چند معاون اسٹیشن ماسٹر اور گورکھ تنبولی کے مکان کے درمیانی راستے سے امام باڑہ میر محمد غفور مرحوم آتا ہے۔ وہاں سے چوک بچلا امام باڑہ و دروازہ محمد عنایت اللہ ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر ہو کر بڑ کے بر تلے آتا ہے وہاں سے امام باڑہ وقف ہوتا ہوا صلحاتی نورباف کی گلی سے چوک چوبچال آکر چوک بی بی بیگم پر آتا ہے۔ پھر وہاں سے حاجی جمن انصاری مرحوم کی مسجد کی شمالی گلی سے ہوتا ہوا چوک ابوالحسن مرحوم پر آتا ہے۔ پھر وہاں سے چوک میر زیارت حسین مرحوم پر آکر بازار ہوتا ہوا چوک میر بھیکھو مرحوم پر آتا ہے۔ وہاں سے رام لچھمن کلوار اور دواتی تیلی کی درمیانی گلی سے چوک بڑ کی نیم تلے آتا ہے۔ وہاں سے عام راستے سے چوک شیخ نصیر پر آتا ہے۔ پھر وہاں سے

پلٹ کر ڈاک خانے کے پاس عام شاہراہ اختیار کر لیتا ہے اور مسجد سید تاج الدین کے چوک پر آکر مولانا مذکور کے امام باڑے میں واپس آجاتا ہے۔

علم کا گشت

یہ گشت زمانۂ قدیم سے قائم ہے یہ گشت بھی ۷ محرم کو ۲ بجے دن میں انجمن عباسیہ کے اہتمام سے اٹھایا جاتا ہے۔ یہ گشت بڑھکے بر تلے سے اٹھ کر حضرت علی اصغرؑ کے تابوت کے گشت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ چوک میر بھیکھو مرحوم پر آکر پھر یہاں سے بازار میں پلٹ آتا ہے اور کیلاش تیلی کی گلی سے جولہہ پورہ چلا جاتا ہے۔ وہاں جناب شیخ ٹھگ انصاری ایک مجلس کرتے ہیں، بعد مجلس یہ گشت واپس آکر دینی تیلی کے باغ کے شمالی راستے اور چھاؤنی سابق زمیندار مرزا نذیر الدین بیگ کی پشت کے راستے سے ہوتا ہوا جناب عبد الکریم انصاری کے دروازے سے عام شاہراہ ہو کر بڑ کی نیم تلے آتا ہے پھر وہاں سے ۴ محرم کے تابوت کے گشت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے چوک بڑھکے بر تلے آکر یہ گشت مصری کوٹری اور تیجیلا کوٹری کے درمیانی راستے سے کربلا جاتا ہے۔ وہاں امام باڑہ وقف کی طرف سے ایک مجلس ہوتی ہے اس کے بعد مومنین اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو جاتے ہیں۔

تعزیہ کا گشت

عاشورا کے دن ۹ بجے صبح سے زیر انتظام انجمن عباسیہ تعزیہ کا گشت اُٹھتا ہے۔ کربلا پر اعمال کرنے کے بعد تعزیہ دار دو گروہ میں منقسم ہو کر بھولی اور جولہہ پورہ چلے جاتے ہیں۔ بھولی کا تعزیہ اسٹیشن کے مغربی کنارے سے لائن پار کرتا ہے اور بچلا امام باڑہ پر آکر رک جاتا ہے جولہہ پورہ کا تعزیہ سومیر امیر کی گلی سے ہوتا ہوا چوک میر ابوالحسن مرحوم و چوک میر زیارت حسین مرحوم کا تعزیہ ساتھ لے کر چوک میر بھیکھو پر آتا ہے۔ وہاں کا تعزیہ لے کر چوک بڑ کی نیم تلے براہ گلی رام کھین کلوار آتا ہے پھر چوک بی بی بیگم کا تعزیہ لے کر چوک جوچال و امام باڑہ وقف اور چوک بڑھکے بر تلے کا تعزیہ لے کر جناب محمد عنایت اللہ صاحب کے دروازے سے ہوتے ہوئے چوک بچلا امام باڑہ کا تعزیہ اُٹھایا جاتا ہے۔ اور امام باڑہ میر غفور علے مرحوم کا تعزیہ لے کر عزاخانہ مولوی سید مشتاق حسین صاحب قبلہ کا تعزیہ اُٹھا کر چوک مسجد سید تاج الدین و چوک میر محمد تقی مرحوم و چوک شیخ نصیر کا تعزیہ لے کر چوک بڑ کی نیم تلے اکٹھا کیا جاتا ہے۔ چوک بڑ کی نیم تلے ایک مجلس ہوتی ہے جسمیں جناب محمد عنایت اللہ صاحب اپنے مخصوص انداز میں "حیدری" پڑھتے ہیں۔ بعد مجلس تعزیے ترتیب سے جلوس میں شامل ہوتے ہیں، اس کے بعد نوحہ خوانی اور ماتم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، تعزیہ اکٹھا کرنے کے دوران سید ذوالفقار حسین صاحب سوز خوانی کرتے ہیں۔ جو گشتی مرثیے کہے جاتے ہیں۔ انجمن عباسیہ کا ماتمی دستہ نوحہ ماتم کرتا ہوا عام شاہراہ پر ہو کر سکھاری تیلی اور گاجر دھوبی کے راستے سے سادھو کلوار کے مکان کی طرف جاتا ہے۔ سادھو کلوار کے دروازے پر ایک تقریر بزبان ہندی واقعات کربلا پر ہوتی ہے۔ بعد تقریر یہ جلوس سندر بھر بھوبخ کے راستے سے حکیم جناب نور محمد انصاری کے دروازے پر آتا ہے وہاں ایک تقریر بزبان اُردو بسلسلہ واقعہ کربلا ہوتی ہے یہاں حکیم محمد صوبیدار صاحب سبیل رکھتے ہیں۔ یہاں سے جلوس امانت اللہ انصاری اور رام کھین گری کے راستے سے ہوتا ہوا براہ خندق تالاب عیدگاہ پر آتا ہے۔ وہاں سے تاج سر کے مشرقی کنارے سے ہو کر جنوبی کنارے ہوتا ہوا کربلا جاتا ہے۔ سہرہ دفن کرنے کے بعد امام باڑہ وقف کی طرف سے ایک مجلس ہوتی ہے۔ اس کے بعد عزادار شام غریباں کی مجلس کرنے سید مظہر عباس عابدی کے عزاخانے میں آجاتے ہیں۔ اس طرح دن بھر کا یہ جلوس اختتام پذیر ہوتا ہے۔

⁂

ذاکرین و مداح خوانِ معصومینؑ

زمانۂ قدیم کے حالات صرف سُنی سنائی کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے ان کا ذکر لاحاصل ہے۔ لیکن بعد کے زمانے میں اچھے ذاکرین کا پتہ چلتا ہے۔

مولوی سیّد رمضان علی مرحوم

بڑے ہی علم دوست اور ادب نواز اور ذی علم ہستی تھے۔ مرحوم کی قابلیت مسلمہ تھی بڑے اچھے ذاکر تھے۔

سیّد ریاضت حسین مرحوم

مرحوم بہت ہی ذی علم سنجیدہ اور منکسر المزاج تھے۔ عزاداری امام مظلوم کے شیدا اور اپنے وقت کے اچھے سوز خواں تھے۔

مولوی سیّد عتیق اللہ مرحوم

مرحوم بہت ہی نیک نفس اور پاک طینت انسان تھے علمی و ادبی استعداد کافی تھی۔ ذاکری بھی کرتے تھے۔

شیخ پیر علی فدا مرحوم

اچھے شاعر تھے۔ مدح معصومینؑ خوب فرماتے تھے سنہ ۱۳۲۷ھ میں انتقال کیا۔ طرز تحریر بڑا ہی اچھا تھا۔ ثاقب کا ذخیرہ اب بھی موجود ہے۔ بہت ہی خوشنویس تھے۔

مولوی سیّد محمد شفیع مرحوم

بڑے ہی عالم و فاضل بزرگ تھے۔ علم جفر کے دلدادہ تھے ذاکری بڑے ہی اچھے انداز میں کرتے تھے۔ اچھے حکیم بھی تھے۔

شیخ علاؤالدین مرحوم

بڑے اچھے سوز خواں تھے بہت ہی نیک نفس اور خلیق انسان تھے۔

میر سیّد صاحب مرحوم

سوز خوانی خوب فرماتے تھے۔ میر صاحب کے ساتھ میر زیارت حسین مرحوم اور سید وکیل احمد مرحوم سوز خوانی کیا کرتے تھے۔

سیّد ابرار حسین مرحوم

اچھے سوز خواں تھے، علم دوست انسان تھے۔

سیّد ظہیر حسن مرحوم

بڑے ہی متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں انجمن عباسیہ قائم کر کے باعث ترقی عزاداری امام مظلوم ہوئے۔ حدیث خوانی کا انداز بڑا ہی نرالا تھا۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں انتقال ہوا۔

سیّد محمد غفور مرحوم

بڑے اچھے سوز خواں تھے نہایت نیک اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ امام باڑہ اپنے ہاتھ سے سجاتے اور پورے عشرہ سوائے مجلس ماتم کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔

سیّد حسن نواب مرحوم

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ سنہ ۱۹۵۴ء تک انجمن عباسیہ کے سکریٹری رہے۔ ذاکری خوب کرتے تھے۔

شیخ عطا حسین مرحوم

فارسی و عربی پر کافی دسترس تھی۔ اچھے حکیم تھے۔ مدح معصومینؑ خوب کرتے تھے۔

فی زمانہ مولوی سید مشتاق حسین صاحب قبلہ و سید احمد حسن کاظمی پرنسپل ذاکری و حدیث خوانی خوب کرتے ہیں۔ سید ذوالفقار حسین صاحب سوز خوانی اور سید شاکر حسین صاحب، سید بشیر محمد کاظمی صاحب، سید آغا حسن صاحب و سید رازق حسین صاحب اچھی نوحہ خوانی کرتے ہیں۔

ایام عزا میں اہل اسلام کے دیگر فرقے اور اہل ہنود حضرات مجالس و جلوس میں برابر شریک رہتے ہیں۔ اہل ہنود کی مستورات چھڑ چڑھاوے چڑھاتی ہیں اور منتیں مانتی ہیں۔ کئی ہندو تعزیہ دار بھی ہیں۔ اس طرح ہندو مسلمان سبھی مل کر ایام عزا کے پُر عظمت دنوں کو مناتے ہیں۔

تعلقہ رنوں ضلع جونپور کی عزاداری

مقالہ: مولوی محمد یحییٰ صاحب فاضل، بی۔ اے، بی ٹی۔ (وائس پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ اسکول راجی)
(رکن اعلیٰ انجمن ذوالفقار حیدری رنوں جونپور۔)

تعلقہ رنوں شہر جونپور۔ ۱۷ میل مغرب جونپور، سلطان پور روڈ پر واقع ہے۔ یہ تعلقہ سات موضعوں میں تقسیم ہے۔ رنوں نیز جونپور و اعظم گڈھ کے تقریباً ۲۵ مواضع، مثلاً لیبری، ربسواں، راجہ پور، دریاپور وغیرہ، علی بیرم خاں مرحوم کی اولاد سے ہیں۔

خاں مرحوم بایماء شہنشاہ ایران بادشاہ ہمایوں کی امداد کے لئے اپنی فوج لیکر آئے تھے۔ خاں مرحوم بحمداللہ شیعہ مومن تھے۔ ان کی اولاد جہاں جہاں بھی آباد ہوئی ہیں سبھی زمیندار رہے۔ نیز مذہبی معاملات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد خاتمہ زمینداری دیگر معاملات میں جو کچھ بھی ہو لیکن عزاداری میں روز افزوں ترقی ہے۔ افراد قوم بھی شیعہ ہیں۔ بے شک چند گھر اہل سنت کے بھی ہیں لیکن سب ہی محبان اہلبیت و عزادار ہیں۔ دونوں میں شادی بیاہ اب بھی ہوتا ہے۔ موجودہ تعصب کا گویا یہاں سنی شیعوں پر کوئی اثر نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عزاداری کا مستقل سلسلہ اور ذریعہ بزرگوں نے ایسا رکھ دیا تھا جو آئندہ نسلوں کے لئے بوجھ نہ بن سکے۔ وہ یوں کہ ہر گاؤں میں نذر حسینؑ کے نام سے کچھ جائداد مشترکہ طور پر وقف ہے جسکی پوری آمدنی صرف عزاداری پر خرچ کی جاتی ہے ہر گاؤں کا مشترکہ سرکاری امامباڑہ و چوک ہے جو تمام اہل موضع کے خرچ سے بنا ہے۔ اہتمام مجالس و جلوس ہا کا انتظام یوں ہے کہ روزانہ کم از کم ایک بڑی مجلس ہو۔ جس میں ملحقہ مواضع کے مومنین نیز مومنین کربھیا بھی شرکت کر سکیں۔ اسکے علاوہ ہر گاؤں کی اپنی اپنی مقامی مجلسیں بھی گاؤں کے امام باڑے میں ہوتی ہیں جس میں صرف اس گاؤں کے لوگ ہی شرکت کرنے آتے ہیں۔ مجالس کی کثرت کی وجہ سے دوسرے کاموں کے لئے وقت ہی نہیں بچتا۔ اور دس دن تک پورے تعلقہ کا سارا کام معطل رہتا ہے۔ دس روز بھی مرد امباڑے میں ہوتے ہیں۔ عورتیں تا یوم عاشورہ گھروں میں چارپائی الٹ کر سوتی ہیں۔ سارا ماحول سوگوار ہو جاتا ہے

طبل و تاشوں کی تیاری۔ شہر و ضلع جونپور کے نواح میں ایام عزا کی تبلیغ، تشہیر کے لئے بڑے بڑے طبل بنائے جاتے ہیں۔ جن کی لمبائی ۲ فٹ اور قطر تین فٹ ہوتا ہے۔ ایسے ۵ یا سات طبل ہر موضع میں تیار ہوتے ہیں۔ جن کی تیاری اور بناوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

یہ طبل صرف ایام عزا، محرم اور صفر میں ہی بجتے ہیں۔ باقی دنوں میں نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بقر عید کے دوسرے دن سے سرکاری تعزیہ (ضریح) اور طبل کی تیاری میں سبھی اہل موضع لگ جاتے ہیں۔

شیعہ سنی اور ہندوں کا بے نظیر اتحاد

محرم کا چاند نمودار ہوا اور ادھر طبل غم پر چوب پڑی۔ طبل بجتے ہی قرب وجوار کے تمام ہندو مسلم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آج سے محرم شروع ہو گیا۔ اسی دن سے تمام خوشی کی تقریبات موقوف ہو جاتی ہیں۔ آس پاس کی تمام ہندو مسلم عورتیں امام چوک پر آکر اپنی اپنی چوڑیاں بڑھاتی ہیں اور سوگ نشین ہو کر تاسی اہل بیتؑ میں مصروف ہو جاتی ہیں ایسا دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتیں دس روز شب و روز زیر آسمان ہی رہ کر سنت جناب رباب پر عمل پیرا ہوتی ہیں غیر مسلم عورتوں کا گروہ جب راہے (عزائیہ گیت) پڑھتا ہوا امام چوک پر آتا ہے تو زبان بیان و طرز اتنا رقت خیز ہوتا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتا ہے اسے مظلومیت کا اثر کہئے یا بزرگوں کی رواداری اور برادران ہنود اور برادران اہل سنت سے برادرانہ تعلقات کی استواری کہ باوجود سب کچھ ہو جانے کے آج بھی ہندو بھائی بھی عزاداری سے ویسا ہی شغف رکھتے ہیں جیسا کہ پہلے!

طبل بجتے ہی دبی سوگوارانہ سناٹا ماحول پر چھا جاتا ہے۔ ساری لگن، شادی بیاہ خوشی کی تقریبات موقوف ہو جاتی ہیں مجلسوں اور دیگر رسوم عزا میں برہمن ٹھاکر اور دیگر پیشہ ور ہندو ذات کے لوگ اپنے اپنے ذمہ کا کام سنبھال لیتے ہیں۔ امداد باہمی کا ایسا نظارہ کسی بھی دوسرے موقع پر نظر نہیں آتا۔

تعزیہ:- ہر امام باڑہ کا ایک سرکاری تعزیہ (ضریح) ہوتا ہے۔ جس کی تیاری گاؤں کے لوگ ہی کرتے ہیں۔ بناوٹ اور سجاوٹ میں تقابل کی نیت تو ضرور ہوتی ہے لیکن تعمیری تقابل کے نتیجہ میں خوشنمائی اور زیبائی ہمیشہ نئے زاویئے اختیار کرتی جاتی ہے۔ بحمد اللہ تعزیہ بنانے میں جدید تعلیم یافتہ حضرات نے نئی نئی راہوں کا انکشاف کیا ہے۔

تبرک:- ہمارے بزرگوں نے تقسیم تبرک کے سلسلہ میں جو راستے اپنائے ہیں وہ آج تک روز افزوں ترقی پر ہیں۔ وہ یوں کہ اگر کوئی شخص تعلقہ کی سبھی مجلسیں کرے تو پھر اسے کھانا پکانے کی زحمت نہ کرنا پڑے ہر طرح کے تبرک کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔ روٹی، سالن، پلاؤ، شیرینیاں، چاء، شربت وغیرہ،

اسی طرح مومنین کو مجلسوں میں شرکت کا پورا وقت ملتا ہے۔ نیز دیگر اقوام پوری تعداد میں شرکت کر کے عظمت اہلبیتؑ اور حقانیت اسلام سے روشناس ہوتے ہیں۔

ماتمی دستہ:- ہر موضع کا اپنا ماتمی دستہ ہوتا ہے۔ جو بقر عید کے دوسرے روز سے نوحوں اور ماتم کی مشق میں لگ جاتا ہے۔ نوحے مقامی اور بیرونی شعراء کے پیش کئے جاتے ہیں۔ نوجوان اراکین انجمن، اور صاحبان بیاض کے ریاض کو دیکھ کر بے اختیار دل سے دعائیں نکل جاتی ہیں۔ یہاں پر بزرگوں اور نوجوانوں میں نوحوں کو لیکر ضرور کچھ اختلاف ہے۔ بزرگ حضرات نوحوں کا سبکی ہونا شرط اول قرار دیتے ہیں۔ جبکہ نئے طبقے کے لوگ ہر طرز و ادا کے نوحوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ خصوصاً جدید شعراء جیسے نجم، صفدر، نظمی، ناطق، یحیٰی، ناصری صاحبان کے نوحے بہت مقبول ہیں۔

(خدا کرے یہ اختلاف تعمیری حد تک ہی محدود رہے کبھی کوئی ناخوشگواری کی صورت پیدا نہ ہو)

-سرفراز

بہر حال اختلاف طبائع اور دل پسند کسی طرح بھی نفس نوحہ خوانی اور نظم انجمن میں مخل نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ میں دھن بہی کی انجمن ذوالفقار حیدری نے ماشاء اللہ بڑی ہی ترقی کی ہے۔

سلیلی باغ:- موضع محمد پور میں یہ باغ جو نیو روڈ پر واقع ہے۔ جہاں ایک مسجد پختہ بھی ہے۔

محرم میں دس روز سبھی ہندو مسلمانوں کے لئے ہر گھنٹہ ٹھنڈے پانی اور شربت کا انتظام رہتا ہے۔ سبیل نذر حسینؑ کوئی پیاسا نہ جائے۔

پانی پیو تو یاد کرو پیاس امامؑ کی
پیاسو سبیل ہے یہ شہیدوںؑ کی نام کی

چاروں طرف آویزاں کتبے دلوں کو مظلوم کی پیاس یاد دلاتے ہیں اور امامؑ کے مشن سے روشناس کرتے ہیں۔

خاص مجلسیں اور جلوس:- صدرالدین پورہ چاند رات وقف نوشین خاں مرحوم، شب دوئم، مجلس وارث حسین خاں مرحوم، شب سوم مصطفےٰ حسین صاحب کی مجلس، ذوالجناح کی شبیہ برآمد ہوتی ہے۔ شب پانچویں، مجلس اور شبیہ تابوت شبیہ پیغمبرؐ، تبرک کی تقسیم سبھی میں اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، پلاؤ، امرتی وغیرہ۔

دکنی پٹی:- شب چہارم میں مجلس کے بعد جلوس تابوت شبیہ پیغمبرؐ برآمد ہوتا ہے۔ اسی شب کو انجمن ذوالفقار حیدری دھکتے ہوئے انگاروں پر ماتم کرتی ہے اور جوان بچے کفنی پہنے ہوئے ماتمدار آگ پر چلنے کے لئے امام باڑے سے یا حسینؑ یا حسینؑ کہتے نکلتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہزاروں ہندو مسلم ماتمدار یا حسینؑ کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اور ماتمداروں پر پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔ ماتمدار خلیل کربلا کی تاسی میں انگاروں پر چل کر یا نار کونی بردا کا منظر پیش کرتے ہیں۔

اس موضع کی ساتویں کی مجلس نہایت شاندار ہوتی ہے جو وقف ٹھیکہ بی بی کی طرف سے ہوتی ہے۔ نویں کی مخصوص مجلس جناب ظہور حسین خانصاحب کی قائم کردہ نہایت مقبول ہوتی ہے۔ دونوں میں شبیہ ذوالجناح اور تابوت برآمد ہوتے ہیں۔

بڑی پٹی:- جناب علی رضا خاں صاحب کے امام باڑہ میں پورے عشرے میں بڑی مجلسیں ہوتی ہیں جن میں بیرونی ذاکرین کا بیان ہوتا ہے۔ مجلس کا تبرک اور دیگر امور نہایت اولوالعزمی کے حامل ہوتے ہیں۔ خصوصاً پانچویں کی مجلس میں پورا کھانا تقسیم ہوتا ہے اور حاضری ہوتی ہے۔

محمد پورہ:- پہلی اور ساتویں کی مجلسیں اور زیارات نہایت اہتمام سے ہوتی ہیں۔ ساتویں کی مجلس جناب بو علی خاں صاحب مرحوم کی طرف سے ہوتی ہے اور پورا کھانا اب بھی تقسیم ہوتا ہے۔ نہایت اولوالعزمی سے مجلس کرتے ہیں۔

اترپٹی:- قائم علی خاں، انور حسین، خانصاحبان کی مجلسیں بڑے اہتمام سے ہوتی ہیں۔

پورہ شیر خاں:- گو کہ موضع بہت چھوٹا ہے۔ لیکن صاحبان موضع فراخدلی میں اور ہم بڑی مجلسیں مرحوم یاد علی خاں صاحب اور محمد تقی خاں صاحب کی طرف سے ہوتی ہیں جس میں پلاؤ تقسیم ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تمام مواضعات میں پورے عشرہ محرم مجالس کا بہت بڑا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کا بیان طوالت کا باعث ہوگا۔

شب عاشورہ:- سبھی مواضعات میں انفرادی اور اجتماعی طور پر اعمال عاشورہ و شب بیداری کا انتظام ہوتا ہے۔ شب عاشورہ لگاتار لاؤڈ اسپیکر پر مجلسیں اور نوحہ خوانی نشر ہوتی رہتی ہے۔ بعد نصف شب سبھی سرکاری امام باڑوں میں مجلسیں ہوتی ہیں بعد مجلس نوحہ و ماتم کے ساتھ چوک پر تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ پائیں شب سبھی گھروں سے نذر امام کے کھانے اور شربت آتے ہیں اور امام چوک پر نذر کی جاتی ہے رات بھر ہندو خواتین داہیہ (عزائیہ گیت) پڑھتی اور اپنے ہاتھوں میں موم بتی یا چراغ لیکر لگاتار ایک چوک سے دوسرے چوک تک آتی جاتی اور طواف میں مصروف رہتی ہیں۔ اور بہ طفیل شہید

اپنی مرادیں پوری کراکے رہتی ہیں۔

اعمال روزِ عاشورہ:- عاشورہ کبھی میدان میں سبھی مواضع میں اعمال بجالائے جاتے ہیں۔ دکھن پٹی میں نئی باغ مسجد میں اعمال عاشورہ کا انتظام علی الخصوص ہوتا ہے۔ جس میں دیگر مواضعات کے حضرات بھی شرکت کرتے ہیں۔ جس کی قیادت عموماً مولوی محمد یحییٰ صاحب کرتے ہیں۔

بعد نماز ظہر ساتوں مواضع کے سبھی تعزیے اور علم کے جلوس بعد الوداعی مجلس اٹھائے جاتے ہیں۔ سب سے آگے طبل پھر علم اس کے بعد ماتمی دستے پھر تعزیے، اس طرح یہ جلوس مخدوم شاہ کے باغ میں ملتے ہیں۔ یہاں پر سبھی مواضع کے طبل نواز حضرات اپنے اپنے فن اور ریاض کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یہاں پر تقریباً مجمع دس ہزار کا ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ ہندو مسلم کا مشترکہ مجمع صدر امام باڑہ کی جانب بڑھتا ہے۔ صدر امام باڑہ سے کچھ دور پر مورث اعلیٰ بیرم خاں مرحوم کی قبر پر سبھی فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اور وہیں سے انجمن ذوالفقار حیدری زنجیر اور قمع کا ماتم شروع کرتے ہیں۔ صدر امام باڑے تک پہونچتے پہونچتے اہل ماتم خون سے شرابور ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر مجمع کا یہ عالم ہوتا ہے کہ راستہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیکڑوں دوکانیں بھر جاتی ہیں۔ عوام کچھ خرید و فروخت تو ضرور کرتے ہیں۔ لیکن مومنین قطعاً پرہیز کرتے ہیں۔ پان کی دوکانیں نہیں رکھنے دی جاتیں۔ سبھی مذہب کے لوگ سر و پا برہنہ رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ انتظامیہ پولیس بھی اسی احترام کو مدنظر رکھتی ہے۔ صدر امام باڑے پر مرحوم شبیر علی خاں صاحب کی طرف سے سبیل کا انتظام ہوتا ہے۔ علی الخصوص ہندوؤں کے لئے۔ جناب علی رضا خاں صاحب کی طرف سے یہاں پر فاقہ شکنی کا بہترین انتظام ہوتا ہے۔ تعزیہ دفن کرنے کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اور مومنین اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ بعد نماز مغرب ہر موضع میں مجلس شام غریباں ہوتی ہے۔ اور ادھر چند برسوں سے کراچی اور لکھنؤ کی مجلسیں بھی ریڈیو سے سنانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ سارا مجمع خاک نشین اور سوگوار ہوتا ہے۔ یہ مجلس اتنی رقت آمیز ہوتی ہے کہ لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

۱۲ر محرم کو سوئم شہدائے کربلا کی مجلس ہوتی ہے۔ سبھی گھروں سے نذر امام کے کھانے اور شربت آتے ہیں۔ جو غربا کو تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔

امام باڑے کا اور دیگر اوقاف کا سالانہ حساب مومنین کے سامنے پیش کر کے متولی صاحبان آئندہ عشرہ زیر علم کا بجٹ پیش کرتے ہیں۔ اس طرح عشرہ محرم ختم ہوتا ہے۔

ذاکرین:- ایام عزا میں بیرونی ذاکرین تو آتے ہی ہیں۔ لیکن مقامی ذاکرین کی باوجود مصروفیت کار، محنت اور رقت وہی کی داد دینی پڑتی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی بھی لکھ دینا چاہئے۔

ذاکرین۔ الحاج مولوی قمر حسن خانصاحب ریٹائرڈ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز۔ ۲۔ ناچیز راقم الحروف محمد یحییٰ خاں ــــــ، مولوی علی احمد صاحب تاجر۔ مولوی غلام عباس صاحب، رئیس برے پٹی۔ مولوی علی امام صاحب ٹیپا پٹی

مرثیہ خوان:- جناب انور حسین خانصاحب ذاکر کلام مرزا دبیر مولوی علی امام صاحب ذاکر میر انیس۔ جناب انفر رضا صاحب عموماً اپنے جد امجد جناب جعفر خانصاحب کا کلام پڑھتے ہیں۔

نوحہ خوان:- یحییٰ ناصری صاحب عموماً خود اپنے تصنیف کردہ نوحے انجمن ذوالفقار حیدری کی طرف سے پڑھتے ہیں۔

(۱) جناب واقف حسین خاں صاحب۔ صدر الدین پور۔
(۲) " انور حسین خاں صاحب، اترپٹی۔
(۳) " علے حسین خاں صاحب، دکنی پٹی
(۴) " واصف حسین " "

(۵) جناب انور حیدر صاحب ۔ دکھن پٹی ۔
(۶) " آل حسن خانصاحب ۔ "
(۷) ابرار حسن صاحب (اسسٹنٹ ماسٹر ضلع اسکول ہزاری باغ ۔
(۸) مشتاق احمد صاحب ۔ انجینئر سندری کارپوریشن (بہار)

سوزخوان :- قربان علی خاں صاحب ۔ دکھن پٹی ۔
علی رضا خاں صاحب ۔ صدر الدین پور ۔

ان کے علاوہ دیگر حضرات ذاکرین بھی ذکر رضا کی و مصائب سے مومنین کو مثاب کرتے ہیں ۔

اس موقع پر جناب محمد جعفر خاں صاحب مرحوم اور جناب فیاض حسین خاں صاحب مرحوم مثاً یاد آجاتے ہیں ۔ جو دس روز محرم میں خانی ذکر الحسین ہونے اور ہر مجلس کی شرکت و بے تکلف ذاکری سے ایک اسوہ حسنہ قائم کر گئے ۔

خصوصیات ایام عزا در نوںؐ

۱۔ علمی اور نظری امور میں خود کفیل ۔
۲۔ مجالس میں سختی سے اوقات کی پابندی ۔
۳۔ شیعہ و سنی (تمام فرقوں) میں اتفاق ہم آہنگی اور جذبہ امداد باہمی ۔
۴۔ سبھی مذاہب کے مطابق سبیل کا انتظام ۔
۵۔ نوحہ خوانی اور ماتم میں سبھی طبقوں کے لوگوں کی لازمی شرکت
۶۔ جلوس عزا میں سبھی کا سراپا برہنہ رہنا ۔ ایام عزا کا احترام ۔
۷۔ تعزیہ اپنے ہاتھ سے بنانا ۔

امامیہ مشن کے مندرجہ ذیل جواہر پارے ضرور ملاحظہ فرمائیں

۱۔ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب (مجلد گرد پوش) " قیمت ڈیڑھ روپیہ
۲۔ تحریف قرآن کی حقیقت " تین روپیہ
۳۔ اسوۂ حسینی " دو روپیہ
۴۔ رسول کی حکیمانہ زندگی " دو روپیہ
۵۔ لاتفسدوا فی الارض " دو روپیہ
۶۔ متعہ اور اسلام چار روپیہ
۷۔ صحیفہ اعمال (مجلد مع گرد پوش) (سال بھر کے ہر ماہ کے اعمال مع ترجمہ) قیمت پانچ روپیہ
۸۔ رہنمایان اسلام " دو روپیہ
۹۔ تاریخ اسلام حصہ اوّل " دو روپیہ
۱۰۔ تاریخ اسلام حصہ دوم " دو روپیہ
۱۱۔ تاریخ اسلام حصہ سوم (زیر طبع) دو روپیہ

ملنے کا پتہ :- سکریٹری امامیہ مشن ۔ لکھنؤ نمبر ۳ ۔ (ہندوستان)

شاہان اودھ کے عہد میں جلالی کی عزاداری کا فروغ

(حاذق الاطباء جناب حکیم سید محمد کمال الدین حسینی ہمدانی صاحب)
متولی امام باڑہ حصار جلالی ضلع علی گڑھ

شاہان اودھ کے عہد میں فیض آباد اور پھر لکھنؤ مرکز عزاداری بنا۔ شاہان اودھ نے عزاداری کے فروغ کے لئے جو انتظام واہتمام کیا وہ تاریخ شیعیت میں اظہر من الشمس ہے عظیم الشان امام باڑے، کربلائیں اور روضات مقدسہ کی شبیہیں تعمیر کرائیں اور ان کو علم و اثاثہ بیش قیمت سامان عزا سے مزین فرمایا سونے کے تعزیئے اور ضریحیں سجائیں محرم سے چہلم تک عزاداری کا سلسلہ قائم کیا۔ نہایت شاہانہ کر و فر کے ساتھ جلوس عزا نکالے۔ مصارف عزا کے لئے بڑے بڑے اوقاف کئے خود مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی کی اور دیگر ماہرین مرثیہ خواں و مرثیہ گو حضرات کی سرپرستی فرمائی۔ حتیٰ کہ شاہان اودھ کے عہد زریں میں اودھ کا مرکز لکھنؤ اعلیٰ پایہ کا بے مثال مرکز عزا بن گیا۔ اور دنیائے شیعیت میں عزاداری کے لحاظ سے ممتاز ہو گیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ شاہان اودھ جو ایرانی النسل تھے عزاداری میں نہیں کارنامہ انجام دیا جو شاہان صفویہ نے ایران میں انجام دیا۔

تاریخ اودھ میں شاہان اودھ کے اُن کارناموں کا ذکر تو واضح طور پر کیا جاتا ہے جو لکھنؤ سے متعلق ہیں لیکن اُن کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی جاتی جو لکھنؤ کے علاوہ اودھ کے مختلف گوشوں کے فروغ عزاداری سے متعلق ہیں

حالانکہ تاریخ شیعیت اور تاریخ عزاداری کے لحاظ سے یہ کارنامے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کارناموں کی روشنی میں شاہان اودھ کے عزم تبلیغ شیعیت کی رفعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شیعیت و عزاداری کا عروج صرف مرکز اودھ لکھنؤ ہی میں نہ دیکھنا چاہتے تھے بلکہ اودھ اور اودھ سے باہر ملک کے ہر گوشہ میں شیعیت اور عزاداری کے فروغ کے حامی تھے۔ اور اسی مقصد کے تحت انھوں نے لکھنؤ ہی کی عزاداری میں دلچسپی نہیں لی بلکہ لکھنؤ سے دور دراز دیہات و قصبات کی عزاداری میں بھی دلچسپی لی اور عزاداری کی معاونت اور ہمت افزائی فرمائی۔ بقول جناب صادق حسین صاحب یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج جس اہتمام سے ہم عزاداری کرتے ہیں اور جو انہماک و وسعت عزاداری کے سلسلہ میں نظر آتی ہے یہ سب شاہان اودھ کی دین ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ عزاداری اس منظم طریقہ پر کرنے کے ہم لوگ اہل ہوتے۔

جلالی (ضلع علی گڑھ) مرکز اودھ سے بہت دور ایک قریہ ہے جو زمانہ قدیم میں سرکار کول کے ماتحت تھا اور یہ اُن قریات میں سے ہے جن کو شاہان اودھ کی خصوصی توجہ اور معاونت عزاداری کے سلسلہ میں حاصل ہوئی ہے اور جن کو بلسلسلۂ عزاداری مرکز اودھ

لکھنؤ سے خصوصی فیض پہونچا ہے چنانچہ پیش نظر مضمون میں اسی تاریخی حقیقت پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

جلالی

سادات ہمدانی شیعہ اثنا عشری کی ایک قدیم بستی ہے جو علی گڈھ میں جانب مشرق کالی ندی کے کنارے پُر فضا مقام پر آباد ہے یہاں قدیم ترین تاریخی عمارت مسجد حصار جلالی ہے جو بعہد سلطان غیاث الدین بلبن سنہ ۶۶۵ھ میں تعمیر ہوئی، جلالی میں اس مسجد کی بنا کا سبب یہ تھا کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے دوابہ کے رہزنوں کی سرکوبی کے بعد یہاں ایک چھوٹا قلعہ "حصار جلالی" کے نام سے تعمیر کرایا اور اس میں افغان فوج رکھی تھی چنانچہ بغرض عبادت یہ مسجد متصل حصار تعمیر ہوئی۔ جلالی کے نزدیک کالی ندی کے کنارے سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ایک محل بھی تعمیر کرایا تھا جو تاریخ میں کوشک فیروز کے نام سے مشہور ہے اور جہاں سلطان سکندر لودھی کی تاج پوشی ہوئی عوام اس مقام کو کوشک پیر کہتے ہیں۔

افغانوں کے بعد ہندوستان میں مغلوں کی حکومت قائم ہوئی۔ مغلوں نے افغانوں کا اقتدار توڑا اور اپنا اثر و اقتدار قائم کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حصار جلالی بھی افغانوں کے ہاتھ سے نکل کر مغلوں کے قبضہ میں پہونچا اور مغلوں نے یہ قلعہ سادات ہمدانی کو عطا کیا سادات ہمدانی نے حصار جلالی کو از سر نو آباد کیا حصار یعنی گڈھی کے علاوہ دیگر محلے سادات کے ناموں کے ساتھ منسوب ہوئے مثلاً محلہ جانان بنام سید جان محمد محلہ نصیر بنام سید نصیر محلہ مبارک بنام سید مبارک محلہ امیر بنام سید امیر اور محلہ ابوالفضل بنام سید ابوالفضل آباد ہوئے۔

مسجد حصار جلالی بھی سادات ہمدانی کی تولیت میں درست و بہتر حالت میں رہی۔ الحاج سید محمدی علی مغفور نے بیش قیمت مسی کلس طلاء خالص سے مطلا کرا کے نذر مسجد کئے۔ دیگر سادات جلالی نے جو اوقاف رجسٹرڈ کرائے ان میں اس مسجد کے لئے بھی رقم مخصوص فرمائی جس سے مسجد کے مصارف پورے ہوتے رہے۔ مسجد کے متصل مسجد کے احاطہ میں ایک امام باڑہ بھی تعمیر ہوا جس کے متولی سید ظہیر محمد صاحب سوز خواں ہیں۔

جلالی ضلع علی گڈھ میں عزاداری کے لئے قدیم سے مشہور و معروف ہے۔ سادات ہمدانی شیعہ اثنا عشری قطب ربانی میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ صاحب مودۃ القربیٰ کی نسل سے ہیں۔ قرائن تاریخی سے واضح ہوتا ہے کہ آپکے پوتے میر کمال الدین عنیز ہمدانی دور ہمایوں میں آئے اور آپ کو حصار جلالی عطا کیا گیا۔ اور مسجد حصار جلالی بھی آپ کی تولیت میں آئی۔ آپ اور آپ کے فرزندان نے جلالی میں عزاداری کی ابتدا فرمائی اور ایرانی رسم عزاء روضہ خوانی (بزبان فارسی) کو رواج دیا۔ اور فارسی مرثیہ ملا محتشم کاشی علیہ الرحمہ کو رواج دیا۔ یہ رسم بعد کو دہ مجلس اُردو میں تبدیل ہو گئی اور فضل علیؑ فضلی کے اُردو ترجمہ سنہ ۱۲۴۵ھ کے بعد جلالی میں بھی دہ مجلس اُردو زبان میں رائج ہوئی اور یہ رسم قدیم جس سے جلالی میں سادات ہمدانی کے عزاداری کی قدامت واضح ہے بحمد اللہ اس دور میں بھی جاری ہے۔ سادات ہمدانی کے امام باڑوں میں محرم میں ہر مجلس کی ابتدا دہ مجلس سے کی جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے میرا مقالہ "روضہ خوانی اور دہ مجلس" ملاحظہ ہو جو شیرازہ سرینگر ماہ مارچ سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

دہ مجلس کے علاوہ سنہ ۱۱۵۹ھ کی کاتب علیہ الرحمہ کی تصنیف کردہ منظوم الوداع بھی سنہ ۱۱۵۹ھ جلالی میں

قدیم سے رائج ہے۔ صبح عاشورہ ہر امام باڑے میں پڑھی جاتی ہے جس کا مطلع ہے سے جب حسینؑ رن کو چلے رو رو کہا ہے الوداع۔ جلالی کے امام باڑوں میں جو علم سجائے جاتے ہیں ہو بہو یہ علم اُن علم مبارک سے مشابہت رکھتے ہیں جو خانقاہ محلہ سری نگر کشمیر میں تبرکات میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ سے ہیں اور حجرۂ مبارک کے متصل شیشہ کی الماری میں مزین ہیں اور جن کی زیارت سے احقر بھی مشرف ہو چکا ہے۔ علم مبارک پر اللہ محمدؐ اور علیؑ اسمائے مبارکہ منقوش ہیں۔

تاریخی روشنی میں واضح ہے کہ جلالی میں عزاداری کی ابتدا تو شاہان مغلیہ کے ابتدائی دور میں ہو چکی تھی ہمایوں ایرانی بادشاہ طہماسپ صفوی کی امداد سے فتحیاب ہوا تھا۔ اس لئے ایرانیوں کے لئے حکومت مغلیہ کے دروازے کھل گئے۔ اور ایرانی اعلیٰ منصب سے نوازے گئے۔ میر کمال الدین حسینی ہمدانی اسی دور میں تشریف لائے۔ معاہدہ کے مطابق مذہبی آزادی شیعوں کو حاصل تھی چنانچہ آپ نے مذہب شیعہ کی تبلیغ عزاداری کے ذریعہ جلالی میں شروع کر دی۔ اور ایرانی مراسم عزا کو رواج دیا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جلالی کی عزاداری کا فروغ شاہان اودھ کے عہد میں ہوا اس سلسلہ میں تاریخی حقائق حسب ذیل ہیں۔

نواب شجاع الدولہ مرزا جلال الدین حیدر کے عہد میں سادات ہمدانی مسکونہ جلالی سے ایک بزرگ قطب العارفین حکیم سید شاہ خیرات علی ہمدانی علیہ الرحمہ کو دربار اودھ میں تشریف باریابی حاصل ہوا۔ آپ ماہر طب و حکمت اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ نواب صاحب کو آپ کی ذات ستودہ صفات سے عقیدت پیدا ہو گئی اور آپ کی فرمائش پر نواب صاحب معہ لشکر جلالی پہونچے اور محرم کی عزاداری جلالی میں کی نواب صاحب کے ہمراہ نواب فرخ آباد نواب مظفر جنگ بھی تھے۔ دوران عزا امام باڑہ شاہ موصوف میں ایک معجزہ رونما ہوا۔ اور وہ یہ کہ ابتدائے مجلس میں سخت آندھی آگئی جس سے تمام چراغ گل ہو گئے۔ مگر وہ چراغ کہ جس کی روشنی میں شاہ موصوف مصروف روضہ خوانی تھے۔ مسلسل روشن رہا۔ نیز نواب صاحب کے خیام کو بھی کچھ گزند آندھی سے نہ پہونچا۔ اس معجزہ کو دیکھ کر نواب مظفر جنگ شیعہ ہو گئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، لوح تاریخ منور علی خاں، تاریخ فرخ آباد ولیم اروِن اور تاریخ اودھ حکیم مولوی نجم الغنی رام پوری۔ نواب شجاع الدولہ بہادر کے بعد نواب غفرانمآب آصف الدولہ بہادر نے امام باڑہ سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ کے مصارف کے لئے پانچ مواضعات مال پور، کمال پور، نور نگر، نرولی اور مبارکپور معافی ضلع بدایوں (حال ضلع ایٹہ) وقف و مصارف علی الدوام باسم سید شاہ خیرات علی معہ فرزندان فرمائے۔ جن میں اول الذکر چار مواضعات انگریزی دور حکومت میں ضبط ہو گئے۔ مگر موضع مبارکپور واگذاشت ہوا جیسا کہ تجویز کمشنر خاص اضلاع عظیم آباد و بنارس وغیرہ مرقومہ ۲۲ اگست ۱۸۲۳ء سے واضح ہے۔ وقف مبارکپور کے متعلق ایک پروانہ کی نقل حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُہر نواب آصف الدولہ بہادر

برائے نیاز حضرات ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین

پروانہ بمہر میاں صاحب الماس علی خاں صاحب مرقومہ بست و ہشتم شہر محرم الحرام ۱۲۰۲ھ متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ ازبلوار عرف کاسگنج بدانند کہ موضع مبارکپور باسم سید شاہ خیرات علی صاحب معہ فرزندان

از قدیم مقرر و معاف واگذاشت است لہذا نگارش میرود کہ الحال ہم موضع مذکور در تعلق دلعرفت مشارٌ الیہ معہ فرزندان آگذاشت دار ند حسب این طور بعمل۔

مُہر حکم

نواب شجاع الدولہ بہادر کے جلالی میں معہ لشکر عزاداری کرنے، نواب مظفر جنگ کے شیعہ ہو جانے اور نواب آصف الدولہ بہادر کے موضع مبارکپور کو برائے مصارف امام باڑہ حصار جلالی باسم قطب العارفین حکیم سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ وقف فرمانے سے جلالی کا وقار بحیثیت شیعیت اور عزاداری، اودھ میں ممتاز ہو گیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الشیعہ بیں قطب العارفین حکیم سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ کا یادگار کارنامہ شائع کردہ ادارہ ہمدانیہ حسینیہ گڈھی جلالی ضلع علی گڈھ۔

امام باڑہ حصار جلالی المعروف چھوٹا امام باڑہ کے تاریخی حالات، کو استاد الشعراء جناب سید محمد حسین صاحب قمر جلالوی نے ایک مثنوی میں نظم فرمایا ہے، جو ہدیۂ ناظرین ہے :-

سحر شِ عشق شہ مظلوم عیاں کرتا ہوں
اس عزاخانہ کے حالات بیاں کرتا ہوں
پیش کرتا ہوں حقیقت کی بنا کر تصویر
سب سے پہلے یہ عزاخانہ ہوا ہے تعمیر
اب بھی موجود ہیں شاہان اودھ کے لشکر
اہل تاریخ نے اس طرح لکھی ہے روداد
فرخ آباد سے اُٹھا جو نزاعی شعلہ
لے کے لشکر چلے نواب شجاع الدولہ
سپہ سالار مظفر بھی تھے ہمراہ سفر
اور وزیروں میں اک الماس علی نیک سیر
جب کہ نزدیک جلالی کے یہ لشکر پہونچا
ناگہاں چاند محرم کا فلک پر دیکھا
حکم شاہی ہوا دس روز یہاں ٹھہرے ہیں
نصب خیمہ ہوئے آخر کو جلالی کے قریب
پھر دیا حکم کہ مولا کا عزاخانہ بنے
اور اس میں علم و تعزیہ چاندی کا سجے
تھا جو ہمراہ وہ کپڑے کا عزاخانہ سجا
دل سے ہر ایک غم شاہ میں دیوانہ بنا
تھی نہ تفریق کوئی اپنے و بیگانے میں
مجلسیں ہوتی تھیں مولا کے عزاخانے میں
ایک شب شرکت مجلس کے لئے دعوت پر
اس عزاخانہ میں وارد ہوا شاہی لشکر
ابتدا جب ہوئی مجلس کی تو طوفاں آیا
شمعیں گل ہو گئیں ہر سمت اندھیرا چھایا
اس پریشانی میں لوگوں نے عجب دیکھا حال
روضہ خوانی میں بزرگ اک ہیں مصروف کمال
ظاہرا وصاف شرافت کے ہر اک باتے ہیں
میر خیرات علی نام ہے سادات سے ہیں
سجدۂ حق کا عیاں نور ہے پیشانی سے
سلسلہ ملتا ہے سید علی ہمدانی سے
ذکر بربادی شاہ شہدا کرتے ہیں
گاہ سینہ زنی گہ آہ و بکا کرتے ہیں
سامنے شمع ہے آندھی میں مسلسل روشن
گو کہ ہے معجزۂ ذکر شہنشاہ زمن
دیکھ کر معجزۂ خانۂ فرزند رسولؐ
شیعہ مذہب کیا نواب مظفر نے قبول
اور نواب اودھ نے یہ عطا فرمایا
نذر کرتا ہے کچھ اس جا کیلئے بہر عزا
مختصر یہ کہ ہوئے ختم جو ایام عزا
فوج کا منزل مقصد کی طرف کوچ ہوا

جنگ میں فتح جو نواب اودھ نے پائی
لکھنؤ جا کے نیازشہ دیں یاد آئی
فوراً اک بھیجا جلالی کے لئے ناقہ سوار
میر خیرات علی پہونچے بصد عزّ و وقار
کی بہت آپ کی نواب اودھ نے عزّت
سرِ دربار کئے پیش خطاب و خلعت
اور جلالی کے عزا خانہ کو دی نذر بہین
تا ابد ہوتی رہے جس سے نیازشہ دیں
مذہب و عہد یہ نواب نے آنے نذر کی آپ نے
بیر و پنجتن پاک تھا گاؤں لکھے پانچ
وقف نامہ بھی لکھا سید موصوف کے نام
اختیار ان کو دیئے نذر و مجالس کے تمام
تھا اسی میں متولی کے لئے یہ ارشاد
پہلے خیرات علی بعد میں ان کی اولاد
ابھی تکمیل کو پہونچا تھا نہ کار مولا
خلق سے اُٹھ گئے نواب شجاع الدولہ
بعد کچھ دن کے نہ باقی رہا تنظیم میں ربط
چار گاؤں کئے انگریز سلاطین نے ضبط
صدف وقف میں فی الحال ایک دُر ہے
یعنی اس وقت معافی میں مبارک پور ہے
مہتمم وقف کے اب ایک وحید فن ہیں
یعنی سن ستر میں حکیم احسن ہیں
سن تعمیر عزا خانہ سے واقف ہے علیم
سنہ بارہ سو دو میں نقط لفظ قدیم ۱۲۰۲ھ
اُس عزا خانہ کی تاریخ معزز و بزرگ
ہیں نے اسناد اودھ دیکھ کے لکھی ہے قمر

بہر حال نوابان اودھ نے لکھنؤ کو مرکز حکومت بنانے کے ساتھ مرکز عزاداری بھی بنایا اور عزاداری کو بام عروج پر پہونچایا تو یہ مرکز عزاداری صرف اودھ بلکہ سارے ہند کے لئے مشعل راہ بنا۔ چنانچہ سادات جلالی کا جوش عزا بھی فروغ عزاداری کی طرف راغب ہوا اور انھوں نے لکھنؤ سے بیش از بیش استفادہ فرمایا اور پھر جلالی کی عزاداری کو بھی فروغ حاصل ہوا کہ جلالی کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

نوابان اودھ نے عالیشان امام باڑے لکھنؤ میں تعمیر کرائے تو سادات جلالی نے بھی اس سلسلہ میں اقدام کیا اور لکھنؤ کے امام باڑوں کے طرز تعمیر پر امام باڑے تعمیر کرائے اور لکھنؤ کے امام باڑوں کے مثل اعلیٰ بیش قیمت ساز و سامان عزا سے سجایا۔

جلالی کا سب سے بڑا عظیم الشان امام باڑہ محلہ ابو الفضل میں ہے جو جناب میر فرزند علی مغفور نے ۱۲۴۶ھ میں تعمیر کرایا ہے۔ اس کا نقشہ لکھنؤ کے امام باڑہ آصفی سے مشابہت رکھتا ہے۔ مرزا مچھو بیگ لکھنوی کے اہتمام سے تعمیر ہوا عشرہ محرم کی عزاداری کے لئے مخصوص ہے۔ عمارت کے علاوہ ساز و سامان بھی اس عزا خانہ کا نہایت بیش قیمت ہے۔ نو محرم کی مجلس اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے۔ جس کے بعد تابوت و ذو الجناح کا جلوس امام باڑہ میں آتا ہے اس امام باڑے کی ضریح مقدس بھی بیش قیمت اور قابل زیارت ہے۔ اور علم مبارک بھی نایاب اور قیمتی ہیں۔ مولانا مولوی سید ابو القاسم صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے اس امام باڑہ کو بہت فروغ دیا۔ اس امام باڑہ کے تاریخی کتبہ پر حسب ذیل قطعہ کندہ ہے:۔

باصدق دل چو سید فرزند علی نمود :: قصر امام باڑہ عالی بنا بجا
سال بناش ہاتف غیبی زشوق گفت :: بیت العزا باسم شہیدان کربلا

دوسرا عالی شان امام باڑہ جناب منشی سید جواد علی مغفور نے محلہ نصیر میں تعمیر کرایا جو شاہان اودھ کے امام باڑہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس میں ضریح کے علاوہ

علم مبارک بھی بیش قیمت ہیں اور روشنی کا ساز و سامان جھاڑ فانوس وغیرہ نیز باجے مختلف قسم کے بیش قیمت ہیں۔ یہ امام باڑہ عشرۂ چہلم کی عزاداری کے لئے مخصوص ہے۔ میر مہدی حسن نے اس امام باڑہ کے مصارف کیلئے کثیر آراضی وقف فرمائی یہ امام باڑہ ۱۲۶۹ھ میں تعمیر ہوا تاریخی کتبہ پر حسب ذیل ابیات کندہ ہیں:-

جواد علی سید نیک ذات ؛ برآرندہ حاجت مومناں
بدل راغب طاعت کردگار ؛ بجاں دوستدار شہ انس و جاں
جلالی کہ ایں قصبۂ دلکشا است ؛ بود مسکن آسا شریف زباں
بنا کردہ بیت عزائے حسینؑ ؛ دریں قصبۂ پاک جنت نشاں
چنیں گفت سال بنائش تقی ؛ عزا خانۂ سرور دو جہاں

تیسرا عالی شان امام باڑہ منظر علی معروف بڑا امام باڑہ محلہ گڈھی میں واقع ہے اور محرم کی عزاداری کے لئے مخصوص ہے جناب میر احسان حسین اور جناب میر پرورش حسین مغفور نے اس امام باڑہ کو بہت فروغ دیا۔ میر پرورش حسین صاحب کی جائداد سے آراضی اس امام باڑہ کے لئے وقف ہوئی۔ متولیان و ممبران وقف نے بھی اس امام باڑے کی تعمیر و تزئین میں بڑی دلچسپی لی۔ جناب سید نورالحسن تعلقدار و میجر سردار بہادر نے مسجد تعمیر کرائی اور اس طرح یہ ایک عالی شان امام باڑہ بن گیا۔ یوم عاشورہ بلند ترین نشان اسی امام باڑہ سے اٹھ کر جلوس عزا میں شریک ہوتا اور چھوٹی کربلا تک جاتا ہے اور وہیں بڑھایا جاتا تھا۔ اس امام باڑہ کی تعمیر بھی لکھنوی انداز پر ہوئی اور بیش قیمت ضریح مقدس و علم مبارک سے سجایا گیا۔ روشنی کا سامان بھی بیش قیمت ہے۔

چوتھا شاندار امام باڑہ محلہ نصیر میں واقع ہے قدیم عمارت مغربی رُخ پر اور جدید عمارت شمالی رُخ پر ہے جسے الحاج سید محمد حسین مغفور نے تعمیر کرایا۔ یہ امام باڑہ عشرۂ محرم کی عزاداری کے لئے مخصوص ہے ساز و سامان بھی بیش قیمت ہے اس کی شہ نشین بھی دالان کے اندر بلند ہے جس میں تعزیہ و علم مبارک سجائے جاتے ہیں۔

پانچواں شاندار امام باڑہ محلہ جاماں میں تھا جس کی بنا جناب میر باقر حسین مغفور نے فرمائی تھی محرم کی عزاداری کے لئے مخصوص تھا مگر بانی امام باڑہ کی وفات کے بعد منہدم ہو گیا۔ آثار باقی ہیں۔ جو اس کی شان رفتہ کی شہادت کے لئے کافی ہیں۔ اس کی شبیہ بھی لکھنوی طرز کی تھی۔

مذکورہ پانچ امام باڑے وہ ہیں جو لکھنوی طرز تعمیر کا نمونہ ہیں۔ اور جن کی تزئین بھی لکھنوی انداز پر ہوئی ہے۔ لیکن ان کے علاوہ جلالی میں متعدد شاندار امام باڑے تعمیر ہوئے جن کا نقشہ لکھنوی طرز سے مختلف ہے۔ لیکن ان کی بھی تزئین لکھنوی انداز پر ہوئی ہے۔ ان امام باڑوں میں ایک عالیشان امام باڑہ الحاج میر خورشید علی مغفور نے ۱۳۵۵ھ میں بحالت بیماری ایک خواب کی بنا پر اپنے کمرۂ نشست کو امام باڑہ میں تبدیل کر دیا جس پر دعبل ہند جناب ذاخر لکھنوی کے تصنیف کردہ ابیات بصورت کتبہ نصب ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

اب قصبۂ جلالی عالم کا مدعا ہے
مانند طور سینا جلوہ دکھا رہا ہے
کس درجہ ہے محبت خورشید سے علیؑ کو
مسند نشین دولت دنیا میں کر دیا ہے
کرسی نہ کیوں بچھائیں رؤیا صادقہ میں
گھر میں امام سوئم تشریف لا رہا ہے
شرمندہ ہیں جواہر کچھ ایسے ہیں نگینے
اس کرسی زمیں کا تا عرش مرتبہ ہے

یاں پر حسینہ ہو رہتا ہے تو جہاں پہ
خادم سے سبط احمد ارشاد کر رہا ہے
آنکھوں سے حکم حضرت منظور کرنے اُٹھا

اہل بریں کی عظمت اس خاک پر فدا ہے
ہے کیا عجب ملک ہی تعمیر کر رہے ہوں
اب وہ امام باڑہ تیار ہو چلا ہے
قصبہ کو دیکھتے ہیں جھک جھک کے اہل گردوں
حکم امام دیں سے اتنا شرف ملا ہے
تم کہدو سال ہجری فاخر اسی جگہ پر
یاں پر بھی تحت قبہ مقبول ہر دعا ہے
روضہ سے ہے مشابہ ایک ایک گوشہ گوشہ
کامل امام باڑہ تصویر کربلا ہے

اس امام باڑہ کے متصل جانب شمال الحاج خان بہادر سید محمد عباس صاحب نے ایک شاندار امام باڑہ تعمیر کرایا اور بیش قیمت ضریح رامپور نیز دیگر قیمتی سامان سے مزین فرمایا ہے۔ یہ عزا خانہ بھی محرم کی عزاداری کے لئے مخصوص ہے۔ ۸ محرم کو بعد مجلس مہندی اور تابوت حضرت قاسمؑ اس امام باڑے میں جناب میر عسکری علی سوز مغفور کے زمانے سے آتا ہے۔

محلہ ابو الفضل میں امام باڑہ جناب میر محمد حسن مغفور امام باڑہ جناب میر اکرام علی مرحوم اور امام باڑہ جناب میر ناصر علی مغفور محرم کی عزاداری کے لئے اور امام باڑہ مولوی میر محسن علی اختر حیدری الہمدانی عزائے اربعین کے لئے قدیم سے مخصوص ہیں۔ محلہ مولوی میر محسن علی اختر کے زمانے سے اس باڑے سے تابوت اُٹھ کر امام باڑہ مسجد حصار جلالی کو بعد مجلس جاتا ہے۔

امام باڑہ میر اسحاق حسین صاحب مرحوم المعروف امام باڑہ چوک عشرۂ محرم کی عزاداری کے لئے اور محلہ جامال میں امام باڑہ الحاج میر مہدی علی مغفور عشرۂ چہلم کی عزاداری کے لئے اور امام باڑہ جناب میر ہادی علی محرم کی عزاداری کے لئے اور محلہ نصیر میں امام باڑہ تکیہ محرم کی عزاداری کے لئے قدیم سے مخصوص ہیں اور ان امام باڑوں کے علاوہ اور بھی امام باڑے ہیں جن کا ذکر اصغر نے تاریخ عزاداری میں کیا ہے۔ یہ سب امام باڑے ایام عزا میں سامان عزا سے سجائے جاتے ہیں اور نہایت حسن عقیدت کے ساتھ عزاداری کے فرائض انجام دیئے جاتے ہیں۔

مردوں کے علاوہ مستورات کا جوش عزا بھی اس درجہ بڑھا کہ مستورات نے بھی مستقل عزاداری قائم کی بی بی محمدی بیگم زوجہ میر ہاشم علی رسالدار نے گڑھی میں ایک امام باڑہ مستقل مستورات کی عزاداری کے لئے قائم فرمایا اور اس کو محرم کی عزاداری کے لئے مخصوص فرمایا اور آپ کی صاحبزادی بی بی انتظام فاطمہ حدیث خواں نے اپنی زمینداری سے معتدبہ اراضی اس امامباڑے کے مصارف کے لئے وقف فرمائی، یہ وقف شیعہ سنٹرل وقف بورڈ لکھنؤ میں رجسٹرڈ ہے۔

غرضیکہ سادات ہمدان نے شاندار امام باڑوں کی تعمیر و تزئین بہت کچھ لکھنوی انداز پر اور شاہان اودھ کے مثل اپنی جائدادیں مصارف عزا کے لئے وقف بھی کیں۔ اور جلالی کو عزاداری کے لحاظ سے لکھنؤ کا ایک مرقع بنا دیا۔ جس طرح شہر لکھنؤ ایام عزا میں ایک مرقع عزا بنجاتا تھا اسی طرح قریہ جلالی بھی ایام عزا میں ایک مرقع عزاداری بن جاتا تھا۔ اور سارے قصبہ میں ایک غم کی فضا چھا جاتی تھی ہر شخص سوگوار نظر آتا تھا اور یہ حالت چہلم تک قائم رہتی تھی۔

امام باڑوں کی تعمیر و تزئین کے علاوہ فن مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی میں بھی بزرگان سادات لکھنؤ نے استفادہ فرمایا شاہان اودھ کے عہد میں فن مرثیہ خوانی اور

مرثیہ گوئی معراج پر پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ سادات ہمدانی بھی ان فنون کے حصول کے لئے لکھنؤ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان فنون کو باقاعدہ حاصل فرمایا فن سوزخوانی میں استاد محب حسین جلالوی نے بڑا کمال پیدا کیا میں نے اکثر بزرگوں کو آپ کی تعریف کرتے سنا ہے آپکے متعدد شاگرد جلالی میں مشہور و معروف ہوئے۔ تحت اللفظ مرثیہ خوانی میں ضیاء محمد صاحب، میر حکمت علی صاحب اور میر انعام حسین صاحب نے بڑا عروج پایا۔ آج تک ان کی ادائگی کی تعریف کی جاتی ہے فن مرثیہ گوئی میں جناب سید ظل حسین صاحب قدس مغفور نے کمال حاصل فرمایا، فصیح و بلیغ مراثی لکھنوی طرز میں تصنیف فرمائے۔ آپنے جو سلام لکھے ان کا مجموعہ گلدستہ فضا کے نام سے مطبع یوسفی دہلی سے شائع ہو چکا ہے آپکے جملہ مراثی آپ کے فرزند جناب سید انصر علی صاحب لقا جلالوی کے پاس محفوظ ہیں آپ کا شاہکار مرثیہ سے عندلیب گل گلزار رسالت ہوں میں۔ بہت مقبول ہوا۔ اور جلالی میں اکثر پڑھا جاتا ہے۔ آپکے بعد لکھنوی طرز مرثیہ گوئی میں استاد الشعراء جناب سید محمد حسین صاحب قمر جلالوی نے کمال حاصل فرمایا۔ جلالی میں مجالس عزا کا دار و مدار اساتذہ لکھنؤ کے منتخب مراثی پر قدیم سے ہے جو سوزخوانی اور تحت اللفظ مرثیہ خوانی کے طور پر مجالس عزا میں پڑھے جاتے ہیں۔ سادات جلالی نے ہر تاریخ اور ہر موقع کا منتخب مرثیہ لکھنؤ سے حاصل کیا اور جلالی میں اس کو رواج دیا اور یہ حقیقت ہے کہ اکثر مراثی طباعت سے قبل قلمی صورت میں لکھنؤ سے جلالی منتقل ہوئے ہیں آج بھی ذاکرین جلالی کے پاس ایسے قلمی مراثی مفقود ہیں جو آج تک طبع نہیں ہوئے اساتذہ لکھنؤ کے مراثی کا ایک بڑا ذخیرہ جلالی میں محفوظ ہے۔

سادات ہمدانی نے شاہان اودھ کے جاری کردہ طرز پر علم مبارک اور تابوت، ذوالجناح کے جلوس عزا بھی نہایت شان سے باجوں کے ساتھ قصبہ میں نکالے۔ ساتویں محرم، آٹھویں محرم، بیسویں صفر اور اکیسویں رمضان کے علموں کے جلوس قدیم سے مشہور ہیں۔ جنمیں لکھنؤ کے مرثیہ گو اساتذہ نواب مونس میاں دلگیر یا میر خلیق وغیرہ کے منتخب مراثی پڑھے جاتے ہیں اور ان تاریخوں کی رونق عزا کا دار و مدار بھی لکھنوی مرثیہ گو اساتذہ کے منتخب مراثی پر ہی رہا ہے جن کو بڑی شان سے پڑھا جاتا ہے۔

عشرۂ محرم کی عزاداری تو جلالی میں قدیم سے جاری تھی اور اس کی ابتدا میر کمال الدین حسین ہمدانی اور آپکے فرزندان نے کی تھی مگر عشرۂ چہلم کی عزاداری شاہان اودھ کی متابعت میں جاری ہوئی۔ شاہ اودھ نصیر الدین حیدر نے ۱۸۳۷ء میں لکھنؤ میں محرم کی عزاداری کو اربعین تک بڑھایا تو سادات جلالی نے بھی عشرۂ اربعین کی عزاداری کو بڑھا دیا اور چہلم کی عزاداری کے لئے مخصوص امام باڑے تعمیر کرائے، جلالی میں امام باڑہ منشی سید جواد علی مغفور اور امام باڑہ الحاج میر محمد علی صاحب مغفور عشرۂ چہلم کی عزاداری کیلئے خاص طور پر مخصوص ہوئے۔ ان کے علاوہ دیگر امام باڑوں میں بھی عزاداری چہلم جاری ہوئی جس کی تفصیل تاریخ عزاداری میں لکھ چکا ہوں۔

محرم و چہلم کی عزاداری کا دار و مدار اساتذہ لکھنؤ کے منتخب مراثی پر رہا اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ فن مرثیہ گوئی نے شاہان اودھ کی سرپرستی اور ہمت افزائی ہی میں عروج پایا اور پھر ان فنون سے سادات ہمدانی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ اور عزاداری کو فروغ دیا۔ جو ہند کی تاریخ عزا میں یادگار رہے گا۔

سادات جلالی نے دو کربلائیں بھی قائم کیں ایک چھوٹی کربلا یعنی کربلا حسینی جو زیادہ قدیم ہے اور دوسری بڑی کربلا یعنی کربلا شاہ مردان۔ کربلا حسینی میں محرم اور چہلم کے جلوس عزا تمام ہوتے تھے۔ اور کربلا شاہ مرداں میں جلوس اکیسویں رمضان تمام ہوتا ہے بڑی کربلا کی عمارت منہدم ہوگئی تو قدیم بنیادوں پر الحاج سید عیسے اوسط صاحب نے نئی کربلا تعمیر کرا دی۔

یہ حقیقت ہے کہ جلالی میں عزاداری کا جو فروغ شاہان اودھ کے عہد میں ہوا۔ وہ نہ اس عہد سے قبل تھا اور نہ اب موجود ہے۔ شاہان اودھ سے قبل جلالی کی عزاداری محدود تھی شاہان اودھ کے عہد میں عزاداری عام ہوگئی سادات ہمدانی نے اودھ کی

عزاداری ضلع مظفرنگر یو۔پی

از فاضل خبیر جناب سید محمد امیر کاظمی صاحب

مٹا کر اپنی ہستی نقشِ باطل محو کر ڈالے ∴ شہیدوں کا بڑا احسان ہے دنیائے ایماں پر

قبل ضبط واقعات عزاداری سادات باہرہ ضلع مظفرنگر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمہیداً کچھ بطور مقدمہ تفویض قلم کیا جائے جو خبر و حالات عزاداری ہو اپنے موضوع کے لئے جو مناسب ہو وہ اس تحریر سے اخذ کر لیا جائے۔ حالات بالاجمال و بالایجاز تحریر کئے جاتے ہیں گو یہ اجمال و ایجاز بھی باعث تطویل ہے مگر ضرورت اس کی داعی ہے۔ ضلع مظفرنگر جہاں سادات باہرہ و شیعہ جماعت کی بستیاں ہیں چار تحصیلوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مظفرنگر خاص (۲) جانسٹھ (۳) کیرانہ (۴) بوڑھانہ زیادہ تر سادات و شیعہ تحصیل مظفرنگر و تحصیل جانسٹھ میں سکونت پذیر ہیں۔ بحیثیت مرکز سادات جانسٹھ قصبہ میراپور - ککرولی - بہیڑہ سادات - تسنگ - جولی مجھیڑہ - کوال - ہڈولی - گنگیرو - سندھاولی - سنبلہیڑہ اختصاصی درجہ رکھتے ہیں۔ عزاداری کے لحاظ سے بھی ان مواضعات کو خصوصیت حاصل ہے۔ کوئی موضع یا قریہ ایسا نہیں ہے جس میں سادات یا شیعہ افراد ہیں اور عزاداری نہ ہوتی ہو۔ اگر وسیع پیمانہ پر نہیں تو وجود تعزیہ داری کا فقدان بھی نہیں۔ ضلع ہذا میں زیدی و کاظمی سادات ہیں۔ مقدم الذکر اکثر مواضعات میں ہیں اور موخر الذکر محض چار یا پانچ بستیوں تک محدود ہیں

سادات کاظمی اولاً موضع جولی میں آکر آباد ہوئے۔ بقیہ مواضعات رسول پور بروکی، سکرہیڑہ، رہکیڑہ وغیرہ توابعات موضع جولی ہیں اور جولی ہی سادات کاظمی کا مرکز ہے۔ اگر ضلع میں اگر کوئی فرد کاظمی دوسرے گاؤں میں آباد ہے وہ بھی جولی سے ملحق و وابستہ ہے۔ بقیہ کل قریوں اور مواضعات میں سادات زیدیہ اکثریت لئے ہوئے ہیں۔ مرادپورہ موضع میں مغل حضرات شیعہ ہیں جو خلوص سے تعزیہ داری کرتے ہیں۔ اور بگہرہ اور قصبہ بوڑھانہ میں عارف شاہی شیوخ کے ہاں چند جگہ امام باڑوں میں بڑی اخلاص و حسن عقیدت سے عزائے امام مظلومؑ ہوتی ہے۔ امام باڑہ خاص میں بڑی شان و رونق رہتی ہے۔ یہ لوگ ہر سال اپنی ملازمتوں اور جائے کاروبار سے ایام عشرہ محرم میں اپنے وطن ضرور آجاتے ہیں اور ان کی برادری کا یہ عام قاعدہ ہے کہ کوئی فرد عشرہ میں باہر نہ رہے۔ کل ضلع مظفرنگر کی آبادی جس میں کم و بیش گیارہ سو (۱۱۰۰) موضع اور قریئے ہوں گے بلا لحاظ مذاہب و ملل بروئے مردم شماری ۱۹۵۱ء دس لاکھ سے کچھ زیادہ ہوگی۔ ضلع ہذا میں سادات و شیعہ کی آبادی کا تخمینہ ۴۰ - ۵۰ ہزار نفوس کا ہے کیونکہ پاکستان کی جدید تقسیم موجودہ آبادی سادات شیعہ پر کافی

اثر انداز ہوئی ہے پھر بھی اس کا کوئی ناخوشگوار اثر تعزیہ داری پر نہیں ہوا جو جناب امام حسین علیہ السلام کی روحانیت کا مظہر ہے۔ اور در حقیقت یہ حیرت ناک و تعجب خیز بات ہے۔

سادات شیعہ آبادی حسب ذیل مواضعات میں ہے جہاں تعزیہ داری مظلوم کربلا کا وجود ہے شاید ہی شاذ و نادر کوئی موضع ہو جو اس سعادت و برکت سے محروم ہو۔

تحصیل مظفر نگر

(۱) مظفر نگر خاص (۲) قصبہ پور قاضی (۳) رتبانہ (۴) کھیڑی پچھنڈہ (۵) رکھیڑی (۶) سندھاولی (۷) بلاسپور (۸) وہلنہ (۹) بہادر پور (۱۰) بہاری (۱۱) سکھریڑہ (۱۲) بھگی (۱۳) بگھرہ (۱۴) مراد پورہ (۱۵) سید پورہ خورد (۱۶) سید پورہ کلاں (۱۷) کسولی (۱۸) لڈوہ (۱۹) ہیبت پور (۲۰) ڈھنڈھولی (۲۱) بوڑینہ کلاں (۲۲) کوٹیسرہ (۲۳) چرتھاول (۲۴) سکندر پور

تحصیل جانسٹھ

(۱) جانسٹھ خاص (۲) میران پور۔ (۳) سکھیڑہ مرا پور (۴) ہاشم پور (۵) مجہیڑہ (۶) سنبلہیڑہ (۷) بلی پورہ (۸) سالار پور (۹) بچیڑ بلا (۱۰) جٹواڑہ (۱۱) مجہیڑہ (۱۲) ٹنڈہیڑہ (۱۳) ککرولی (۱۴) رتسنہ (۱۵) بہڑہ سادات (۱۶) تیوڑہ (۱۷) سورنہ (۱۸) جولی (۱۹) ڈھانسری کمہیڑہ (۲۰) کھیڑی فیروز آباد (۲۱) یوسف پور (۲۲) بیلڑہ (۲۳) رہکڑہ (۲۴) بہڑہ کھرد (۲۵) رسول پور بروکی (۲۶) گادلہ (۲۷) کوال (۲۸) سکھیڑہ (۲۹) جیتوڑہ (۳۰) بھٹوڑہ (۳۱) منصور پور (۳۲) پال تاج پور۔ (۳۳) خانجہاں پور (۳۴) سرائے رسول پور (۳۵) چنڈورہ (۳۶) چنڈوری (۳۷) تسنگ (۳۸) غالب پور (۳۹) کھلاوڑہ کلاں (۴۰) پمناولی (۴۱) قصبہ کھاتولی (۴۲) شیخو پورہ (۴۳) سیدی پور (۴۴) بلیڑی۔

تحصیل کیرانہ

(۱) تحصیل کیرانہ خاص (۲) جھنجھانہ۔ (۳) تھانہ بھون (۴) جلال آباد (۵) قصبہ بڈھولی (۶) قصبہ شاملی۔

تحصیل بوڑھانہ

(۱) بوڑھانہ خاص (۲) گنگیرو۔ (۳) قصبہ شاہ پور (۴) شورون۔ (۵) کاندھلہ (۶) عمر پور۔

"ہندوستان میں سادات زیدیہ کے مورث اعلیٰ کی آمد"

عبداللہ معین المکنیٰ ابوالفرح واسطی - مورث اعلیٰ سادات زیدی بارہویں سلسلہ میں جناب زید شہید علیہ الرحمہ سے منسلک ہیں۔ جناب کی شہادت فائز السعادت سنہ ۱۲۲ھ میں ہوئی جس کا مصرع تاریخ سے بگفتا خرد صاحب داد بود۔ جناب زید شہید کی شہادت کے بعد اکناف و جوانب بلاد عرب و عجم وغیرہ میں اُن کی اولاد اخلاف نہایت مضطرب و عبرتناک احوال میں منتشر ہوئی۔ چنانچہ جناب ابوالفرح واسطی باجازت سید شہاب الدین سہروردی خال (خود) سنہ ۳۹۱ھ میں بمعیت سلطان محمود غزنوی وارد ہندوستان ہوئے اور بعد فتح یابی پایہ تخت کو ہمراہ بادشاہ موصوف مراجعت کی اور اپنے چار پسران عدیم الاقران کو ہندوستان میں اپنا جانشین چھوڑا۔ چاروں صاحبزادے مظفر و منصور ہو کر پنجاب میں سکونت پذیر ہوئے۔ ابو داؤد موضع کونڈلی۔ ابوالفراش موضع ججنیر۔ نجم الدین موضع تہن پور اور ابوالفضل موضع چھاتروڑ میں سکونت گزیں ہوئے۔ نجم الدین نہایت شکیل و خوشرو تھے بادشاہ اُن سے بہت مانوس تھا۔ اپنی دختر نیک اختر کا اُن سے عقد کر دیا۔ یہ آغاز آمد سادات زیدی کا ہندوستان میں ہے۔

عزاداری کی صحیح تاریخ و سنہ کا پتہ

جناب ابوالفرح کی آمد کے آخر عشرہ صدی کے اندر اندر کم و بیش تعزیہ داری کی ابتدا ہوئی جس کی کسی قدر تفصیل و توضیح حسب ذیل سطور میں سپرد قلم کی جاتی ہے:-

۲۰۔ مظفر نگر خاص

معمر بن جلیل القدر کے اخبار فیض آثار اور تاریخی بیان

مظہر ہیں کہ قصبہ مظفر نگر کو مورث اعلیٰ سادات مظفر نگر سید منور علےخاں مرحوم نے بعہد عالمگیر بادشاہ آباد کر کے اپنے پدر ذوالقدر جناب سید مظفر عرف نواب خانجہاں کے نام نامی کے ساتھ موسوم کیا اور مظفر نگر نام رکھا۔ مظفر نگر میں تعزیہ امام حسینؑ مظلوم کربلا کا اسی زمانہ سے شروع ہوا ہے۔ جناب سید مظفر عرف نواب خانجہاں بادشاہ شاہجہاں کے وزیر تھے۔ قدیم امام باڑے حسب ذیل ہیں:۔ پٹی نصراللہ خاں میں امام باڑہ سید ذوالفقار علےخاں مرحوم معروف ندی والا۔ یہ امام باڑہ سب امام باڑوں سے مقدم ہے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء سے قبل کا غذات سرکاری میں درج تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بانی مظفر نگر نے عزاداری کی بنیاد کچھ سال کے بعد قائم کی۔ امام باڑہ کچہری۔ امام باڑہ تکیہ والا۔ پٹی وجیہہ الدین خاں میں، امام باڑہ موتی محل پٹی ابوسعید خاں میں، امام باڑہ کٹہرہ، امام باڑہ سید نیاز علے صاحب مرحوم معروف پیر والا۔ موخرالذکر امام باڑہ پچاس سال سے کچھ زائد سے بذریعہ وقف قائم ہے۔ حال میں قریب بیس پچیس سال سے ایک امام باڑہ محلہ گڑھی روان موسومہ بہ محلہ کھجو کا اضافہ ہوا ہے۔ سب سے بہتر مجالس عشرہ ماہ عزا میں بلحاظ اجتماع مومنین سامعین یہاں پر ہوتی ہیں۔ راجہ اقبال رضا صاحب مرحوم کی کوٹھی پر علم و تعزیہ داری ایام عزا میں تقریباً ساٹھ سال سے قائم تھی اور ضریح سڑک کھجو کا پر ان کے امام باڑے سے نکل کر ان کی جدا گانہ کربلا میں مدفون ہوتی تھی۔ اب انقلاب سے اس کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ راجہ صاحب پاکستان چلے گئے تھے وہ اب مرحوم ہیں ان کے پسماندگان زیادہ تر وہیں مقیم ہیں۔ ۷ر و ۸ر محرم کو دُلدل امام باڑہ موتی محل و امام باڑہ کچہری سے نکلتا ہے۔ یوم عشرہ امام باڑہ سے ضریح و تعزیہ و علم اُٹھتے ہیں اور کربلا میں ندی پار دفن کئے جاتے ہیں۔ بلا لحاظ مذاہب و ملت خلقت کا ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ راستوں میں گذرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پانی کی مشکوں کا چھڑکاؤ سامنے ضریح و جلوس کے بیادگار تشنگان کربلا عوام الناس کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ علاوہ مسلمانوں کے غیر مذاہب والوں کی جانب سے بھی مہندی و علم اور چڑھاوہ اپنی مرادوں کے لئے نذر کئے جاتے ہیں۔ نامعلوم زمانہ سابق سے چالیس پچاس برس پیشتر احناف میں قصاب نوربان بھائی اور بیرزادوں وغیرہ کے پچاس ساٹھ تعزیئے نکلتے تھے۔ کسی لحاظ سے یہ بھی نکلتے تھے اور بڑے زور شور دھوم دھام سے ... کے ساتھ۔ مگر کچھ عرصہ سے بوجہ کشمکش بند ہو گئے مگر رونق عزاداری پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

علاوہ شیعہ سادات کے مسلم احناف زمانہ حال میں شغف رکھتے ہیں تعزیہ داری

میرو پسر کوڑا نور بان کے مکان پر علم و تعزیہ ایام عشرہ میں رکھے جاتے ہیں اور برابر اُس کے بزرگوں سے یہ رسم تعزیہ داری جاری رہی۔ سو برس سے زائد کا زمانہ ہو گیا باوجود موانع کے کوئی اثر نہیں لیا۔ مواعظ سد باب تعزیہ داری اُس کے قلب پر غیر موثر رہے اس کے باپ کوڑا نے مرنے کے بعد میرو کو خواب میں سخت تاکید تعزیہ داری کے لئے کی جس کو اُس نے خود حقیر سے بیان کیا۔ اور کہا کہ ہمارے بزرگوں سے تعزیہ داری چلی آتی ہے ہم اس کو کبھی ترک نہیں کر سکتے۔ امام الدین مستری جو نجاری کا کام کرتا ہے۔ تعزیہ و علم اُس کے مکان پر بھی مثل میرو مذکور رکھے جاتے ہیں۔ سادات کے تعزیوں کے ساتھ ساتھ ہر دونوں کے ساتھ گشت کرتے ہیں اور جلوس کربلا میں جا کر

دفن ہوتے ہیں۔ یہ شخص منڈاور ضلع بجنور کا ساکن ہے اور مظفرنگر میں پندرہ بیس سال سے مقیم ہے۔ کسی جذبہ کے ماتحت اس کا خلوص تعزیہ داری کے لئے ہے۔ زنانی مجالس بھی متعدد جگہ ہوتی ہیں۔

کوٹیسرہ تحصیل مظفرنگر

بیس گھر سادات کے ہیں۔ اسّی نفوس کا کل مجموعہ ہوگا۔ اندازاً پچاس ساٹھ سال سے زائد سے تعزیہ داری ہوتی ہے۔ قبل اس کے نور باخان حنفی المذہب تعزیہ داری کرتے تھے۔ سادات نے جب سے تعزیہ داری کی انھوں نے ترک کر دیا۔ نور باخان وغیرہ تعزیہ بناتے تھے۔ یہاں سادات مواضعات مورنہ و ککرولی سے آئے ہوئے ہیں احناف بھی مجالس و جلوس تعزیہ داری میں شرکت کرتے ہیں۔ مہندیاں منتی بھی حسب ضرورت موقعہ چڑھاتے ہیں سادات زیدی ہیں۔ سادات سَو سال سے زائد ہوئے جب یہاں آباد ہوئے۔ ایک جگہ امام باڑہ میں علم و تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ آٹھویں محرم کو علم کا گشت ہوتا ہے۔

کھلاوڑہ کلاں تحصیل جانسٹھ

یہ موضع بہت پرانا ہے سید ابوالفضائل خلف الرشید سید ابوالفرح واسطی کی طرف سادات موضع کھلاوڑہ کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے۔ ان کی اولاد میں سید عبدالرحمن مورث اعلیٰ کھلاوڑہ میں آباد ہوئے اور ان کے سات صاحبزادوں نے مختلف جگہ قرب و جوار کے مواضعات پمناولی و جوڑیالہ وغیرہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ موضع مسلم کلالوں کا مسکن و مرجع تھا نہایت قابو یافتہ تھے سادات کے استیصال پر کمر باندھی مگر سادات کے شجاع مورثان اعلےٰ نے شجاعانہ و دلیرانہ مقابلہ کرکے سب کلالوں کو کھلاوڑہ جو اصل میں کلال وڑہ تھا جلا وطن کر دیا اور موضع پر قبضہ کر لیا اور جستہ جستہ اقتدار کلی ان کو حاصل ہوگیا جیسا کہ بزرگوں سے اور سینہ بسینہ روایات سے معلوم ہوتا ہے یہاں عزاداری کی ابتدا سادات کی آمد سے ہوگئی تھی۔ مگر کس طرح ہوئی اور کیا طریقے اختیار کئے گئے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔ سید پرورش علیخاں عرف نور محمد کے زمانہ میں گڑھی کھلاوڑہ کی بنا رکھی گئی اور ان کے پسر سید دلیر علیخاں عرف محبوب شاہ والیٔ اجمیر شریف تخت نشین گڑھی کی تکمیل کی۔ دروازہ فیض سے مادہ تاریخ کا استخراج ہے اس مادہ تاریخ سے ۱۱۳۳ھ نکلتا ہے۔ یہ بعہد شہنشاہ عالمگیر تعمیر ہوئی۔ اس وقت سے مستقل تعزیہ داری کی ابتدا صحت کے ساتھ شروع ہوتی ہے مگر اس کا مجوکم و بیش پیشتر سے بھی تھا۔ قبل تقسیم ہندوستان و پاکستان ۲۵۰۔۔۳۰۰ نفوس اس بستی میں پُرامن زندگی گذار رہے تھے۔ مگر اس ناخوشگوار اور تباہ کن تقسیم سے اب یہ بستی ۱۹۔۔۲۰ نفوس تک محدود ہے چار امام باڑوں میں عزاداری ہوتی تھی و جلوس عشرہ محرم میں نکلتا تھا اب صرف دو جگہ مجالس عشرۂ اثنا عشرہ محرم میں ہوتی ہیں۔ موضع کی موجودہ آبادی کے لحاظ سے عزاداری اب بھی اچھی ہوتی ہے۔

پمناولی

یہ موضع سادات کھلاوڑہ کے مورث اعلیٰ سید عبدالرحمن کا مسکن تھا اور ان کے صاحبزادے سید عبدالستار و عبدالمعالی کھلاوڑہ سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے تھے اور ان کی وجہ سے پندرہ بیس گھر سادات کے آباد ہوگئے تھے۔ مسجد بھی تعمیر کی اور امام باڑہ بھی مجالس کے لئے ایک مکان میں قرار دیا گیا۔ لیکن استداد زمانہ سے نہ مکیں رہے نہ مکاں رہے۔ جملہ چیزوں کا وجود ختم ہے نہ کوئی سید ہے نہ سامان عزا ہے۔ مسجد بند ہے۔ متولی صاحب امام باڑہ کچھ نازیبا حرکت امام باڑہ کے متعلق کرکے پاکستان چلے گئے۔ یہ موضع کھلاوڑہ سے کوئی چار میل ہے۔

آغاز تعزیہ داری

امام باڑہ کے متعلق ایک عجیب

اور دلکش عبرت ناک وحیرت افزا سانحہ معمرین کی زبانی سینہ بسینہ صحیح شواہد کے ساتھ سنا گیا ہے یہ موضع اب ہندو راجپوتوں سے آباد ہے۔ سید علی شیر بعہد عالمگیر شاہ محی الدین اورنگ زیب یہاں آباد ہوئے۔ بڑی جاہ و جلال کے ساتھ فرماں روا رہے۔ ایک دن سید علی شیر مرحوم نے دیکھا کہ دفعتاً ایک قبر شگافتہ ہوئی ایک بزرگوار کفن تازہ پہنے ہوئے نکلے جن کے دانت مثل در آبدار چمکدار ہیں علی شیر مرحوم نے ان کے دو دانت نکال لئے فوراً مجنوں و پاگل ہوگئے اُن کو کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ نہایت قوی ہیکل اور شہ زور تھے۔ کوٹھری میں پتھر کی جالی لگی ہوئی تھی اُس کو ہاتھ ڈال کر توڑ دیا۔ اُن کی بہن زیب النساء نے منت مانی کہ اگر بھائی کو اس جنون سے صحت ہو جائے تو تعزیہ داری کروں گی۔ کچھ دنوں بعد اچھے ہوگئے تعزیہ داری کا آغاز ہو گیا۔ تعزیہ بننے لگا۔ ایام عشرہ میں مجالس عزا ہونے لگیں۔ یہ بھی معتبر شہادت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ایک علم نقرئی بھی حجرہ تعزیہ داری میں نمودار ہوا تھا۔ ایک سنگ مرمر کی پلیٹ بھی جس میں تبرک تقسیم کیا جاتا تھا۔ ضریح کے متعلق ایک عجیب واقعہ تواتر کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ یوم عشرہ جب کسی سال تعزیہ دفن کے لئے جلوس کے ساتھ نکالا گیا گاؤں میں آگ لگ گئی راجپوت ہندو مانع آئے چنانچہ تعزیہ واپس لے آئے جو حجرہ عزا تھا وہاں رکھ دیا اب سنا جاتا ہے کہ یہ ضریح اسی کوٹھری میں جہاں سامان عزا ہوتا تھا دفن کر دی گئی ہے۔

چوڑیاک

اس موضع میں کملا وڑہ سے سید تاج الدین مورث اعلیٰ اور سید عبد الرحمٰن آکر دو سو ڈھائی سو سال پہلے بسے تھے۔ فی الحال سادات کی آبادی قریباً ایک سو (۱۰۰) نفوس افراد سے زیادہ نہیں۔ تین جگہ شب و روز میں مجالس عزا ہوتی ہیں۔ ایک امام باڑہ میں تعزیہ و علم رکھے جاتے ہیں بقیہ دو میں صرف علم نصب کئے جاتے ہیں۔ وقف کسی امام باڑہ کے متعلق نہیں۔ ذوالجناح بھی نکلتا ہے۔ عاشورہ کے روز تعزیہ کا جلوس نکلتا ہے۔ اور تعزیہ کربلا میں دفن کیا جاتا ہے۔ سنی احناف و اہل ہنود بھی چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور منت کی مجالس بھی کرتے ہیں اور منتی مہندیاں بھی چڑھاتے ہیں سو (۱۰۰) برس سے زیادہ عرصہ ہوا امام سید امیر حسن صاحب میں مجالس عشرہ محرم ہوتی ہیں۔ دیگر دو امام باڑوں میں ساٹھ ستر (۶۰-۷۰) سال سے ہوتی ہیں۔ زمانہ سابق میں سنجلیرہ سے بھی سادات یہاں آکر آباد ہوئے۔

بعید ترین زمانوں اور بعید ترین ملکوں میں بھی حسینؑ کی فوت کے اندوہ ناک مناظر
ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی میں
ہمدردی کے شعلے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(تاریخ زوال سلطنت روم از گبن)

لداخ میں عزاداری

لداخ ہندوستان کا ایک اہم حصہ ہے جو لداخ، گلگت، چین اور روس کی سرحد پر واقع ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ لداخ پر حکومت ہند کا قبضہ ہے مگر بلتستان پاکستان کی غلامی میں ہے۔ یہ علاقہ تبت خورد کہلاتا ہے اور آٹھ ہزار پانچ سو بائیس مربع میل پر مشتمل ہے۔ دریائے سندھ اور دریائے شیوق اور دریائے شگر یہاں سے گذرتے ہیں۔ سر بفلک برف پوش پہاڑ کوہ پیماؤں کو دعوت جرأت آزمائی دیتے ہیں اسکردو اور لیہ اور گھرمنگ، تولتی، پرکوتہ، کوارد، خفلو، تھندی، اور ستق دریائے سندھ کے کنارے کی آبادیاں ہیں، چونکہ پورا بلتستان شیعہ اثنا عشری ہے اس لئے شب و روز ذکر محمدؐ و آل محمدؐ کے علاوہ کوئی مشغلہ نہیں۔

بلتی زبان گلگت، لداخ اور بلتستان کی مشترک زبان ہے۔ اس زبان کا رسم الخط پہلے کچھ اور تھا لیکن اب نسخ ہے۔ بلتی کا لٹریچر زیادہ تر قصائد و مراثی، مدح اہل بیتؑ اور فضائل محمدؐ و آل محمد پر مشتمل ہے۔ آبادی کم، پیداوار بھی کم۔ وسائل آمد و رفت بھی نہیں، اس کے باوجود قدم قدم پر مسجد و امام باڑہ دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ غریب ہیں، عربی و فارسی کا عام رواج ہے۔ طلباء و علماؑ نجف و کربلا و مشہد و لکھنؤ کے مدارس سے تعلیم یافتہ ہیں۔ شاید ہی کوئی گاؤں ایسا ہو جہاں کوئی عالم دین نہ ہو۔

مقپون خاندان بلتستان کا پہلا حکمران خاندان ہے۔ جو مغلوں سے روابط بلکہ قرابت بھی رکھتے تھے۔ علی شیر خان رنچن اعظم (۱۵۹۶ء۔ ۱۶۳۳ء) کے فتوحات شمالی کشمیر لیہ سے چترال تک پھیل گئے۔ اسکردو میں راجدھانی تھی۔ جہاں شیر شاہ اور علی شاہ نے اپنی عظمت و فتح مندی کے پرچم لہرائے۔ ان کے بعد ہیگو اور عماچہ حکمرانوں نے حکومت کی۔ ان میں سے اکثر حکمران شاعر، مرثیہ گو اور مداح اہل بیتؑ تھے۔

لداخ، ایمانداری، مذہب کی پابندی، واقفیت مسائل، شجاعت و دلیری میں مشہور ہیں۔ موجودہ فوجی حکومت نے یہاں کے عوام کی ترقی کے بہت سے منصوبے شروع کر رکھے ہیں۔

بلتستان میں ہر شخص عزادار ہے۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی برف پوش پہاڑیاں، پتھریلی وادیاں، نوحہ و ماتم کی صداؤں سے گونجنے لگتی ہیں، مرد و زن، جوان اور بچے سب کے سب سوگوار نظر آتے ہیں۔

راجہ حسین علی خاں محبؔ بلتی زبان کے میر انیسؒ مانے جاتے ہیں۔ آپ مقپون خاندان کے آخری تاجدار احمد شاہ کے چھوٹے صاحبزادے اور ۱۸۴۱ء میں گلاب سنگھ سے لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے اور قید ہی میں جان بحق ہوگئے۔

ان کے علاوہ راجہ لطف علی خاں عاشق، راجہ امیر حیدر مخلصؔ۔ راجہ ملک حیدر بیدلؔ۔ راجہ محمد علی خاں ذاکرؔ۔ راجہ حیدر خاں حیدرؔ، عماچہ وغیرہ بڑے بڑے مرثیہ گو، ذاکر اور

نوحہ خوان ہیں۔ ان لوگوں کے بنتی، عراقی اور فارسی دانوں کی فارسی تقریریں مخصوص طرح کا سینہ زنگاف ماتم طبقوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

بنگال کی عزاداری

خلیج بنگال کے کنارے ہندوستان و برما کے بیچ میں ایک چھوٹا سا قطعۂ ارضی اور پاکستان کا بڑا حصہ ہے۔ جو اب مشرقی پاکستان یا بنگال کہلاتا ہے۔ مشرقی پاکستان تاریخ برصغیر میں مختلف قوموں، بنگلہ زبان اور رنگارنگ اسلامی تحریک کی بناء پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔

محمد بختیار پہلا فاتح ہے۔ جس نے بنگال کو ۵۹۹ھ میں مسخر کیا اور لکھنوتی کو پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد سے مغلوں تک یہ صوبہ ایک نیم خود مختار، مکمل خود مختار اور پھر مغلوں کے ماتحت آگیا۔

۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ پورا صوبہ بنگال کہلاتا تھا۔ شیعی تاریخ میں بنگال کے چند شہر بڑی خصوصی نظر کے محتاج ہیں۔ جس کے لیے کوئی مکمل کام تو وہاں کے رہنے والے ہی کرسکتے ہیں۔ مگر ہم پر اس کا کچھ حق ہے۔ ماخذ و اطلاعات کی نایابی کے باوجود ہم مختصر طریقے سے کچھ اشارے کریں گے۔

ڈھاکہ، کلکتہ، مرشد آباد۔ ہوگلی۔ متحدہ بنگال کے یہ چاروں بڑے شہر عزاداری کے مرکز ہیں۔

ڈھاکہ:۔ جہانگیر کے نامور سپہ سالار اسلام خان نے اس شہر کو "جہانگیر نگر" کے نام سے آباد کیا۔ مغلوں کے زمانے میں ڈھاکہ بہت خوبصورت اور اہم شہر تھا آج بھی اس دور کی عمارتیں ڈھاکہ کی عظمت میں چار چاند لگا رہی ہیں۔ ان عمارتوں میں میر مرادؔ کا مشہور امام باڑہ "حسینی دالان" ہے۔

خواجہ ناظم الدین روڈ پر پرانے ریڈیو اسٹیشن کی داہنی طرف ایک کشادہ سڑک پر یہ عزا خانہ واقع ہے۔ دور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آصف الدولہ اور حسین آباد کے امام باڑے اسی کا عکس ہیں۔ امام باڑے میں داخل ہوں تو سنگ موسیٰ پر یہ قطعہ لکھا ہے۔

"در زمان بادشاہ ذی وقار آن عظیم الشان
شاہ نامدار ساخت ایں ماتم سرا سید مراد
در سن پنجاہ و دو بر یک ہزار"۔

۱۰۵۲ھ و ۱۶۴۲ء میں دہلی کی راجدھانی پر شاہ جہان اور بنگال کی صوبہ داری شاہ شجاع کے ماتحت تھی۔ میر مراد نظامت کے داروغہ، امیر اور صاحب دین و دل رئیس تھے۔ مشہور ہے۔ انھوں نے ایک مرتبہ حضرت امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت فرمارہے ہیں کہ اگر میری خوشنودی چاہتا ہے تو ایک امام باڑہ میرے نام پر تعمیر کر۔ چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی میر مراد نے امام باڑے کی تعمیر کا اہتمام شروع کردیا اور اس کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔

"یہ ایک دو منزلہ عمارت ہے۔ جس پر دو برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کی پشت پر ایک بڑا تالاب ہے۔ مغربی سمت میں ایک بڑا سا میدان ہے۔ جس کے اختتام پر دو منزلہ ڈیوڑھی ہے۔ جو پہلے نقار خانہ کا کام دیتی تھی۔ اب بھی محرم کے زمانے میں اس پر شہنائی وغیرہ کی جوڑیاں بیٹھتی ہیں اور اپنے اپنے کمال کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اصل عمارت ایک بڑے ہال کی طرح ہے۔ جس میں تعزیے، علم نشان ڈھال اور تلواریں وغیرہ رکھی ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ تارکول سے سیاہ کردیا گیا ہے جس سے اظہار رنج والم مقصود ہے۔

امام باڑے پر میر مرادؔ نے بہت بڑی رقم وقف کی تھی

آج بھی وہی وقف اسی خاندان کی نگرانی میں اخراجات کا کفیل ہے۔ محرم میں مراسم عزا، اور عموماً جمعہ و جماعت کا انتظام رہتا ہے۔

۱۸۹۷ء میں زلزلے سے یہ عمارت بہت زیادہ شکستہ ہو گئی تھی۔ لیکن نواب سر احسن اللہ خاں صاحب مرحوم نے ایک لاکھ روپے کے خرچ سے اس کی مکمل مرمت[1] کرائی۔"

میر مراد اور طباطبائی خاندان مدتوں سے یہاں نام حسین پھیلتے ہیں۔ اور اب تو تقسیم کے بعد ہندوستانی شیعہ بھی ڈھاکہ میں جا کر بس گئے ہیں۔ اور ڈھاکہ کا محرم بالکل نئے انداز اور سابق سے مختلف شکل میں منایا جانے لگا ہے۔

باقر گنج بھی ڈھاکے کے طباطبائی خاندان کا آباد کردہ شہر ہے۔ اور یہاں بھی عزاداری ہوتی ہے۔

مغربی بنگال کا مرشد آباد بھی شیعہ تاریخ کا ایک مرکز ہے۔ یہاں ایک مدت دراز سے شیعہ ریاست قائم ہے۔ بشیر بنگال نواب غازی سراج الدولہ بہادر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ۱۹۴۷ء تک مرشد آباد میں حکمران رہی۔ قلعہ، امام باڑہ اور اوقاف اب بھی باقی ہیں۔ عزاداری و محرم اب تک بڑی شان سے ہوتا ہے۔

تیسرا مرکزی شہر کلکتہ ہے۔ جس کی آبادی کے ساتھ ہی عزاداری شروع ہو گئی تھی۔ انگریزی ملازمین کمپنی، علماء فورٹ ولیم کالج میں بہت سے شیعہ بھی تھے۔ محرم کے دنوں میں یہ سب مجلس و ماتم کرتے تھے۔ کلکتہ کی تاریخ میں یہ بات بھی یادگار رہے گی کہ اس کے پریس نے مجلس خوانی کی قدیم ترین کتاب، حیدر بخش حیدری متوفی ۱۸۲۳ء کی گل مغفرت یا "مجلس" چھاپی ہے۔

اسی کلکتہ میں حضرت خلد آشیاں، سلطان عالم محمد واجد علی شاہ اختر تاجدار اودھ مقیم رہے۔ مٹیا برج اور فورٹ ولیم اسی بادشاہ کی وجہ سے جلوس عزا و مجلس میں تاریخ کا ایک خاص شہر قرار پایا۔ واجد علی شاہ اور ان کے حرم ہر جگہ مجلس کرتے تھے۔ خصوصیت سے اسد منزل اور سبطین آباد تو امام باڑے ہی تھے۔ ان امام باڑوں میں بادشاہ عشرے کرتے تھے۔ علماء و اکابر ذاکری اور خود بادشاہ بہ نفس نفیس مرثیہ پڑھتے تھے۔ لکھنؤ کے شاہانہ مراسم کے مطابق یہاں جلوس نکلتے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ کے بیلی گارڈ میں تقریباً تین گز کی قلمی لمبی تصویر جلوس تعزیہ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ میلوں لمبا یہ جلوس شاہی مراتب باجے، ہاتھی، اونٹ، گھوڑوں سے کس طرح آراستہ ہوتا تھا۔

سبطین آباد کا امام باڑہ اب تک باقی ہے اور اس میں شاہی انداز کی مجلسیں اب بھی ہوتی ہیں۔ خود کلکتہ میں شیعوں کی کافی تعداد ہے جو ایام عزا میں جلوس نکالتے، مجلسیں کرتے اور سوگ مناتے ہیں۔

ہوگلی:- بنگال کا ایک بڑا شہر ہے۔ اس شہر میں حاجی محمد محسن مرحوم کا بنا کردہ عظیم الشان امام باڑہ اور بہت بڑا وقف ہے۔ جس کی آمدنی حسین آباد لکھنؤ کے وقف سے بھی زیادہ ہے۔ ہوگلی تو ہندوستان میں ہے لیکن اس کی املاک، زمین اور کچھ عمارتیں پاکستان کی طرف نکل گئیں۔ جیسور سے تین میل کے فاصلے پر مرلی ڈاک خانہ راجہ ہاٹ میں ایک امام باڑہ بھی حاجی صاحب مرحوم کا ہے۔ جیسور کے تمام جلوس اسی امام باڑے میں آکر ختم ہوتے ہیں۔

۲۵ ہزار سے زائد سالانہ آمدنی کا یہ وقف مدتوں سے انگریزوں نے اپنے مصالح کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ شیعوں نے مقدمہ کے ذریعہ وقف کو آزاد کرانے کی بھی کوشش

[1] وحید قیصر ندوی: مشرقی پاکستان کا ایک مشہور گھرانا ہے" ڈھاکہ ریڈیو اور مہر نیمروز" کراچی ماہ دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۱۲

کیں لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ اب تک اس سے بے شمار طلباء کئی اسکول اور رفاہی ادارے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

پاکستان میں اس وقت سے محرم کے مراسم اور مجالس وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ اگر اس وقت کا انتظام شیعوں کے ہاتھوں ہوتا تو بنگال میں عزائے مظلوم کربلا کی ترویج و اشاعت کا بڑا کام ہوتا۔

بنگالی ثقافت اور وہاں کی تہذیبی علامتیں ہماری رسموں سے بیگانہ ہیں۔ ایک زمانے میں یہاں محرم عید کے طریقے سے منایا جاتا تھا۔ عاشور کے روز لوگ کھیلتے کودتے تھے نئے کپڑے پہنتے اور طرح طرح کے کھانے پکاتے تھے۔ مگر ۱۹۴۷ء کے بعد یہ رسمیں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ بہار اور یو۔پی کے مہاجرین نے عزا خانوں اور امام باڑوں کو مرکزِ غم، محرم کی علامت عزا قرار دیا ہے۔ مختلف عزا خانے فرید پور، کھلنا، خالص پور، جمشید پور، کرنا فلی، چٹا گانگ، وغیرہ میں ڈھاکے کی طرح دس دنوں تک پوری شان سے سوگ منایا جاتا ہے۔

لال آباد میں اصفہانی خاندان نے ایک نیا حسینیہ تعمیر کرایا ہے۔ یہاں محرم کے علاوہ دوسرے ایام ولادت و وفات آئمہ میں محفل و مجلس کا انتظام اور شیعہ مراسم کی انجام دہی ہوتی ہے۔

پورے بنگال میں شیعہ نسبتاً کم ہیں اس لئے وہ بات تو نہیں جو مغربی پاکستان میں ہے مگر پھر بھی عاشور اربعین میں ہر چھوٹے بڑے شہر، بعض قصبوں اور دیہاتوں میں سر برہنہ ماتمی دستے، تعزیہ و علم کے جلوس۔ ہندو مسلمانوں کی بیلیں، بہار، یو۔پی، ایرانی و بری مرشد آبادی شیعوں کے جلوس پوری شان سے برآمد ہوتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ بنگال میں بھی واقعہ کربلا کا تذکرہ لٹریچر کی جان ہے۔ دکنی زبان کے مرثیوں کی قدامت میں شریک بنگالی زبان کا ایک اور شاہکار "مقتل حسین" ہے۔

محمد خاں نامی بنگلے کا شاعر میر مراد کا معاصر اور "مقتل حسینؑ" منظومے کا مصنف ہے۔ "مقتل حسینؑ" بنگلہ لٹریچر کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۵ء یا ۱۶۴۶ء میں لکھی گئی۔ گویا شاہجہان کے عہد اور حسینی دالان کی تعمیر کے وقت محمد خاں بنگال کا ذاکر امام حسینؑ ہوتا۔ اسی کے طفیل میں بنگلہ زبان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ بھی اردو، ہندی، فارسی، پشتانی وغیرہ کی طرح ذکر واقعات کربلا سے تاریخ ادب میں قدم رکھتی ہے۔

امامیہ مشن کی ممبری ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ہے

آپ اپنے اس واحد دینی مشن کو چندہ، ممبری یا "حسینی فنڈ" میں جو کچھ مرحمت فرمائیں گے اسکے بدلے میں آپ کو دینی لٹریچر بھیج جائے گا۔ جس کو آپ خود بھی پڑھیں اور برادران دین میں بھی بلا قیمت تقسیم فرما کر عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوں۔

خادمِ ملت: سید ابن حسین نقوی عفی عنہ۔ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۳

دسویں صدی کا خطیب اعظم

ملا حسین کاشفی

جناب علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

کاشفی کا تعارف

جن حضرات نے واقعہ کربلا کے سلسلے میں خطابت و تالیف میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور تاریخ عزاداری میں جن کے نام اور کام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اُن میں ملا حسین واعظ کاشفی سنہ ۹۱۰ھ کو ایک مخصوص درجہ حاصل ہے۔

واعظ کاشفی سبزوار کے علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب علم و فضل تھے۔ سبزوار خود بھی علم و ادب و تشیع کا مرکز تھا۔ اس خطے میں اثنا عشریوں کے سوا کوئی دوسرا فرقہ آباد نہ تھا۔

مولوی روم اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں۔

سبزوار اندر ابوبکری مجو (دفتر پنجم) ان تمام مناسب حالات نے کاشفی کو اس عہد کے علوم متداولہ کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اور ان کی فطری صلاحیتوں کے ظہور کا پورا موقع دیا۔ تشیع ایک تبلیغی نظریۂ زندگی ہے۔ خطابت و ادب سے اُسے ہمیشہ کام پڑا ہے۔ سبزوار کی فضا خطابت نواز و ادب پرور تھی۔ کاشفی نے اس فن سے دلچسپی لی اور اسے آسمان ترقی پر پہونچا دیا۔ استفادہ و افادہ اور خطابت کی غرض سے کاشفی دوسرے شیعہ مراکز میں بھی جاتے رہے۔ وہ نیشاپور گئے۔ وہاں بھی انھوں نے خطابت کی گلپاشی کی۔ مشہد مقدس (خراسان) آئے کچھ عرصہ تک مصروف رہے۔ لیکن اس وقت تک ان کو ایسا کوئی مربی نہیں ملا جو ان کے فن خطابت کو چمکاتا اور فکر معاش سے آزاد کر دیتا —— یہاں سے ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے —— وہ سنہ ۸۶۰ھ میں قسمت آزمائی کے لئے ہرات چلے آئے۔ ہرات ایران کا ایک قدیم شہر ہے۔ جغرافیائی و اقتصادی و تجارتی و علمی اعتبار سے اسے کافی شہرت حاصل رہی ہے[1]۔ یہ مقام ہمیشہ شاہان ایران کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔

کاشفی کے سفر ہرات کا سبب ابھی تک راز سربستہ بنا ہوا ہے۔ خود کاشفی کا خاندان اور وطن سب شیعہ تھے

[1] آثار ہرات از آقا خلیل نظامی افغانی مطبوعہ کابل سنہ ۱۳۰۶ھ شمسی تاریخ نامہ ہرات سیف الدین بن محمد ہروی (اوائل قرن ہفتم) مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۳۱۲ء روضۃ الصفا ج ۷ ص ۴ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۰۴ء

ہرات میں سوادِ اعظم کی تہذیب اور حکومت تھی ـــــ علامہ نوراللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ) تو مجالس المومنین (صفحہ ۵ مطبوعہ ۱۲۹۹ھ) میں لکھتے ہیں۔ میں نے مشہد میں تحصیل علم کے زمانے میں سنا تھا کہ کمال الواعظین مولانا حسین کاشفی سبزواری بعض مصالح دنیاوی کی بنا پر دارالسلطنت ہرات گئے اور ایک عرصہ تک عذاب صحبت میر علی شیر اور ملا جامی کی ہم دامادی میں گرفتار رہے ـــــ" حاجی زین العابدین شیروانی م ۱۲۵۳ھ ریاض السیاحہ (مطبوعہ طہران ۱۳۳۹ھ) میں لکھتے ہیں بمقتضائے تقدیر ہرات گئے ـــــ خود کاشفی نے بھی کوئی معقول وجہ نہیں بیان کی ہے خود تو وہ اس ہجرت کا محرک اپنا ایک خواب بتاتے ہیں۔ بقول ان کے مشہد مقدس میں انھوں نے سعد الدین کاشغری کو خواب میں دیکھا وہ کہتے ہیں تم جلد میرے پاس چلے آؤ۔ وہ کاشغری کی تلاش میں ہرات گئے۔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی سے ملے۔ ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ جامی نے پوچھا آپ نے خود اس کی کیا تعبیر دی ہے کاشفی نے کہا میرا خیال ہے سعد الدین کے مزار کے پہلو میں میری قبر بنے گی ـــــ جامی نے کہا صحیح تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ سعد الدین سے آپ کا رشتہ ہو جائے گا۔ اور آپ کو ان سے قربت حاصل ہو جائے گی۔ ۸۶۳ھ میں کاشفی کے صاحبزادے فخر الدین پیدا ہوئے اور ۹۰۴ھ میں ان کی شادی خواجہ کلاں ونبیرہ کبیری سعد الدین کاشغری سے ہوگئی۔ اس وقت کاشفی کو اپنا خواب یاد آیا کہ اکتالیس سال کے بعد اب خواب کی تعبیر سامنے آئی۔

کاشفی نے ہرات میں کافی رسوخ پیدا کر لیا۔ جامی کی بہن سے ان کی شادی ہوگئی، بیٹے کی شادی بھی ممتاز گھرانے میں ہوگئی۔ جامی نے ان کو نقشبندی سلسلے میں منسلک کر لیا۔ صوفیوں کا نقشبندی سلسلہ شیخ بہاء الدین نقشبند بخارائی کی طرف منسوب ہے نقشبند بخارا کا ایک دیہات تھا بہاء الدین وہیں کے باشندے تھے۔ نقشبندی سنی صوفی ہوتے ہیں وہ امور شرعی کی پابندی کرتے ہیں اس لئے اہلسنت کے اکثر علماء ظاہر اس سلسلہ سے ارادت رکھتے ہیں۔ قاضی نوراللہ شوستری وغیرہ نے لکھا ہے کہ جامی کا طریقہ حضرت ابوبکر تک پہونچتا ہے لیکن حاجی زین العابدین شیروانی اسے تسلیم نہیں کرتے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے فقرائے نقشبندیہ میں سے نہ تو کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا (ریاض السیاحہ صفحہ ۲۳) کاشفی کی رسائی دربار ہرات تک ہوگئی۔ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت ان سے متعلق ہوئی۔ سلطان[1] حسین بایقرا تخت نشین ہوا، (۸۷۳ - ۹۱۱ھ) تو اس نے ان کی بڑی قدر کی۔ سلطان حسین کے وزیر نظام[2] الدین امیر علی شیر نوائی ۹۰۶ھ نے بھی کاشفی کو بہت سہارا دیا۔

ہرات میں ان کی خطابت نے دلوں کو مسخر کر لیا میر خواند لکھتے ہیں مولانا کمال الدین حسین علم نجوم و انشاء میں وحید العصر تھے۔ تمام علوم میں اپنے امثال و اقران کے برابر تھے۔ آواز دلکش اور صورت دلپذیر تھی وہ معانی آیات بینات و غوامض اسرار احادیث رسالت پناہ ان کے وعظ میں آراستہ ہو کر آتے۔ حاجی زین العابدین شیروانی لکھتے ہیں:۔

فاضل یگانہ و عالم زمانہ بود در علوم نجوم و انشاء و فنون غریبہ گوئی سبقت از امثال و اقران می ربود ہموارہ بصورت خوش و لحن دلکش با مردم وعظ و خطابہ پرداخت معانی قرآن و احادیث را بعبارات لائقہ و اشارات رائقہ بیان می ساخت (ریاض السیاحہ صفحہ ۸۰۴)

[1] حسین مرزا کے حالات محمد خاوند شاہ خواند میر ہروی ۹۰۳ھ نے روضۃ الصفاء میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ [2] علی شیر نوائی کا تفصیلی تعارف خواند میر نے روضۃ الصفاء کے خاتمہ ص ۵ مطبوعہ ۱۹۰۴ء میں کیا ہے۔ انجمن تاریخ افغانستان نے نوائی کے حالات میں محمد یعقوب واحدی جوزجانی کی کتاب شائع کی ہے اور بجائے ایرانی کے انھیں افغانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسے سید جمال الدین اسد آبادی ایرانی کو افغانی بنانے کیلئے کوشاں ہیں

وہ جمعہ کی صبح کو سلطان کی محل سرا میں وعظ کہتے۔ نماز جمعہ کے بعد امیر علی شیر نوائی کی مسجد میں وعظ کہتے۔ سہ شنبہ کو ان کا وعظ مدرسہ سلطان میں ہوتا۔ چہار شنبہ کو خواجہ ابوالولید کی آرام گاہ میں وعظ کہتے۔ آخری زمانے میں سلطان احمد میرزا کی آرام گاہ میں بھی وعظ کہنے لگے تھے۔ کاشفی جو مقصد لے کر ہرات گئے تھے وہ پورا ہوا۔ دولت واثر کے اعتبار سے ہرات میں انھوں نے اونچا مقام پایا۔ شاید سبزوار وغیرہ میں انھیں یہ خوشحالی نصیب نہ ہوتی۔ ان مقامات پر شیعہ عالموں اور خطیبوں کی کمی نہ تھی۔ ہرات کے عوام وخواص علماء وامراء وحکومت سب نے ان کو آنکھوں میں جگہ دی۔ تصوف تشیع اور تسنن کے درمیان ایک پُل ہے۔ دونو ایک دوسرے سے اس راستے پر گھل مل جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ کوئی ایسا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ کاشفی اثنا عشریت سے دستبردار ہو گئے۔ البتہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا تشیع تصوف سے دبا ہوا ہے۔ اصول وفروع کے اختلافی مسائل میں وہ بڑی حد تک مہر بلب نظر آتے ہیں۔ اہلبیت سے گہری ارادت جو تشیع تصوف کا مشترک سرمایہ ہے ان کی تحریر وتقریر میں پورے شباب پر ہے خلفاء ثلاثہ کے بارے میں وہ تزکیہ وتنقید دونوں سے کتراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس طرز سے انھوں نے ہرات کے ماحول میں حبّ اہلبیت کی خوب تخم کاری کی۔

مذہب کاشفی کا مسلک ان کی زندگی ہی میں زیر بحث تھا ہرات اور تمام بلاد ماوراء النہر میں ان کو شیعہ ورافضی کہتے تھے۔ سبزوار اور بلاد خراسان میں وہ سنی وحنفی سمجھے جاتے تھے (ریاض العلماء مرزا عبداللہ آفندی) —— ہرات وغیرہ ایسے تصوف سے اجنبی تھے جسمیں محبتِ اہلبیت کا اتنا گہرا رنگ ہو —— اور سبزوار وغیرہ ایسے تشیع سے نامانوس تھے جو کلام وفقہ کے اختلافی مسائل میں اُن کا ہمزبان نہ ہو۔ ایک عرصہ کے بعد کچھ دنوں کے لیے جب وہ سبزوار آئے تو ان کے مسلک کے بارے میں جو افواہ تھی لوگوں نے چاہا کہ خود ان سے اس کی حقیقت معلوم کریں۔ علماء نے اس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کیا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن بعض عوام کے سخت رویّہ کا ذکر آیا ہے۔ جامع سبزوار میں ان کا وعظ ہوا، ایک بڈھا زیر منبر عصا لئے ہوئے بیٹھا۔ کاشفی نے تقریر میں کہا۔ جبرئیل امین جناب رسولؐ خدا کے پاس بارہ ہزار بار آئے۔ سبزواری پوچھ بیٹھا جبرئیل حضرت علیؑ کے پاس کتنی بار آئے۔ اس سوال سے کاشفی کا ایک لمحہ پیچ وتاب میں گزرا۔ اگر وہ یہ کہتے کہ جبرئیل حضرت علیؑ کے پاس آئے تو یہ خلاف واقع تھا۔ اور اگر کہتے کہ نہیں آئے تو سبزواری کا عصا حرکت میں آجاتا۔ ان کی ذہانت اور حاضر جوابی نے اور علامہ شوستری کے الفاظ میں صفاء اعتقاد نے ان کی مدد کی —— انھوں نے یہ کہہ کر۔ جبرئیل حضرت علیؑ کے پاس ۲۴ ہزار بار آئے اہل مجلس میں تعجب وابتہاج کی ایک لہر دوڑا دی۔ سبزواری نے کہا آپ ہمیں خوش کرنے کے لئے یہ کہہ رہے ہیں یا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ کاشفی نے کہا۔ جناب رسول خدا کی حدیث ہے۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ جبرئیل دروازے سے شہر میں داخل ہوئے پھر اسی دروازے سے واپس ہوئے۔ اس طرح جبرئیل حضرت علیؑ کے پاس ۲۴ ہزار بار آئے گئے۔ (مجالس المومنین علامہ شوستری سنہ ۱۰۱۹ھ مجلس اول ص ۹۵ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۱ھ)

کاشفی کے بعد بھی ان کا مسلک زیر بحث رہا —— جو ان کو شیعہ کہتے ہیں وہ ان کے اس شعر سے تمسک کرتے ہیں۔

" ذرّیتی سوال خلیل خدا - بدان
وز لاینال عہد - جوابش بکن ادا
گردد ترا عیاں کہ امامت نہ لائق ست
آنرا کہ - بود - بیشتر عمر - در خطا

حضرت ابراہیم نے خدا سے درخواست کی تھی تو نے مجھے جس منصب سے نوازا ہے میری ذریت کو بھی اس سے سرفراز فرما وحی الٰہی نے ان سے کہا کہ تمہاری ذریت میں جو لوگ گناہگار ہوں گے انھیں یہ منصب نہیں ملے گا۔ شیعہ امام کے لئے عصمت شرط سمجھتے ہیں اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ امام کا معصوم و منصوص ہونا ضروری ہے۔ حضرات اہلسنت فیصلہ کے لئے عصمت کی شرط کے قائل نہیں ہیں ان شعروں میں کہا گیا ہے کہ امام و خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو جس کی عمر کا بڑا حصہ خطا میں گزرا وہ خلیفہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا کاشفی شیعہ ہیں۔ لیکن اس شعر سے استدلال اسی وقت صحیح ہو گا جب یہ معلوم کہ یہ شعر کس عہد کا ہے۔ سبزوار سے ہرات آنے سے پہلے کا ہے تو اس عہد میں اُن کا تشیع نزاعی نہیں ہے اور اگر عارضی طور پر سبزوار آنے کے موقع پر کہا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مقصد عوام کو خوش کرنا ہو۔ کاشفی کے تشیع پر اس شعر سے علامہ شوستری نے مجالس المومنین میں مولانا عباس قمی م ۱۳۵۹ھ نے ہدیۃ الاحباب (ص ۲۴۴) وغیرہ میں اور ہمارے شیخ المحدثین حجۃ الاسلام آقائے بزرگ طہرانی نجفی دام ظلہ نے الذریعہ وغیرہ میں استدلال کیا ہے۔ یہ سب حضرات علامہ شوستری کی رائے سے متاثر ہیں اور خود علامہ شوستری اپنی غیر معمولی جلالت کے باوجود شیعہ سازی میں مورد تنقید ہیں۔

جن لوگوں کے خیال میں کاشفی کا جھکاؤ تسنن کی طرف ہے وہ اس کا باعث میر علی شیر نوائی اور ملا جامی کی صحبت کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہی بے یقینی و تردد جامی کے مسلک کے بارے میں بھی کچھ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایرانی ادیب و ملک الشعرا محمد تقی بہار مرحوم لکھتے ہیں :-

قاضی نور اللہ نے جو کہ ہر فاضل کو ذرا سے بہانے اور معمولی سی گواہی پر شیعہ بنا دیتے ہیں جامی کو مرد فاضل اور عدوئے اہلبیت قرار دیا ہے (سبک شناسی بہار $\frac{۲۲۵}{۳}$) علامہ محمد تقی مجلسی اول اور علامہ محمد باقر مجلسی ان کو سنی کہتے ہیں (سبک شناسی) زین العابدین شیروانی حنفی کہتے ہیں کہ ان کا سلسلہ شیخ بہاء الدین نقشبند تک پہنچتا ہے انھوں نے شواہد النبوۃ میں حضرت ابوطالب کی شان میں جسارت کی (ریاض ص ۲۴۳) ــــ انھیں کو امیر محمد حسین حسینی خاتون آبادی سبط مجلسی نے ایک مضمون میں ان کے ناصبی ہونے کے تمام دلائل کے باوجود لکھا ہے کہ وہ تقیہ میں تھے اور باطناً شیعہ تھے۔ سبک شناسی $\frac{۲۲۶}{۳}$) ــــ خود جامی اپنے کو شیعہ و سنی نزاع کے قید و بند سے آزاد ظاہر کرتے ہیں۔ جامی نے کہا ہے :-

اے مغبچہ از مہر بدہ جام میم را
کاندر نزاع سنی و شیعہ نیم
گویند کہ جامیا چہ مذہب داری
صد شکر کہ سگ سنی و خر شیعہ نیم

یہ مد نظر رکھنا چاہیئے کہ شیعہ و سنی دونوں اپنے اپنے کلامی و فقہی متعین حدود رکھتے ہیں۔ کسی کو صرف بیانِ فضیلتِ اہلبیت یا کسی جزوی مسئلہ میں موافقت کی وجہ سے کسی خاص فرقہ کا اصطلاحی لقب دینا بے احتیاطی ہے۔ کاشفی کے دینی مسلک کے تعین میں جو بھی اختلاف ہو۔ اس پر سب متفق ہیں کہ ادب و خطابت کو انھوں نے بام عروج تک پہونچایا۔ وہ کافی مشغول و محترم زندگی گزار کر ۹۱۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے

ذیل کے شعر سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

در ہدایت صرف شد ایام عمرش زاں سبب
گشت تاریخ وفاتِ او۔ ہدایت دستگاہ

روضۃ الشہداء کے ۱۳۸۶ھ کے لاہور اڈیشن میں ناشر کتاب نے بھی ایک قطعہ درج کیا ہے جس کا آخری شعر یہ ہے :۔

گفت چوں شد۔ بعد ازیں بر منبر عرشم مقام
از پئے تاریخ (نیکو منبر با عرش باد)

کاشفی نے اپنی یادگار میں اپنے بیٹے مولانا فخرالدین کاشفی کو چھوڑا ہے۔ جو دربار ہرات میں ان کے بعد جانشین ہوئے۔ وعظ و خطابت ان کا بھی پیشہ تھا۔۔۔ یہ رشحات (حالات مشائخ نقشبندی) لطائف (قصے) رئیس العارفین (مواعظ و تفسیر وغیرہ) کنز الایمان (اسرار حروف) مختصر اسرار فارسی ان کے تصانیف ہیں۔ ۹۳۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔۔۔

کاشفی نے جو زندہ و پائندہ یادگار چھوڑی ہے وہ ان کے تصانیف ہیں یہ ۳۰۔۳۲ کتابوں کے مصنف ہیں

مشہور کتابیں

جن کتابوں نے غیر معمولی شہرت پائی وہ یہ ہیں:۔

(۱) مواہب علیہ (تفسیر مولفہ سنہ ۸۷۵ھ) بمبئی میں بار بار چھپی یہ تفسیر رکیک و بعید تاویلوں کا ایک طومار ہے۔

(۲) لب لباب مثنوی روم مولفہ سنہ ۸۷۵ھ بمبئی و طہران میں بار بار چھپی۔

(۳) اخلاق محسنی۔ مولفہ سنہ ۹۰۰ھ کلکتہ و بمبئی و طہران وغیرہ میں چھپتی رہی ہے۔

(۴) انوار سہیلی۔ کلیلہ و دمنہ کا فارسی ترجمہ ہے۔ ہندوستان و ایران و یورپ میں تیس بار سے زیادہ چھپی۔ اردو میں بھی ترجمہ ہوا۔

(۵) مخزن الانشاء۔ نویں صدی ہجری کی فارسی مراسلہ نگاری دانش پردازی کا نمونہ ہے عرصہ تک اس کی تقلید کی گئی۔

(۶) روضۃ الشہداء۔ اس مقالہ میں کسی قدر اس کے مالہ و ما علیہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

روضۃ الشہداء کی مقبولیت

یہ کاشفی کا شاہکار اور کارنامہ زندگی ہے

مشرق و مغرب میں ان کی شہرت و مقبولیت کا باعث یہی کتاب ہے ۔۔۔ سنہ ۹۰۸ھ میں شاہزادہ مرشد الدولہ والدین عبداللہ سید مرزا ابن صلاح الدولہ موسی حسنی کی فرمائش پر لکھی گئی۔ مرشد الدولہ عبداللہ سید مرزا باپ کی طرف سے حسنی سید تھے ان کی ماں معز الدولہ بایقرا برادر اعیانی ابوالغازی سلطان حسین کی بیٹی تھیں (روضہ ۳۸۲)

عہد ائمہ طاہرین میں اور غیبت امام کے بعد مصائب اہلبیت پر شعر وغیرہ پڑھ کر دوسروں کو رلانا باعث سعادت و اجر آخرت سمجھا جاتا تھا۔ المیہ کربلا کتب اخبار و مقاتل میں موجود ہیں۔ لیکن ملا حسین واعظ کاشفی سے پہلے اس عمل کا کوئی مخصوص نام نہ تھا۔ سنہ ۹۰۸ھ میں جب کاشفی نے روضۃ الشہداء لکھی تو لوگ مجلس عزا میں اسے بڑی رغبت سے سنتے۔ لیکن اس کا پڑھنا ہر شخص کے بس میں نہ تھا۔ لوگوں کو اس کے پڑھنے کی تربیت دی جانے لگی۔ انھیں روضۃ الشہداء خواں کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ روضہ خوان کہنے لگے۔ پھر دوسری کتاب بھی پڑھنے لگے۔ پھر زبانی یاد کرکے پڑھنے لگے۔ ان سب صورتوں میں پڑھنے والے کو روضہ خوان ہی کہتے رہے۔ (لولو و مرجان ۸)

فاضل خوانساری نے روضات الجنات میں لکھا ہے۔

روضۃ الشہداء فارسی کا پہلا مقتل ہے ۔۔۔ ہمارے شیخ المحدث علامہ محقق حضرت آغائے بزرگ طہرانی نجفی دام ظلہ اس کی اولیت کی نفی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

شہید کا مقتل روضۃ الشہدا سے مقدم ہے۔ خود کاشفی کے بیان سے مقتل ابو المفاخر کا روضۃ الشہدا سے مقدم ہونا ثابت ہے (الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ۲ ۹۵/۱۱) ـــــ لیکن چونکہ شہید اور ابو المفاخر کے مقتل آج نا پید ہیں اس لئے فارسی کے موجودہ مقاتل میں روضۃ الشہدا ہی کو اولیت حاصل ہے۔

روضۃ الشہدا میں دس باب اور ایک خاتمہ ہے۔

(۱) ابتلاء بعض انبیاء (۲) آنحضرت صلعم کو قریش کی ایذا رسانی۔ حضرت حمزہ و جعفر کی وفات (۳) آنحضرتؐ کی وفات (۴) حالات جناب سیدہؑ (۵) حالات امیر المومنینؑ (۶) حالات امام حسنؑ (۷) حالات امام حسینؑ (۸) شہادت حضرت مسلم و فرزندان مسلم (۹) امام حسینؑ کی کربلا میں آمد۔ جنگ۔ اولاد و اعزا و انصار کی شہادت (۱۰) اسیران اہلبیت کی سرگذشت۔ قاتلان امام کا انجام

خلاصے

روضۃ الشہدا کی مجلسیں طویل تھیں ایک مجلس میں ختم نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور اس کی خواندگی بھی ضروری تھی اس لئے اس کے بیشمار خلاصے کئے گئے۔ جو خلاصۃ الروضہ یا منتخب الروضہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اکثر خلاصوں پر ملخص یا انتخاب نگار کا نام بھی نہیں ہے ـــــ ایرانی لغت نگار علی اکبر دہخدا کے بیان کے مطابق خود کاشفی نے دہ مجلس کے نام سے اس کا خلاصہ کیا تھا (لغت نامہ) خلاصۃ الروضہ کے نام سے علی بن حسین زوارہ ای نے بھی تلخیص کی تھی۔ (نسخہ مخطوطہ علی اکبر کرمانی)

حامد علی خاں نے دہ مجلس کے نام سے تلخیص کی۔

سنہ ۱۲۰۱ھ میں فدا نے دہ مجلس کے نام سے انتخاب کیا۔

نظم میں تلخیص و ترجمہ

غواصی یزدی ایرانی نے سنہ ۹۵۰ھ میں نظم کیا۔ گلبرگہ میں "سیوا" شاعر نے سنہ ۱۰۹۳ھ میں اردو میں ترجمہ کیا۔

سنہ ۱۱۱۲ھ میں سید احمد علی نے منظوم ترجمہ کیا (مخطوطہ کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

سنہ ۱۲۳۸ھ میں میر عالم نے نظم میں انتخاب کیا۔

سنہ ۱۲۳۸ھ میں سید خدا بخش حیدری دہلوی نے گلستان شہدا کے نام سے ریختہ میں ترجمہ کیا۔ سنہ ۱۲۸۶ھ میں گل مغفرت کے نام سے تلخیص کی۔ منشی علی احمد نے گنج شہیدوں کے نام سے منظوم ترجمہ کیا۔ سنہ ۱۳۳۱ھ میں تیسرا اڈیشن نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپا۔ محمد فیاض ولی دیلوری نے وسیلۃ النجاۃ کے نام سے دکنی میں منظوم ترجمہ کیا۔ (مخطوطہ کتبخانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن) (مقدمہ کربل کتھا)

ترجمے

محمد فضولی بغدادی شاعر (۹۶۳ - ۹۷۰) نے حدیقۃ السعدا کے نام سے ترکی میں ترجمہ کیا۔ مطبع بولاق مصر میں سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۶۳ء میں اور استنبول میں سنہ ۱۳۰۳ھ ۱۸۵۶ھ میں چھپا۔

حاجی قیصری نے بھی ترکی میں سعادت نامہ کے نام سے ترجمہ کیا۔

سنہ ۱۱۹۰ھ کے سید میر ولی خاں مونس نے ریاض الطاہرین و حادثات کربلا کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا (مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ)

سنہ ۱۲۰۶ھ میں سید ہدایت علی واسطی بلگرامی نے دہ مجلس کے نام سے ترجمہ کیا۔ (مخطوطہ ذخیرہ احسن مارہروی مسلم یونیورسٹی)

سنہ ۱۲۸۷ھ میں عبد اللہ اور علاء الدین نے مل کر ترجمہ کیا۔ (مقدمہ کربل کتھا)

روضۃ الشہدا کی تقلید

سنہ ۱۱۷۳ھ میں نوازش علی شیدا نے اسی روش پر روضۃ الاطہار لکھی۔

سنہ ۱۳۱۵ھ میں میر حسن جعفر نے روضۃ الشہدا لکھی۔

۱۲۳۲ھ میں مرزا علی اکبر نے خیار الاخیار لکھی۔
۱۲۸۵ھ میں میر سلطان فخر الدین بادشاہ قادری نے نفحات الشہادۃ لکھی۔
۱۲۰۲ھ کا مخطوطہ دہ مجلس کے نام سے مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں ہے۔
محکم دکنی نے نظم میں دوازدہ مجلس لکھی۔

فضل علی فضلی غالباً ۱۱۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴۶ھ میں ان کو محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں روضۃ الشہدا کے ازاد اردو ترجمہ (کربل کتھا) کا شرف حاصل ہوا۔ فضلی نے یہ کتاب نواب شرف علیخاں کے لئے لکھی تھی فضلی نے لکھا ہے :۔۔۔ نواب شرف علیخاں ہر سال تعزیت حضرت ابو عبد اللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بخلوص نیت اندرون محل مخفی بموجب حدیث شریف "التقیۃ دینی ودین ابائی والتقیۃ جُنّۃ" بوجہ احسن بجالاتا تھا۔ بندۂ حقیر حسب ارشاد خلاصہ روضۃ الشہدا پڑھتا تھا لیکن معانی اس کے عورتوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے، وہ بعد کتاب خوانی کہتیں۔ ہمیں کوئی اس کے معنی من وعن سمجھاتا۔ مجھ احقر کی خاطر میں گزرا اس کا ترجمہ کر کے بڑا ثواب لیجیے (کربل کتھا) یہ کتاب جلا وطن ہو کر یورپ پہونچ گئی تھی۔ جناب ڈاکٹر مختار الدین آرزو صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی لے بڑی تلاش کے بعد جرمن سے لائے اور ۱۹۶۵ء میں ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ نے اسے شائع کیا۔

روضۃ الشہدا کے اڈیشن

روضۃ الشہدا کئی بار بمبئی (۱۳۳۱ھ) مطبع نول کشور لکھنؤ (۱۳۰۳ھ ۱۸۸۶ء) نول کشور کانپور (۱۹۱۱ء طبع سوم) لاہور ۱۲۹۶ھ میں چھپی۔ کانپور اڈیشن بہت غلط ہے لاہور اڈیشن نسبتہً صاف اور صحیح ہے۔ اس اڈیشن کے آخر میں دو صفحہ کا رسالہ تتمہ ذکر خلفاء راشدین مولوی غلام ولد میاں رحیم بخش کے قلم سے شامل کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کاشفی نے آل نبی کے ابتلا کا ذکر بشرح سے کیا (و) ذکر چار یار کبار مطوی ساخت) (۳۹۶)

ان اڈیشنوں میں تحریف وتصحیف کا بھی ارتکاب ہوا ہے۔ مثلاً حضرت علی کو وصی پیغمبر کی جگہ ابن عم لکھ دیا ہے۔ حالانکہ حضرات اہلسنت بھی حضرت علیؑ کو وصی پیغمبر کہتے ہیں۔ عصر اول میں بھی انھیں وصی رسول کہا جاتا تھا۔ ابو الاسود دوئلی کا شعر ہے۔

احب محمداً حُبّاً شدیداً۔ وعباساً وحمزۃ والوصیا (کامل مبرد ۲/۱۲)

اس طرح کی تصحیف وتحریف دوسری کتابوں میں بھی ہوتی رہی ہے۔

فضل ابن عباس صحابی کا شعر ہے :۔

الا ان خیر النّاس بعد نبیّھم
وصی النبی المصطفیٰ لذوی الذکر
(شرح ابو الحدید ۳/۱۳)

کامل ابن اثیر ۳/۱۳ میں بعد نبیہم کی جگہ ثلاثۃ لکھا۔ صحابہ وتابعین میں حضرت علیؑ وصی مشہور تھے البتہ شیعہ وسنی اس اصطلاح کی الگ الگ توجیہ کرتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں چار قلمی نسخوں سے تصحیح کر کے محمد رمضان ایرانی نے مطبع قادر طہران سے کسی قدر غنیمت اڈیشن شائع کیا ہے۔ اس میں کاشفی کے بارے میں ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔

روضۃ الشہدا ایسی مقبول ومشہور کتاب تحقیقی توجہ کی مستحق ہے۔ اس کے تمام حوالوں کے جائزے اور آیات واحادیث کی تخریج کی ضرورت ہے۔ جہاں جہاں کاشفی نے حوالے نہیں دیئے ہیں۔ "آوردہ اند۔ در اخبار آمدہ۔ بعضے از کتب تفسیر آوردہ۔ بہ ثبوت پیوستہ۔ بصحت رسیدہ۔ راویان صادق الروایۃ

ومنجران ظاہر الدرایہ اور رد۔ وغیرہ لکھا ہے۔ حاشیہ پر ان کے مصادر درج کر دیئے جائیں۔ نامکمل حوالوں کی تکمیل کر دی جائے۔ اعلام واماکن اور مضامین کی مفصل فہرست شامل کی جائے۔ حاشیہ پر بعض معتبر روایات کی تنقید کر دی جائے۔

روضۃ الشہداء کے بعض مصادر

کاشفی نے روضۃ الصفا میں اپنے بعض مصادر کا ذکر کیا ہے۔ بعض مصادر درج کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ اسباب النزول واحدی (شیخ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری)

۲۔ تفسیر فاتحہ امام نجم الدین عمر نسفی (نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد سمرقندی صاحب عقائد نسفی م ۵۳۷ھ)

۳۔ تفسیر سورۂ یوسف از امام رکن الدین مسعود بن محمد۔

۴۔ تفسیر معالم التنزیل (محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود شافعی مفسر و محدث م ۵۱۵ھ)

۵۔ تفسیر ثعلبی (ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری مفسر و محدث صاحب تفسیر کشف البیان م ۴۲۷ھ)

۶۔ صحیحین (بخاری و مسلم) صحیح بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بخاری م ۲۵۶ھ صحیح مسلم بن حجاج قشیری م ۲۶۱ھ)

۷۔ صحیح نسائی (احمد بن شعیب نسائی م ۳۰۳ھ)

۸۔ مسند احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ

۹۔ سنن ترمذی۔ ابو عیسٰی ترمذی م ۲۷۹ھ

۱۰۔ حدیقہ

۱۱۔ ترجمہ مستقصی

۱۲۔ شواہد النبوۃ (ملا نور الدین عبدالرحمٰن جامی م ۸۹۸ھ)

۱۳۔ معارج النبوۃ (معین الدین فراہی م ۹۰۷ھ تالیف ۸۹۱ھ)

۱۴۔ بشائر المصطفٰے

۱۵۔ سیر امام شہید اسمٰعیل خوارزمی

۱۶۔ روضۃ الاسلام۔ قاضی سدید الدین جبرفتی

۱۷۔ روضۃ الاحباب۔ عطاء اللہ شاہ نیشاپوری تالیف ۸۹۹ھ

۱۸۔ مصابیح القلوب

۱۹۔ تاریخ العالم

۲۰۔ تاریخ اعثم کوفی (محمد بن علی)

۲۱۔ ربیع الابرار زمخشری (محمود بن عمر بن محمد خوارزمی معتزلی جار اللہ م ۵۳۸ھ)

۲۲۔ تاریخ تیمور

۲۳۔ زہرۃ الریاض

۲۴۔ عیون الریاض

۲۵۔ تاریخ ابو حنیفہ دینوری

۲۶۔ شرح تعرف

۲۷۔ بحر الرائق

۲۸۔ دلائل ابو الشیخ

۲۹۔ سیر کبیر اسمٰعیل کبیر بخاری

۳۰۔ کنز الغرائب

۳۱۔ کنز العباد

۳۲۔ روضۃ الواعظین

۳۳۔ درج الدرر

۳۴۔ روح الارواح

۳۵۔ کتاب سنن الجامع للطائف البساتین۔ امام سیف النظر ابوبکر طوسی۔

۳۶۔ فردوس الاخبار (ابو شجاع شیرویہ بن شہردار)

۳۷۔ مناقب ابو المؤید خوارزمی (موفق بن احمد اخطب خوارزم۔ خطیب و شاعر و فقیہ و محدث م ۵۶۸ھ)

۳۸۔ مطالب فی مناقب آل الرسول (کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی م ۶۵۲ھ)

۳۹۔ نظم درر السمطین (شیخ جمال الدین محمد بن یوسف زرندی م ۷۵۰ھ)

۴۰ - موالید از محمد بدخشی
۴۱ - موالید از ابو محمد حسام
۴۲ - گل و ہرمز (مثنوی شیخ عطار م ۶۱۷ھ)
۴۳ - مناقب ابن مردویہ (حافظ احمد بن موسی صہبانی - مفسر و محدث م ۴۱۰ھ)
۴۴ - فصل الخطاب (خواجہ پارسا (حافظ زاہد محمد بن محمد بخاری م ۸۲۲ھ)
۴۵ - بکیات امام و قار
۴۶ - مقتل ابو المفاخر (فخر الشعرا ادیب فاضل و صالح ابو المفاخر بن محمد رازی مداح آل رسول (اہل آمل حر عاملی مجالس المومنین تذکرہ دولت شاہ
۴۷ - مقتل نور الائمہ
۴۸ - مقتل دینوری
۴۹ - عیون الرضا (اخبار عیون الرضا - ابو جعفر محمد بن حسن بن موسی بن بابویہ قمی م ۳۸۱ھ مطبوعہ ۱۲۷۵ھ)
۵۰ - صحیفہ رضویہ
۵۱ - الال - ابن خالویہ
۵۲ - اعلام الوری طبرسی (امین الملۃ ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی فقیہ و مفسر صاحب مجمع البیان م ۵۴۸ھ

یہ مصادر اکثر و بیشتر حضرات اہلسنت کے ہیں صرف تین چار شیعہ مصادر ہیں۔

ذاکری اپنے آغاز سے ملا کاشفی تک

(۱) واقعہ کربلا سے وفات امام محمد باقرؑ تک

واقعہ کربلا کی پیشنگوئیوں کا سلسلہ انسان کی پیدائش کے دور اولین اور آغاز وحی سے جاری ہے انبیاء کرام قبل وقوع حادثہ اس کا ذکر کرتے رہے۔ اس لئے کہ دین الٰہی کی حفاظت کے لئے یہ سب سے آخری اور سب سے مکمل قربانی پیش ہونے والی تھی۔ توراۃ زبور و انجیل میں آج بھی وہ پیشنگوئیاں موجود ہیں۔ اس طرح قبل واقعہ انبیاء کرام اپنے اپنے عہد میں اس حادثہ عظمیٰ کے ذاکر تھے۔ جب خاتم الانبیاء کا زمانہ آیا تو آپ نے بڑے اہتمام سے زبان وحی سے اس کی پیشنگوئیاں فرمائیں اور اشکبار ہوئے اور رہتی دنیا تک اس سانحہ پر اشکباری کا حکم دیا۔ اس طرح ذاکری و قیام مجلس اور گریہ و زاری جناب رسولؐ خدا کی سنت قولی و فعلی ہے ـــــ امیر المومنینؑ بھی اپنے عہد میں آنحضرت صلعم کی پیشنگوئیوں کا بڑے درد و کرب سے اعادہ فرماتے رہے۔ اس طرح امیر المومنینؑ نے بھی اس ذکر میں شرکت کی۔

۶۱ھ میں یہ غمناک و دلسوز و حشر خیز حادثہ پیش آگیا۔ واقعہ کے پیش آجانے کے بعد ذاکری کی اساس خود ان حضرات نے رکھی جن پر یہ واقعات گذرے تھے اور جو واقعہ کے عینی شاہد تھے۔ نظم و نثر سے بحد مؤثر و رقت خیز ذاکری کا آغاز ہوا۔

یزید نے سر شہدا اور اہل حرم کی تشہیر کوچہ و بازار اور شہر و دیار اور دربار عام میں اس لیے کرائی تھی کہ عوام میں شہدا اور ان کے وارثوں کی رسوائی ہوگی اور ان کا دل حکومت کے تشدد کی دہشت سے بیٹھ جائے گا اور حکومت ان سے غلاموں کے ایسا برتاؤ کرے گی اور کوئی زبان سے اُف تک کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا ـــــ لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا۔ بازار کوفہ میں امام زین العابدینؑ کی خارا شگاف اور حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ و فاطمہؑ صغری کی جگر سوز تقریروں نے قیامت برپا کردی۔
(احتجاج طبرسی و لہوف ابن طاؤس)

ان تقریروں نے واقعہ کربلا کا متن تیار

کر دیا۔ طرفین کی نظر میں اُن کے مقاصد الم نشرح کئے۔ قاتلوں کے انجام پر پیشنگوئی کی۔ واقعہ کے اسباب۔ طرفین کے طریق کار اور اس کے قریب و بعید نتائج پر سے پردے اٹھائے ـــــ اہل حق کو سرفروش بنایا اُن میں روح انقلاب بھر دی۔ اور رسوائے انسانیت اموی حکومت کی قبر تیار کر دی۔ معاصر مسیحی مورخ حنا فاخوری لکھتا ہے۔

کان لمقتله اثر عمیق فی تنمیه روح الشیعة وازدیاد عدد اتباعها۔ بل کان مقتله من اهم العوامل التی عملت علی دلق رکن الاموية

(۲۱۲/۵ الجدید فی الادب العربی وتاریخه)

شیعہ روح کے نمو اور ان کی عددی ترقی میں امام حسینؑ کی شہادت کا گہرا اثر ہے۔ بلکہ جن اسباب نے اموی حکومت کی چولیں ہلا دیں اُن میں امام کی شہادت سب سے بڑا سبب ہے۔

کان للشیعة شعراء یبسطون تعالیمها۔ ویذودون عن حیاضها فی الم یحزّ فی النفس وحزن یحرّق القلب (الجدید فی الادب العربی وتاریخه ۲۲/۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۳ء)

شیعہ شعراء نے موثر حزن والم سے اپنی تعلیمات کی اشاعت کی اور ان کے مخالف امور سے ان کی حفاظت کی۔

دنیا میں کسی واقعہ کو ایسے مقرر و خطیب ذاکر و واعظ شاعر و ادیب نہیں ملے جن کو ایسے ہولناک ماحول میں اس آن بان، جراٗت و دلیری سے کام کرنا پڑا ہو۔ ـــــ پردے اٹھ گئے حقیقتیں ظاہر ہو گئی ہیں۔ اور انقلاب حکومت کے لئے دل و دماغ کی تخلیق ہو گئی ـــــ

بازار شام میں ایک پیرمرد کا ناواقفیت کی وجہ سے اسیران آل محمد سے بے ادبی سے خطاب کرنا اور امام زین العابدین کا اس کی غفلت کے پردے کو چاک کرنا اور آیۂ تطہیر پڑھ کر اسے آل محمد سے متعارف کرنا اور اس کا تائب ہو جانا ایک مختصر مجلس تھی جس میں ذاکر امام تھے اور سامع یہ ناواقف کہن سال تھا۔

دربار ابن زیاد کے بعد دربار یزید میں ثانی زہراؑ کا زلزلہ افگن خطبہ ایک ایسا ذکر تھا جو دلائل و براہین، تنقید و احتجاج اور کربلا کے حقائق و معارف سے لبریز تھا۔ اس موقع پر یزید سے امام زین العابدینؑ کا مکالمہ ایک نشتر تھا جو لذت پسند و باطل پرست ارباب اقتدار کے سینوں میں ہمیشہ چبھتا رہے گا۔ یزید نے اپنے درباری خطیب سے کام لیا۔ اس نے اس کے اسلاف کی خوشامدانہ مدح کی اور شہداء حق کی تنقیص کی۔ اس نازک موقع پر اسیر ظلم امام نے جو برجستہ تقریر فرمائی اس نے حاضرین دربار کے دل ہلا دیئے۔ اور یزید کو رسوا و ذلیل کیا۔ جھوٹے مردہ ضمیر و وظیفہ خوار اور داعی حق اور ذاکر صداقت کا فرق ظاہر ہو گیا۔ منبر حکومت کا تھا لیکن درباری خطیب کی چرب زبانی و دروغ بیانی بے اثر ثابت ہوئی اور ذاکر آل محمدؐ خطیب ائمہ اہلبیتؑ کا بول بالا رہا۔

رہائی کے بعد ـــــ خود دمشق میں ثانی زہرا نے سات دن تک مجلسیں کیں (کامل بہائی) ان مجلسوں میں اپنے حال و مقال سے انھیں غمزدوں اور بلا کشوں نے ذاکری کی۔ اس ذکر نے رسوائے عالم دمشق کی فضا میں بجلیاں بھر دیں۔ جن کی کڑک اور گرج کبھی ختم نہ ہوگی۔ جو ہمیشہ باطل کی خرمن پر گرتی رہیں گی اور اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بناتی رہے گی۔

ـــــ جب گرفتاران مصیبت رہائی کے بعد اپنے وطن واپس ہونے لگے تو کربلا میں اترے وہاں روشن ضمیر اور پاک دل و حق شناس صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور ان کے ساتھ بعض اور مخلص مومنین موجود تھے جن کو اُن کا بے پناہ جذبہ عقیدت کربلا میں

کھینچ لایا تھا۔ سوگواروں کی آمد پر کربلا کے گرد و پیش کے ہمدرد بھی جمع ہو گئے ہوں گے۔ شہدار کی داستان اور صحابی مخلص اور مصیبت زدہ اہلبیت کے ذکر نے اس موقع پر جو اثر پیدا کیا ہوگا اسے ہم کسی قدر محسوس کرسکتے ہیں۔
(مقتل ابو مخنف)

—— مدینہ کے مسافر کربلا و کوفہ و شام کی مشقتیں جھیل کر اور عزیزوں اور ہمدردوں کے دل پر داغ لے کر مدینہ واپس آئے تو امام زین العابدین ع نے اپنے لٹے ہوئے قافلے کو بیرون مدینہ ٹھہرایا۔ اہل مدینہ کو اطلاع دی۔ سارا مدینہ خود مصیبت زدہ امام کی زبان سے داستان شہادت درد و داد اسیری سننے کے لئے امڈ پڑا۔ اس ذکر کے اثر کا اندازہ ہماری قوت اظہار کے بس میں نہیں ہے —— آل رسول مدینہ میں داخل ہوئی۔ ثانی زہرا نے روضہ رسول ص میں رسول خدا کو مخاطب کرکے فریاد کی۔ حرم رسول ص میں بیان کا مختصر اور غم میں ڈوبا ہوا ذکر تھا —— حضرت رباب مدینہ میں زنانی مجلسیں کرتی رہیں۔ آنے والوں میں کچھ حصہ بھی تقسیم کرتیں۔ اس موقع کی ذاکری رقت خیز ہوتی۔ خون دل آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے بہتا۔ روتے روتے آنسوؤں کے چشمے خشک ہو جاتے ——

مدینہ میں اور دوسرے مقامات پر شہدا آل ابوطالب اور انصار کے جو متعلقین تھے اُن میں اُن کے کارنامۂ شہادت اور یزید کے ظلم وستم کا ذکر ہوتا۔ ۔ ہمدان۔ بجیلہ۔ خثعم۔ تغلب۔ جعف وغیرہ کے قبائل مجلس غم برپا کرتے اور اپنے شہدار کے زندۂ جاوید کارناموں پر فخر کرتے —— بنی امیہ کے خوف سے ان کے مراثی منظر عام پر نہ آسکے۔ حضرت ام البنین مادر حضرت عباس علمبردار جنت البقیع میں جاتیں اور سوز و حماسیت سے لبریز مرثیے پڑھتیں۔ ان مراثی کو چھپ چھپ کر دشمن بھی سنتے۔ ان میں چھوٹے چھوٹے

چند مرثیے ان کے جذبات کے اظہار کے لئے اب تک محفوظ ہیں۔

دار السلطنت میں ایک عبرت خیز و تاریخی ذکر

۶۴ھ میں یزید تمام قوموں اور قبیلوں کے غم و غصہ اور ملامت کے زخم کھا کر ذلت و رسوائی کے ساتھ مر گیا۔ اپنے بیٹے معاویہ کو اپنا ولیعہد چھوڑا۔ جس کا اتالیق عارف و حق شناس و دیدہ ور عمر مقصوص" تھا۔ معاویہ بن یزید اپنے اسلاف کے رسوائے انسانیت اعمال و افعال سے بیزار تھا۔ خاندان کی پوری سیاہ تاریخ اس کے سامنے تھی واقعہ کربلا اس کے زمانہ میں ہوا۔ وہ روشن ضمیر و پاک دل اور مضبوط ارادہ کا انسان تھا۔ اس پر واقعہ کربلا کا اتنا شدید رد عمل ہوا کہ اس نے ناپاک ریاست کی انتظامی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنی مجلس ذکر میں جو اموی دربار میں منعقد ہوئی تھی امویت کی پوری تاریخ پر ابتدا سے واقعہ کربلا تک مختصر مگر حاوی تبصرہ کیا۔ اپنے دادا اور باپ کے اعمال سے اعلان بیزاری کیا۔ اور بڑے رنج و صدمہ سے کہا۔ جس حکومت کی تعمیر میں ایسے پاکباز انسانوں کا خون شریک ہو کسی طرح میرے لئے قابل قبول نہیں ہے (حیٰوۃ الحیوان دمیری ۵۲)

یہ شہدار کربلا کی ایسی نادر و فکر خیز فتح ہے جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی —— معاویہ بن یزید کو ترک حکومت اور ظالموں سے بیزاری اور مظلوموں سے ہمدردی کے جرم میں زہر سے ہلاک کر دیا گیا اور عمر مقصوص کو زندہ دفن ہو کر امر ہو گئے۔

معاویہ بن یزید پر آل ابوسفیان کا دور حکومت ختم ہو گیا اور آل مروان ان کے جانشین ہوئے۔

توابین و مختار کا رنج والم غم و غصہ اور جوش انتقام سے بھرا ہوا ذکر

اہل کوفہ میں جن لوگوں نے امام حسین ع کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور حکومت نے

انھیں قید کر لیا تھا اور مسلح ناکہ بندیوں کی وجہ سے وہ امام تک نہیں پہونچ سکے تھے۔ اس کا انھیں بڑا صدمہ تھا۔ انھوں نے اپنا لقب توابین رکھا اور ممکن تلافیٔ مافات کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی۔ سلیمان بن صرد خزاعی صحابی۔ مسیب بن نجبہ فزاری۔ عبد اللہ بن سعد بن نفیل ازدی۔ عبد اللہ بن   رفاعہ بن شداد   وغیرہ اس جماعت میں پیش پیش تھے جب یہ اموی حکومت کا تختہ الٹنے اور شہدائے کربلا کے قاتلوں سے قصاص لینے اُٹھے تو ان کی مجلس ذکر میں حسرت و ندامت و عقیدت و خلوص اور جوش و خروش کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ اس ذکر میں نظم و نثر ملی جلی ہوتی تھی۔ ۱۶ ہزار توابین پہلے قبر امام پر گئے اور تین روز ذکر و اشکباری میں مصروف رہے۔

سنہ ۶۵ھ میں مقام عین الوردہ میں شامی فوج سے جنگ ہوئی۔ سلیمان بن صرد شہید کر دیئے گئے اُن کی فوج پسپا ہو گئی۔ لیکن عزاداران امام مایوس نہیں ہوئے۔ سنہ ۶۶ھ میں مختار ثقفی نے جب قاتلان شہداء سے قصاص کی مہم کا آغاز کیا تو ان کی مجلس ذکر میں ان کی مقفیٰ نثر نے ذکر کو ایک نیا اسلوب دیا اس ذکر میں ایک سپاہیانہ گرج ہوتی تھی۔ ایک تقریر میں مختار نے کہا:۔

والذی انزل القرآن وبیّن الفرقان وشرع الادیان، وکرہ العصیان۔ لاقتلنّ العصاۃ من ازدعمان، ومذحج وھمدان ونھد وخولان وبکر وھزان۔ وثعل ونبھان وعبس وذبیان، وقبائل قیس عیلان، غضباً لابن بنت نبی الرحمٰن۔

(شرح الثار فی احوال المختار از ابن نما حلی)

اس خدا کی قسم جس نے قرآن اُتارا۔ اور حق و باطل کو بتایا۔ معصیت کو ناپسند کیا۔ میں ازد و عمان و مذحج و ہمدان و نہد و خولان و بکر و ہزان و ثعل و نبہان و عبس و ذبیان و قبائل قیس عیلان کے سرکشوں کو قتل کروں گا فرزند دختر نبی رحمان کے ساتھ ان کے بُرے برتاؤ سے ناراض ہو کر۔

ایک تقریر میں کہا:۔

اما ورب البحار والنخیل والاشجار والمھامہ والقفار، والملٰئکۃ الابرار والمصطفین الاخیار۔ لاقتلنّ کل جبار بکل لدن خطار، ومھنّد بتار، بجموع الانصار۔ لیسوا بمیل ولا اغمار۔ ولا بعزّل اشرار، حتی اذا قمت عمود الدین ورأبت صدع المسلمین وشفیت غلیل صدور المسلمین وادرکت ثار النبیین لم یکبر علیّ زوال الدنیا۔ ولم احفل بالموت اذا اتی

(ذوب النضار فی شرح الثار مطبوعہ سنہ ۱۳۷۶ھ)

دریاؤں اور کھجور وغیرہ کے درختوں اور صحراؤں اور نیک فرشتوں اور منتخب لوگوں کے رب کی قسم میں ہر جبار کو تیغ براں اور ہندی تلوار سے انصار کی مدد سے قتل کروں گا۔ یہ لوگ کمینے نہتے اور شریر نہیں ہیں۔ جب میں دین کا ستون کھڑا کر دوں گا اور مسلمانوں کی پیاس بجھادوں گا اور نبیوں کا قصاص لے لوں گا۔ (امام حسین کو قتل کرنا گویا انبیا کو قتل کرنا تھا) تو دنیا کا زوال میری نظر میں کوئی بڑی بات نہ ہوگی اور جب موت آئے گی تو کچھ پروا نہ کروں گا۔

مختار نے اپنے مختصر عہد سلطنت میں ذکر کو سوز و ساز اور طاقت و قوت سے مالامال کیا ــــ چند ماہ کی حکومت میں قاتلان امام حسین کو اس دنیا میں عبرتناک سزائیں دیں۔ ان میں سے کوئی نہ بچا جس نے شہدا کے

خون ناحق سے اپنا ہاتھ رنگا تھا۔ مختار کے اس کارنامہ نے انھیں زندہ جاوید بنا دیا ان کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے لیا جائے گا۔ یوں تو غم حسین علامت ایمان بن چکا ہے۔ پھر بھی ۶۱ھ سے ۶۶ھ تک بنی ہاشم سراپا غم بنے رہے۔ مختار نے جب خون شہدا کا عوض لیا اور قاتل مارے گئے تو ہاشمی عورتوں نے سوگوارانہ فضا میں کچھ تبدیلی کی۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں ہاشمی خاتون نہ تو سروں میں کنگھی کرتی تھیں نہ خضاب استعمال کرتی تھیں یہاں تک کہ مختار نے قاتلان امام کے سر بھیجے (رجال کشی) ۶۱ھ سے ذکر مقام اہلبیت نہ مظالم بنی امیہ کا سلسلہ شروع ہوا وہ ہر حال میں جاری رہا۔ ۶۱ھ سے ۱۳۲ھ تک یعنی صرف ۷۱ سال تک اس حکومت نے زندگی کے دن پورے کئے، قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں۔ یزید عہد شباب ہی میں ذلت و رسوائی سے مرا۔ اس کے بیٹے معاویہ نے حکومت ٹھکرا دی، ملک میں طوائف الملوکی کا راج ہو گیا۔ نسل ابوسفیان سے حکومت نکل گئی آل مروان میں آ گئی انھیں بھی مخالفتوں نے آرام کی نیند نہیں سونے دیا۔ آل مروان نے بھی اس غلطی کا ارتکاب کیا جس کے مجرم آل ابوسفیان تھی انھوں نے بھی دلوں کو مسخر کرنے کے بجائے تشدد و سخت گیری پر اعتماد کیا۔ عوام کو مرعوب و خوفزدہ کرنے کے لیے اپنے نکتہ چینیوں کو ایسی بہیمانہ سزائیں دیں جن پر غیر جانبدار مورخ بھی شکوہ سنج ہیں۔ مسیحی مورخ حنا فاخوری لکھتے ہیں۔

یہ لوگ محبان اہلبیت کو ذلیل کرنے لگے۔ صرف گمان پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتے۔

کل من عرف بالتشیع سجنوہ او نہبوا ماله او هدموا دارہ ولما جاء الحجاج قتلهم کل قتلة واخذهم بکل ظنة وتهمة حتی ان الرجل لیقال له زندیق او کافر احب الیه من ان یقال له شیعة علی۔

(۲۷۲/۱ - الجدید فی الادب العربی)

جسے بھی شیعہ جانا اسے قید کیا یا مال لوٹ لیا یا اس کا گھر گرا دیا۔ جب حجاج آیا تو اس نے ان کے قتل کی انتہا کر دی، گمان اور تہمت پر انھیں گرفتار کیا یہاں تک نوبت پہونچی کہ کسی کو کافر یا زندیق کہا جائے تو اسے شیعہ کہنے کے مقابلے میں یہ لقب زیادہ پسند تھے۔

حکومت کی طرف سے ہولناک مظالم کا سلسلہ جاری رہا پھر کربلا کے جذبات ذکر فنا نہیں کئے جا سکے۔ غم و حزن کی آگ کبھی دبی رہتی اور کبھی شعلہ بن جاتی۔ جان و مال و آبرو کے خوف کے باوجود اہل ہمت شاعر مرثیہ کہتے۔ منصور بن سلمہ نمری نے امام حسینؑ کا لامیہ مرثیہ کہا۔ حکومت نے ان کی زبان گدی سے کھنچوا لی۔ اور ہاتھ پاؤں کاٹ کے لاش کو سولی دیدی ——

عربی مراثی کی تاریخ نے کوئی ناطق فیصلہ نہیں کیا ہے کہ واقعات کربلا کا پہلا مرثیہ گو کون ہے۔ اس سلسلے میں مختلف نام لئے جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے شعرا میں سلیمان بن قتہ تابعی پہلے مرثیہ گو ہیں۔ یہ واقعہ کربلا کے تیسرے دن قتل گاہ میں پہونچے۔ جو دردناک مناظر ان کی آنکھوں سے گزرے اس کی وہ تاب نہ لا سکے۔ اتنی حالت غیر ہوئی کہ قریب تھا کہ روح جسم سے پرواز کر جائے۔ جب ہوش آیا تو بڑا ہی پرسوز و کرب آمیز مرثیہ کہا جس کے کئی شعر تاریخ ادب عربی کی کتابوں میں آج بھی موجود ہے۔ اسی میں ایک شعر یہ بھی ہے:۔

الم تر ان الارض اضحت مریضة
لفقد حسین والبلاد اقشعرت
وقد اعولت تبکی السماء لفقدہ
وانجمها ناحت علیه وصلت

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حسینؑ کی شہادت سے زمین بیمار ہو گئی اور فلک کانپ اٹھا۔ اور ان کی موت سے آسمان رونے لگا اور ستارے ان پر نوحہ کرنے لگے اور درود بھیجنے لگے۔

یاقوت نے معجم البلدان (ــــ) میں ان اشعار کو ابو دہبل جمحی کی طرف منسوب کیا ہے اور دو شعر اور زیادہ لکھے ہیں۔ ہو سکتا ہے دونوں نے اسی بحر و قافیہ میں الگ الگ مرثیے کہے ہوں۔ اور راویوں نے ایک کے شعر دوسرے کی طرف منسوب کر دیے ہوں ــــ بعض روایتوں میں واقعہ کربلا کا پہلا مرثیہ گو شاعر عقبہ بن عمرو سہمی کو بتایا ہے جس کے مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے:-

مررت علی قبر الحسین بکربلا
ففاض علیہ من دموعی غزیرها

سراقہ باہلی (تذکرہ سبط ابن جوزی) مسلم بن قتیبہ مولی بنی ہاشم (مروج الذہب مسعودی) اور عبید اللہ بن حر جعفی وغیرہ کے بعض مراثی آج بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح ذکر کربلا کی شمع آل محمد میں عام عقیدت مندوں اور شاعروں کی دنیا میں برابر روشن رہی۔ امام زین العابدینؑ نے زندگی بھر غم حسینؑ سے کام لیا۔ اس سے سماج کے احساس کمتری کا علاج کیا۔ اس سے دین کی حفاظت کا کام لیا۔ امام زین العابدینؑ کی زندگی کا بڑا حصہ ظالم و سفاک سلاطین کے دور میں گذرا (یزید بن معاویہ (۶۰-۶۴) عبد اللہ بن زبیر (۶۴-۷۳) مروان بن حکم (۶۴-۶۵) عبد الملک بن مروان (۶۵-۸۶) ولید بن عبد الملک (۸۶-۹۶) آخری بادشاہ ولید ہے جس نے امام کو زہر سے شہید کیا۔

اس کے ظلم و جور کا کیا پوچھنا ہے۔ علامہ سیوطی اسے ظالم جابر کہتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز اموی نے ایک موقع پر کہا۔ ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان بن جنازہ حجاز میں۔ قرہ بن شریک مصر میں۔ واللہ زمین ظلم و جور سے بھر گئی۔

امام محمد باقرؑ اور ذکر

امام محمد باقرؑ ۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰ سال تک علم و دانش کا آب حیات تشنگان علم میں تقسیم کیا۔ عظیم درس گاہ کی تاسیس فرمائی جسے بعد میں مکتب جعفری کے نام سے شہرت ملی اس میں تمام علوم اسلام کی اعلیٰ تعلیم دی۔ واقعہ کربلا آپ کی انتہائی کمسنی میں پیش آیا۔ کربلا میں اپنے خاندان کے ساتھ آپ نے تکلیفیں اٹھائیں سوگوارانہ ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی۔ آپ کے زمانۂ امامت میں اموی حکومت دم توڑ رہی تھی۔ سلاطین خاندانی نزاعوں اور عوام کی بے چینیوں سے حواس باختہ تھے۔ ان حالات نے امام محمد باقرؑ کو کچھ موقع دیا کہ آپ اسلامی افکار کی تطہیر و تدوین و تشریح میں حصہ لیں اور دین الٰہی کو اس شکل میں پیش کریں جیسے وہ رسولؐ خدا پر نازل ہوا تھا۔ واقعہ کربلا کی اشاعت اور ذکر حسینی میں آپ کا خاصہ حصہ ہے۔ دوسروں کو مرثیہ گوئی کی ترغیب دی۔ خود ذکر امام حسینؑ کے فضائل بیان فرمائے اس بارے میں اپنے والد ماجد امام زین العابدینؑ کے ارشادات کی اشاعت کی فرمایا۔ میرے باپ امام زین العابدینؑ نے فرمایا جس مومن کی آنکھوں سے شہادت امام حسینؑ پر آنسو جاری ہوں اور چہرہ تک بہ آئیں اس کے عوض میں خدا اسے جنت کا ایک غرفہ عطا فرمائے گا۔ اور ہماری مصیبتوں پر جو ہمیں دشمنوں سے پہونچیں اگر کوئی اتنا روئے کہ آنسو رخسار تک بہ آئیں تو خدا اس کو درجہ صدق عطا فرمائے گا، اور جس مومن کو ہماری محبت کی وجہ سے ایذا دی گئی ہو اور اس کی آنکھوں سے

آنسو بہ کر چہرہ تک آجائیں تو خدا اُس کے چہرہ سے اذیت کو دفع کرے گا اور قیامت میں اُسے اپنے غضب اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔

(ینابیع المودہ ۲/۵ ۱ ۳ مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۲ھ)

امام کے زمانے میں کمیت بن زید اسدی (۶۰-۱۲۶) کے مراثی قوت استدلال و بلاغت کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ ۱۲۶ھ میں ہشام بن عبد الملک یا ولید بن عبد الملک کے زہر سے آپ کی شہادت ہوئی اور ذکر حسینی کا ایک دور ختم ہوا۔

ذاکری عہد امام جعفر صادق ؑ میں

ابو عبد اللہ حضرت جعفر بن محمد ۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۴۸ھ میں منصور کے زہر سے وفات ہوئی۔ ۱۳۲ھ میں اموی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۳۴ سال دور امامت میں آپ نے علم و حکمت و اخلاق و فضیلت کے دریا بہائے۔ ملاحدہ کے حملوں سے شریعت اسلام کی حفاظت کی۔ عقائد و احکام و سیرت کی تدوین و تشریح فرمائی۔ اور ذکر حسین ؑ و مجلس حسین ؑ میں بڑا اہتمام فرمایا۔ خود ذکر فرماتے دوسروں کو ذکر کی ترغیب دیتے۔ مرثیہ کہنے کا ثواب اور رونے رُلانے کا اجر بتاتے۔ عہد عباسی کے آغاز پر ذکر حسین ؑ پر کوئی پابندی نہ تھی۔ بلکہ عباسی حکومت کا قیام ذکر حسین ؑ کے طفیل میں ہوا تھا۔ اس وقت بنی عباس کو جانتا ہی کون تھا ان کا کام ہی کیا تھا داعی ہر طرف تقریریں کرتے پھرتے کربلا کی داستان ظلم بیان کرتے۔ آل محمد کے ساتھ بنی امیہ کی بربریت کا ذکر کرتے سننے والے غم و غصہ سے بھر جاتے اور بنی امیہ سے نفرت کرنے لگتے۔ جب حکومت قائم ہو گئی تو شروع شروع میں ارباب اقتدار حکومت کو ذکر حسین ؑ کا انعام سمجھتے۔ سدیف شاعر چوراہوں پر کھڑے ہو کر امام حسین ؑ کا مرثیہ پڑھتا۔ اب ایسے شاعر پیدا ہو گئے جن کو امام حسین ؑ کے مرثیہ گو کی حیثیت سے لوگ پہچاننے لگے۔ ہارون مکفوف نے امام حسین ؑ کی مرثیہ گوئی میں شہرت حاصل کی، وہ پُردرد انداز میں مرثیہ پڑھتے بھی تھے۔ ایک دفعہ وہ امام جعفر صادق ؑ کی بارگاہ میں باریاب ہوئے امام نے ان سے مرثیہ پڑھنے کے لئے فرمایا۔ ہارون نے سادے لہجہ میں مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ امام نے فرمایا جس پُرسوز لہجہ میں تم پڑھا کرتے ہو اس طرح پڑھو۔ جب ہارون نے مرثیہ شروع کیا۔ "امرر علی جدث الحسین - فقل لاعظمہ الزکیۃ" حسین ؑ کی قبر سے گذرو اور اس کی پاک ہڈیوں سے کہو ——— مرثیہ شروع ہوتے ہی حضرت رونے لگے۔ فرمایا اور پڑھو۔ وہ پڑھتے رہے امام کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ پس پردہ خواتین کے رونے کی آواز بھی بلند ہوئی ——— جب ہارون کی ذاکری ختم ہو گئی تو خود حضرت نے ذکر فرمایا - ہارون - جو شخص امام حسین ؑ پر ایک شعر کہے اور خود روئے اور دس آدمیوں کو رلائے اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اور جو ایک شعر کہے اور خود روئے اور ایک ہی آدمی کو رُلائے اس پر بھی جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اور جس کے سامنے حسین ؑ کا ذکر آئے اور اس کی آنکھوں سے ذرا سا بھی آنسو نکل آئے تو اللہ اسے اس کے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے۔

(کامل الزیارت ابن قولویہ)

یا مریم قومی واندبی مولاک
وعلی الحسین فاسعدی ببکاک

مریم اٹھئے اپنے مولا پر رویئے اور سعادت حاصل کیجئے۔

ابو عمارہ دوسروں کے شعر پڑھا کرتے تھے

اس بنا پر ان کو منشد کہتے تھے۔ امام نے ان کو مرثیہ پڑھنے کے لئے فرمایا۔ ابو عمارہ نے چند شعر پڑھے حضرت روتے رہے۔ پس پردہ خواتین تھیں جب ابو عمارہ مرثیہ پڑھ چکے تو خود امام نے ذکر شروع کیا۔ فرمایا جو شخص حسینؑ کا مرثیہ کہے اور پچاس آدمیوں کو رلائے اُس کا ثواب بہشت ہے۔ جو شخص ایک شعر کہے اور چالیس آدمیوں کو رلائے اس کے لئے بھی بہشت ہے جو تیس آدمیوں کو رلائے اس کے لئے بھی بہشت ہے جو بیس یا یا دس آدمیوں کو رلائے اس کے لئے بھی بہشت ہے۔

جعفر بن عفان امام کے پاس آئے۔ حضرت نے فرمایا کچھ شعر پڑھو۔ جعفر نے مرثیہ پڑھا۔ امام اتنا روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ حاضرین بھی روئے۔ جعفر کے بعد خود امام نے ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ فرشتے اس مجلس میں آئے ہیں۔ تمہارے مرثیہ نے انھیں بھی رلایا۔ خدا تمھیں بخشے۔ پھر فرمایا جس نے ایک ہی شعر حسینؑ پر کہا اور رویا اور رلایا اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سید اسمٰعیل حمیری (۱۷۹) بھی اس عہد کے بڑے زبردست منقبت سرا و مرثیہ گو تھے۔ شعرا آل محمدؐ میں جن کا ایک مخصوص مقام ہے اموی حکومت کے زوال اور عباسی حکومت کے قیام سے خاندان بدلے لیکن جو لوگ اموی زوال پر حکومت الٰہی کے منتظر تھے وہ مایوس ہوئے۔ عباسی حکومت کا پہلا خلیفہ ہی سفاح کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اس کی تلوار نے بنی امیہ کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ان کی قبریں کھودیں

ہڈیاں جلائیں۔ بنی امیہ اپنے جرائم کی بنا پر بڑی سخت سزاؤں کے مستحق تھے مگر جس طرح بنی عباس نے ان کے ساتھ برتاؤ کیا مجھے یقین ہے کہ اگر آل محمدؐ کی حکومت قائم ہوتی تو ایسی مکروہ سزائیں وہ نہ دیتے۔ سنہ ۱۳۶ھ میں سفاح کا انتقال ہو گیا اور ابو جعفر منصور اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اپنی تلوار کی پیاس آل محمدؐ کے خون سے بجھائی۔ اس کے قید خانے بنی فاطمہ اور ان کے عقیدت مندوں سے بھرے رہتے۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں منصور پہلا شخص ہے جس نے عباسیوں اور علویوں میں فتنہ ڈالا۔ ورنہ یہ لوگ اس کے پہلے ایک ہی تھے۔

(تاریخ الخلفا ۲۳۱)

شاید اسی زمانے میں کسی حلقے سے یہ آواز اٹھی تھی کہ عاشور کو مخصوص طور پر یوم غم کیوں قرار دیا گیا۔ حضرت رسولؐ خدا۔ سیدہ عالم۔ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی وفات کے دن کو یہ حیثیت کیوں نہیں دی گئی حالانکہ ان کا مرتبہ امام حسینؑ سے افضل ہے۔ عبداللہ بن فضل کے ذریعہ سے امام تک یہ اعتراض پہونچا۔ امام نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ پنجتن اللہ کو بہت محبوب تھے۔ جب جناب رسولؐ خدا کی وفات ہوئی تو امیرالمومنینؑ اور سیدہؑ عالم اور حسنؑ و حسینؑ موجود تھے ان سے لوگوں کو تسلی ہوتی تھی۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کے بعد امیرالمومنینؑ اور حسنؑ و حسینؑ تسلی کا سرمایہ تھے۔ امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ و حسینؑ تسلی کا سہارا تھے۔ جب امام حسنؑ کی وفات بھی ہو گئی تو سب کی یادگار امام حسینؑ رہ گئے اُن کو دیکھ کر سب یاد آ جاتے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد اس سلسلے کا کوئی بزرگ نہیں رہ گیا

جس سے لوگ تسلی حاصل کرتے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے معنی یہ ہیں کہ اس دن سب اُٹھ گئے ـــــ امام سے یہ بھی پوچھا گیا کہ دوسرے حلقہ (عامہ) نے عاشور کو روز برکت کا نام کیسے دے لیا ہے۔ امام نے فرمایا جب امام حسینؑ شہید کر دیئے تو شام میں لوگوں نے یزید کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جھوٹی حدیثیں گڑھیں اس پر انھیں انعام دیئے گئے۔ جو حدیثیں گھڑی گئی تھیں اُن میں یہ بھی تھا کہ عاشور برکت کا دن ہے تاکہ لوگ فریاد گریہ و مصیبت و غم کے بجائے اس دن کو جشن مسرت اور برکت کا دن قرار دیں ـــــ خدا ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے۔

اس مختصر تبصرہ سے کئی باتیں معلوم ہوئیں امام جعفر صادق کو تھوڑا سا وقت ذکر سانحہ حسینؑ کی تنظیم کا ملا۔ اس عہد میں ذاکری میں مرثیہ گوئی غالب تھی اور خود امام نثر میں ذکر فرماتے تھے۔ پس پردہ خواتین بھی شعرا کے مرثیے سنتیں تھیں اور روتی تھیں۔ مرثیے زیادہ تر مختصر ہوتے تھے۔ یہ مرثیے سادے رقت خیز ہوتے تھے۔ منصور کے زمانہ میں عزاداری اور ذکر کو پھر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا والے اس سے نفرت پیدا کرنے کے لئے شکوک و اعتراضات پھیلانے لگے جس کا دفاع امام اپنی مجلس ذکر میں فرمایا کرتے تھے۔

عہد امام موسیٰ کاظمؑ

امام موسیٰ کاظم کا زمانہ مصائب و آلام سے پُر تھا

یہ ہارون رشید کا دور تھا۔ تاریخ اس کی سیرت کا تضاد دکھاتی ہے۔ رسولِ خدا کا ذکر آتا تو صلی اللہ یا سیدی کہتا واعظ کے وعظ پر آبدیدہ ہو جاتا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اپنے باپ کی مدخولہ کنیز کی ہتک حرمت کی۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی سنہ ۱۱۳ھ مطبوعہ مصر ص ۲۵۱)

بنی فاطمہ و بنی علی پر اس نے دنیا تنگ کر رکھی تھی سادات بیابانوں، پہاڑوں، قصبوں میں چھپے پھرتے لیکن انھیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کراتا۔ حمید بن قحطبہ کا بیان ہے کہ ہارون نے ایک چھوٹی سی کوٹھری میں سادات کو قید کر رکھا تھا صرف ایک شب میں ساٹھ آدمیوں کو قتل کرا دیا۔ تقریباً ۱۴ سال امام موسیٰ کاظمؑ کو قید خانے میں رکھا۔ قید خانہ بغداد میں ۵۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۸۳ھ میں زہر سے شہید کیا۔

ایسے جابر و ظالم و دشمن وفا کے عہد میں امام حسینؑ کے ذکر کی ترقی کا کیا امکان تھا۔ یہ ہارون ہی تو ہے جس نے امام حسینؑ کی قبر کا نشان مٹانے کی کوشش کی جب امام حسین کی قبر کا نشان اسے گراں تھا تو اُن کے ذکر کا رواج کیسے گوارا کرتا۔ قبر امام کے پاس قبر کی پہچان کے لئے بیری کا درخت تھا اس نے اسے کٹوا دیا۔ اس وقت محدثین اس حدیث رسول کے معنی سمجھے۔ "لعن اللہ قاطع السدرۃ"

(تاریخ مفصل اسلام۔ عماد اصفہانی سنہ ۱۳۲۴ھ مطبوعہ ایران)

عہد امام رضاؑ میں ذکر سید الشہداءؑ

ابوالحسن امام علی بن موسیٰ رضا

کی ولادت سنہ ۱۴۸ھ میں ہوئی سنہ ۲۰۳ھ میں مامون کے زہر سے طوس میں شہادت ہوئی۔ ۵۵ سال عمر پائی ۲۰ سال عہد امامت تھا۔ مامون کے وقت تک عربی زبان میں حکمت و فلسفہ و ہیئت کی بہت سی کتابیں ترجمہ ہو کر آگئیں تھیں۔ امام نے سیاست و اخلاق و حکمت و طب و دین میں نئی راہیں دکھائیں ۳ سال ولیعہدی کے علم و دین کے لئے بڑے ہی بابرکت ثابت ہوئے۔ یہ زمانہ امام حسینؑ کے ذکر و مجلس کے لئے ساز گار رہا۔ مامون نے اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر امام رضاؑ کو ولی عہدی کا منصب

قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اظہار خیال کی تھوڑی سی فرصت سے دین و ملت کے احیاء و تجدید کا بڑا کام لیا اور واقعہ کی اشاعت و ترویج اور غم حسینؑ کے مؤثر بنانے میں کافی جد وجہد فرمائی۔

آپ نے عہد جاہلیت اور اسلام میں ماہ محرم کا تاریخی مقابلہ کیا فرمایا:۔

قبل اسلام عہد جاہلیت میں کفار بھی محرم کے زمانے میں جنگ حرام سمجھتے تھے۔ اس مہینے میں ہماری خونریزی حلال سمجھی گئی۔ ہماری ہتک حرمت کی گئی۔ ہماری ذریت اور عورتوں کو قید کیا گیا۔ ہمارے خیموں میں آگ لگائی گئی۔ ہمارا اسباب اسامان لوٹا گیا۔ رسول اللہ کی حرمت کے بارے میں کچھ بھی پاس ولحاظ نہیں کیا گیا

ریان بن شبیب حاضر مجلس تھے حضرت ان سے خطاب فرما رہے تھے۔ فرمایا:۔

ابن شبیب اگر تم کسی بات پر روتے ہو تو حسین بن علیؑ پر رو ؤ۔ وہ اس طرح ذبح کئے گئے جیسے مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے ان کے ساتھ ان کے اہلبیت میں اٹھارہ آدمی قتل ہوئے جن کا مثل روئے زمین پر نہ تھا۔ آسمان و زمین اُن پر روئے۔ زمین پر ۴ ہزار فرشتے ان کی مدد کو اترے انھیں جنگ کی اجازت نہیں دی گئی وہ قیامت تک ان کی قبر پر سوگوار رہیں گے۔ یہاں تک کہ قائم کا ظہور ہو، وہ ان کے انصار میں شامل ہوں گے۔ اُن کا شعار ہوگا یالثارات الحسین۔

اے ابن شبیب مجھ سے میرے باپ نے انھوں نے اپنے باپ سے ان کے باپ نے اپنے دادا سے روایت کی کہ جب میرے دادا حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان سے خون اور سرخ مٹی برسی۔ اے ابن شبیب اگر تم حسینؑ پر اتنا روؤ کہ آنسو تمہارے رخسار تک آجائے تو خدا تمہارے چھوٹے بڑے کم یا زیادہ گناہ بخش دیگا ——— اے ابن شبیب اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ سے بغیر کسی گناہ کے ملاقات کرو تو حسینؑ کی زیارت کرو۔ اے ابن شبیب اگر تمھیں اس میں خوشی ہو کہ رسول اللہ کے ساتھ جنت میں ہو تو قاتلان حسینؑ پر لعنت کرو۔ اے ابن شبیب اگر تمھیں آرزو ہو کہ وہی ثواب ملے جو ان لوگوں کو ملا ہے جو حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے تو جب حسینؑ کا ذکر کرو تو یہ کہہ لیا کرو یالیتنی کنت معکم فافوز فوزاً عظیماً۔ کاش میں آپ کے لوگوں کے ساتھ ہوتا اور عظیم کامیابی حاصل کرتا ——— اے ابن شبیب اگر تمھیں خوشی ہو کہ ہمارے ساتھ جنت کے اعلیٰ درجات میں رہو تو ہمارے غم پر غم کرو ہماری خوشی پر خوش رہو۔ اور تم ہماری ولایت پر قائم رہو۔ اگر کوئی شخص پتھر سے بھی محبت کرے گا تو اللہ اسے اس کے ساتھ قیامت میں محشور کرے گا۔

(عیون اخبار رضا ابن بابویہ 194/1)

امام رضا کا ذکر بہت وسیع دامن ہے اس میں تاریخ وسیرت اور اخلاق سے ملا جلا بیان ہے۔ فرماتے ہیں سب سے پہلے شام میں جس نے فقاع (جَو کی شراب) استعمال کی وہ یزید بن معاویہ ہے۔ حسینؑ کا سر نیزے پر نصب تھا اور دستر خوان بچھا ہوا تھا اس پر فقاع رکھی ہوئی تھی خود پیتا جاتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو پلا رہا تھا۔ کہتا جاتا تھا پیو یہ مبارک شراب ہے میں پہلا شخص ہوں جسے ہم لوگ پی رہے ہیں دشمن کا سر ہمارے سامنے ہے دسترخوان بچھا ہوا ہے ہم کھا رہے ہیں ہمارے دل مطمئن ہیں ——— پس جو ہمارے شیعہ ہیں وہ فقاع کی شراب سے پرہیز کریں۔ یہ ہمارے دشمنوں کی شراب ہے جو اس سے پرہیز کرے گا وہ ہمارے گروہ میں شامل نہ ہوگا۔ (18/2 عیون اخبار رضا)

امام نے ذکر کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ امام حسینؑ کی ولادت کے موقع پر اس ہونے والے واقعہ کے ذکر سے جو ماحول پیدا ہوا اس سے واقف کیا۔ فرمایا اسماء بنت عمیس نے جب امام حسینؑ کو رسولؐ خدا کی آغوش مبارک میں لاکر رکھا تو حضرت رو پڑے۔ اسماء نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیوں رو پڑے فرمایا اپنے اس بیٹے پر رو رہا ہوں۔ اسماء نے کہا یہ تو ابھی پیدا ہوا ہے، فرمایا اسے میرے بعد گروہ باغی قتل کرے گا۔ اللہ انھیں میری شفاعت نصیب نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ فاطمہ کو اس کی اطلاع نہ دینا ابھی ولادت ہوئی ہے۔ (عیون اخبار رضاؑ)

قاتل امام کے انجام کو بتایا۔ رسولؐ خدا کی حدیث نقل فرمائی:۔

ان قاتل الحسین فی تابوت من نار علیه نصف عذاب اهل الدنیا ۔ وقد شد یداه ورجلاه بسلاسل من نار فیرکس فی النار حتی یقع فی قعر جهنم ۔ وله ریح یتعوذ اهل النار الی ربهم من شدة نتنه ۔ وهو فیها خالد ذائق العذاب الالیم مع جمیع من شایع علی قتله ۔

قاتل حسینؑ آگ کے تابوت میں ہے اس پر اہل دنیا کے عذاب کا نصف عذاب ہوگا آگ کی زنجیر سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا وہ جہنم کی آخری تہ میں گر جائے گا۔ اس کے جسم سے اتنی سخت بدبو آئے گی کہ اہل جہنم خدا سے پناہ مانگیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا اور دردناک عذاب کا مزا چکھے گا اس کے ساتھ تمام وہ لوگ ہوں گے جو امام کے قتل میں شریک رہے ہوں گے۔

لوگوں نے عاشور کو یوم مسرت بنانے کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑ لی تھیں حکومت نے ان کو پھیلایا تھا یہ حدیثیں اس طرح گھڑی گئی تھیں کہ سادہ دل یہ محسوس نہ کر سکیں کہ اس کی تہ میں امام حسینؑ کی مخالفت مضمر ہے۔ ائمہ اہلبیت ان جھوٹی حدیثوں کے پردہ چاک کرتے رہے امام رضا علیہ السلام نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے۔ فرمایا:۔

من ترک السعی فی حوائجه یوم عاشورا قضی الله له حوائج الدنیا والاخرة ۔ ومن کان یوم عاشورا یوم مصیبته وحزنه وبکائه جعل الله یوم القیمة یوم فرحه وسروره وقرة عینه بنا فی الجنان ۔ ومن سمی یوم عاشورا یوم برکة وادخر فیه شیئاً لم یبارک له فیما ادخر وحشر یوم القیمة مع یزید وعبید الله بن زیاد وعمر بن سعد الی اسفل درک من النار (۱۹۴ عیون اخبار)

جو عاشور کے دن دنیا کے کام کے لئے کوشش نہ کرے گا اللہ اس کی دنیا و آخرت کی ضرورتیں پوری کرے گا۔ جو عاشور کے دن کو مصیبت و حزن و بکا کا دن قرار دے گا اللہ قیامت کے دن کو اس کے لئے ہمارے ساتھ فرحت و سرور کا دن قرار دے گا۔ اور جو عاشور کے دن کو یوم برکت کہے گا اور اپنے گھر کے لئے کچھ سامان مہیا کرے گا تو اللہ اس میں اسے برکت نہ دے گا اور قیامت میں یزید و عبد اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کے ساتھ جہنم کے آخری طبقہ میں ہوگا۔

قیامت یعنی یوم عدل اکبر تک اس سانحہ کے اثرات پر امام نے روشنی ڈالی۔ جناب رسولؐ خدا کی حدیث کو اپنے ذکر میں روایت کی:۔

تحشر ابنتی فاطمة یوم القیمة ومعها ثیاب مصبوغة بالدم۔ فتعلق بقائمة من قوائم العرش۔ تقول یا اعدل الحاکمین احکم بینی وبین قاتل ولدی قال رسول اللّٰہ۔ فیحکم اللہ لابنتی ورب الکعبة فان اللہ یغضب لغضب فاطمة ویرضی لرضاھا۔

(ا؁ عیون اخبار)

میری بیٹی فاطمہ قیامت میں اس طرح اٹھے گی کہ اس کے ساتھ خون آلود کپڑے ہوں گے۔ وہ قائمہ عرش کو پکڑ لے گی اور فرمائے گی اے سب سے عادل تر حاکم میرے اور میرے فرزند کے قاتل کے درمیان فیصلہ فرما۔ رسولؐ خدا نے فرمایا کعبہ کے خدا کی قسم اللہ میری بیٹی کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ اللہ فاطمہ کے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور ان کی رضا سے رضامند ہوتا ہے۔

جس وقت امام اپنی مجلس ذکر میں اپنے سوگوارانہ تاثرات کے ساتھ ان امور کو بیان فرماتے ہوں گے سامعین غم و حزن میں ڈوب جاتے ہوں گے۔ امام موسی کاظمؑ تک ائمہ اہلبیت کو ہر قوم و فرقے سے سابقہ رہا۔ لیکن عرب میں قیام کی وجہ سے دوسروں کی بہ نسبت عرب ان سے زیادہ قریب تھے۔ لیکن ولیعہدی کے تین سال امام رضاؑ کے ایران میں گذارے۔ مرو میں آپ کا قیام تھا جو مشہد مقدس سے قریب تھا یہاں امام علیہ السلام نے عزاداری امام حسینؑ کی ترویج اور ذکر بیان کی اور مصائب اہلبیت کے نشر کے ثواب پر کافی روشنی ڈالی ـــ کبھی فرمایا:۔

من ذکر مصابنا فبکی وابکی لم تبک عینه یوم تبکی العیون ـــــ

جو ہماری مصیبتوں کو یاد کرے اور روئے یا دوسروں کو رلائے تو اس دن اس کی آنکھ نہ روئے گی جس دن سب آنکھیں روتی ہوں گی۔

کبھی فرمایا:۔ ـــــ

من تذکر مصابنا وبکی لما ارتکب منا کان معنا فی درجتنا یوم القیمة ـــــ

جو ہماری مصیبت یاد کرے اور ہمارے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اس پر روئے تو قیامت میں ہمارے درجہ میں ہوگا۔

کبھی واقعہ کربلا کی سنگینی بیان کر کے فرمایا یہ غم قیامت تک ہمارے دلوں کو متاثر کرتا رہے گا۔ فرمایا:۔

ان یوم الحسین اقرح جفوننا واسبل دموعنا واذل عزیزنا بارض کرب وبلا ـــــ واورثنا الکرب والبلاء الی یوم القیمة

حسینؑ کے دن نے ہماری پلکوں کو زخمی کر دیا ہمارے آنسو بہائے زمین کرب و بلا میں ہمارے معزز لوگوں کو ذلیل کیا اور قیامت تک کے لئے ہمیں کرب کا وارث بنایا۔

اس کے بعد فرمایا:۔

فعلی مثل الحسین فلیبک الباکون۔

حسینؑ کے ایسے انسان پر رونیوالوں کو رونا چاہیئے۔

اس دور میں کئی قابل فخر مرثیہ نگار پیدا ہوئے۔ ان میں دعبل بن علی خزاعی۔ دعبل کا شمار علماء متکلمین اور ماہرین ادب و تاریخ۔ عارفین لغت و ایام عرب و روایت و احوال میں تھا سے شاعر علما اور عالم شعرا کہتے تھے۔ تین اماموں کا زمانہ پایا۔ امام موسی کاظمؑ (۱۲۸ - ۱۸۱) امام رضاؑ (۱۴۸ - ۲۰۳) امام محمد تقیؑ (۱۹۵ - ۲۲۰) (معالم العلماء شہر بن آشوب) عباسی سلاطین میں ہارون و مامون و معتصم و واثق و متوکل کا عہد پایا۔ ۲۰ سال کی عمر سے شعر گوئی میں حصہ لیا۔ ائمہ اہلبیت کا شاعر تھا۔ عباسی عہد پر اس کی تنقید میں اُن کی نیند کو

حرام کئے ہوئے تھیں۔ اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا۔ خوف و قلق نے آخری دم تک ساتھ نہ چھوڑا یہاں تک کہ ۲۴۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔ زندگی مصائب و آلام سے پُر تھی اس کے اشعار۔ اس کے عہد۔ اور اس کے رجحانات اور سیاسی و دینی حالات کے عکاس ہیں۔ سیاسی ریا و خوشامد کا دشمن تھا ائمہ اہلبیت کی طرف سے دفاع اور ان کے ساتھ زیادتیوں پر احتجاج اور ان کے حقوق کا مطالبہ دعبل نے بڑی جرأت اور طیش سے کیا۔ ایسے مرثیہ کہے جن کی سیاسی و ادبی لحاظ سے بڑی اہمیت ہے۔ "تائیہ مرثیہ" ایک زندہ جاوید مرثیہ ہے۔ دعبل کو خود اس پر ناز تھا۔ اسے کپڑے پر لکھا۔ اس میں احرام باندھا اور وصیت کی کہ اسے میرے کفن میں رکھ دینا۔

(اغانی و معجم الادباء یاقوت حموی)

دورِ ائمہ کا یہ سب سے طویل و پُرسوز و اثر خیز مرثیہ ہے جو ہم تک پہونچا ہے۔ یہ دعبل کا شاہکار ہے جب یہ مرثیہ تیار ہوا تو دعبل امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا میں نے ایک مرثیہ کہا ہے اور قسم کھائی ہے کہ آپ سے پہلے کسی کو نہ سناؤں گا۔ اس مرثیہ کا یہ شعر ہے:۔

مَدارِسُ آیاتٍ خَلَتْ مِنْ تِلاوَۃٍ
وَمَنزِلُ وَحْیٍ مُقْفِرُ العَرَصاتِ

دعبل جب اس شعر پر پہونچے:۔

اِذا وُتِرُوا مَدُّوا اِلیٰ واتِرِیھِم
اَکُفّاً عَنِ الاَوْتارِ مُنْقَبِضاتٍ

امام اتنا روئے کہ بیہوش ہو گئے۔ خادم نے اشارہ کیا رک جاؤ۔ امام جب ہوش میں آئے تو مرثیہ کو جاری رکھنے کا حکم دیا۔ دعبل نے مرثیہ پڑھا پھر امام پر غشی طاری ہو گئی جب غش سے افاقہ ہوا تو پھر آگے پڑھنے کو فرمایا۔ مرثیہ بہت طویل ہے، اس میں ایک سو اکیس[۱۲۱] شعر ہیں پُرسوز لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر یہ مرثیہ پڑھا گیا ہوگا۔ اور کافی وقت لگا ہوگا۔ آخر وقت تک امام بڑے ہی انہماک اور غیر معمولی توجہ سے سنتے رہے۔ جب مرثیہ ختم ہوا تو تین بار تعریف کی اور فرمایا روح القدس نے تمہاری مدد کی ہے اُس سکّہ میں سے جس پر آپ کا نام مبارک نقش تھا دس ہزار درہم دعبل کو دیئے۔ دعبل نے لینے سے انکار کیا اور گزارش کی کہ میں نے رضاءِ الٰہی کے لئے یہ مرثیہ کہا ہے مگر امام نے اصرار فرمایا اور دعبل کو یہ رقم لینی پڑی۔ یہ درہم شیعوں کی نظر میں اتنے گراں قدر تھے کہ ایک ایک درہم کو اصرار سے دس دس درہم سے خریدا۔

امام رضا علیہ السلام نے عزاداری کی ترویج اور ذکرِ امام میں جس قدر دلچسپی لی اس کا اندازہ اس طائرانہ تبصرے سے نہیں ہو سکتا۔

ذکر امام محمد تقیؑ سے امام عصرؑ کی غیبتِ کبریٰ تک

امام محمد تقیؑ نے صرف ۲۵ سال عمر پائی۔ اس عہد میں ذکرِ حسینؑ میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ خاندان علوی و فاطمی مامون و معتصم و واثق کے زمانے میں نسبتاً محفوظ رہا۔ اگرچہ مامون نے امام رضاؑ اور معتصم نے امام محمد تقیؑ کو زہر دیا مگر عموماً آلِ علیؑ کو کسی ناقابلِ برداشت سانحہ سے سابقہ نہیں ہوا۔

عباسی خلفاء میں متوکل سب سے زیادہ بدسیرت و خونخوار، متعصب و ناصبی تھا۔ امام حسینؑ کے زائرّوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ ۲۳۶ھ میں اس نے امام حسینؑ کی قبر منہدم کرا دی۔ اس کے گرد و پیش جو مکانات تھے گروا دیئے۔ اس جگہ ہل چلوا دیا۔ اس پر

مسلمانوں کو جس قدر رنج و صدمہ ہوا اس کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔ اہل بغداد نے دیواروں مسجدوں پر اُسے بُرا بھلا لکھا۔ شعرا نے اس کی ہجو کی۔ غم و ملال تنقید احتجاج و شدت تاثر سے بھرے ہوئے ان ذیل کے شعروں سے کچھ اس واقعہ سے رنج و غم کا اظہار ہو سکتا ہے:۔

باللہ ان کانت امیۃ قد اتت قتل ابن بنت نبیھا مظلوما فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ ھذ لعمری قبرہ مھدما اسفوا علی ان لا یکونو اشارکوا فی قتلہ فتتبعوہ میما۔

(تاریخ الخلفا سیوطی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳)

بخدا اگر بنی امیہ نے فرزند بنت رسولؐ کو مظلوم قتل کیا تو ان کے باپ کے بیٹے (بنی عباس) نے بھی وہی کیا۔ حسینؑ کی قبر منہدم کر دی گئی ہے ان کو اس بات پر افسوس تھا کہ ان کے قتل میں کیوں نہ شریک ہوئے تو ان کی موت کے بعد ان کی لاش کو ایذا دینے کے لئے ڈھونڈھا۔

ایسے بے بصیرت ننگ بنی ہاشم و رسوائے انسانیت شخص کے عہد میں ذکر حسینؑ کے تمام راستے بند تھے۔ متوکل کو دنیا ہی میں اپنی بداعمالی کی سزا مل گئی۔ اس کا بیٹا منتصر اس کے احمقانہ تصورات سے عاجز آگیا تھا۔ اس نے پہلے انتہائی لجاجت سے باپ سے درخواست کی کہ اس رویّہ کو ترک کر دے۔ جب اس کی بے ادبیاں جنون کا درجہ اختیار کر گئیں تو اس نے اسے قتل کر دیا۔

امام علی نقیؑ کا زمانہ بھی بڑی بڑی پریشانیوں میں گزرا۔ آپ کو ۶ عباسی خلفاء سے سابقہ ہوا۔ ان سب نے حضرت کو اذیت دی۔ سنہ ۲۵۴ھ میں معتز باللہ عباسی کے زہر سے امام نے شہادت پائی۔

امام حسن عسکری کا زمانہ بھی بڑے کرب و بے چینی سے گذرا۔ آپ کے آبا و اجداد کی طرح آپ کو بھی مدینہ منورہ سے سامرا میں نظر بند کیا گیا۔ آپ کو جانی و مالی نقصانات پہونچائے گئے۔ سنہ ۲۶۰ھ میں سامرا میں معتضد باللہ عباسی کے زہر سے آپ کی شہادت ہوئی۔ آپ کا زمانہ بڑی پریشانی کا زمانہ تھا۔ ذکر و بیان کی راہیں بند تھیں۔ سنہ ۲۵۵ھ میں امام عصر کی ولادت ہو چکی تھی۔ مصلحت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ امام حسن عسکری کی وفات کے بعد سنہ ۲۶۰ھ میں امام عصر غیبت صغریٰ اختیار کر لیں۔ ۷۴ سال تک غیبت صغریٰ کا دور رہا۔ آپ کے وکیلوں اور سفیروں کے ذریعے آپ سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی۔ آپ کے سفیروں میں یہ چار آدمی مشہور تھے۔

۱۔ عثمان بن سعید عمری
۲۔ محمد بن عثمان سعید عمروی
۳۔ حسین بن روح
۴۔ ابوالحسن علی بن محمد سمری۔

سنہ ۳۲۹ھ تک غیبت صغریٰ کا دور رہا۔ اس کے بعد سفارت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور غیبت کبریٰ ہو گئی سفرا کے دور میں عزاداری پر بعض شبہات سامنے آئے جن کے جوابات ان سے مل گئے کہا گیا قرآن مجید میں ہے لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔ اللہ کافروں کو مومنین پر غلبہ نہیں دیتا۔ یزید اگر کافر تھا تو اس نے امام حسین پر کیسے قابو پایا۔ جناب حسین ابن روح نے فرمایا۔ اگر انبیا کو مطلقاً غلبہ رہتا تو بہت سے لوگ ان کو خدا سمجھنے لگتے۔ اس لئے وہ مصائب میں مبتلا کئے گئے تاکہ ان کی عبدیت کا اثبات ہو۔

⁂

غیبتِ کبریٰ کے بعد ذکر و عزاداری

لطف الٰہی

ہر عہد میں اپنے دین کی حفاظت کرتا رہا۔ غیبت کبریٰ کے قریب ہی زمانے میں ایسے ایسے عظیم و جلیل عالم و محدث پیدا کر دیئے اور ان کے دلوں کو خلوص سے بھر دیا جنھوں نے بڑی وسیع النظری اور غیر معمولی جوش، وایثار اور محنت سے تحفظ دین کی خدمت انجام دی۔ علامہ صدوق ابن بابویہ قمی۔ محمد بن جعفر بن قولویہ اور ابن نما کے کارنامے ہمیشہ خراج تحسین وصول کرتے رہیں گے۔ ان حضرات نے عزاداری اور ذکر و بیان میں بھی شاندار حصہ لیا۔ علامہ صدوق تو پہلے شخص ہیں جنھوں نے نثر میں مسلسل موعظے فرمائے اور ان میں واقعہ کربلا کا ذکر کیا۔ ان کی "کتاب الامالی" میں یہ منثور مجلسیں موجود ہیں۔ منثور مجلسوں کا یہ پہلا نمونہ ہے۔

غیبت کبریٰ میں دیلمی سلاطین اور مصر کے فاطمی خلفاء نے عزاداری اور ذکر و بیان میں بڑا شاندار حصہ لیا۔ ۳۵۲ھ میں عاشور کے دن بغداد میں یوم غم منایا گیا۔ بازار بند کر دیئے گئے۔ سڑکوں سے ماتمی جلوس گزرا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۶)

۳۶۳ھ میں مصر کے بنی فاطمہ نے محرم کے دس دن کو سرکاری طور پر یوم غم قرار دیا۔ ذکر و مجالس سے سارے مصر کی فضا سوگوار بن گئی۔ خطبہ سے بنی عباس کا ذکر خارج کیا گیا۔ اور اللھم صل علی محمد المصطفےٰ وعلی علی المرتضیٰ وعلی فاطمہ البتول وعلی الحسن وعلی الحسین سبط الرسول پڑھا جانے لگا۔

(۲۶۷۔ تاریخ الخلفا سیوطی)

جب تک مصر میں فاطمی حکومت رہی عزاداری و ذکر کا شباب رہا۔ جب فاطمی عہد کا زوال ہو گیا اور بنی ایوب مصر پر مسلط ہوئے تو عاشور کو یوم مسرت قرار دیا جشن منایا جاتا۔ (خطط و آثار تقی الدین مقریزی)

عباسی قلمرو میں خلفا و سلاطین کے افتاد مزاج اور ان کے گرد و پیش کے رویّہ پر حسینیت سے دلچسپی اور دوری کا اتار چڑھاؤ بنا رہا ـــــ آل ابوطالب بنی فاطمہ اور ان کے مخلص عباسی دور میں ایک حالت پر نہیں رہے۔ کبھی شدت کم ہو جاتی تھی اور کبھی انتہا کو پہونچ جاتی اور دنیا کے مختلف حصوں میں عافیت پناہ لیتے پھرتے۔ اور اس قلمرو میں زندگی کے ادنیٰ حقوق سے بھی محروم ہو جاتے۔ عزاداری اور ذکر حسینؑ کو ان حالات کے ماتحت مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ سنہ ۴۶۰ھ میں عین عاشور کے دن شیعوں پر حملہ کیا گیا۔ کوفے میں آگ لگا دی گئی۔ مجموعی طور پر عہد بنی عباس میں شہدائے کربلا، امام جعفر صادقؑ اور امام رضاؑ کے زمانہ میں محسوس طور پر ہوا۔ زیادہ تر زمانہ ناموافق رہا۔ شدید پابندیوں اور ہولناک مظالم سے عباسی تاریخ وحشی درندوں کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ اس عہد کی تاریخ خود خلفاء عباسی کے زیر اثر لکھی گئی پھر بھی اس میں ایسے اخلاق سوز و اسلام دشمن حالات ملتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس سلسلہ کی تاریخ سے کراہت محسوس ہوتی ہے۔

مولانا وحید احمد حنفی اپنی کتاب "اسلام مشرق میں" میں لکھتے ہیں:ـــ

"اسلامی تاریخ عہد عباسی میں لکھی گئی۔ لکھنے والوں کے دماغ پر عباسیت چھائی ہوئی تھی۔ اگر اسلامی تاریخ کو روایت کے معیار پر جانچا جائے تو واضح ہو گا کہ اس میں سقم ہے حقیقت مشکوک ہے۔ خلا موجود ہے۔ تضاد پایا جاتا ہے۔ اور سب سے زیادہ نقص یہ ہے کہ شخصیتوں کے حالات و احوال ان کے اصل

کیرکٹر سے نہیں ملتے ــــــ آل رسولؐ اتقا کے لحاظ سے ہمارے لئے ہدایت و نمونہ اور قرآن کی بہترین تفسیر تھے۔"

(اسلام مشرق میں ص۴۵ - ۹۴ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء)

معتصم باللہ بنی عباس کا آخری خلیفہ ہے ۶۵۶ھ میں عدل الٰہی نے تتار کے ذریعہ سے ان کے بے پناہ مظالم کا انتقام لیا۔ جس عاشور کو یہ یوم مسرت میں تبدیل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے وہی عاشور ان کے لئے یوم غم بن گیا ــــــ

عباسی حکومت کی طرف سے عزاداری میں جو مزاحمتیں ہوتی تھیں اور ذکر حسینؑ میں جو رکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں زوال بغداد کے بعد اس طرح کی کسی بڑی منظم مخالفت کا امکان نہیں رہا۔ جہاں جہاں فضا موافق تھی امام کا ذکر ہوتا تھا۔ مرثیے نظم ہوتے تھے۔ موعظے کہے جاتے تھے۔ سانحۂ کربلا پر اشکباری ہوتی تھی

ملا حسین واعظ کاشفی

نویں صدی ہجری کے آخر اور دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ملا حسین واعظ کاشفی ایسا طلیق اللسان عذب البیان خطیب دوراں سحبان عصر حسان دہر ذاکر پیدا ہوا جس نے تفسیر و حدیث و سیرت و تاریخ و ادب و اخلاق کی مدد سے واقعہ کربلا کی خطابت و ذاکری کو دلکش بنایا۔ فنی خوبیوں سے آراستہ کیا۔ اور قبولیت کے آسمان پر پہونچایا اور ایک ایسا سرمایہ چھوڑا جو مسلمانوں کے ہر مکتب خیال کے لئے قابل اطمینان ہے۔

ملا حسین واعظ کاشفی سے خطابت و ذاکری کی شاندار تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ ان سے پہلے اور ان کے زمانہ میں ذکر شہدائے کربلا میں مقاتل بھی تیار ہوئے اور تاریخ کے سیکڑوں صفحات بھی اس کیلئے وقف ہوئے اور ہر حلقۂ خیال نے اپنا اپنا فریضہ انجام دیا لیکن اس عہد تک روضۃ الشہداء سے بہتر سوز و رقت اور گرم جوشی اور شدت تاثر و حسن بیان کے ساتھ سیرت انبیاء و ابتلاء اولیاء اللہ و اصحاب کسا اور واقعۂ کربلا پر کوئی دوسری کتاب نہیں ملتی۔

روضۃ الشہداء آیات و احادیث فضائل۔ اخبار و قصص و امثال و شعر و مناقب و مصائب کا ایک دلکش گلدستہ ہے۔ نثر کی جزالت و روانی میں سیلاب کا زور ہے۔ جس سے حاضرین مجلس کی توجہ بیدار رہتی ہے۔ آتشیں و طوفانی نثر کا اثر اس وقت شباب پر ہوتا ہے جب شعر سے اس کی تاثیر دوچند ہو جاتی ہے اور آیات و احادیث کی تضمین سے اس کی آرائش انتہا پر پہونچ جاتی ہے۔ عرصۂ دراز تک روضۃ الشہداء مجالس عزا پر حاوی رہی۔ روضہ خوانی مجلس کا ضروری جز بنی رہی۔ تلخیص و تکلم و ترجمہ تقلید سے اس کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے عالم و فقیہ و ذاکر و واعظ اس طرز کے گرویدہ ہوئے۔ اسے منبر پر پڑھتے اور آرزو کرتے کہ ان کے بیان میں یہ دلکشی پیدا ہو جائے اور وہ اپنے علم و استعداد و ذوق خطابت و بلاغت سے کام لے کر خود ایک کامیاب طرز خطابت و ذاکری کے پیش کرنے کا شرف حاصل کریں،

انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں اور تمام علوم و فنون کو اس فن کے استحکام و جذابیت میں صرف کر دیا۔ اور محنت و کوشش، مشق و تربیت سے اپنا ایک مخصوص طرز پیدا کیا۔

علامہ فقیہ شیخ جعفر بن حسین تستری م ۱۳۰۳ھ

صاحب منبع الرشاد (فق) بڑے پایہ کے عالم تھے نجف اشرف میں معقول و منقول میں تحصیل کی۔ اپنے وطن میں ترویج دین میں مشغول ہو گئے۔ ذکر فضائل و مصائب اہلبیت سے انھیں خاص شغف تھا۔ ان کے زمانے میں مجالس عزا میں روضۃ الشہدا کا سکہ چل رہا تھا۔ روضۃ الشہدا پڑھنے کی ذاکرین و واعظین کو تربیت دی جاتی تھی شیخ جعفر بھی شروع میں روضۃ الشہدا ہی سے مجالس پڑھتے تھے۔ یہ خود باخبر وسیع النظر عقلیات و نقلیات کے ماہر تھے ایک دن ان کو یہ خیال ہوا کہ کب تک میں روضۃ الشہدا کا رہین منت رہوں گا۔ اس خیال میں محو تھے کہ ان کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ میں کربلائے معلیٰ میں ہوں۔ اور امام حسینؑ کے اقارب و انصار موجود ہیں حضرت حبیب بن مظاہر نے کھانا تیار کیا ان کو بھی کھلایا۔ اس کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی اس کی برکت سے ان کی گویائی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ فن خطابت و ذاکری میں سر آمد روزگار قرار پائے۔

(فوائد رضویہ مولانا شیخ عباس قمی ص ۷۸)

روضۃ الشہدا سے انھوں نے الگ رستہ بنایا۔ اور ذاکری کو نیا طرز دیا۔ روضۃ الشہدا زیادہ تر سوز و رقت خیزی اور سیرت کے واقعات پر مشتمل تھی۔ شیخ جعفر نے موعظہ و اخلاق و تزکیہ نفس اور فقیہانہ و عالمانہ تشریح و توجیہ سے دلوں پر حکومت کی اور مجلس ذکر کے حدود وسیع کئے اور معیار بلند کیا۔ موصوف شاگردوں کے جم غفیر کے ساتھ شہروں کا دورہ کرتے۔ نجف و کربلا و کاظمین و سامرا و قم و مشہد میں ان کی خطابت کا جھنڈا لہرانے لگا۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کا طرز اختیار کیا۔ موصوف نے ذاکری کی نئی کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ان کی کتاب خصائص حسینیہ سے شاید ہی کوئی ذاکر ناواقف ہوگا۔ حکیم احمد حسین صاحب مرحوم نے سنہ ۱۳۱۴ھ میں اس کا ترجمہ "نور العین ترجمہ اردو خصائص" کے نام سے شائع کیا۔ (۲) مجالس المواعظ والبکاء و مواعظ فوائد المشاہد لکھی ——

مشاہیر واعظین و ذاکرین میں فقیہ متکلم جامع معقول و منقول عارف فقہ و اصول فدائے اہلبیت رسولؐ جناب اخوند ملا آقا ابن عابدین رمضان دربندی شیروانی م سنہ ۱۳۸۶ھ بھی تھے۔ موصوف نے عزائے حسینؑ میں بڑے انہماک و شغف سے حصہ لیا۔ خطابت و ذاکری میں مقام رفیع حاصل کیا۔ آپ کی کتاب اسرار الشہادۃ اور سعادت نامہ ناصری ذاکری کی مشہور و معروف کتابوں میں شمار ہوتی ہے —— فاضل مذکور اگرچہ مشاہیر علما میں ہیں خاص آل عبا سے ان کا اخلاص بھی بے نظیر تھا۔ لیکن کتاب اکسیر العبادات علمائے فن اور نقادان احادیث و سیر کی نظر میں بے وقعت و بے اعتبار ہے۔ (لولو و مرجان علامہ محقق مرزا حسین نوری متوفی سنہ ۱۳۲۰ھ مطبوعہ لکھنؤ) اگر ان کی کتاب سے ناقابل قبول باتوں کو حذف کر دیا جائے تو آج بھی اس سے بیش بہا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

———

:.

بعض محاسن و مسامحاتِ روضۃ الشہدا

روضۃ الشہدا فضائل و مصائب کا ایک دریا ہے اس دریا میں موتی بھی ہیں اور سیپ بھی۔ اس میں محاسن زیادہ ہیں۔ اور مسامحات کم ہیں۔ آیات فضائل اور احادیثِ فضائل اس میں اُبل رہے ہیں۔ حدیث سفینہ حدیث ثقلین۔ حدیث ولایت۔ حدیث منزلت۔ حدیث مدینۃ العلم۔ اور اللہم اور الحق معہ حیث کان۔ حدیث نجوی۔ جناب رسول خدا کا حضرت علیؑ کو زندگی کے آخر لمحہ میں ایک ہزار باب علم کا تعلیم فرمانا اور اس کے علاوہ منقبت کے بیشمار لالہ وگل سے فضائل کا صدا بہار گلدستہ تیار کیا ہے ـــــ پھر بھی بار بار اپنے عجز و قصور کا اعتراف کیا ہے ـــــــ

ایک جگہ حضرت علیؑ کے ذکر میں لکھا ہے:۔

شمائل و فضائل وے ازاں بیشتر است کہ بتقریرِ زبان و تحریرِ بیان استقصائے آں تواں کرد۔

(ص۱۳۲ روضۃ الشہدا)

ایک جگہ لکھا ہے۔ صفاتِ حمیدہ و سماتِ پسندیدہ آنحضرت رضی اللہ عنہ از قیاس فہم افزوں واز حیزِ ادراکِ وہم بیروں ست (ص۱۴۰ روضہ)

کتاب کا اصل موضوع ذکرِ احوال شہدا اہلبیت ہے (ص۱۵۳ روضہ) اس لئے مصائب زیادہ لکھے ہیں انبیاء کرام کے ابتلا و مصائب کا ذکر بھی اسی لئے کیا ہے کہ ان سے اہلبیت کے مصائب کی شدت کا اظہار ہو ـــــــ

وہ کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں:ـــــ

وہ کون ولی ہے جس کا جسم آتش بلا کے شعلوں سے پگھلا ہوا نہیں ہے۔ وہ کونسا نبی ہے جس کا دل تیرِ بلا کا نشانہ نہیں بنا۔ حضرت آدمؑ صفی حسرت میں مبتلا ہوئے۔ نوحِ نجی نوحہ خواں رہے۔ خلیلؑ آگ میں ڈالے گئے۔ اسمٰعیلؑ کی قربانی میں آزمائش ہوئی۔ یعقوبؑ بیت الاحزان میں اشکبار رہے۔ یوسفؑ نے کنوئیں اور قید خانے کی تکلیف اٹھائی۔ موسیٰؑ سرگرداں رہے۔ ایوبؑ نے بیماری کے دُکھ جھیلے۔ مظلوم زکریاؑ پر آرہ چلا۔ یحییٰؑ قتل کئے گئے۔ رسالتمآب کے لب و دنداں کو دکھ پہونچا۔ حضرت حمزہؑ کا جگر پارہ پارہ کیا گیا۔ خانوادۂ عصمت و طہارت مصائب میں مبتلا رہا۔ بتول عذرا اشکبار رہیں۔ علیؑ مرتضیٰ کا سر شگافتہ ہوا۔ امام حسنؑ کو زہر دیا گیا۔ امام حسینؑ شہید کئے گئے۔ کاشفی نے سفرِ ابتلاء کا میرِ کارواں سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور جس آہ و گراہ درد و دلسوز و رقت سے ان کے مصائب بیان کئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان روح فرسا مصائب کے تصور سے ان کا دل تھک رہا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

خاکدانِ دنیا میں کسی نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی۔ اور کسی کان نے کسی زمانے میں ایسی مصیبت نہیں سُنی۔

(ص۵۔ ۳۵ روضہ)

تا دہر ہست واقعہ زیں صعب تر ندید
ہر کس خبر شنید۔ کشش با خبر ندید

ــــــــــــ

چشم زمانہ بر ورقِ چرخ قصۂ
پُر سوز تر ز حالِ شبیرؑ و شبرؑ ندید

کاشفی لکھتے ہیں۔ اہل آسمان حسینؑ کو ابوعبداللہ مقتول کہتے ہیں۔ زمین کے فرشتے ابوعبداللہ مذبوح کہتے ہیں۔ دریا کے فرشتے حسینؑ مظلوم کہتے ہیں۔ ملائکہ ہوا حسینؑ شہید کہتے ہیں۔ کاشفی

اس موقع پر یہ رباعی لکھتے ہیں :۔

برقتل حسینؑ ارض وسما می گریند
از عرش عُلا تا بہ ثرا می گریند
ماہی درآب و مرغ در روئے ہوا
در ماتم شاہِ شہدا می گریند

کاشفی لکھتے ہیں ۔۔۔۔ امام رضی بخاری نے بیان کیا ہے کہ خاک کربلا میں شہادت کی تخم پاشی ہوئی ہے اسے دوستوں اور عقیدت مندوں کے آنسوؤں کی ضرورت ہے ۔ حدیث میں ہے " من بکی علی الحسین " پس جو شخص جو بار چشم سے خاک کربلا پر اشک افشانی کرے گا تو اس سے تخم سعادت کی نشوونما ہوگی اور یہ اُسے آخرت میں جنت کی شکل میں ملیں گے ۔

یہی وجہ ہے کہ ہر سال جب ماہ محرم آتا ہے محبان اہلبیت مصیبت شہدا کربلا کی یاد کو تازہ کرتے ہیں ۔ اور لار رسالتمآبؐ کو پُرسہ دیتے ہیں

(صہ روضۃ الشہدا)

روضۃ الشہدا کے فضائل و مصائب پر ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے جس سے ان کی ائمہ اہلبیت سے حُسن عقیدت ۔ ان کی وسعت اطلاع ۔ ان کا زور قلم ۔ ان کی بلاغت اور فضائل و مصائب کے گوشوں پر ان کی نظر کی ترجمانی ہو سکے ۔۔۔۔

ہم نے لکھا ہے کہ روضۃ الشہدا اگر عقیدت و منقبت کا گلستاں ہے تو اس میں بعض مسامحات بھی ہیں ۔ ان مسامحات میں سے صرف ذیل کی چند فروگزاشتوں پر سرسری نظر ڈالی جاتی ہے ۔ ان مسامحات سے کاشفی کی محنت و عقیدت کی اہمیت نہیں گھٹ سکتی ۔ قابل مذمت و غلطی ہے جس کا باعث بدنیتی اور تعصب و عناد و حق پوشی ہے ۔

ان میں سے بعض مسامحات وہ ہیں جن کا ارتکاب دوسروں سے بھی ہوا ہے ۔ لکھا ہے :۔

(۱) جناب رسولؐ خدا نے وفات کے قریب ایک تقریر میں فرمایا ۔ اگر میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہونچائی ہو تو مجھ سے قصاص لے لے ۔ اس موقع پر عکاشہ بن محصن (خزاں) اسدی اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا آپ تبوک کا سفر فرمارہے تھے ۔ آپ نے اپنے اونٹ کو تازیانہ مارا وہ میرے لگ گیا اس وقت میری پیٹھ بھی برہنہ تھی ۔ مجھے سخت تکلیف پہونچی ۔ رسولؐ خدا نے قصاص کے لئے تازیانہ منگوایا ۔ اور اپنے دوش مبارک سے لباس ہٹایا ۔ عکاشہ نے مُہر نبوت کا بوسہ لے لیا ۔ اور کہا میری نیت قصاص کی نہ تھی ۔ میں تو مہر نبوت کا بوسہ لینا چاہتا تھا ۔ (خلاصہ روضہ صہ ۹۶)

بعض علماء کو اس واقعہ کی صحت میں شک ہے ۔ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ ۲ میں عکاشہ کا ذکر کیا ہے مگر اس قصہ کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا ۔

(۲) کاشفی نے حضرت امام حسنؑ کی زہر سے شہادت کے بیان کے موقع پر ایک طویل داستان لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

مروان حاکم مدینہ امام حسنؑ کی ہلاکت کے درپے تھا ۔ مدینہ میں ایک رومی کنیز " الیسونیہ " تھی جو دلالی کا پیشہ کرتی تھی ۔ اور ہر گھر میں اس کا آنا جانا تھا ۔ اس کے ذریعہ سے اس نے امام حسنؑ کی بیوی جعدہ سے سازش کی ۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر امام حسنؑ کو تم زہر سے ہلاک کردو گی تو یزید سے تمہارا عقد ہو جائے گا ۔ مروان نے زہر بھیجا اسما جس کا نام جعدہ بھی تھا امام حسنؑ کو پانی میں زہر دے دیا جس سے آپ کی شہادت ہو گئی ۔ مروان نے اسما کو معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا ۔ اسما نے معاویہ سے کہا میں نے حسنؑ کو آپ کی

خوشی اور یزید کی محبت میں ہلاک کیا۔ معاویہ نے کہا جب تم نے حسنؑ کے ساتھ غداری کی تو یزید سے کیا وفا کروگی۔ معاویہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے جزیرۂ فیل میں لے جاکر دریا میں غرق کردو۔ یہ لوگ اسے لے گئے باد وباراں کا ایک طوفان آیا اور اُسے اُٹھا لے گیا۔ (روضہ ص۱۸)

خود کاشفی نے لکھا ہے کہ امام حسنؑ موصل میں ایک شخص کے مہمان تھے۔ معاویہ نے اسے مال دنیا کا فریب دے کر اسے آمادہ کیا کہ امام حسنؑ کو زہر کھلادے۔ معاویہ نے زہر قاتل بھیجا اس نے امام کو کھلا دیا۔ زہر نے اثر کیا لیکن امام کو صحت ہوگئی۔ (روضہ ص۱۷)

یہ صحیح ہے کہ جعدہ بنت اشعث زوجہ امام حسنؑ کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دیا گیا۔ لیکن اس بے وفا کا جزیرۂ فیل میں بھیجا جانا اور طوفان باد باراں کا اسے بہا لیجانا افسانہ ہی افسانہ ہے۔ کسی معتبر سند کسی معتبر مصدر میں اس کا پتہ نہیں ہے۔

(۳۰) کاشفی نے امام حسینؑ سے یزید کی عداوت کی دو وجہیں بتائی ہیں۔ صوری ومعنوی۔ صوری کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اصلی وفرعی۔ عداوت فرعی کے دو سبب بتائے ہیں (۱) امام حسینؑ کا یزید کی بیعت سے انکار کرنا (۲) عبداللہ بن زبیر کی حسینۂ روزگار بیوی سے یزید کا نادیدہ عشق۔ حیلہ وتدبیر سے ابن زبیر سے اسے طلاق دلوانا اور ابوموسی اشعری کو اس کے پاس اپنا وکیل بناکر عقد کا پیام دینا۔ اسے طلاق دلوانا اور ابوموسی کا مدینہ آنا۔ عبداللہ بن عمر اور امام حسینؑ سے ملنا۔ اور ان دونوں کا ابوموسی کو اپنا وکیل بنانا اور مطلقہ ابن زبیر سے پیام دینا۔ خود ابوموسی کا اسے اپنا اور ابن عمر اور امام حسینؑ کا پیام پہونچانا اور اس کا امام حسینؑ کو پسند کرنا اور عقد ہو جانا۔ اس واقعہ سے یزید کا امام حسینؑ سے برہم ہونا اور ان کی ہلاکت کا عزم کرلینا۔ (روضہ ص۲۰)

یہ بے اصل افسانہ مختلف شکلوں اور ناموں کے ساتھ نقل ہوتا رہا ہے۔ کتاب امامت وسیاست ابن قتیبہ میں اس عورت کا نام بنت اسحاق لکھا ہے اور اس کے شوہر کا نام عبداللہ بن سلام گورنر عراق بتایا ہے یزید کا اس سے نادیدہ عشق اور سازش کرکے ابن سلام سے اسے طلاق دلوانا اور امام حسینؑ کا اس عورت سے عقد کرکے پھر طلاق دے کر اسے ابن سلام کے عقد میں دے دینا لکھا ہے۔ فرہاد مرزا نے قلزم ذخار میں لکھا ہے یہ روایت اشکال سے خالی نہیں ہے۔ (ص۲۰۲ قلزم ذخار) احمد بن محمد میدانی نیشاپوری نے مجمع الامثال میں اس عورت کو عبداللہ بن عامر کی بیوی لکھا ہے۔ اور یزید کا اس سے نادیدہ عشق اور سازش کرکے ابن عامر سے اسے طلاق دلوانا لکھا ہے اور امام حسنؑ کا اس سے عقد کرلینا اور یزید کا ناکام رہنا لکھا ہے۔

سبط ابن جوزی نے تذکرۂ خواص الامۃ میں مطلقہ کا نام بنت سہیل بن عمروؓ لکھا ہے اور شوہر کا نام ابن عامر لکھا ہے اور امام حسنؑ کا اس مطلقہ سے عقد کرلینا لکھا ہے۔

یہ روایت بے سروپا ہے۔ مطلقہ اور طلاق دینے والے اور طلاق کے بعد اس سے نکاح کرنے والے مختلف دکھائے گئے ہیں۔ اس روایت کے گھڑنے کا مقصد یہ تھا کہ کربلا کی جنگ کا باعث ایک عورت تھی جس سے یزید محبت کرتا تھا اور امام حسینؑ حائل ہوگئے۔ اس سے عقد کرلیا اور یزید ناکام رہا۔ جس کا انتقام اس نے امام حسینؑ پر لشکر کشی کرکے لیا۔

اس قصہ کے گھڑنے والے نے چالاکی یہ کی ہے کہ اسے اس طرح پیش کیا ہے جس سے مظلوموں کے ساتھ امام حسینؑ کی ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔ امام حسینؑ نے اس نیت سے اس مطلقہ سے عقد کر لیا کہ اگر وہ یزید کے نکاح میں چلی گئی تو پھر کبھی اپنے محبوب شوہر تک نہ پہونچ سکے گی۔ حسینؑ سے یزید نے دھوکا دے کر طلاق دلوائی ہے۔ امام حسینؑ نے صرف اس لئے عقد کیا تھا کہ اسے طلاق دے کر اس کے سابق شوہر کو واپس کر دیں۔

اس افسانہ گھڑنے والے کے فریب کے جال میں امام حسینؑ کے بعض مخلص سیرت نگار بھی آ گئے اور امام کی انسانی ہمدردی پہلو پر ان کی نظر رہی اور انھیں یہ توجہ نہ ہوئی کہ روایت کے مقصد کو معرکہ کربلا کو حق و باطل کی جنگ کے بجائے ایک عورت سے اس کے دو محبت کرنے والوں کی جنگ قرار دینا ہے۔ میں نے اپنے ایک مطبوعہ مضمون میں اس بے اصل روایت پر اصول درایت سے کافی تنقید کی ہے۔

(۴) کاشفی نے لکھا ہے منقول ہے امام حسنؑ نے وفات کے وقت قاسم کا ہاتھ پکڑ کر امام حسینؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا اے بھائی میں تمھاری فلاں بیٹی کو قاسم سے نامزد کرتا ہوں۔

(ص ۲۹۰ روضۃ الشہدا)

کاشفی نے بیان شہادت حضرت قاسم میں بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے کہ کربلا میں حضرت قاسم نے امام حسینؑ سے جہاد کی اجازت چاہی۔ حضرت نے فرمایا تم میرے بھائی کی یادگار ہو میں کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ مادر قاسم روتی ہوئی خیمہ سے باہر آ گئیں اور قاسم کا دامن کھینچتی ہوئی فریاد کرنے لگیں۔ قاسم خیمہ میں چلے آئے۔ انھیں یاد آیا کہ امام حسنؑ نے ان کے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور فرمایا تھا جب تم پر بیشمار اندوہ و ملال کا غلبہ ہو تو یہ تعویذ کھول کر پڑھنا۔ جناب قاسم نے تعویذ کھولا تو اس میں لکھا تھا۔ جب میرے بھائی حسینؑ کربلا میں مبتلائے مصیبت ہوں تو تم ان پر اپنی جان فدا کر دینا۔ قاسم نے یہ تعویذ امام حسینؑ کو دکھایا۔ حضرت نے فرمایا مجھ سے بھائی حسنؑ نے ایک وصیت فرمائی تھی ـــــ امام، قاسم کو لے کر خیمہ میں آئے اور انھیں قیمتی جامہ پہنایا ان کے سر پر دستار باندھی اور اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا جو قاسم سے نامزد تھی۔ اور قاسم سے فرمایا یہ تمھارے باپ کی امانت ہے۔ جو آج تک میرے پاس تھی۔ اب تمھارے حوالے ہے۔ حضرت نے قاسم کا اس لڑکی سے عقد کر دیا۔ حضرت قاسم جب میدان جنگ میں جانے لگے تو دلہن نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہاں جاتے ہو۔ قاسم نے کہا اب قیامت میں ہم دونوں ملیں گے۔ دلہن نے کہا قیامت میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں گی اور کیسے پہچانوں گی۔ قاسم نے کہا مجھے باپ اور دادا کے پاس پاؤ گی۔ اور اپنی آستین پھاڑ کر دی اور کہا اس پھٹی ہوئی آستین سے پہچان لینا ـــــ پھر قاسم کا میدان جنگ میں آنا اور ارزق شامی اور اس کے بیٹوں کو قتل کرنا لکھا ہے۔ اور آخر میں حضرت قاسم کا شہید ہو جانا لکھا ہے۔

(خلاصہ ص ۳۱۲ روضۃ الشہدا)

کاشفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسنؑ کے چار یا چھ فرزند تھے۔ اور دو صاحبزادیاں۔

(ص ۳۸۴ روضۃ الشہدا)

کاشفی نے لکھا ہے کہ فاطمہ امام زین العابدینؑ کی بہن تھیں دونوں کی ماں شہر بانو تھیں۔ فاطمہ کا عقد حسن مثنیٰ سے ہوا تھا۔ (ص ۳۸۴ روضۃ الشہدا)

کاشفی نے لکھا ہے حسن مثنیٰ نے امام حسینؑ کی صاحبزادی سے عقد کا پیام دیا۔ امام نے اپنی دونوں بیٹیوں فاطمہ و سکینہ کا نام لیا اور فرمایا ان دونوں میں سے جس سے چاہو میں عقد کر دوں۔ حسن مثنیٰ شرم سے کچھ نہ کہہ سکے۔ تو امام نے فاطمہ سے اُن کا عقد کر دیا۔ (روضہ ص ۳۷۵)

کاشفی کی روایت عقد قاسم پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنا کوئی ماخذ نہیں بتایا۔ انھوں نے امام حسینؑ کی صرف دو صاحبزادیاں بتائی ہیں ایک کا نام فاطمہ دوسری کا سکینہ لکھا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ فاطمہ کی شادی حسن بن حسن سے ہوئی تھی۔ کاشفی نے امام کی اس صاحبزادی کا نام نہیں بتایا۔ جس سے کربلا میں عاشور کو حضرت قاسم کا عقد لکھا ہے نہ کاشفی نے حضرت سکینہ سے ان کا عقد لکھا ہے۔ اور نہ کسی دوسرے مورخ نے۔

کاشفی نے جب امام کی دو ہی صاحبزادیاں بتائی ہیں ایک کی شادی حسن بن حسنؑ سے ہو گئی تھی دوسری صاحبزادی حضرت سکینہ تھیں اُن سے حضرت قاسم کا عقد نہیں ہوا تو پھر کس سے ہوا۔ کاشفی نے امام کی کسی تیسری صاحبزادی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ کاشفی سے یہ مسامحہ بھی ہو گیا ہے کہ فاطمہ کو جناب شہر بانو کے بطن سے لکھ دیا ہے حالانکہ فاطمہ توام اسحاق بنت طلحہ بن عبد اللہ تمیمی کے بطن سے تھیں ——— اور یہ اس وقت امام حسنؑ کے عقد میں تھیں۔ امام حسنؑ نے اپنی شہادت کے وقت امام حسینؑ سے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد ام اسحاق سے عقد کر لینا۔ امام حسینؑ نے بھائی کی وصیت کے مطابق ان سے عقد کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاطمہ دختر امام حسینؑ کی امام حسنؑ کے زمانہ میں ولادت بھی نہیں ہوئی تھی اُن کی ماں اس وقت خود امام حسنؑ کے عقد میں تھیں۔

لہٰذا امام حسنؑ وفات کے وقت فاطمہ کو حضرت قاسم سے نامزد نہیں کر سکتے تھے۔

کاشفی کے اس سلسلہ کے تمام بیانات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے کئی مسامحے ہو گئے ہیں اور اس واقعہ کو درج کرنے میں ان سے تساہل ہوئی ہے۔ انھوں نے تحقیق و تفحص سے کام نہیں لیا۔ کہیں کچھ لکھ دیا کہیں کچھ۔ جس سے ایک ہی واقعہ کے مختلف حصوں میں بے ربطی پیدا ہو گئی ہے

مشہور و معروف متقدمین و متاخرین کی تصانیف میں اس قصۂ عقد کا ذکر نہیں ملتا۔ کافی ۔ کلینی ۔ مقتل ابو مخنف ۔ مروج الذہب مسعودی ۔ تاریخ طبری ۔ تاریخ ابن اثیر ۔ امالی صدوق ۔ ارشاد شیخ مفید ۔ لہوف سید ابن طاؤس مثیر الاحزان ابن نما ۔ بحار الانوار مجلسی ۔ مقتل عوالم ۔ حبیب السیر ۔ روضۃ الصفا ۔ ناسخ التواریخ وغیرہ میں قصۂ عقد کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ بعض علماء و فضلا نے اس کی نفی کی ہے۔

(۱) علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں لکھا ہے۔ یہ روایت معتبر مصادر میں میری نظر سے نہیں گذری۔

(۲) علامہ نوری نے اس واقعہ پر سخت تنقید کی ہے۔ لکھا ہے۔ قصۂ عروسی قاسم روضۃ الشہداء کے پہلے کسی کتاب میں نہیں دیکھی گئی۔ عصر شیخ مفید سے اس وقت تک ہر طبقہ کی کتابیں موجود ہیں۔ کبھی ان کتابوں میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ (لؤلؤ و مرجان)

(۳) مرزا محمد حسن اعتماد السلطنت حسینؑ صفا ماثر و آثار نے لکھا۔ اس قصۂ دراز کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مورخوں و محدثوں میں سے کسی نے اسے نہیں لکھا

(۴) سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ میں اس پر سخت تنقید کی ہے۔

نقاد کہتے ہیں کاشفی نے کسی مجہول مصدر کا بھی پتہ نہیں دیا ــــ البتہ ملا حسین یزدی نے انوار الشہادۃ مولفہ ۱۲۸۷ھ میں مقتل ابن عربی اور حزن الایمان کا حوالہ دیا ہے۔ اس پر یہ کہا گیا کہ علماء اہلسنت میں ابن عربی دو شخص ہیں (۱) ابن عربی محافری م ۵۴۳ھ (۲) محی الدین ابن عربی طائی م ۶۳۸ھ ملا یزدی نے یہ نہیں بتایا کہ مقتل ان دونوں میں سے کس کا ہے فہرست مطبوعات و مخطوطات اور تراجم ابن عربی میں کہیں اس مقتل کا نام نہیں آیا۔ ساتویں صدی سے آج تک سوا ملا یزدی کے کسی نے کبھی ان کا نام بھی نہیں لیا۔ علماء رجال ابن عربی طائی اس کی توثیق نہیں کرتے۔ محی الدین ابن عربی کی کل تصانیف عربی میں ہیں۔ فارسی میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے یزدی نے اس کی بھی صراحت نہیں کی کہ مقتل بن عربی کی زبان کیا تھی۔ جب یہ مقتل ناپید ہے تو اس کے اعتبار یا عدم اعتبار کے بارے میں کیا رائے دی جا سکتی ہے۔ وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس طرح ہر پھر کے روضۃ الشہدا ہی قصۂ عقد کا ماخذ رہ جاتی ہے۔ حزن الایمان ایک مجہول کتاب ہے۔ نہ تو یہ کتاب ملتی ہے اور نہ اس کے مصنف و کتاب کے اعتبار کے بارے میں علماء کی کوئی نص نہیں ہے۔

بہت عرصہ ہوا عقد قاسم پر لکھنؤ کے دو خاندانوں میں نظم و نثر میں سخت معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ علماء و عوام اس نزاع میں تقسیم ہو گئے تھے۔ دونوں فریق کی طرف موافقت و مخالفت میں بہت سی کتابیں نکلی تھیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

دق الخیشوم لناقی الملوم - حجج فاطعہ مولوی ابوالحسن شاہ - طلب الثار منفک منہج العلماء الاخیار - مولوی محمد سجا - سفک المہج - تقریر حاسم - گوہر شہسوار رسالہ قاسمیہ - القول الجاثم فی قطع التقریر الحاسم - حکیم ممتاز حسین عثمانی - مہندی قاسم - حکیم ابوابراہیم فیض آبادی وغیرہ ــــ سب سے آخری کتاب ہمارے حبیب قدیم مولانا آغا مہدی صاحب کی کتاب عبائر الانوار ہے جو دو جلدوں میں موصوف نے اثبات عقد میں بیس تیس سال کی محنت شاقہ سے اسے تالیف کیا ہے۔

(۵) کاشفی نے کربلا میں پسر عم عمر بن سعد ہاشم بن ابی وقاص مرقال صحابی کی جنگ فوج یزید کے ایک سردار سمعان بن مقاتل امیر حلب سے لکھی ہے (روضہ ص ۳۸۶) حالانکہ ہاشم بن عتبہ مرقال جنگ صفین میں شہید ہو چکے تھے۔ (اسد الغابہ ۵/۴۹)

(۶) کاشفی نے لکھا ہے۔ نور الائمہ نے جار اللہ علامہ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب امام حسینؓ تہارہ گئے تو ایک غبار اُٹھا اور ایک مہیب شخص گھوڑے پر سوار آیا اور امام حسینؑ کو سلام کیا اور اپنا نام زعفر زاہد بتایا۔ کہا آپ کے باپ کے ہاتھ پر چاہ بیر العلم کے واقعہ کے موقع پر ہم لوگ اسلام لائے تھے مجھے حکم دیجیے کہ اپنی فوج سے ان دشمنوں کو تباہ کر دوں۔ امام نے فرمایا تم قوم جن سے ہو تمہاری لڑائی بنی آدم سے ظلم ہو گی تم واپس جاؤ۔ مجبوراً زعفر جن واپس چلے گئے۔
(روضہ ص ۳۲۹)

علامہ نوری لوء لوء مرجان میں تحریر فرماتے ہیں اس قصہ کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (لوء لوء مرجان ص ۱۴۵)

(۷) کاشفی نے لکھا ہے جناب شہر بانو نے کربلا میں امام حسینؑ سے کہا۔ مجھے اندیشہ ہے دشمن آپ کے بعد میری توہین کریں گے۔ امام نے فرمایا۔ میرے بعد ایک گھوڑا آئے گا اس پر سوار ہو کر چلی جانا محفوظ ہو جاؤ گی۔ اصح یہ ہے کہ شہر بانو قید ہو کر شام گئیں (ص ۳۳ روضہ)

کاشفی کا یہ بیان کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہے حضرت شہر بانو کی وفات امام زین العابدینؑ کی ولادت کے موقع ہی پر ہو گئی تھی۔ وہ واقعہ کربلا سے بہت پہلے وفات پا چکی تھیں۔

(۸) کاشفی نے لکھا ہے۔ دشمن نساء و جواری امام حسینؑ کو محمل میں ... کر لے گئے۔ بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ انھیں سر و پا برہنہ بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر لے گئے یہ قول ضعیف ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے (روضہ ۳۴۴ باب دہم)

(۹) کاشفی نے لکھا ہے کہ جناب شہر بانو اپنے عقد کے موقع پر اپنے ساتھ ساٹھ کنیزیں لائی تھیں سب کو آزاد کر دیا۔ اُن میں شیریں بھی تھی اسے بھی آزاد کر دیا۔ وہ انھیں کے ساتھ رہتی تھیں۔ کربلا میں موجود تھیں۔ اسیر ہو کر شام جاتے ہوئے حوالیِ حلب کے ایک پہاڑ پر قافلہ رکا۔ وہاں عزیز بن ہارون رہتا تھا۔ اس سے وہ ملیں۔ وہاں کے سب باشندے اس وقت ہو گئے۔ شیریں سے عزیز بن ہارون کا عقد ہو گیا۔ (تلخیص۔ روضہ ص ۳۵)

اس قصہ کی کوئی قابل توجہ اصل نہیں ہے۔

(۱۰) کاشفی نے کنز الغرائب کے حوالے سے لکھا ہے ایک یہودی کی ایک حسین لڑکی بیماری سے آنکھوں اور ہاتھ پاؤں سے بیکار ہو گئی۔ خون حسینؑ سے ایک پرندہ اپنے پَر آلود کر کے ادھر آگیا تھا۔ وہ خون اس لڑکی کی آنکھوں اور ہاتھ پیر پر پڑا وہ بالکل تندرست ہو گئی اس معجزہ سے یہودی کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا۔ (روضہ ص ۳۴۱)

علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں تحریر فرمایا ہے۔ روایت غراب غریب است۔

بعض اہم مصادر بحث

روضۃ الشہدا کے مختلف اڈیشن

ریاض السیاحہ زین العابدین شیروانی۔ تاریخ نامہ ہرات، سیف الدین ہروی۔ ریاض العلماء، عبد اللہ آفندی۔ سبک شناسی، ملک الشعراء بہار۔ الذریعہ، آغا بزرگ (ادام ظلہ)۔ احتجاج طبرسی، الموف ابن طاؤس۔ التجدید فی الادب، حنا کافوری۔ حیوٰۃ الحیوان دمیری۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔ شرح الثار، ابن نما۔ کامل الزیارت، ابن قولویہ۔ عیون اخبار، رضا ابن بابویہ۔ معجم البلدان، حموی۔ تذکرہ سبط، ابن جوزی۔ ینابیع المودہ، قندوزی۔ اسلام مشرق میں، وحید احمد فوائد رضویہ، عباس قمی۔ اصابہ، ابن حجر۔ لورلور مرجان، نوری۔ کربل کتھا۔

قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کی تاریخ عزاداری

(ابوالحسن ترابی متولی منتظم روضہ پنجہ شریف (پنجہ شاہ) مبارک پور ضلع اعظم گڑھ)

وجود آبادی اور وجہ تسمیہ

پندرہویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ درویش صفت مسمیٰ بہ راجہ مبارک علی شاہ قصبہ مانک پور کڑا ضلع الہ آباد سے مع اپنے مریدوں کے جنگلوں کی خاک چھانتے اور صحرا نوردی کرتے ہوئے مشرقی اترپردیش ضلع اعظم گڑھ کے صدر مقام شہر اعظم گڑھ سے تقریباً دس کلومیٹر شمال و مشرق اور دریائے ٹونس سے تقریباً دو کلومیٹر مشرق و جنوب ایک نیم جنگلی مقام پر پہونچے اور اس جگہ کو پسند فرما کر اپنا مستقر بنایا۔ موصوف کے ہمراہ ہندو مسلم ہر قوم و برادری کی اچھی خاصی تعداد تھی اور پھر آپ کو دیکھ کر قرب و جوار کے لوگ بھی آکر وہاں آباد ہونے لگے اس لئے تھوڑے ہی دنوں میں اس مقام نے ایک گاؤں کی شکل اختیار کر لی اور بزرگ موصوف کی مناسبت سے "مبارک پور" کے نام سے موسوم ہوا۔ بزرگ موصوف نے یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی جو "مسجد راجہ مبارک شاہ" کے نام سے اب تک مشہور اور موجود ہے۔

روضہ قدم رسولؐ

بزرگ موصوف اور ان کے معتقدین کو عزائے امام سے خاص شغف تھا۔ چنانچہ فروغ عزاداری کے پیش نظر عزاداران امام مظلوم نے بہ مراعات شاہ اودھ ایک روضہ تعمیر کرا کے اس میں ایک پتھر (جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے اقدس کا نقش بتایا جاتا ہے) نصب کرایا جو قصبہ کے وسط اور بازار میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

روضہ پنجہ شاہ

کچھ عرصہ بعد جب آبادی نے ترقی کی تو عزاداری نے بھی فروغ پایا اسی زمانے میں ایک پنجابی بزرگ مسمی بہ چراغ علے شاہ تشریف لائے اور آپ نے عزاداری کے تقاضائے وسعت کے سبب ایک روضہ تعمیر کرایا اور اس میں ایک پتھر (جو موصوف اپنے ساتھ لائے تھے جس پر نقش پنجہ بنا ہوا ہے) نصب کرایا یہ روضہ قصبہ کے جانب مغرب تھوڑے فاصلے پر ۵-۶ بیگھہ پُر فضا زمین پر زیارت گاہ خلق اور روضہ پنجہ شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ روضہ سے متصل ایک وسیع مسجد ہے اور احاطہ میں قبور مومنین و مسلمین۔

امام باڑہ (مکان)

تقریباً دو سو برس قبل پنجاب سے دو بزرگوار سیف علی شاہ اور رمضان علی شاہ صاحبان تشریف لائے اور قصبہ کے شمال و مشرق میں قدرے فاصلہ پر ایک ایک امام باڑہ تعمیر کرایا جو مکان کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن افسوس کہ سیف علی شاہ کا امامباڑہ متولیان کی بے توجہی کا شکار ہو کر عرصہ ہوا کہ منہدم ہو گیا اب سوائے کھنڈرات کے کچھ باقی نہ رہا۔ مگر رمضان علی شاہ کا امام باڑہ اب بھی موجود ہے جس پر سنہ تعمیر ۱۲۰۹ھ کندہ ہے اور دیواروں پر آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ منقش ہیں نیز ایک گوشہ میں ایک پتھر (جس پر نقش پنجہ شیر خدا بنایا جاتا ہے) نصب ہے جس پر سنہ تعمیر ۱۲۱۶ھ کندہ ہے۔ اور حسب ذیل قطعات منقش ہیں:-

(۱)

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم نیست کہ مہماں تو نیست
چہ دیر است یا شفیع روز محشر
ہمیں پنجہ ہمیں است حوض کوثر

(۲)

مقصد کون و مکاں ۔۔۔۔ اینجاست
منبع جود و کرم علین عنایت اینجاست
مطلب ہر دو جہاں حاجت دل خواہ ازاو
پنجہ شیر خداشاہ ولایت اینجاست

اسی تاریخی عمارت راجہ سورج پور سے جنگ ہوئی تھی جس میں راجہ نے شکست کھائی اور بہت سے محبان وطن نے جام شہادت نوش کیا جس کی یادگار ایک قبر گنج شہیدان ہے۔ اسی امام باڑہ سے ملحق ضلع اعظم گڑھ کے شیعوں کا واحد مدرسہ باب العلم واقع ہے جو جامعہ کی منزل کے قریب ہے۔

روضہ کٹرہ

قصبہ کے مشرقی محلہ کٹرہ میں ایک قدیم روضہ موجود ہے۔ مگر اس کے بانی و سنہ تعمیر کا پتہ نہیں چلتا عمارت قدیم اور شاہی ہے۔

تسبیح خاک شفا

یہاں تبرکات میں ایک تسبیح خاک شفا ہے حسینیوں کے امام باڑوں میں ایک امام باڑہ محلہ پورہ رانی میں واقع ہے امام باڑہ مذکور میں ایک تسبیح ہے شب عاشور سے اس کا رنگ بدلنا شروع ہوتا ہے اور روز عاشورہ بالکل سرخ ہو جاتا ہے ہر دانے پر خون کے قطرے معلوم ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کبھی کئی بار اس کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔

فروغ عزاداری

قصبہ مبارک پور میں ابتدائے آبادی سے ہی عزاداری ہوتی چلی آتی ہے اور ہندو مسلم، شیعہ سنی برابر حصہ لیتے چلے آئے ہیں خصوصاً شاہان اودھ کا زمانہ عروج عزاداری کا زمانہ تھا اس زمانہ میں عزاداری نے کافی ترقی کی اور عزاداروں کو کافی مراعات حکومت سے ملتی رہیں ایک سربرآوردہ شخص حکومت سے امداد لے کر چوک و امام باڑہ تعمیر کرتا تھا جس میں کچھ لوگ مل کر عزاداری کرتے تھے شخص مذکور ان امام باڑوں کا متولی یا سردار کہلاتا تھا اسی طرح ایک ایک محلہ اور گاؤں میں متعدد چوک اور امام باڑے ہو گئے لیکن حکومت برطانیہ کی پالیسی نے جس طرح دیگر چیزوں کو

نقصان پہونچایا اسی طرح عزاداری کو بھی کافی نقصان پہونچایا، چنانچہ ہندو و سنی حضرات رفتہ رفتہ کنارہ کش ہوتے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے چوک و امامباڑے متولیوں کی بے توجہی کا شکار ہو کر منہدم ہو گئے نیز کچھ لوگوں نے چوک منہدم کرا کے امامباڑوں کو اپنی ملک بنا لیا پھر بھی ابھی بہت سے ایسے چوک اور امام باڑے موجود ہیں جن میں سنی حضرات اب بھی عزاداری کرتے ہیں۔ دیہاتوں کی بھی یہی حالت ہے زمانۂ قدیم سے بارہ۱۲ دیہات کے غیر شیعہ تعزیے ایام محرم میں گشت کے لئے قصبہ میں آتے تھے جن کو یہاں "بارہ۱۲ گھیاں" کے تعزیے کہا جاتا ہے مگر اب اس میں کافی کمی آچکی ہے پہلے ایک دیہات سے متعدد تعزیے آتے تھے مگر اب شاید کچھ دیہاتوں سے آتے ہی نہیں اسی طرح اب غیر مسلم بھی بہت کم حصہ لیتے ہیں شیعوں اور سنیوں کے امامباڑے قصبہ میں سیکڑوں کی تعداد میں ہیں شیعہ امامباڑوں میں ایام محرم میں بارہ۱۲ دنوں تک روزانہ شب و روز مجلسیں برپا ہوتی ہیں اور سنیوں کے امامباڑوں میں بھی ۳، ۴ دنوں تک مجلسیں ہوتی ہیں۔

جلوس عزا

۷ محرم کو سبھی امام باڑوں سے جلوس علم نکل کر روضہ پنجہ شاہ میں جاتے ہیں

۹ محرم کو دن میں تعزیے چوک پر رکھے جاتے ہیں اور شام تک نذر و نیاز کے سلسلے جاری رہتے ہیں جس میں کچھ غیر مسلم حضرات بھی حصہ لیتے ہیں شام کو تمام تعزیے اٹھ کر گشت کے لئے جاتے ہیں جو قصبہ کی شاہراہوں سے گذرتے ہوئے روضۂ قدم رسولؐ واقع گولا بازار ہوتے ہوئے محلہ شاہ محمد پور کے بڑے امامباڑہ تک گشت کر کے منتشر ہو جاتے ہیں۔ پوری رات گشت ہی میں ختم ہو جاتی ہے ۱۰ محرم بعد فراغت اعمال عاشورہ ہر امام باڑہ سے تعزیے نکل کر گشت کے لئے جاتے ہیں جو اپنے قدیم راستوں سے ہوتے ہوئے قریب شام روضہ پنجہ شاہ میں پہونچتے ہیں اور سہرے دفن ہونے کے بعد اپنے اپنے امام باڑوں میں واپس ہوتے ہیں اور بعد نماز مغرب متعدد امام باڑوں میں شام غریباں کی مجلسیں برپا ہوتی ہیں۔ نیز ۱۱ محرم کو بعد نماز مغرب امام باڑہ برتلے واقع محلہ پورہ باغ میں آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ ۲۰ صفر کو تمام امامباڑوں میں مجلسیں برپا ہوتی ہیں۔ ۲۱ صفر کی شام کو تمام امامباڑوں سے جلوس علم اور انجمن انصار حسینی کا شبیہ تابوت برآمد ہو کر گشت کیلئے روانہ ہوتا ہے جو قصبہ کی شاہراہوں سے ہوتا ہوا روضۂ قدم رسولؐ واقع گولا بازار پہونچتا ہے وہاں کچھ دیر ٹھہر کر پھر روانہ ہوتا ہے اور ۱۱-۱۲ بجے رات کو روضۂ پنجہ شاہ پہونچتا ہے اور وہاں سہرے دفن کئے جاتے ہیں۔ ان جلوسوں میں مقامی انجمنیں نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہیں۔

لڑکوں کا محرم

ماہ صفر شروع ہونے پر کمسن لڑکے تمام امامباڑوں میں عشرہ کرتے ہیں اور ۷، ۹، ۱۰ صفر کو مثل ایام محرم ہر امامباڑہ سے چھوٹے چھوٹے علم و تعزیے اٹھا کر امامباڑہ رمضان علی شاہ (مکان) میں لیجاتے ہیں جس میں کافی مجمع ہوتا ہے اور متعدد انجمنیں نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتی ہیں۔ جس کو یہاں لڑکوں کا محرم کہا جاتا ہے۔

جلوس ۲۸ صفر

امام باڑہ حجرہ محلہ شاہ پور سے بوقت سہ پہر بعد ختم مجلس عزا شبیہ تابوت برآمد ہو کر گشت کیلئے جاتا ہے اور صدر راستہ سے ہوتا ہوا امام باڑہ رمضان علی شاہ میں پہونچکر ختم ہوتا ہے اور سہرے دفن کئے جاتے ہیں۔

جلوس ۸ ربیع الاول

۸ ربیع الاول کو بعد نماز صبح امان اللہ صاحب پہلوان محلہ شاہ محمد پور کے دولتکدہ پر مجلس عزا برپا ہوتی ہے بعدہٗ شبیہ تابوت و علم برآمد ہو کر محلہ پورہ باغ و شاہ محمد پور کے تمام امامباڑوں میں جاتا ہے جہاں مختلف ذاکرین اختصار کے ساتھ مصائب سید الشہداؑ اور اسیران کربلا بیان کرتے ہیں اور راستوں میں مختلف مقامی انجمنیں نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہیں دوپہر کے وقت جلوس امام باڑہ رمضان علی شاہ میں پہونچ کر ختم ہوتا ہے۔

جلوس ۱۹ رمضان

امامباڑہ حجرہ محلہ شاہ محمد پور میں سہ پہر کو مجلس عزا برپا ہوتی ہے بعدہٗ شبیہ تابوت امیر المومنینؑ برآمد ہو کر اپنے سابقہ راستوں سے ہوتا ہوا امام باڑہ رمضان علی شاہ میں پہونچ کر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

موضع امیا دیوریہ متصل قصبہ اترولہ

ضلع گونڈہ کا عشرہ محرم

ڈاکٹر سید فیاض حسین ہاشمی (علیگ) مین پوری

عزاداری کی ابتداء

جد بزرگوار جن کا اسم گرامی سید پیر علی تھا میران پور تحصیل جانسٹھ ضلع مظفر نگر سے تقریباً ۲½ سو پہلے آکر اس موضع میں آباد ہوئے تھے۔ سادات بارہہ میں سے تھے اور جو بھی کاغذات ہم لوگوں تک پہونچے ہیں اُن میں ہمیں "نقیب المومنین" کا لفظ ان بزرگوں کے نام کے آگے ملتا ہے۔ اس کے بارے میں بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ خطاب نوابین کی طرف سے ملا تھا۔ عزاداری ہی کے سلسلہ میں کئی مواضعات نوابین کی طرف سے ملے تھے جن کے کاغذات اب تک موجود ہیں۔ ایک قدیمی امام باڑہ اُس زمانہ کی یادگار اب بھی قائم ہیں عزاداری سید الشہداء کی بنا سب سے پہلے انہی بزرگ نے کی۔ ان سے کئی اولادیں ہوئیں جنہوں نے اس نیک کام میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ پابندی کے ساتھ تعزیہ رکھتے تھے اور مجالس کرتے تھے اُس زمانہ میں کسی جلوس کی اطلاع ہم لوگوں کو نہیں ملتی ہے۔ صرف ۱۰ محرم کو جلوس کی شکل میں تعزیہ کربلا میں لیجا کر دفن کر دیا کرتے تھے۔

اہم تغیرات

ان چالیس برسوں میں جو تغیرات اور تبدیلیاں عزاداری سید الشہداؑ میں واقع ہوئیں بس مولا ہی کی برکتوں کا نتیجہ ہے۔ اس موضع کی عزاداری کو فروغ دینے میں جو کار نمایاں جناب سید مہر علی صاحب کربلائی، جناب ڈاکٹر سید کرامت علی صاحب کربلائی، جناب ڈاکٹر سید محمد اسرائیل حسین صاحب نے انجام دیئے ہیں قابل ستائش ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ یہ موضع روز افزوں ترقی پر گامزن ہے اور اسی عزاداری کے صدقہ میں ایک سے ایک بڑھ کر حسینیت کے پرچم کا ضامن ہے۔ یہ بھی امر فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اس موضع کے لئے قبلہ و کعبہ مولانا سید علی صاحب مقیم اترولہ کی ذات گرامی شمع ہدایت ہے۔ قابل افتخار رہے کہ ایک عالم کی سرپرستی اس موضع کو حاصل ہے۔

مخصوص تاریخیں اور اہم اجتماعات

۵ محرم الحرام شب میں جلوس تابوت حضرت قاسمؑ جناب طاہر حسین صاحب کے امام باڑے

سے اٹھتا ہے۔ نوحہ خوانی نیز ماتمی دستوں کا خاصا انتظام رہتا ہے۔

۶ر محرم الحرام - ضریح مبارک کا جلوس

مومنین بعد مغربین قصبہ اترولہ جا کر وہاں سے ضریح مبارک جلوس کی شکل میں لاتے ہیں۔ یہ جلوس پورے قصبہ اترولہ کی سڑکوں سے گزرتا ہوا موضع میں پہونچتا ہے۔ ضریح مبارک ڈاکٹر سیّد کرامت علی صاحب کے امام باڑے میں رکھ دی جاتی ہے۔ ضریح مبارک کی زیارت کے لئے بے پناہ ہجوم سڑکوں پر منتظر رہتا ہے۔

۲۔ جلوس مہندی

۱½ بجے شب میں جناب سید مہر علے صاحب کربلائی کے امام باڑے سے اٹھتا ہے یہ جلوس موضع کا قدیم ترین جلوس ہے اس کی زیارت کے لئے دور دراز سے عوام آتے ہیں جن میں اہل ہنود حضرات و اہل سنت حضرات بھی کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ انجمن حسینی اماپا کی طرف سے نوحہ خوانی، ماتمی دستوں نیز زنجیری ماتم کا نہایت ہی عمدہ انتظام ہوتا ہے۔ یہ موضع کا انتہائی اہم اور مشہور ترین جلوس ہے۔ اس شب کی نوحہ خوانی خصوصاً جناب علی حسن صاحب ہاشمی وکیل کی پُر درد آواز اور مخصوص نوحہ پڑھنے کا لہجہ دلوں کو برما دیتا ہے۔ جیسے ہی موصوف نوحہ شروع کرتے ہیں سوگواروں میں کہرام مچ جاتا ہے۔

۷ر محرم الحرام! "آگ پر ماتم"

اس کی ابتدا ۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر سید شرافت علی صاحب کی کاوشوں سے ہوئی۔ یہ ماتم شب میں ڈاکٹر سید کرامت علی صاحب کربلائی کے امام باڑے کے صحن میں ہوا کرتا ہے۔ دور و دراز سے جوق در جوق عوام اس مخصوص ماتم کو دیکھنے آتے ہیں۔ یہ بھی موضع کا اہم ترین اجتماع ہے جس سے عزاداری سید الشہداؑ کی نشر و اشاعت ہوتی ہے اور جو حقیقی معنوں میں دلوں کو متاثر کرتی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ جیتا جاگتا حسینی معجزہ ہے۔

۸ر محرم الحرام - جلوس علم حضرت عباسؑ

یہ جلوس ۴ بجے دن میں جناب سید قاسم علی صاحب کے یہاں سے اٹھتا ہے جو کہ ماتمی دستوں کے ساتھ پورے موضع میں گشت کرتا ہوا جناب سید احمد رضا صاحب کے یہاں پہونچتا ہے جہاں پر ایک قدیم تاریخی مجلس منعقد ہوا کرتی ہے اس مجلس میں مخلوط مجمع ہوا کرتا ہے۔ قبلہ و کعبہ مولانا سید علی صاحب رونق افروز منبر ہوا کرتے ہیں۔

۹ر محرم الحرام - مجلس شبیہ

۱۰ بجے دن میں ڈاکٹر سید کرامت علی صاحب کے امام باڑے میں منعقد ہوتی ہے جسمیں قرب و جوار کے مومنین کا کثیر اجتماع رہتا ہے۔ اس مجلس میں مخصوص طور پر مصائب سید الشہداؑ بیان کئے جاتے ہیں اور امام عالی مقام کے اسپ وفادار کی شبیہ نکالی جاتی ہے۔ یہ موضع کی کامیاب ترین مجلس ہے جس کا انتظار سال بھر سے مومنین کیا کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مظلوم آقا کو خراج عقیدت پیش کر سکیں اور دل کھول کر آنسو بہا سکیں۔

فاطمی علم کا جلوس

اسی نہم محرم کی شب میں ۱۲ بجے جناب سید مہر علے صاحب کربلائی کے امام باڑے سے اٹھتا ہے۔ اس جلوس میں روشنی کا قطعاً انتظام نہیں ہوا کرتا۔ یہ جلوس رات کی تاریکی میں پورے موضع میں گشت کرتا ہے۔ نہم محرم الحرام کی شب بیداری کی تکمیل اسی جلوس سے ہوتی ہے۔ یہ جلوس تقریباً ۴ بجے ڈاکٹر سید محمد اسرائیل صاحب کے یہاں پہونچتا ہے جہاں پر ایک قدیمی مجلس ہوتی ہے۔ اس جلوس کا مخصوص نوحہ "صدا میں آتی تھیں ہر گھر سے حسین حسین" جو کہ جناب مقبول حسین صاحب اپنے مخصوص انداز میں پڑھا کرتے ہیں کافی پرسوز ہوتا ہے۔ ہر شخص کا دل بھی تڑپ جاتا ہے۔ جلوس کے سنّاٹے اور تاریکی میں ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔

دہم محرم الحرام - ۵ بجے دن میں تعزیہ، علم، تابوت، دُلدل ایک شاندار جلوس کی شکل میں کربلا پہونچتا ہے۔ انجمن حسینی اماپا کی طرف سے زنجیری ماتم نیز ماتمی دستوں کا بہت ہی اچھا انتظام رہتا ہے۔ ضریح مبارک دفن کر دی جاتی ہے اور مومنین

[illegible]

قصبہ اورنگ آباد دسریّا کا محرّم

(الحاج جناب سیّد محمّد رضا صاحب)

یہ قصبہ جس کا نام اورنگ آباد عرف سریّا ہے ضلع شاہ آبادؔ (آرہ)، بہار میں ریلوے اسٹیشن ڈیہری آن سون ( ) سے ۱۱ میل دکھن اور تاریخی قلعہ رہتاس سے ۱۴ میل جانب شمال دریائے سون اور کیمور کی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں متعدد مسجدیں ہیں اور جامع مسجد جو اورنگ زیب کے زمانہ میں بنی تھی اسلام کی عظمت شیعیت کی منظر ہے۔

پہلے اس قصبہ اور گرد و نواح کی جائدادیں زیادہ تر شیعیان اورنگ آبادی کی ملکیت تھیں، بہت سے شیعہ تجارت پیشہ بھی تھے۔ اب زیادہ تر نوکری پر گذر بسر ہے۔ مگر اب وہ بات نہیں رہی ہے بہت سے لوگ پاکستان چلے گئے ہیں۔

اس بستی میں دو کربلائیں ہیں ایک پرانی کربلا اور اسی کے رواق کے نزدیک چھوٹے حضرتؑ کا روضہ ہے اور باہر ایک بڑی مسجد ہے دوسری کربلا نئی کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دونوں کربلائیں آبادی سے جنوب میں دریائے سون کے کنارے جنگل کے نزدیک چھوٹے قریہ کے پاس واقع ہیں۔ اس کے علاوہ تین عزاخانے سلطان باڑہ، امام باڑہ اور عزاخانہ تکیہ ہیں۔ روضہ کے نگران و ناظم متعلقہ محلہ کے حضرات ہیں۔ اس کے علاوہ زنانہ ماتم خانہ ہے جس میں روضہ خاطین بھی ہے ایک خاص نوعیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک شخصی عزاخانہ میر خوب علی صاحب طاب ثراہ کا اور دو وقفی عزاخانہ میر سلطان حسین کا اور مسماۃ باسو بی بی مرحومہ کے ہیں اسکے علاوہ متعدد امام چوک ہیں۔

بیس۲۰ برس قبل قرب وجوار کے تعزیوں کے علاوہ صرف اس بستی میں قریباً پچاس ساٹھ تعزیئے بنتے تھے۔ جس میں شیعوں، سنیوں اور ہندوؤں کے تعزیئے بھی ہوتے تھے اس وقت بھی قریب قریب تیس چالیس تعزیئے رکھے جاتے ہیں۔ اب ہندوؤں نے ہندو مسلمان فسادات ہونے کے بعد تعزیہ داری چھوڑ دی تھی۔ گرچہ اس اطراف میں کوئی فساد نہ ہوا تھا۔ وہابی طبقہ نے بھی تعزیہ داری بند کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن کامیاب نہ ہو سکے ۱۹۳۲ء سنی شیعوں کے درمیان عزاداری پر فساد بھی ہوا اور مقدمہ بھی چلا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اتحاد بین المسلمین کا خون ہوا اور تعزیوں کے دو جلوس ہو گئے۔ تعزیئے رانگا، ابرق، مینا کاری اور کاغذ کے بنتے ہیں۔ ہر شخص تعزیہ خود بناتا ہے۔ تعزیہ ہشت پہل حضرت کے روضہ کی شبیہ ہوتا ہے اس کے اندر دو تربتیں ہوتی ہیں ایک سرخ دوسری سبز اور دستار و پھول و سہرا اس پر رکھا جاتا ہے۔ سامنے در کے چاندی اچھول وغیرہ جات کے سہرے ہوتے ہیں۔ ہر تعزیہ کے ساتھ دو دو علم بھی ہوتے ہیں۔ قریب قریب ہر تعزیہ کا امام چوک بھی ہے۔ عزاخانہ تکیہ اور وقفی امام باڑہ سلطان صاحب اور باسو بی بی اور خوب علی صاحب مرحوم کے عزاخانو میں پہلی محرم کو تعزیہ رکھا جاتا ہے اور یہ سب تعزیئے سرائے خوب علی صاحب مرحوم کے تعزیہ کے اربعین میں دفن ہوتے ہیں۔

تعزیہ داری چاند رات سے شروع ہوتی ہے اسی شب کو ایک جلوس کے ساتھ جس میں چودھری صاحب کے یہاں کے دو نشان ہوتے ہیں کربلا جاتا ہے اور وہاں سے مٹی لائی جاتی ہے اور ان کے چوک پر جو جامع مسجد کے متصل ہے نذر ہوتی ہے یہ ان کے تعزیہ کی بنیاد ہے۔ دوسری سے چوتھی محرم تک اسی عنوان سے روز جلوس کربلا جاتا ہے اور مٹی لاتا ہے اور پھر امام چوک پر نذر دی جاتی ہے۔ یہ نذریں مغرب کے بعد چوک پر نشان رکھ کر ہوتی ہیں اس طرح اس بات کو یاد دلایا جاتا ہے کہ محرم ۶۱ھ میں حضرت امام حسین کا ورود کیسے ہوا اور دشمن کی فوجیں کس طرح آتی رہیں۔

آٹھویں محرم کی شب کو چھوٹی چوکی یعنی چودھری صاحب کے چوک پر تربت رکھی جاتی ہے اس کو چھوٹی چوکی کہتے ہیں یعنی اسی ساتویں کو نہر فرات پر یزیدی فوج نے چوکی پہرہ بٹھا دیا تھا۔ شب نہم کو بڑی چوکی ہوتی ہے جس میں ہر تعزیہ دار اپنے اپنے چوک پر تربت رکھ کر نذر کرتا ہے۔ اسی تاریخ میں نہر فرات پر یزیدی فوج نے اپنا پہرہ اور بھی سخت کر دیا تھا۔ ہماری یہ رسمیں اسی کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں محرم کو سُنیوں کے جلوسوں میں اکھاڑہ ہوتا ہے اور فنون سپہ گری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے مگر ان میں بھی حسین حسینؑ کا نعرہ برابر بلند ہوتا رہتا ہے شب عاشورہ کل تعزیے اپنے اپنے چوک پر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ سابق میں پیک جس میں زیادہ تر ہندو ہوتے تھے ہر تعزیہ کو اپنی زبان میں نوحہ پڑھ کر چھل سے مس کرتے تھے۔ اب یہ چیز نہیں رہی ہے۔ قبل صبح صادق کل تعزیئے جامع مسجد کے نزدیک چودھری صاحب کے تعزیہ کے پاس جمع ہوتے ہیں اسی کو تعزیہ کا ملنا بولتے ہیں۔ تعزیوں کا ملنا اس بات کی یاد تازہ کرتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا اپنے اعزا اور رفقا کو جمع کر کے ان کو کربلا سے چلے جانے کی کس طرح خواہش کی تھی اور پھر ان حضرات نے اپنے امام کو چھوڑ کر چلے جانے سے کس طرح پُر زور الفاظ میں انکار کیا تھا۔

آخر میں ایک خاص منظر پیش کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اُن میں سے دو تعزیئے باجوں اور حربوں کے جھنکار میں بستی کے طرف ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں اور ادھر سے دو تعزیئے جا کر ان سے بالکل ملحق ہو کر اپنے ساتھ لاتے ہیں اور پھر جامع مسجد سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہے کہ اس کا مظاہرہ ہے کہ کس طرح حضرت حُرؑ اپنے صاحبزادہ کے ساتھ فوج یزیدی سے برآمد ہو کر حضرت امام حسین کی طرف آئے اور ادھر سے حضرت عباسؑ علمبردار اور حضرت علی اکبرؑ ان کے استقبال کو روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ امام کی خدمت میں لائے۔ یہ وہ سماں ہوتا ہے کہ علم رکھنے والے گریہ کو روک نہیں سکتے۔ اس کے بعد ہر تعزیہ اپنے اپنے چوک پر واپس جاتا ہے۔ سہ پہر کو پھر کل تعزیئے اسی مسجد کے نزدیک چودھری صاحب کے تعزیہ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور جلوس کی شکل میں یہاں سے روانہ ہوتے ہیں۔ آگے آگے مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ قبل مغرب نئی کربلا پر یہ جلوس پہنچتا ہے وہاں کل تبرکات اور وہ مٹی جو کربلا سے بنیادی طور سے لائی گئی تھی بعد نذر کربلا کے اندر تربت میں دفن کر دی جاتی ہے۔

عزاداری کا سلسلہ چاند رات سے شروع ہوتا ہے محرم کا چاند نظر آنے کے ایک ہفتہ قبل ہی سے ہر عزاخانہ اور کربلا کی صفائی شروع ہو جاتی ہے اور سارے ضروری انتظامات کر لئے جاتے ہیں۔ رات میں تین مجلسیں بالترتیب عزاخانہ سلطان باڑہ، امام باڑہ اور عزاخانہ تکیہ میں ہوتی ہیں بستی میں شیعوں کے تین محلے ہیں۔ ہر محلہ کا ایک عزاخانہ ہے جس کی دیکھ بھال مشترکہ طور سے اہل محلہ کرتے ہیں۔ کل انتظامات مشترکہ ہوتے ہیں۔ صرف تبرک ہر مجلس کرنے والا کا الگ الگ ہوتا ہے۔

زنانہ مجلسیں زنانہ ماتم خانہ میں ہوتی ہیں۔ یہ مجلسیں قریباً

۱۲ بجے شب میں ختم ہوتی ہیں۔ دن میں آٹھ بجے صبح سے قبل دوپہر تین مجلسیں عزاخانہ تکیہ میں پھر عزاخانہ خوب علی صاحب میں، اس کے بعد وقفی عزاخانہ بناموبی بی میں ہوتی ہیں۔ سہ پہر کو ایک مجلس وقفی عزاخانہ الطاف حسین میں اور دوسری پرانی کربلا میں ہوتی ہیں۔ ذاکرین لکھنؤ وغیرہ سے بھی آتے ہیں اور یہاں کے مومنین بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہاں دو ماتمی انجمنیں ہیں اور دونوں اتحاد کے ساتھ مجلسوں میں نوحہ خوانی اور ماتم کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اورنگ آباد کی ماتمی انجمنوں میں اتحاد ہے ورنہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ ہر ماتمی انجمنوں میں رقابت ——— ہی پائی جاتی ہے۔ کاش دوسری شیعہ بستیاں اورنگ آباد کی مثال سے سبق لیں۔ یہاں شب کی مجلسوں میں متعدد حصے تقسیم ہوتے ہیں ہر تاریخ میں ایک کسی خاص آدمی کی طرف سے یا اس کے خاندان کی طرف سے مجلس ہوتی ہے تاہم دیگر متعدد حصے بھی تقسیم ہوتے ہیں۔ منشا یہ ہے کہ ان حصوں کے تقسیم کرانے والے بھی شریک مجلس ہوں۔

یہاں کا ساتویں محرم کا علم و ذوالجناح اور مہندی کا جلوس بہت مشہور ہے اور قریب ڈیڑھ سو میل کے اندر اپنی خصوصیات کے ساتھ یکتا اور واحد ہے۔ کوئی دو سو برس سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ متفرق جگہ کے لوگ اس میں شرکت اور اس کے دل ہلانے والے منظر کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اس میں ہر قوم کے لوگ ہوتے ہیں اور قریب تین چار ہزار کا مجمع ہوتا ہے۔ یہ جلوس شیعوں کی عقیدت کا منظر و آئینہ دار ہے۔ قریب تین بجے دن میں بیشتر مومنین غسل کر کے برہنہ پا و برہنہ سر کربلا جاتے ہیں اور وہاں حضرت عباسؑ علمبردار کا علم و مشکیزہ وغیرہ نذر کرتے ہیں اور وہیں سے جھنڈی کی شکل میں آتے ہیں اور جلوس کا انتظام کرتے ہیں۔ جلوس کا گشت قریب پانچ بجے سہ پہر میں شروع ہوتا ہے اور قریب ۱۱ بجے شب میں ختم ہوتا ہے علم اور ذوالجناح کو عزاخانہ تکیہ میں محلہ ہی کے حضرات سجاتے ہیں اور راہ میں نوحہ و ماتم کرتے مومنین سر و پا برہنہ سبز و سیاہ لباس میں ملبوس جلوس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جلوس عزاخانہ الطاف میاں و بناموبی بی سے ہوتے ہوئے عزاخانہ امام باڑہ میں پہونچتا ہے۔ اس درمیان میں سخت ماتم و نوحہ ہوتا ہے۔ یہاں سے روشنی کا بھی کافی انتظام ہوتا ہے۔ امام باڑہ سے ایک اور علم و ذوالجناح کا اضافہ ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں آپس کے اختلاف کے باعث اس محلہ کے حضرات نے یہ اضافہ کیا۔ یہاں سے جلوس بہت بڑا ہو جاتا ہے اور نوحہ و ماتم کرتا ہوا زنانہ ماتم خانہ میں جاتا ہے۔ وہاں مرد نہیں جاتے وہاں مہندی کا تبرک ساتھ کیا جاتا ہے۔ راستے میں زنجیری ماتم بھی ہوتا ہے۔ یہاں سے سلطان باڑہ ہوتے ہوئے نئی کربلا اس کے بعد پرانی کربلا جلوس پہونچتا ہے ماتمی انجمنیں بڑے خلوص سے نوحہ پڑھتی اور ماتم کرتی ہیں۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں یہاں سنی شیعہ بلوہ ہو گیا تھا اور مقدمہ بھی چلا تھا جس کا فیصلہ شیعوں کے حق میں ہوا تھا لیکن اتحاد بین المسلمین کی خاطر حق تبرا سے رضاکارانہ طور پر دستبردار ہو گئے۔

جلوس جب پرانی کربلا پہونچتا ہے تو اطراف کے بالخصوص کربا موضع کے برادران ملت الیدہ وغیرہ ذوالجناح کے پاس نذر کرتے ہیں۔ کربلا کے صحن میں اور اندر خوب ماتم و نوحہ ہوتا ہے پانچ سال سے آگ پر بھی ماتم ہوتا ہے جلوس میں خالص شیعوں کا مجمع رہ جاتا ہے علم، دلدل تکیہ اور باڑہ میں واپس آتا ہے جہاں بعد نذر کے ٹھنڈا کیا جاتا ہے جلوس کے ساتھ انجمن کی طرف سے سبیل بھی ہوتی ہے۔

آٹھویں محرم کو صرف علم مبارک کا جلوس عزاخانہ باڑہ سے قریب ۶ بجے شام کو روانہ ہوتا ہے اور ۱۰ بجے شب میں پرانی کربلا پہونچ کر ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ مجمع نہیں ہوتا۔ مگر کل مومنین ننگے پاؤں اور ننگے سر

ہوتے ہیں اور ماتم کرتے اور نوحہ پڑھتے ہوئے جاتے ہیں آٹھویں کو یہیں عام حاضری ہوتی ہے۔ صبح عاشور عزاخانہ تکیہ سے تبرکات کے ساتھ ایک جلوس چلتا ہے یہ جلوس عزاخانہ باڑہ اور سلطان باڑہ اور زنانہ ماتم خانہ کے تبرکات اپنے ساتھ لیتا ہوا نئی کربلا پر قریب ۸ بجے پہونچتا ہے اور وہاں ختم ہوجاتا ہے اور تبرکات دفن ہوتے ہیں اس کے بعد مومنین مختلف جگہوں پر اعمال روز عاشورہ میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

چار بجے دن میں فاقہ شکنی ہوتی ہے اور اس کے بعد تعزیہ کا جلوس ہوتا ہے جس کی تفصیل اوپر ہوچکی ہے شام کو مجلس شام غریباں عزاخانہ تکیہ میں ہوتی ہے جسمیں تاریکی میں سخت سینہ زنی اور نوحہ خوانی ہوتی ہے اس کے بعد ریڈیو پر لکھنؤ اور کراچی کی مجالس شام غریباں سنتے ہیں۔

شب میں قریب بارہ بجے تک سُنّیوں کے متعدد اکھاڑوں کا شور وغوغا اور ہتھیاروں کی جھنکار کربلا کا ہولناک منظر پیش کرتا ہے اور حسینؑ حسینؑ کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔

اس نمونہ اور ڈھانچہ کی کربلا اس صوبہ میں نہیں ہے اس کا گنبد کربلا معلے کے مناسبت سے بنایا گیا ہے اور رواق کا نقشہ بھی وہی ہے جو کربلائے معلیٰ میں رواق کا ہے۔ پرانا کربلا کے اندر پختہ صحن ہے

مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کربلاؤں کی بلا قید مذہب و ملت عوام زیارت کرتے ہیں۔ نذر دیتے ہیں اور روشنی کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ اس دربار سے اُن کی مرادیں بھی پوری ہوتی ہیں۔ چاندرات ہی سے مرد و عورتوں کی قطاریں لگی رہتی ہیں مگر ساتویں اور دسویں کی رات کو چراغاں ہوتا ہے اور لوگوں کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ چلنے میں کندھے سے کندھا چھلتا ہے اور تین چار بجے شب کے پہلے اطمینان سے مجلس وماتم نہیں ہوسکتی۔ نئی کربلا پر تو ہر شب جمعہ ہندو عورتوں کا مجمع رہتا ہے وہ روضہ کا طواف کرتی ہیں، نذر دیتی ہیں اور منتیں مانتی ہیں۔ بارہ محرم کو ہر عزاخانہ میں قرآن خوانی اور مجلس ہوتی ہے اس کے بعد پھول اور پان استعمال ہوتا ہے۔ اسی تاریخ کو قریب چار بجے دن میں ایک مجلس عظیم میاں کی پھلواری میں قبرستان میں ہوتی ہے۔ عزاخانہ تکیہ سے مہندی، ذوالجناح اور علم وغیرہ کے جلوس کی ابتدا اسی محلہ کے حضرات کرتے ہیں۔ یہاں ضریح پہلی تاریخ کو رکھی جاتی ہے اور ۲۰ صفر کو جلوس کے ساتھ کربلا پر لیجا کر دفن ہوتا ہے۔ یہاں اربعین میں تابوت بھی رکھا جاتا ہے اور ۸ ربیع الاول کو بھی تابوت حضرت سکینہ رکھا جاتا ہے۔

چہلم میں بھی متعدد تعزیئے رکھے جاتے ہیں اور ۲۰ صفر کی رات کو چوک پر نکال کر رکھدیئے جاتے ہیں قریب ۴ بجے دن میں جلوس کی شکل میں مرثیہ خوانی کے ساتھ کربلا پر جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کا تعزیہ پُرانے کربلا میں اور بقیہ تعزیہ نئی کربلا میں دفن ہوتے ہیں۔

اس وقت قریب چالیس برس سے ۱۰ صفر کو حکیم طاہر صاحب کے وقف کی طرف سے عشرہ شروع ہوتا ہے اور تا ۱۹ صفر رہتا ہے۔ باڑہ میں مجلسیں ان تاریخوں میں قریب پچیس برس سے ہو رہی ہیں۔ حاجی غلام حیدر صاحب طاب ثراہ نے ۱۹۲۵ء سے تابوت معدنشان وغیرہ پندرہ صفر کو اپنے سکونتی مکان پر رکھا تھا اور برابر بڑے پیمانہ پر مجلسیں ہوتی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد چند سال بعد یعنی ۱۹۴۳ء میں یہ تابوت و مجلسیں عزاخانہ تکیہ ان کے ورثہ کرتے ہیں۔ اور ۱۹ صفر کو تابوت باہر لایا جاتا ہے جس میں نوحہ و ماتم ہوتا ہے۔ اسی عزاخانہ تکیہ میں ۱۶ صفر کی رات سے محلہ کی انجمن کی طرف سے مجلسیں ہوتی ہیں۔ ۲۰ صفر کی رات کو بھی محلہ والوں کی طرف سے مجلس ہوتی ہے جس میں حصہ وغیرہ رکھا جاتا ہے اور اس کو توشہ کا حلوہ کہتے ہیں اور صبح کو جب تبرکات کے ساتھ

نئی کربلا جاتا ہے تو وہاں یہ تقسیم ہوتا ہے ۔ یہ توشہ دوست محمد صاحب مرحوم اور حاجی غلام حیدر صاحب مرحوم کی طرف سے آتا ہے ۔

بیسویں کی صبح کو تبرکات و تعزیہ الطاف میاں کے عزاخانہ کا اور تکیہ کے عزاخانہ کا جو شب ہی میں تیار ہو چکا ہوتا ہے ، نکال کر باہر رکھا جاتا ہے اور نذر و نیاز ہوتا ہے اور تبرکات تابوت کے ساتھ ایک جلوس کی صورت میں نوحہ خوانی و ماتم کے ساتھ تکیہ سے روانہ ہوتا ہے ۔ عزاخانہ بتاشوبی بی کے بھی تبرکات و علم راستہ میں ساتھ لے لئے جاتے ہیں یہ جلوس نئی کربلا تک جاتا ہے اور وہاں تبرکات دفن ہوتے ہیں ۔ بڑے امام باڑہ پر بھی زائروں کی بھیڑ ہوتی ہے ۔ اس کے بعد واپسی میں سلطان باڑہ میں مجلس ہوتی ہے ۔ اور الطاف میاں کے عزاخانہ میں تبرک کھلایا جاتا ہے کئی مجلسوں کے بعد ۴ بجے دن میں تعزیوں کا جلوس ہوتا ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے ۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں شاہ مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم گدی نشین تکیہ خالو شاہ نے جھولا حضرت علی اصغرؑ و تابوت امام حسنؑ کی ابتداء کی ۔ شاہ صاحب سنہ ۱۹۳۳ء میں زیارات عتبات سے مشرف ہوئے تھے اور خاص اوصاف کے انسان تھے وہ پرانی کربلا کے متولی بھی تھے انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے حضرت عباس علمدار کا پرانی کربلا کے احاطہ میں تعمیر کرایا تھا ۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں ان کا انتقال ہوا اس کے بعد شیعہ سنی میں سخت فساد ہو گیا اور مقدمہ بازی کی نوبت آئی جس میں شیعوں کو کامیابی ہوئی ۔ مولوی عبد الغنی صاحب اس تکیہ اور پرانی کربلا کے متولی ہوئے اور یہ اور ان کے لڑکے تمام رسوم عزاداری اور نگرانی و مرمت کربلا بڑی محنت اور شوق سے کرتے ہیں ۔

یہ جلوس جھولا و تابوت ۲۸ صفر کو بعد مجلس تکیہ خالو شاہ سے روانہ ہوتا ہے ۔ دور دور کے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں ۔ قریب ایک بجے دن میں یہ جلوس پرانے امام باڑہ پر ختم ہوتا ہے ۔

قریب ۴ بجے دن میں ۸ ربیع الاول کو عزاخانہ تکیہ میں تابوت رکھا جاتا ہے اور بعد مجلس نوحہ و ماتم کے ختم ہوتا ہے ۔

مراسم عزا میں اصلاح

تعزیہ داری کا وجود ہندوستان میں بہت پہلے سے تھا ۔ دکن کے عاشور خانے ، سندھ کے امام باڑے ، یوپی کے امام باڑے قدیم زمانہ سے چلے آ رہے ہیں ۔ ان میں علم ، پنجے اور تعزیے رکھے جاتے تھے ، کبھی نظمیں تنہا یا چند آدمی مل کر راگ سے پڑھتے تھے ۔ موجودہ زمانہ کی سوز خوانی اور نوحہ خوانی اسی زمانہ کی یادگار ہے ۔ اس سے بجز حصول ثواب کے اور کوئی افادیت نہ تھی وہ بھی جبکہ حدود شرع میں ہو ۔ جلوس بھی نکلتے تھے جنمیں شہنائی ، روشن چوکی ، طبل ، تاشہ ، جھانجھ بجتے اور ماہی مراتب (مچھلی اور چوپائی کی شکل کے چاندی اور پیتل کے بانسوں پر لگے ہوئے) کے ساتھ براق اور گنبد تعزیوں کی جگہ ہوتے تھے ۔ کچھ کچھ دور پر ٹھہر ٹھہر کے بانکے دربئے کا فن دکھاتے اور یا حسینؑ کی آواز بلند کرتے جاتے تھے ۔ ان رواسم کی بجا آوری میں سب مسلمان یکساں طور پر شریک ہوتے تھے البتہ عاشور خانوں اور امام باڑے شیعہ ہی تعمیر کرتے تھے مگر ان میں مرثیہ گوئی و مرثیہ پڑھنے کی کوئی تخصیص نہ تھی

حضرت غفرانمآب (اعلی اللہ مقامہ) نے روشن چوکی اور شہنائی کو آلات غنا ہونیکی وجہ سے حرام اور طبل و تاشے کو جنگی باجہ ہونے کے سبب جائز قرار دیا ۔ جھنڈے کو اور ماہی مراتب کے بدلے علم ، گنبد کی جگہ تعزیے اور براق کے بدلے ذوالجناح کو ، بانک دربئے کا فن دکھانے کے عوض نوحہ خوانی اور سینہ کوبی کو رواج دیا حاضری امام کی اور نذر و نیاز ایسے مراسم قائم کئے ۔ محرم کے دس دنوں ہر دن ایک شہید کے ذکر سے مخصوص کیا ۔ مجلسوں میں عراق کی روضہ خوانی کے طرز پر ذاکری شروع کی جس میں اہلبیت کے فضائل میں حدیثیں بھی مصائب کے ساتھ بیان کی جانے لگیں اس طرح مجلس کی افادیت بڑھ گئی اور ان میں تبلیغی پہلو پیدا ہو گیا اور ان رواسم کو اتنا عام کر دیا کہ گھر گھر مجالس اور گلی گلی تعزیے اٹھنے لگے ۔ اسطرح انھوں نے شیعوں کی تعزیہ داری کو ایک نئی شکل دیکر عام مسلمانوں سے الگ کر دیا ۔ پہلے کم پڑھے لکھے روضہ خوان مجلسیں پڑھا کرتے تھے

مین پوری میں عزاداری

(از، سید اسلام حسین صاحب زیدی، محلہ گلاب باغ، مین پوری)

شیخ فیض الحسن صاحب مرحوم متوطن قبضہ ڈبائی ضلع بلند شہر بسلسلۂ وکالت تقریباً سنہ ۱۸۷۰ء میں مین پوری تشریف لائے۔ یہاں وکالت میں خوب کامیابی حاصل ہوئی اور چوٹی کے وکلاء میں ان کا شمار ہونے لگا۔ ان کے چار صاحبزادے ضیاء الحسن، فیاض الحسن، رضاء الحسن اور بدر الحسن تھے۔ اول الذکر تین صاحبزادے اپنے والد کی طرح مذہب حقہ اختیار کئے رہے۔ لیکن بدر الحسن نے اپنی ماں کا مذہب حنفی اختیار کیا۔ شیخ فیض الحسن کی بیوی مسماۃ عصمت النساء عرف تواجی پہلے اپنے آبائی مذہب حنفیہ پر قائم تھیں لیکن شوہر کی روش سے متاثر ہو کر مذہب اثنا عشری اختیار کر لیا تھا۔

شیخ ضیاء الحسن نے محلہ چھپٹی میں احاطے کے اندر سنہ ۱۸۹۵ء میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور احاطہ کے پھاٹک کے اوپر کے حصہ میں امام باڑہ قائم کر کے علم وغیرہ نصب کئے۔ عشرہ محرم میں روزانہ مجالس منعقد ہوتی تھیں جن میں سوز خواں، مرثیہ خواں اور حدیث خواں حضرات کو لکھنؤ سے مدعو کیا جاتا تھا۔ شیخ فیض الحسن کا دائرہ احباب کافی وسیع تھا۔ چنانچہ بلالحاظ مذہب و ملت شیعہ، سنی اور اہل ہنود حضرات نمایاں تعداد میں شریک مجالس ہوتے تھے۔ شیخ فیض الحسن کے انتقال کے بعد علم کے پٹکے وغیرہ کسی بدعنوانی سے جل کر خاکستر ہو گئے۔ اس کے بعد موجودہ امام باڑہ از سر نو احاطہ کے اندر شیخ فیاض الحسن نے تعمیر کرایا اور اس میں کافی اہتمام کے ساتھ عزاداری ہونے لگی۔

شیخ فیاض الحسن نے ۱۰ر نومبر سنہ ۱۹۲۵ء کو ایک وقف نامہ تحریر کیا جس میں مسجد و امام باڑہ کی مرمت اور دیگر مصارف کے لئے دو مکانات وقف کئے۔ بعدہٗ ۲۷ر اگست سنہ ۱۹۲۷ء کو دوسرا وقف نامہ تحریر کیا جس میں مزید دو مکانات وقف کئے گئے۔ وقف نامہ کی تحریر کے مطابق یہ شرط قرار پائی کہ تولیت مذہب امامیہ میں رہے گی۔ واقف کے فرزند شیخ ریاض الحسن وغیرہ نے مذہب حنفی اختیار کر لیا تھا کیونکہ ان کی ماں حنفی مذہب تھیں اور موضع مبارک پور معافی ضلع ایٹہ کی تھیں۔ اس وقت یہاں ایک "انجمن انتظامیہ امامیہ" تھی جس کے خدمات کو دیکھ کر واقف نے جملہ انتظام امام باڑہ و مسجد انجمن کے سپرد کر دیا۔ انجمن نے باقاعدہ وقف کا نظم و نسق سنہ ۱۹۳۴ء تک کیا۔ غیر مقامات کے حضرات یکے بعد دیگرے ملازمت سے سبکدوش ہونے پر یہاں کی سکونت ترک کر کے اپنے اپنے وطن کو چلے گئے۔ اور انجمن شکست ہو گئی۔ سنہ ۱۹۳۴ء سے سنہ ۱۹۵۰ء تک یہ خدمت شیخ ریاض الحسن کے سپرد رہی۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں اس وقف کے متولی جناب سید آل موسیٰ صاحب نقوی ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ

ہر مقرر ہوئے۔ جو بفضلہ تعالیٰ اب تک خدماتِ وقف بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

امام باڑہ موقوفہ میں عزاداری ۲۹ ذی الحجہ سے شروع ہوتی ہے۔ اور ۱۴ محرم تک روزانہ شب میں مجالس ہوتی ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں بہ سلسلۂ ملازمت محکمہ بندوبست چند حضرات اثنا عشری یہاں موجود تھے۔ جنہوں نے باقاعدہ کلکٹر ضلع سے منظوری حاصل کرکے چہلم کے دن ایک علم اس امام باڑہ سے بہ ہمراہی جلوس حضرات اہل تسنن کربلا تک لے جانے کا انتظام کیا۔ جس میں آگرہ اور شکوہ آباد سے ماتمی انجمن آکر نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی تھیں اور گشت کی رونق میں اضافہ کرتی تھیں۔ ہر دو انجمن کا انتظام خورد و نوش بذریعہ چندہ ہوتا رہا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے نتیجہ میں یہاں سے لوگ چلے گئے اور کوئی شخص ایسا نہیں رہا جو علم لے کر اہل سنت کے جلوس میں تعزیہ و علم کے ہمراہ جا سکے۔ اس لئے چہلم کا گشت بند کر دیا گیا۔ اب صرف علم مسجد میں سجا دیا جاتا ہے۔ اور چہلم میں ذکر مصائب کے بعد امام باڑہ میں برآمد ہوتا ہے۔

وقف کی مجالس کے علاوہ یکم محرم سے ۱۰ محرم تک روزانہ شب میں جناب سید آل موسیٰ صاحب نقوی کے دولت خانہ پر امام باڑہ کی مجلس کے بعد مجلس عزا منعقد ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۵ء سے برابر جاری ہے۔ ۱۰ محرم کو مومنین کی فاقہ شکنی بھی آپ ہی کے یہاں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سیوم، دہم، بستم اور چہلم کی مجالس بھی جناب سید آل موسیٰ صاحب نقوی کے ذاتی عزاخانہ میں ہوتی ہیں۔ عاشورہ محرم کو علی الصباح علم وغیرہ بڑھانے کے بعد مومنین کربلا جاتے ہیں اور وہاں تعزیہ دفن کرکے اعمال وغیرہ سے فراغت کرکے ۱۱ بجے واپس آتے ہیں۔

جناب نقوی صاحب موصوف کی ذات سرزمین مین پوری میں بہت غنیمت ہے اور آپ عزاداریِ سید الشہداء میں بہت اولوالعزمی اور فراخدلی سے کام لیتے ہیں۔ عالم پیری میں وقف کی عزاداری اور ذاتی عزاخانہ کے انتظامات کو انجام دینا آپ ہی کا حصہ ہے۔

عشرہ محرم میں پابندی سے مذکورہ بالا دو مجالس روزانہ ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک مجلس آٹھویں محرم کو شب میں راقم کے غریب خانہ پر عرصہ ۵ سال سے برابر ہوتی ہے۔ دو سال سے ایک مجلس سید حفاظت حسین صاحب زیدی محافظ دفتر کے دولتخانہ پر عشرہ کے بعد ہوتی ہے۔ ان مجالس میں کبھی دلی خلوص کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

مجالس میں سوزخوانی ڈپٹی سید آل موسیٰ صاحب نقوی، سید انوار علی صاحب، سید محمد معین صاحب اور سید نسیم حیدر صاحب کرتے ہیں۔ حدیث خوانی میں بھی ڈپٹی سید آل موسیٰ صاحب نقوی کو خاصا شغف ہے۔ موصوف فریضۂ حج سے فارغ ہو چکے ہیں، زیاراتِ عتباتِ عالیات سے مشرف ہو چکے ہیں، عزادار بھی ہیں اور ذاکر بھی، مختصر یہ کہ صحیح معنوں میں مومن کامل ہیں۔ آپ کی ذات سے مین پوری میں شیعیت قائم ہے۔

مومنین مین پوری کی عین خوش قسمتی ہے کہ سال گذشتہ جناب سید خورشید حیدر صاحب جائسی صدر قانون گو اوری سے تبدیل ہو کر یہاں تشریف لائے۔ آپ کے قیام سے امور دین میں زیادہ انہماک کا مظاہرہ ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء کو مین پوری میں حسین ڈے کا انعقاد ہوا۔ جس میں عالیجناب سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد نے بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ اتنا کامیاب جلسہ مین پوری کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔

جناب خورشید صاحب جائسی اچھے حدیث خواں ہیں۔ آپ کا طرز ذاکری اہل سنت کو بیحد پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے آپ کا قیام یہاں ہوا مجالسِ عزا

میں کافی رونق رہتی ہے اور حضرات اہل سنت کافی تعداد میں شریک مجالس ہوتے ہیں۔ موصوف تقریباً سبھی مجالس میں ذاکری کرتے ہیں۔ شب عاشور، صبح عاشور، اور شام غریباں کی مجالس میں آپ نے سال گذشتہ اس عنوان سے ذاکری کی کہ در و دیوار مرقع غم نظر آتے تھے اور نالہ و زاری اور گریہ و بکا کی آواز دور تک سنی جاتی تھی۔

موصوف کی اہلیہ محترمہ کو بھی حدیث خوانی میں بڑا انہماک ہے۔ چنانچہ سال گذشتہ سے ڈپٹی سید آل موسیٰ صاحب نقوی کے ذاتی عزاخانہ میں مردانی مجلس کے بعد زنانی مجلس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں عشرہ بھر موصوفہ نے ذاکری فرمائی۔

شہر مین پوری میں ایک اور امام باڑہ آگرہ روڈ پر واقع ہے جس کا نظم و نسق حضرات اہل سنت سے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ایک شاہ صاحب موسوم بہ "مودی شاہ" یہاں آکر مقیم ہوئے۔ وہ خود اپنے ہاتھ سے سال بھر تک تعزیہ بناتے رہتے تھے اور چہلم کے دن تعزیہ اٹھاتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے گلے میں ایک تعویذ دیکھا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کا تعلق اودھ کے شاہی گھرانے سے تھا۔ یہاں مسلمانوں کے مختلف گروہ کنجڑے، بھٹیارے وغیرہ تعزیوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر محلہ میں امام چوک ہے۔ جہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں ایک ڈپٹی کلکٹر مامون حسن صاحب یہاں تشریف لائے تھے۔ جنھوں نے جلوس عزا رائج کیا۔ اس امام باڑہ میں عزاداری کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل ابتدا سے ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ دور ہذا میں کمیٹی کے ممبران عبدالقیوم صاحب، حمید اللہ خانصاحب، فیاض احمد صاحب صدیقی، محمد سلام خانصاحب، سید بدرالحسن صاحب، منے خانصاحب، عبدالوہاب خانصاحب میونسپل کمشنر اور ڈاکٹر سید اسرار نبی صاحب ترمذی ہیں۔ چاند رات سے ۴ر محرم تک روزانہ شب میں گشت نکلتا ہے۔ ۶ر محرم کو دن میں طرالگون کا علم نکلتا ہے۔ ۷ر محرم کو شب میں علم کا گشت نکلتا ہے۔ ۷ر محرم کو دن میں گشت نکلتا ہے۔ ۸ر محرم کو رات میں پھندن جھنجھنی کے نام سے مہندی کا جلوس نکلتا ہے۔ ۹ر محرم کو تعزیے امام چوک پر رکھے جاتے ہیں۔ جہاں سے بشکل گشت سلامی امامباڑہ آتے ہیں اور وہاں کے تعزیوں کو لے کر پورا جلوس چوراہے پر پہونچتا ہے جہاں رات بھر اکھاڑہ ہوتا ہے۔ اور شہر کی پوری پبلک بلا لحاظ مذہب و ملت وہاں مجتمع ہوتی ہے۔ صبح ۴ بجے تعزیے اپنے اپنے امام چوک پر واپس لائے جاتے ہیں۔ ۱۰ر محرم کو ۲ بجے دن سے جلوس کا آغاز ہوتا ہے۔ اور دس بجے شب میں دفن سے فراغت ہوتی ہے۔ جہاں سے ۴ بجے تعزیوں کو لیکر بشکل جلوس کربلا روانہ ہوتے ہیں اور دس بجے شب میں دفن سے فراغت ہوتی ہے۔

عاشور محرم کو ایک تعزیہ موضع گورا بازار (جو مین پوری سے ۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔) سے آکر جلوس میں شامل ہوتا ہے۔ یہ سرکاری تعزیہ کہلاتا ہے۔ اور جلوس کے تعزیوں سے چالیس قدم آگے رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ واجب الارض میں اس تعزیہ کا ذکر "گارڈ تعزیہ" کے نام سے آیا ہے۔ موضع گورا بازار میں کسی زمانہ میں انگریزی فوج کا پڑاؤ تھا اسی مناسبت سے اس کا نام گورا بازار رکھا گیا۔ اسی طرح چہلم کے دن بھی جملہ تعزیے امام باڑہ میں یکجا ہوتے ہیں اور دوسرے دن ۱۰ بجے سے جلوس نکلتا ہے اور دس بجے شب کو کربلا میں ختم ہوتا ہے۔ امام باڑہ میں مجلس صرف ۷ر محرم کو منعقد ہوتی ہے۔ جس میں فیروزآباد سے پڑھنے والے بلائے جاتے ہیں۔ مین پوری کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں عزاداری کے نام پر ہندو مسلم یا شیعہ سنی اختلافات کبھی نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ اتفاق و اتحاد کے ساتھ مراسم عزا انجام دئے گئے۔

حیدرآباد دکن کی عزاداری

(از سید علی اصغر صاحب بلگرامی حیدرآبادی مرحوم)

ریاست حیدرآباد دکن میں عزاداری کا بانی قطب شاہیہ کا پہلا تاجدار سلطان قلی ہمدانی تھا جو ابتداءً سلاطین بہمنیۂ دکن کی جانب سے سمت تلنگانہ کا طرفدار (صوبہ دار) اور سلطان محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کی وفات کے بعد سنہ ۹۲۴ھ سے ۹۵۰ھ تک سرحد گولکنڈہ سے دریائے شور تک کے علاقہ کا خود مختار بادشاہ رہا تھا۔ اگرچہ سلطان قلی شاہان صفویہ ایران کا ہم عصر تھا لیکن شاہ اسمٰعیل صفوی کے ایران میں مذہب امامیہ کی ترویج سے قبل ہی دکن کے علاقہ تلنگانہ میں خطبۂ اثنا عشری سنہ ۹۱۸ھ سے اس بادشاہ نے رائج کر دیا تھا چنانچہ تاریخ مرغوب القلوب میں صدر جہاں نے سلطان قلی کی زبانی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:-

"الحال قریب شصت سال باشد کہ شب و روز با کافران غزا نمودہ بہ توفیق اللہ تعالیٰ از سرحد ورنگل تا بندر مچھلی پٹن و راجمندری قریب شصت ہفتاد قلعۂ رفیع بضرب شمشیر آبدار بمعرفت اولیائے دولت ابد پیوند در آوردہ ام و ایں فتوحات از برکت آنست کہ روزیکہ ابتدائی تسخیر ممالک کفار نمودیم با خود نذر شرعی کردم کہ اگر حق تعالیٰ مارا بخدمت تؤتی الملک من تشاء مشرف گرداند خطبۂ دوازدہ امام علیہم السلام در تمام قلمرو خود اجرا نمودہ مذہب حق اثنا عشریہ درین مملکت رواج دہم۔ و قوع ایں حال قبل از ظہور شاہ اسمٰعیل و رواج مذہب جعفری در مملکت ایران است تا کسے را بخاطر نرسد کہ من تقلید آں شاہ غفران پناہ کردہ ام بلکہ در زماں سلطنت سلطان یعقوب صفحۂ خاطر را بمہر ائمہ اثنا عشر ملوک گردانیدہ ام و مذہب شیعہ و مذہب آبا و اجداد عظام ماست۔"

پہلے سلطنت قطب شاہی کا پایہ تخت قلعہ گولکنڈہ (محمد نگر) میں تھا جہاں سلطان قلی (۹۲۴ھ تا ۹۵۰ھ) نے پہلا عاشور خانہ بنوایا تھا اس کے بعد سلطان ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) نے لنگر دوازدہ امام گولکنڈہ میں بنوایا جس میں غرباء کو کھانا تقسیم ہوتا تھا۔

کوہ مولیٰ علیؑ

سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد سے ۱۷ رجب کو عرس کوہ مولیٰ علیؑ کا آغاز ہوا۔ جہاں ہر پنجشنبہ اور شب جمعہ کو باوجود شہر حیدرآباد سے نو میل دور ہونے کے مجالس عزا منعقد ہوا کرتی ہیں۔ تزک قطب شاہی میں اس پہاڑ کا واقعہ اس طرح مندرج ہے کہ ایک شب کو یاقوت حبشی خواجہ سرائے سلطان ابراہیم قطب شاہ نے جب کہ وہ نواح کوہ مولیٰ کے ایک باغ میں مقیم تھا یہ خواب دیکھا کہ ایک عرب سبز لباس پہنے ہوئے اس سے کہہ رہا کہ تجھے جناب امیرؑ نے یاد کیا ہے۔ یاقوت اس عرب کے ایک پہاڑ پر جا کر جناب امیرؑ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا جس کو

اسی پہاڑ پر گیا تو جس مقام پر اس نے جناب امیرؑ کو تشریف فرما دیکھا تھا وہاں دست مبارک کا نقش موجود تھا یاقوت نے پتھر کے اس حصہ کو ترشوا کر ایک رواق تعمیر کرا کر اسکے طاق میں اس کو نصب کرا دیا اور سترہویں رجب کو حضرت کی نیاز کرائی اسی طرح ہر سال عرس ہونے لگا اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو سلطان ابراہیم قطب شاہ نے زیارت کر کے مسجد و عمارات تعمیر کرائیں۔ شاہان آصفی ہی کے دور میں ہندو مسلم امرائے ملک نے بالائے کوہ اور دامن کوہ میں متعدد عمارتیں بنوائیں اور یہاں کی رونق میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت آصفجاہ ثانی غفران مآب نے اس پہاڑ کے مصارف عود و گل و نقار خانہ و خادمین کے لئے ایک موضع بعنوان جاگیر مقرر فرمایا۔

اعلیحضرت آصفجاہ سابع نے بصرف زر کثیر پہاڑ پر زائرین کی سہولت کے لئے نفیس سیڑھیاں بنوائیں اور برقی روشنی کا انتظام فرمایا اور باوصف پیرانہ سالی ہر سال ۱۳ رجب کو بہ نفس نفیس پہاڑ پر زیارت کو تشریف لاتے ہیں۔

کوہ امام ضامنؑ

یہ پہاڑ شہر سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر واقع اور امام رضا علیہ السلام سے منسوب ہے یہاں کے مصارف کے لئے شاہان آصفیہ نے انعامی اراضیات عطا کی ہیں۔

عاشور خانہ شاہی

سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) نے گولکنڈہ کی آبادی گنجان ہو جانے کی وجہ سے شہر حیدرآباد کو متعدد شاہی محلات، عمارات، مساجد و حمام بنوا کر آباد کیا۔ چار مینار جو وسط شہر میں ہے اس کے تعمیر کی تاریخ یا حافظ (۱۰۰۰ھ) ہے۔ دولتخانہ شاہی کے متصل سلطان محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۰۳ھ میں بصرفہ ساٹھ ہزار روپیہ یہ عاشور خانہ تعمیر کرایا تھا اس کی چھت اور دیواروں پر سبز و سیاہ مخمل کے پردے آویزاں رہتے تھے اور امام باڑہ میں (۱۴) طلائی علم مرصع بجواہر استادہ ہوا کرتے تھے۔

قطب شاہی عہد میں عشرہ محرم میں عوام کو دو وقتہ کھانا تقسیم ہوتا تھا اور بارہ ۱۲ شربت روزانہ پلایا جاتا تھا اور سالانہ عشرہ محرم میں بارہ ۱۲ ہزار ہون (سکہ طلائی) جس کو (زر عاشوری) کہتے تھے بطور خیرات تقسیم ہوا کرتے تھے۔ سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) نے اس عاشور خانہ کی دیواروں پر کارکاشی کرایا تھا جو ہنوز محفوظ حالت میں ہے۔

دور قطب شاہی میں محرم کا چاند دیکھ کر بادشاہ اور درباری بارہ روز تک سیاہ لباس میں ملبوس رہا کرتے تھے اور بازار میں گوشت اور پان کی فروخت بالاعلان نہیں ہوا کرتی تھی اور نوبت نوازی بھی موقوف رہا کرتی تھی۔ نواب آصف جاہ نے اس عاشور خانہ کے مصارف کے لئے بارہ ۱۲ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر مقرر فرمائی تھی۔ عشرہ محرم میں یہاں علم اب بھی استادہ ہوتے ہیں اور زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

عاشور خانہ حسینی علم

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں علی آقا نامی ایک علم دیار عرب سے لے کر آئے تھے۔ یہ علم دو رخی سیف کی وضع کا ہے جس میں بجائے زبانِ علم کے امام جعفر صادقؑ کی سیف دستی نصب ہے۔ سلطان وقت نے بڑی عقیدت سے اس کا استقبال کر کے جس مکان میں اس وقت یہ علم استادہ ہوتا ہے وہ علی آقا کو عطا کر کے اس علم کی خدمت گزاری بھی انہی کے سپرد کی اور مصارف عشرہ کے لئے ماہوار مقرر کر دی چنانچہ انہی کے ورثا یہاں کے خادم ہیں۔

عاشور خانہ الاوہ یتیمان

محلہ دبیر پورہ میں یہ عاشور خانہ واقع ہے جہاں عشرہ محرم میں علم استادہ ہوا کرتے ہیں۔

الاوہ بی بی

حیات بخشی بیگم مادر سلطان عبد اللہ قطب شاہ نے اس علم کو محرم میں استادہ کرنا شروع کیا تھا روز عاشورہ اس علم کو ہاتھی پر سوار کر کے ماتمی گروہ

کے ساتھ شہر میں گشت کرا کر بوقت عصر موسیٰ ندی میں اس کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔

الاوہ سر طوق

عمارت دار الشفاء کے ایک حجرہ میں یہ غیر معمولی بڑا علم سال بھر استادہ رہا کرتا ہے، اس کو عہد قطب شاہ میں آقا محسن ایراق دمشق سے لائے تھے اس علم کے وسط میں امام زین العابدین ع کے طوق سلاسل کا ایک ٹکڑا نصب ہے اعلیحضرت آصف جاہ سابع نے عمارت دار الشفاء کے وسط میں ایک جدید عمارت تعمیر کرا دی ہے جس میں اب یہ علم استادہ رہتا ہے۔

نعل صاحب

عہد سلطان ابراہیم قطب شاہ میں بیجاپور سے یہ علم لایا گیا تھا اس میں امام حسین ع کے گھوڑ کا ہلال جو بشکل نعل ہے اس کا ایک ٹکڑا نصب ہے۔ پہلے یہ قلعہ گولکنڈہ میں بزمانہ محرم استادہ کیا جاتا تھا نواب آصف جاہ ثانی کے عہد سے پتھر گٹی کے پاس سرکاری عمارت میں استادہ ہوا کرتا ہے۔ اس پر صندل چڑھا ہوا ہے۔ شب عاشور اس علم کی سواری تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں گشت کرائی جاتی ہے۔

پنجۂ شاہ

اسی نام کے محلہ میں یہ پنجہ جو غیر معمولی طور پر بڑا ہے استادہ ہوا کرتا ہے اور عاشورہ کے دن شہر میں اس کو گشت کرایا جاتا ہے۔

درگاہ حضرت عباسؑ

نواب سالار جنگ مرحوم کی ڈیوڑھی کے ایک حصہ میں یہ علم جس پر صندل چڑھا ہوا ہے استادہ ہوا کرتا ہے ہر پنجشنبہ و جمعہ کو عقیدت مند کثرت سے زیارت کو آیا کرتے ہیں بروز عاشور صبح کے وقت اس کو ڈیوڑھی کے صحن میں گشت کرایا جاتا ہے۔

عزا خانہ زہراؑ

سنہ ۱۳۶۷ھ میں اعلیحضرت آصف جاہ سابع نے یہ عالیشان عاشور خانہ تعمیر کرایا ہے جس میں طلائی علم استادہ ہوا کرتے ہیں اور اعلیحضرت بڑی عقیدت کے ساتھ یہاں کی مجالس عشرہ میں شرکت فرماتے ہیں۔

شہر حیدرآباد کی مجالس عشرہ میں اہل تسنن و برادران ہنود بھی عقیدت کے ساتھ شریک ہوا کرتے ہیں چنانچہ چند سال قبل تک راجہ راو رنبھا کی ڈیوڑھی میں اہتمام کے ساتھ علم استادہ ہوا کرتے تھے۔ فی زمانہ نواب عنایت جنگ بہادر کے حسینیہ۔ نواب شمشیر جنگ مرحوم کی ڈیوڑھی۔ مسجد جعفری اور مسجد اثنا عشری میں عشرۂ محرم اور نواب تراب یار جنگ بہادر کی ڈیوڑھی میں عشرۂ صفر خاص اہتمام کے ساتھ ہوا کرتا ہے اس کے علاوہ محلہ دار الشفاء و ایرانی گلی دبانا، نور خاں و حسینی محلہ میں متعدد مجالس مردانہ اور یادگار حسینی کی عمارت میں زنانہ مجالس منعقد ہوا کرتی ہیں۔

زمانہ عزا کیلئے

مراثی، نوحوں کی بیاضیں، اور مذہب شیعہ کی ہر کتاب جو لکھنؤ میں دستیاب ہو سکتی ہے، آپ ہم سے طلب فرما سکتے ہیں

سید ابن حسین نقوی - مالک، کتب خانہ - اکبری دروازہ - چوک لکھنؤ ۳

عزاداری موضع سرائے راہ عرف کورالی پرگنہ نواب گنج

تحصیل سورام ضلع الہ آباد

جناب سید محمد احمد صاحب کوراوی (ریکارڈ کیپر کلکٹریٹ الہ آباد)

موضع سرائے راہ عرف کورالی سادات کے تیس گھروں کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے۔ یہ بہت قدیم بستی ہے۔ یہاں سادات کے علاوہ دیگر قومیں بھی آباد ہیں۔ جب سے سادات یہاں آباد ہوئے اسی وقت سے عزاداری کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے معمولی طرح سے عزاداری ہوتی رہی۔ لیکن بعد میں کافی ترقی ہوئی۔ جس میں سید شریف احمد صاحب مرحوم نے کافی حصہ لیا۔ صبح سات بجے سے مجلسوں کا سلسلہ شروع ہوکر تمام دن رہتا ہے۔ اور بعد نماز مغربین پھر مجلسیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ کوئی ۲ بجے رات تک رہتا ہے۔ زنانی مجلسیں دن کے ۱ بجے سے شام ۵ بجے تک متواتر ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ لوگوں کے پاکستان چلے جانے سے مجلسوں میں کمی ہو گئی ہے۔ دوسری محرم سے علاوہ مقررہ مجلسوں کے شب میں حاضری کی مجلسیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ۸ محرم تک یہ سلسلہ رہتا ہے۔

۵ محرم کو حضرت عباسؑ کی "چوکی" شب میں سید اطہر مرحوم کے امام باڑہ سے اٹھتی ہے اور مرثیہ و نوحہ خوانی کے ساتھ گشت ہوتا ہے۔ اور یہ گشت صبح تک رہتا ہے۔

۶ محرم کو حضرت علی اصغرؑ کا گہوارہ امام باڑہ سید اختر حسین صاحب سے شب میں اٹھتا ہے۔

۷ محرم کو چوکی و مہندی کا جلوس پھر سید اطہر حسین صاحب کے امام باڑہ سے شب میں نکلتا ہے۔ اور تمام رات مرثیہ و نوحہ خوانی کے ساتھ موضع کا گشت رہتا ہے۔ یہ جلوس بھی صبح کو ختم ہوتا ہے۔

۸ محرم کو پانچ بجے شام میں جلوس ذوالجناح امام باڑہ جناب اختر حسین صاحب سے نکلتا ہے۔ اور موضع کا گشت نوحہ و ماتم کے ساتھ ہوتا ہے۔

۹ محرم کو شب میں سات امام چوک پر تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ تعزیہ رکھنے کے بعد اہل ہنود زن و مرد جوق در جوق آتے ہیں اور منت و مراد مانتے ہیں۔ اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔

۴ بجے علی الصباح صبح عاشورہ سید اطہر حسین صاحب مرحوم کے امام باڑہ میں الوداع کی مجلس ہوتی ہے اور اس کے بعد وہیں پر آگ کا ماتم ہوتا ہے۔ جس کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

اہل سنت حضرات عزاداری میں برابر کا حصہ لیتے ہیں اور تعزیہ رکھتے ہیں۔ مجالس برابر کرتے ہیں۔

دسویں محرم کو ایک بجے دن سے اطراف سے اہل السنن کے

تعزیہ آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ تقریباً دس بارہ مواضعات سے ہمارے یہاں تعزیے آتے ہیں۔ تعزیوں کے ساتھ اہل سنن کے مرد و زن سب ہی ہو آتے ہیں۔ ۲ بجے شام تک اطراف کے تعزیے آجاتے ہیں پھر اپنے یہاں کے ہر چوک کے تعزیے اٹھائے جاتے ہیں۔ اور ساتھ میں حضرت عباسؑ کا علم اٹھایا جاتا ہے۔ جو بہت بڑا علم ہوتا ہے۔ اسے فتح نشان بھی کہتے ہیں اس کو تین چار آدمی سنبھالے رہتے ہیں۔

نوحہ و ماتم کے ساتھ ایک بڑا جلوس کربلا جاتا ہے۔ اور بعد عصر یہ جلوس ختم ہوتا ہے۔ کربلا میں روٹی، کھچڑا، ملیدہ، پلاؤ وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

تعزیے کربلا میں دفن کئے جاتے ہیں اس جلوس میں سید مظہر حسین صاحب نقوی و سید زائر حسین صاحب کی نوحہ خوانی رہتی ہے۔ شام غریباں کی مجلس بعد نماز مغرب امام باڑہ سید اختر حسین صاحب میں ہوتی ہے۔ ۱۱ محرم سے چالیسویں تک مجلسوں کا سلسلہ رہتا ہے۔ چالیسواں میں بھی تعزیہ تابوت اٹھائے جاتے ہیں۔ ۱۰ محرم کو شب میں مستورات میں جناب سکینہؑ کا تابوت علی امام صاحب کے یہاں اٹھتا ہے۔

ہندوستان میں پہلا شیعہ

خاندان رسالت کی ایک فرد ابو طالب حمزہ نے بنی عباس کی سخت گیریوں سے تنگ آکر اپنے پردادا حضرت امام علی نقی اور حضرت امام حسن عسکری علیہم السلام کے مدفن کو چھوڑ کر ایران کا رخ کیا۔ جہاں وہ دوسری ربیع الاول ۲۹۲ھ کو شیراز میں انتقال کر گئے۔ ان کے بیٹے سید ابو العلیٰ محمد سبزوار میں جاکر مقیم ہوئے اور وہاں علوم اہلبیتؑ کی اشاعت اس طرح کی کہ وہ دار الایمان مشہور ہو گیا۔ ۲۸ صفر سنہ ۳۳۲ھ کو انھوں نے وفات پائی۔ مگر ان کی اولاد نے وہاں علمی و روحانی مرکزیت حاصل کر لی۔ سبکتگین کا بیٹا محمود غزنوی جس وقت ہندوستان پر حملہ کر رہا تھا اس زمانہ میں سید ابو العلیٰ محمد کے پوتے سید نجم الدین اپنے متبعین کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان آئے اور روپا نگر کو فتح کر کے "جائے عیش" نام رکھا۔ جو کثرت استعمال سے جائس ہو گیا۔ اس وقت سے یہ قصبہ سادات نقویہ کا مسکن ہوا۔

چند دن کے بعد ان کی اولاد نے قریب ہی کی ایک ریاست ٹپاک پور کو فتح کر کے نصیرآباد میں علمی و روحانی مسند بچھائی۔ جس کی روشنی دور دور تک پہونچی۔

حکومت وقت نے بھی اس خاندان کے افراد کو اتالیقی، معلمی، قضا، اور صدارت کے عہدوں پر سرفراز کیا اور علمی حیثیت سے جائس کا بھی ایک درجہ سمجھا جانے لگا۔

چنانچہ اس خاندان کی ایک فرد سید عبد القادر کو اورنگ زیب نے ولی عہد کی معلمی پر مامور کیا تھا۔ اور انھوں نے شہزادے کو شیعیت سے روشناس کیا۔ یہاں تک کہ بہادر شاہ بننے کے بعد انھوں نے اپنے تشیع کا بالکل اعلان کر دیا۔ جس پر ہنگامہ ہوا۔

(ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ مصنفہ مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھنؤ)

عزاداری
قصبہ دارانگر ضلع الہ آباد

سید اسد اصغر صاحب و سید علی حسین صاحب۔ بی۔اے، محلہ سید واڑہ۔ دارانگر ضلع الہ آباد۔

دارانگر تاریخی قصبہ کڑا سے جانب جنوب ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک تجارتی قصبہ ہے۔ یہاں پر اہل ہنود کی اکثریت ہے۔ مسلمانوں میں صرف سولہ گھر شیعوں کے ہیں یہاں صرف دو مجالس یومیہ زمانہ عشرہ محرم میں ہوتی تھیں پہلے چونکہ دو مجلسوں کے بعد بھی وقت کافی ملتا تھا اسلئے قصبہ کڑا کی مجالس و گشت میں شرکت کرتے تھے۔ اب بفضلہ یہاں پر یکم لغایتہ ۹ر محرم دس مجالس یومیہ ہوتی ہیں۔ جسکی وجہ سے اب ہم لوگ کڑا کی مجالس و گشت میں شرکت نہیں کر سکتے۔ ۷ر محرم کو شب کی ایک مجلس میں جناب علی اصغرؑ کے گہوارہ کی زیارت ہوتی ہے۔ ۷ر لغایتہ ۹ر محرم متعدد نذریں ہوتی ہیں۔ پہلے یہاں پر کوئی گشت و جلوس شیعوں کا نہیں ہوتا تھا۔ ۸ر محرم سنہ ۱۳۵۹ھ، مطابق ۱۷ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء سے بہ تحریک جناب سید ریاست علی صاحب رضوی مرحوم رئیس قصبہ دارانگر ایک گشت ذوالجناح قائم ہوا۔ جو کہ منجانب انجمن اسدیہ زیر اہتمام جناب سید منظر علی صاحب رضوی صدر انجمن ۳ بجے دن میں اٹھ کر ۷ بجے شام کو ختم ہوتا ہے۔ اس جلوس میں مانک پور ضلع پرتاب گڈھ، اندورہ ضلع الہ آباد اور طیبہ پور ضلع الہ آباد کے دستے شریک ہو کر نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ زنجیر و قمع کا ماتم بھی ہوتا ہے اور ہندی میں تقریریں ہوتی ہیں۔ اس گشت میں غیر اقوام کے لوگ بھی بہت دلچسپی کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ شب عاشور تابوت حضرت امام حسینؑ کی زیارت ہوتی ہے جو کہ محلہ میں گشت تمام ہونے کے بعد واپس امام باڑہ جاتا ہے۔ عاشور محرم کو بعد ختم الوداع ۸ر بجے صبح کو ہم لوگ مع تعزیہ و تابوت دفن کرنے اور اعمال عاشورہ بجالانے کے لئے بصورت گشت کربلا جاتے ہیں۔ تعزیہ داران اہلسنت کے جلوس کے واپس جانے کے بعد شب میں مجلس شام غریباں منعقد ہوتی ہے۔

زنانی انجمن کی جانب سے دن میں سنہ ۱۳۸۷ھ سے یکم لغایتہ ۹ر محرم مجالس اور ۸ر محرم کو تابوت جناب سکینہؑ کی زیارت ہوتی ہے۔

اندرون عشرۂ محرم اہل سنت بھی متعدد مجالس کرتے ہیں جن میں خصوصیت سے صرف شیعہ ذاکری کرتے ہیں۔ یکم، ۳ر و ۵ر محرم کو اہلسنت علموں کا گشت نکالتے ہیں اور ۷ر محرم کو ذوالجناح اور مہندی کا گشت نکالتے ہیں پھر شب عاشور کو تعزیوں کا گشت (جس میں کڑہ دچوک اور موضع سعدی پور کے تعزیے ہوتے ہیں) نکالتے ہیں۔ یہ گشت شیعوں کے امام باڑوں تک آکر واپس جاتا ہے۔ عاشور محرم کو شیعوں سے الوداع پڑھوانے کے بعد سنی حضرات مع تعزیوں کے ۳ر بجے دن میں گشت نکالتے ہیں اور دس بجے شب میں اپنی کربلا جاتے ہیں۔ گشت میں شیعہ نوحہ خوانی اور ماتم کرتے ہیں۔

شہر سنبھل کی شہرۂ آفاق عزاداری

(از جناب معجز سنبھلی)

بھلا یوں بھی کسی کی یاد عالمگیر ہوتی ہے ∴ ہر اک ملت شریک ماتم شبیرؑ ہوتی ہے

ابھی ماہ عزا نمودار بھی نہیں ہونے پایا کہ ۲۷ ذی الحجہ ہی سنبھل کے جسیم ڈھول عاشقان حسینؑ کو بانگ دہل باخبر کر رہے ہیں کہ چاند کی پیشوائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ سامان عزا کو اپنے عزاخانوں میں مجالس برپا کرنے کے لئے ترتیب دے لو۔ ذاکرین سے وعدے لے لو۔ سنبھل کے بازار کا وہ حصہ جو کمنگروں اور آتشبازوں کا بازار کہا جاتا ہے مدتوں پہلے سے تعزیے اور ہنڈیاں بنانے میں مصروف ہے۔ جس قدر زمانہ قریب آتا جاتا ہے بازار تعزیوں ہنڈیوں اور تاشوں وغیرہ سے بھرتا چلا جاتا ہے۔

سنبھل میں یہ سب کچھ کتنے زمانے سے ہو رہا ہے اس کی تاریخ اس طرح نہیں ملتی جس طرح خود شہر سنبھل کے آباد ہونے کی تاریخ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ سنبھل میں عزاداری عہد مغلیہ سے ہی چلی آ رہی ہے۔

لیجئے! سوگوار چاند آسمان کی صف ماتم پر نمودار ہوا اور شہر میں مجالس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شہر بھر میں کتنی مجالس ہوتی ہیں صحیح تعداد بتانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جس محلہ سے گذر جائیے کہیں سوز ہو رہا ہے کہیں تحت اللفظ، کہیں شہادت نامہ پڑھا جا رہا ہے تو کہیں تقریر کا سلسلہ جاری ہے۔ کہیں سبیل ہو رہی ہے تو کہیں نیاز تقسیم ہو رہی ہے۔ سیکڑوں کی تعداد میں ڈھول ہیں کہ جن کی آوازیں رات کے بارہ بارہ بجے تک شہادت عظمیٰ کا اعلان کر رہی ہیں اور عزاداروں سے کہہ رہی ہیں کہ یہ راتیں سونے کی نہیں ہیں۔

تاریخیں گذر رہی ہیں اور روزانہ ایک خاص تاریخ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہر اور اطراف شہر میں علموں کو سجایا جا رہا ہے، ڈھولوں کو زیادہ سے زیادہ آوازوں کا بنایا جا رہا ہے، تاشوں کو تیز سے تیز آواز دینے والا بنانے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں۔ بچے بچے بوڑھوں کے بھی سبز کرتے رنگے جا رہے ہیں۔ آخر وہ تاریخ آئی یہ تاریخ ۷ محرم ہے جسے شہر کے عوام علموں کا دن کہتے ہیں۔ دور دراز سے لاکھوں کی تعداد میں عورت، مرد، بوڑھے، بچے سنبھل میں علموں کا جلوس دیکھنے آتے ہیں۔ گھڑی میں دن کے گیارہ بجے کہ محلہ میاں سرائے سے پہلا علم اٹھا (اگر یہ علم کسی وجہ سے نہ اٹھے تو شہر کا کوئی علم نہ اٹھے گا) جس کے اٹھنے کی خبر تمام شہر میں بجلی کی طرح دوڑی اور ہر محلہ میں علم اٹھنا شروع ہوئے، شہر کے آس پاس دو دو تین تین میل کے علم بھی آنا شروع ہوئے۔

ہزاروں کی تعداد میں علم اور سیکڑوں کی تعداد میں ڈھول ایک خاص مقام پر جمع ہوئے اور جلوس کی صورت میں آگے آگے علم اور پیچھے پیچھے گاڑیوں اور ٹھیلوں پر ڈھول شہر کے مقررشدہ مختلف راستوں سے گزرنے لگے جلوس جتنا بڑھ رہا ہے مجمع بڑھتا جاتا ہے جہاں تک نظر کیجئے ایک جم غفیر نظر آئے گا۔ ایک مقام آیا کہ یہ لاکھوں کا جلوس ایک بہت ہی تنگ سڑک پر پہونچا یہ وہ سڑک ہے جس کے دونوں طرف دور تک برادران ہنود کی دوکانیں، مکانات اور مندر واقع ہیں جلوس کو گذرنے میں کیوں رکاوٹ ہو رہی ہے اس لئے کہ برادران ہنود اور مندر کے پجاریوں کا تقاضا ہے کہ ہمیں اپنے کچھ مراسم عزا ادا کرنے دو اور حسینؑ کو یہاں سے لیجانے میں جلدی نہ کرو۔ یہ بھائے پر ہجوم کیوں ہے کیا کوئی خطرہ ہے نہیں۔ نہیں شہر کے کوتوال نے حسب دستور سابق سبیل لگائی ہے۔ یہ سبیل کسی زمانہ میں بھگو پرکاش کوتوال نے قائم کی تھی۔ لیجئے اب یہ جلوس دیپا سرائے کے چوک میں ہے۔ ایک کنوئیں پر اس قدر مجمع کیوں ہے کیا خدانخواستہ کوئی عزادار کنوئیں میں تو نہیں گر گیا نہیں نہیں عاشقان حسینؑ نے اس کنوئیں میں شکر کی بوریاں ڈلوادی ہیں جس کی وجہ سے کنوئیں کا پانی شربت ہو رہا ہے اور شام تک ایسا ہی ہوتا رہے گا.....

یہاں تو شہر کا ہر محلہ عشرہ تک اسی عزاداری میں منہمک رہتا ہے۔ خصوصاً میاں سرائے، دیپا سرائے، کوٹ اور چودھری سرائے میں بڑی بڑی شاندار اور کامیاب مجالس ہوتی ہیں۔ حقیر اکثر مجالس میں شریک ہوتا اور متعدد مجالس پڑھتا ہے۔ محرم کی ۶ تاریخ کو محلہ کوٹ غربی میں ایک نہایت شاندار اور کثیر مجمع کی مجلس ٹھیکیداران مختار حسین و اختر حسین کے یہاں ہوتی ہے جس میں غالباً دو مرتبہ حضرت مہذب لکھنوی نے بھی خواندگی فرمائی ہے اور اب کئی سال سے یہ خادم پڑھ رہا ہے۔ ٹھیکیدار اختر حسین امامیہ مشن کے دائمی ممبر بھی ہیں۔

چودھری سرائے کی عزاداری الحاج چودھری خورشید علیخاں اور ان کے برادر زادہ الحاج کنور عشرت علیخاں خاص طور سے حصہ لیتے ہیں۔ وہاں بھی اکثر مجالس پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ حسینؑ کے شیدائیوں کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

سنبھل کے جلوس عزاداری میں ایک تو ۷ رتاریخ کا جلوس جس کا تذکرہ ہو چکا اور دوسرا عشرہ (۱۰ رتاریخ) کا جلوس ہے یہ جلوس بھی ایسے ہی مجمع کا ہوتا ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اس دن جلوس کے ہمراہ ہزاروں کی تعداد میں تعزیئے ہوتے ہیں۔ سنبھل کے وہ فلک بوس تین تعزیئے جو دور دور تک مشہور ہیں اور ہر سال زر کثیر اور محنت مدید صرف کرکے تیار ہوتے ہیں شہر میں گذرتے ہوئے مقام دفن پر پہونچتے ہیں ان تعزیوں کے گذرنے کے لئے ان کی گذرگاہوں پر لگے ہوئے بجلی اور ٹیلیفون وغیرہ کے تار ۹ رمحرم کی شام تک کھول دیئے جاتے ہیں۔ ان تعزیوں کے بنانے والوں کو سنبھل کی معزز مالدار پبلک بلاتفریق مذہب و ملت انعامات دیتی ہے ضلع کے حکام اور کوتوال شہر بھی انعامات دینے میں حصہ لیتے ہیں۔

پرانے زمانہ سے ماہو شیام لال اور رابادی طوائف کی مہندی ان کے جانشین اب بھی اٹھاتے ہیں جو سنبھل کی مشہور مہندیاں ہیں۔ سنبھل محلہ محمود خاں سرائے میں میرے ایک مخلص عبدالرحیم صاحب نوید اپنے محلہ میں عزاداری کی روح رواں ہیں ذاتی امام باڑہ رکھتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ سنبھل کی اس شہرۂ آفاق عزاداری میں برادران ہنود بھی جوش و خروش سے شریک رہتے ہیں۔ یہ ہے سنبھل کی عزاداری کا مختصر اور مجمل خاکہ جو برادران اہلسنت کے ہاتھوں ان کے اپنے اپنے محلوں میں ہوتا ہے۔

اور جس کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ؎

والله کر اے حسینؑ کار کردی

نوریوں سرائے کی عزاداری

نوریوں سرائے شہر سنبھل سے جانب شرق ایک میل پر سادات کی پرانی بستی ہے۔ جس کی عزاداری کی تاریخ اُس کی آبادی کی تاریخ ہی ہے میں نے اپنے بزرگوں اور انھوں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ نوریوں سرائے میں حسینؑ کی یاد اس وقت بھی منائی جاتی تھی جب محلہ کے عورت مرد ایک مخصوص مقام پر جمع ہو کر رہے روتے تھے۔ آج کل محلہ میں چار امام باڑے ہیں ان کے علاوہ اکثر مجلسیں مکانوں میں بھی ہوتی ہیں۔

اب سے پچیس ۲۵ برس پہلے اور اس کے بعد کی عزاداری میں اس بستی نے جو ترقی کی خدا نگاہ بد سے بچائے اگرچہ اس ترقی کا ہیرو (مرحوم رحمن حسن) پاکستان جاکر نذر اجل ہوگیا لیکن بحمد الله عزاداری سے متعلق اس کی تمام ایجادات اس کا بھانجہ سید قربان حسین اسی انہماک اور جوش و خروش سے انجام دے رہا ہے جس جوش و خروش سے مرحوم نے شروع کی تھیں۔ اس امام باڑہ میں ہر محرم سے کوئی نہ کوئی زیارت (گہوارہ تابوت) ہوتی ہی رہتی ہے۔

۷ر محرم کو مہندی کا بے پناہ جلوس امام باڑہ سید محمد عباس سے شروع ہو کر اور شام برات کا گشت کر کے ذوالجناح کے ساتھ جمہ راستہ میں امام باڑہ سید صغیر حسن سے نکلتا ہے اسی امام باڑہ پر ختم ہوتا ہے۔

عشرہ (دار تاریخ کا جلوس) کا جلوس ذوالجناح، تابوت اور گہوارے وغیرہ کے ساتھ امام باڑہ سید صغیر حسن سے شروع ہو کر بستی کا گشت کر کے پانچ بجے شام کربلا پہونچتا ہے:

بستی میں چار مردانی اور چار مستورات کی مجالس ہوتی ہیں۔ ہر مجلس اور ہر جلوس کے ساتھ بستی کے نوجوان لڑکوں کی انجمن بہت ہی جوش و خروش اور ذوق و شوق سے ماتم کرتی اور نوحہ خوانی کرتی ہے۔ محلہ حسین خاں سرائے نوریوں سے کچھ ہی فاصلہ پر چند گھروں لیکن خالص شیعوں کی بستی ہے یہ بھی اپنے تمام مراسم عزا اسی طرح ادا کرتی ہے جس طرح نوریوں سرائے صرف ۷ر محرم کے جلوس اور عشرہ میں نوریوں سرائے کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔ حسین خاں سرائے وہ چھوٹی سی بستی ہے جس نے علامہ مولانا تفضل حسین صاحب جیسے عالم اور خاں بہادر سید جعفر حسین بار ایٹ لا جیسے نامی گرامی اشخاص پیدا کئے افسوس کہ انقلاب زمانہ نے اس بستی کے بہت مفتخر حضرات کو ہم سے دور کر دیا لیکن بقیہ حضرات قابل تعریف ہیں کہ عزاداری مظلوم میں اسی طرح منہمک ہیں۔ جیسے اب سے بیس سال پہلے منہمک رہتے تھے۔

ذمہ داران افسران کی طرف سے خاص خاص تاریخوں پر بہت اچھا انتظام رہتا ہے۔ محرم کے علاوہ دونوں بستیاں ولادت و وفات ائمہ معصومین پر جلسوں اور تابوتوں کی صورت میں بھی مناتے رہتے ہیں۔ دونوں بستیاں چہلم سید الشہداء بھی اسی طرح مجالس و ماتم کے ساتھ انجام دیتی ہیں۔

کشمیر میں شیعیت و عزاداری

سید محمد باقر بن احمد الموسوی الصفوی، بڈگام

تقریباً ساتویں صدی ہجری تک سرزمین کشمیر میں قدرت نے اشاعتِ اسلام کا انتظام نہیں کیا گو یہ دل پذیر خطہ اس وقت جغرافیائی اور تمدنی لحاظ سے اپنے ہمسایہ ملکوں سے ممتاز مانا جاتا تھا، اور اس کی شہرت بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکی تھی، لیکن خدا کے آخری پیغام کی آواز اس ملک میں مذکورہ صدی تک نہیں پہونچ پائی تھی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے ویسے ہی مقدمات اور اسباب کو وجود کا لباس عطا فرماتا ہے۔ ساتویں صدی کے آغاز کے بعد ترکستان کے ایک ولی صفت بزرگ کے دل میں کشمیر آنے کا ولولہ پیدا ہوا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مرزبوم سے حرکت کی۔ سفر کے مرحلے طے کر کے وارد کشمیر ہوئے۔ ان کا نام سید عبدالرحمٰن تھا اور بُلبُل شاہ کے نام سے بعد میں مشہور ہو گئے۔

اس زمانہ میں رینچن شاہ کشمیر کا راجہ تھا وہ ہندو دھرم کا قایل تھا اور رعایا بھی اسی مسلک پر گامزن تھی۔ بلبل شاہ نے یہاں پہونچ کر سب سے پہلے بادشاہ کو اسلام کے حلقہ میں داخل کیا، جس کے سبب وزیر اعظم اور دوسرے ارکین سلطنت نے بھی دین اسلام قبول کیا اور تبلیغ اسلام کا دائرہ روز بروز بڑھتا گیا ظاہر ہے کہ لوگ اپنے فرماں رواؤں کے مسلک پر چلتے ہیں، بادشاہ کے مسلمان ہونے سے لوگوں نے بھی اسلام اختیار کیا۔ بادشاہ نے پھر اپنا لقب صدرالدین رکھا اور اپنے رہبر بلبل شاہ کی سکونت کے لیے ایک خوشنما خانقاہ تعمیر کروائی، جو اس وقت بلبل لنگر کے نام سے مشہور ہے۔ اسی خانقاہ میں سید صاحب نے وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ بادشاہ بھی اسی کے احاطے میں دفن ہوا۔

بلبل شاہ کی تبلیغ اسلام سے کچھ عرصہ بعد جناب میر سید علی ہمدانیؒ کشمیر آئے۔ اُنھوں نے اشاعت دین میں تجدید کی اور جو خامیاں بلبل صاحب کے عہد میں رہ گئی تھیں وہ دور کر کے تبلیغی تحریک میں نئی رُوح پھونک دی۔

تاریخ کشمیر نے یہ حقیقت اجمالی طور پر لکھی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے مذہب سُنّی کی سطح پر تبلیغ کی یہی وجہ ہے کہ ان ادوار میں کہیں شیعوں کا واضح تذکرہ نہیں ملتا۔ اگرچہ جناب میر شمس الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے ورود تک کئی سادات یہاں آئے اور اکثر نے اسی خطے میں انتقال کیا،

جو مذہباً شیعہ تھے۔ لیکن انھوں نے علانیہ طور پر شیعہ مذہب کی تبلیغ نہیں کی یا ماحول نے ان کو اس قسم کی تحریک چلانے نہیں دی۔ لہٰذا مؤرخین کشمیر نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ جس شخص نے کشمیر میں مذہب اہلبیت کی بنیاد ڈالی ہے وہ میر عراقؒ صفوی کی ذات ہے اور کشمیر میں شیعیت و عزاداری کی تاریخ انھیں سے باضابطہ شروع ہوتی ہے۔ میر عراقی نسبی اعتبار سے صفوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جناب صفی الدین اردبیلی ان کے جد اعلیٰ ہیں۔ صفی الدین پر میر عراقی اور ایران کے سلاطین صفویہ کا نسب جا ملتا ہے۔

میر عراقؒ ایران میں پیدا ہوئے اور وہیں تحصیل علم بھی کی، علم اور ریاضت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو کر ان کی شہرت دُور دُور تک پھیلنے لگی۔ کشمیر کے مورخین نے ان کو تعصب کی بنا پر انتہائی گھناؤنے خد و خال میں پیش کر دیا ہے۔ اس کے باوجود ان کی علمی قابلیت کو ہر جگہ سراہا ہے۔ مؤرخ حسن نے ان کے بارے میں لکھا ہے "عالم اجل و دانائے بے بدل بود"۔ بہر حال قدرت کو اسی بزرگوار کی ذات سے کشمیر میں شیعہ مذہب کی اشاعت کا کام لینا منظور تھا چنانچہ زمانہ کی ناسازگاری کے باوصف اس کے لیے اسباب کی فراہمی کی۔ میر عراقی دو دفعہ کشمیر آئے۔ پہلے ۸۹۲ھ میں سلطان حسین مرزا حاکم خراسان کی طرف سے بحیثیت سفیر تشریف لائے۔ یہ کشمیر میں سلطان حسن شاہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ یہاں پہونچ کر سفارت کے مراسم کو مضبوط کر کے اس کے مقاصد کو تکمیل کا جامہ پہنایا، لیکن تبلیغ مذہب کا ارادہ جوان کے دل میں تڑپ رہا تھا اور جو خاندان صفوی کا خاصہ تھا کشمیر میں تحریک کی شکل اختیار کر گیا چونکہ بادشاہ اور رعیت حنفی مذہب تھے۔ اس لیے اس نوع کی تحریک کھلے بندوں چلانا مناسب نہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے نہایت ہوشمندی اور دُور اندیشی سے کام لے کر مخفی طور سے تبلیغ شروع کی اور کشمیر کے بعض رئیس اور مقتدر اشخاص کو مذہب اہلبیت کا پیرو بنا دیا ـــــ آٹھ سال کے بعد مراجعت فرمائے وطن ہوئے دوسری مرتبہ سلطان فتح شاہ کے عہد فرمانروائی میں محض تبلیغ مذہب کی غرض سے آئے۔ اس دفعہ ان کے ہمراہ علماء، فضلاء اور دوسرے ارباب کمال تھے۔ یہاں پہونچنے کے بعد ملک خاندان اور چک گھرانے کو شیعہ بنا دیا۔ اور شیعیت کے ساتھ عزاداری کی ترویج بھی ہوتی رہی۔ یہ دونوں گھرانے اس وقت زبردست اقتدار اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے بڑے امتیاز کے حامل تھے، آگے چل کر چک خاندان میں سے کچھ کشمیر کے تخت و تاج کے مالک بن گئے۔ ملک خاندان نے وزارت کا قلمدان سنبھالا۔ ملک حیدر چاڈورہ جہانگیر کے عہد میں رئیس الملک بنا۔ ان برگزیدہ افراد کی کمک سے میر عراقیؒ کے تبلیغی کام نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ اور اچھے نتائج رونما ہوئے۔ میر عراقیؒ نے کشمیر کے معتد بہ حصے میں شیعہ مذہب کا پرچار کیا

اور کامیاب رہے مدارس کھولے اور مسجدیں بنوائیں۔ لیکن مخالف گروہ جو اُس وقت حکومت کی زمام دار تھا۔ اس تحریک کی ترقی میں مزاحم ہوا اور اس کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ ایسا نہ ہوتا تو کشمیر کی تاریخ کچھ اور ہوتی!۔

میر عراقی پھر تبت اسکردو کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں بھی امامیہ مذہب کی بنیاد ڈالی اور کامرانی حاصل کی، ماحول کو جب ذرا موافق پایا تو پھر کشمیر آئے یہاں جڈی بل میں ایک تاریخی خانقاہ بنائی اور تبلیغی سرگرمیوں میں خاصا انہماک دکھایا۔ آخر میں مخالفوں کے ہاتھوں شربت شہادت نوش کر کے ابدی زندگی سے ہم کنار ہوئے اور اپنی خانقاہ میں دفن ہو گئے، تھوڑے عرصہ کے بعد ان کا لاشہ وہاں سے نکال دیا گیا اور چاڈورہ میں آخری آرامگاہ قرار پائی۔

میر عراقیؒ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند میر سید دانیال باپ کے جانشین ہوئے، علمی اور روحانی کمالات نے اپنے باپ کی زندہ تصویر تھے۔ انھوں نے بھی مذہب حق کی اشاعت و تحفظ کی خاطر بیش بہا قربانیاں دیں۔ جن میں ان کا بقول مؤرخ حسن شاہ تین سال محبوس رہنا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے اجداد طاہرین کی طرح جام شہادت پینا پڑا۔

کشمیر، کرگل اور اسکردو میں جو شیعیت وعزاداری کی بہار نظر آتی ہے دراصل یہ میر عراقیؒ اور ان کے اولاد و احفاد کی انتھک کوششوں کا ثمر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان مقامات میں اس باغ کی بنیاد انھوں نے ڈالی ہے اور اس کے پودوں کو اپنے لہو سے سینچا ہے۔ جس کا پتا پتا جس کا بوٹا بوٹا ——— جس کی ڈالی ڈالی، رہتی دنیا تک اپنی دل فریب بہاریں دکھاتے رہیں گے۔

امامیہ مشن

کی ممبری قبول فرما کر

نصرت اہلبیت علیہم السلام

کا فریضہ ادا کیجیے

نوحہ

(خدائے سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ)

شبیر نے خیمہ کی یہ ڈیوڑھی پہ پکارا، مارے گئے اکبرؑ
گھر لٹ گیا، اے بانوئے ناشاد تمہارا، مارے گئے اکبرؑ

ہم بیکس و تنہا ہوئے واحسرت و دردا، واحسرت و دردا
جینے کا ہمارے نہ رہا کوئی سہارا، مارے گئے اکبرؑ

زینب سے یہ کہہ رو کر کرے چاک گریباں، پیٹے بصد افغاں
نیزے سے ترے لال کا دل چھد گیا سارا، مارے گئے اکبرؑ

چاہا تھا کہ ہم پہلے گلا اپنا کٹائیں، بیٹے کو بچائیں
تقدیر سے لیکن نہ چلا زور ہمارا، مارے گئے اکبرؑ

اٹھارہ برس کی مری دولت ہوئی برباد، فریاد ہے فریاد
تنہا ہوا اب حیدر کرار کا پیارا، مارے گئے اکبرؑ

اب ذبح کریں گے ہمیں خنجر سے ستمگار، اے بانوئے ناچار
لاشہ بھی اُٹھانیکا نہیں کوئی ہمارا، مارے گئے اکبرؑ

نکلی ہوئی تھی سوکھی زباں ہونٹوں سے باہر، میں پیٹتا تھا سر
دو بار کیا ہاتھ سے پانی کا اشارا، مارے گئے اکبرؑ

دنیا سے گئے سینے پہ پھل برچھی کا کھا کر، اے وائے مقدر
کیوں مجھکو نہ پہلے ستم ایجادُ نے مارا، مارے گئے اکبرؑ

غل ہوتا تھا خیمے میں انیسؔ آہ و بکا کا، ساماں تھا عزا کا
جب کہتا تھا رو کر اسداللہ کا پیارا، مارے گئے اکبرؑ

نوحہ

(میر مونس اعلی اللہ مقامہ)

زنداں میں حرم کرتے تھے رو رو کے یہ زاری، نادان سکینہؑ
ہے ہے گئی بابا کے لئے جان تمھاری، نادان سکینہؑ

گرتا ہے پھٹا، کان ہیں مجروح مری جان اور زلف پریشان
غربت ہے عجب چھوٹی سی میت پہ تمھاری، نادان سکینہؑ

کیا خلد گئیں کھینچ کے اک نالۂ جاں کاہ، شبیرؑ کے ہمراہ
لینے کو تمھیں آئی تھی بابا کی سواری، نادان سکینہؑ

صدقے گئی پردیس میں بہنوں کو بھی چھوڑا، منھ ماں سے بھی موڑا
اب پیار سے آتی نہیں گودی میں ہماری، نادان سکینہؑ

اس پھول سے عارض پہ طمانچوں کے نشاں ہیں، مادر کسے دکھلائے
بن باپ کی بچی تری صورت کے میں واری، نادان سکینہؑ

مادر بھی نہیں سر پہ، کفن دے تمھیں کیونکر۔ یہ بیکس و مضطر
نادار ہے، محتاج ہے ماں درد کی ماری، نادان سکینہؑ

نوحہ

میر انیس اعلے اللہ مقامہٗ

رو کے چلاتی تھیں زینبؑ مرے ماں جائے حسینؑ
ذبح دو روز کے پیاسے ہوئے تم ہائے حسینؑ

اب تلک سوتے ہو بے گور و کفن مقتل میں
صدقے بہنا تری مظلومی کے ہو جائے حسینؑ

لئے جاتے ہیں لعیں باندھ کے بازو مجھ کو
کس طرح فاتحہ زینبؑ ترا دلوائے حسینؑ

دم بدم بالی سکینہؑ تمھیں کرتی ہے طلب
تم کو کس جا سے بہن ڈھونڈھ کے لے آئے حسینؑ

میں تڑپتی رہی اور پھول سے تن پر ہے ہے
زخم تیر و تبر و تیر و سناں کھائے حسینؑ

گھر لٹا، خیمہ جلا، چھن گئی سر پر سے ردا
آکے اس دشت میں کیا کیا نہیں دکھ پائے حسینؑ

تم تو جنت میں گئے، فاطمہ زہراؑ کے حضور
نیل بازو کے یہ زینبؑ کسے دکھلائے حسینؑ

قید زنداں کی مصیبت میں ہوں کچھ بس نہیں اب
کس طرح قبر میں زینبؑ تمھیں دفنائے حسینؑ

اب نہ قاسمؑ ہیں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ علےؑ
کون رسی مرے بازو سے یہ کھلوائے حسینؑ

انیس کی ہے یہ تمنا کہ ہو جب حشر کا دن
اپنے ہمراہ مجھے خلد میں لے جائے حسینؑ

ہفتہ وار
سرفراز لکھنؤ

جلد ۴۷، ۱۷؍مارچ سنہ ۶۹ء، نمبر ۱

شیعہ مفتی اعظم ہندستان کا انتقال پُرملال

۹؍مارچ کو سہ پہر کے سوا پانچ بجے شیعہ مفتی اعظم ہندستان مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ علم و عمل کی دنیا کو ہمیشہ کے لئے سُونا کر گئے۔ یوں تو آپ عرصہ سے صاحب فراش تھے اور آپ کی جانبری سے کچھ مایوسی سی ہو گئی تھی لیکن یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ممدوح کے انتقال پُر ملال کی خبر اچانک سُننے میں آجائے گی۔

مفتی اعظم اعلی اللہ مقامہ بظاہر تو امراض قلب میں مبتلا تھے لیکن اصل مرض بڑھاپا اور ضعف تھا۔ آپ ۸۵ سال کی عمر کو پہونچ چکے تھے اور ہندستان و پاکستان کے سارے علماء میں سب سے زیادہ کبیر السن تھے۔

علمائے برصغیر کو اگر تین طبقوں میں تقسیم کیا جائے تو طبقہ اول کے علمائے کبار میں مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ جائسی جونپوری، مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ الہ آبادی، شمس العلماء مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ، شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ، مولانا سید باقر صاحب قبلہ، مولانا سید ظہور الحسن صاحب قبلہ وغیرہ کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ مفتی اعظم مرحوم نے صف اول کے علماء کا دور بھی گزارا اور صف دوم کے علماء کا بھی جواب اس دنیا میں باقی نہیں ہیں اور تیسری صف کے علماء کا دور بھی دیکھا جو ماشاء اللہ اس وقت بقید حیات ہیں۔

اس وقت برصغیر ہندستان و پاکستان میں ان کے طبقہ کا کوئی عالم موجود نہیں تھا اور سن و سال کے اعتبار سے سب سے زیادہ معمر تھے۔ موجودہ دور کے علماء میں صلاحیت و استعداد اور انداز فکر و نظر کے اعتبار سے خاص درجہ رکھتے تھے۔ وہ بلاشبہ اس برصغیر میں بڑے بلند پایہ مدرس تھے۔ آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری۔ آپ نے تقریر اور تصنیف و تالیف سے کوئی غرض نہیں رکھی بلکہ مرحوم کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ چالیس بیالیس برس اونچے درجہ کے طلباء کو اصول فقہ کی تعلیم دیتے رہے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور اسی لئے آپ مفتی اعظم کے لقب سے مشہور تھے۔ عربی شاعری پر بھی پورا عبور حاصل تھا اگرچہ کم گو تھے مگر عربی زبان میں بڑی روانی سے شعر و شاعری کر لیتے تھے۔

مفتی اعظم صاحب قبلہ ہندستان کے عظیم مجتہد و عالم مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ بالکل صغر سنی ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے آپ کو بچپن ہی سے اولاد کی طرح پرورش کیا تھا اور تعلیم و تربیت دی تھی۔ پھر اپنی والدہ کے ہمراہ حصول تعلیم کے لئے عراق تشریف لے گئے اور وہاں کے مستند اور جید علماء سے کسب فیض کیا اور گیارہ سال قیام کے بعد سند اجتہاد حاصل کر کے وطن واپس تشریف لائے۔ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ نے آپ کو امروہہ کے مدرسہ سید المدارس کا پرنسپل مقرر کرایا۔ پھر اپنی زندگی ہی میں شمس العلماء اعلی اللہ مقامہ نے جو ہندستان کی وسیع و بلند پایہ درس گاہ مدرسہ ناظمیہ کے بانی تھے مفتی صاحب مرحوم کو اپنی زندگی ہی میں اپنا نائب مقرر کر دیا اور نجم العلماء کی وفات کے بعد مفتی صاحب مدرسہ کو ۶؍مارچ سنہ ۱۹۶۹ء تک کامیابی کے ساتھ چلاتے رہے۔ آپ کے کوئی اولاد نرینہ

نہیں ہے صرف ایک صاحبزادی ہیں آپ کے خویش کا نام سید تقی رضا صاحب ہیں جو صاحب اولاد ہیں۔

اس سلسلے میں مرحوم کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ ملک کی تقسیم، خاتمہ زمینداری اور سقوط ریاست حیدرآباد کے بعد مدرسہ کے زندہ و باقی رکھنے کے لیے آمدنی کے سارے سرچشمے خشک ہو چکے تھے لیکن یہ مرحوم ہی کا دم خم تھا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے اب تک وہ مدرسہ کے اخراجات کے لئے کسی نہ کسی طرح سرمایہ فراہم کرتے رہے اور اس سرچشمہ علم کو خشک نہ ہونے دیا۔

آپ کے انتقال کی خبر رات ہی کو سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ صبح کو جنازہ غسل خانہ دریائے گومتی لے جایا گیا جس کے ہمراہ ہزاروں کا مجمع موجود تھا۔ غسل کے بعد میت ناظمیہ کالج کی عمارت میں لائی گئی۔ اور اس حجرہ میں دفن کیا گیا جہاں آپ کے استاد و سرپرست اور مربی سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مدفون ہیں نماز جنازہ جناب تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ نے پڑھائی۔

مفتی اعظم صاحب قبلہ مرحوم کا سانحہ ارتحال قوم کے لئے تو ایک دلدوز صدمہ ہے ہی لیکن ناظمیہ کالج کے لیے واقعی سب بڑا سانحہ عظیم ہے۔ اور آپ کے انتقال کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے مدرسہ کی پرنسپلی کا۔ ناظمیہ کالج کا پرنسپل ایسا نہ ہونا چاہیئے جو نہ صرف علوم دینیہ ہی میں بلند درجہ رکھتا ہو بلکہ اس میں یہ خصوصی صلاحیت بھی ہو کہ وہ اس مشکل زمانہ میں مدرسہ کو سابقہ روایات کے تحت خوش اسلوبی کے ساتھ چلاتے رہنے کے لئے ضروری سرمایہ بھی فراہم کر سکے۔

یوپی میں کانگریس پھر برسر اقتدار

یوپی لیجسلیٹو اسمبلی کی ۴۲۶ نشستوں میں سے ابھی ۴۲۴ نشستوں کا اعلان ہو چکا ہے: ایک سیٹ کا الکشن باقی ہے اور ایک ممبر کی نامزدگی گورنر کو کرنا ہے۔ ان ۴۲۴ سیٹوں میں سے کانگریس ۲۰۹ سیٹوں پر قابض ہو چکی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایوان کے اندر اکثریت میں تو ہے مگر ایسی اکثریت میں نہیں ہے کہ صرف اپنے دست و بازو کی قوت پر کسی اور سہارے کے بغیر پائیدار حکومت بنا سکتی لیکن اس صوبہ کے مرد آہن کہلائے جانے والے نیتا شری سی' بی گپتا نے

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کے خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

ہمت سے کام لے کر صوبہ میں اپنی وزارت بنا لی۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ سے امید ہے کہ وہ جہاں ابتدا ہی میں ۲،۵ آزاد ممبروں کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہاں اور ممبروں کو بھی کانگریسی حکومت کی تائید پر آمادہ کر لینے میں کامیاب ہو سکیں گے اور وہ موجودہ مدت کی حیات میں کانگریس کے ہاتھ سے اقتدار کو نہ نکلنے دیں گے۔

کانگریس کو سب سے زیادہ نقصان اس کی آپس کی پھوٹ نے پہونچایا ہے جس کی وجہ ہے صوبہ کے مجموعی مفاد کے مقابلہ میں اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینا۔ ظاہر ہے کہ اسمبلی کے ۴۲۶ ارکان کو تو منسٹریاں نہیں مل سکتیں' وزارتوں کی تعداد بہرحال گنی چنی ہوتی ہے۔ اب جس کسی بارسوخ و معتقد کانگریسی کو کابینہ میں جگہ نہیں ملی وہی روٹھ گیا اور اس نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ کھڑی کر لی۔ کانگریس کے اثر و اقتدار والے ارکان اس بنا پر بغاوت کر کے کانگریس کے مقابلہ میں اپنی جداگانہ تنظیم کر لیتے ہیں کہ ہمیں کرسی کیوں نہیں ملی یا وزیر اعلیٰ ہمیں ہونا چاہیئے تھا یا ہمارے فلاں منظور نظر کو وزارت میں نہیں لیا گیا یا یہ کہ وزیر اعلیٰ ہمارے اشارہ چشم و ابرو پر کام کیوں نہیں کرتے۔ چودھری چرن سنگھ کی ناراضی کا سبب بھی ایسی ہی باتیں تھیں جس سے بددل ہو کر انھوں نے علیحدگی اختیار کر لی اور سنڈیکٹ و دھانگ دل بنا کر تمام مخالف پارٹیوں کو متحد کر لیا اور کانگریس کو بے دخل کر کے

اپنی حکومت بنائی اور دس مہینے راج پاٹ کا مزہ لوٹ لیا۔

اب کی بھی مسٹر سی، بی، گپتا نے اپنی کابینہ میں بہت سے پرانے اور پختہ کار کانگریسیوں کو نظر انداز کر کے نئے چہروں کو شامل کر لیا ہے۔ جس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کہیں مستقبل قریب میں اقتدار سے محرومی بعض پرانے کانگریسی نیتاؤں کو کانگریس سے علیحدگی پر مجبور نہ کر دے۔ جب کوئی پرانا کانگریسی جس کی عمر ہی کانگریس کے اندر رہ کر گزری ہے جب اس سے الگ ہوتا ہے تو وہ اس میں ہزاروں کیڑے ڈالنے لگتا ہے جیسے کہ جب تک وہ خود کانگریس کے اندر تھا کانگریس ہر قسم کی برائیوں سے پاک وصاف تھی اور جیسے ہی وہ اس سے الگ ہوا اس میں دنیا کی ساری برائیاں اچانک پیدا ہو گئیں اور وہ اس قابل نہیں رہی کہ عوام اس کی طرف توجہ کریں۔

گپتا جی کی ۱۶ رکنی کابینہ سے بھی گینداسنگھ جی جیسے کانگریسی نیتا مطمئن نہیں ہیں۔ ڈر ہے کہ کہیں یہ عدم اطمینان غیر مطمئن کانگریسی لیڈروں کو بھارتیہ کرانتی دل میں شامل ہو جانے یا اپنی کوئی الگ تنظیم کھڑا کر لینے پر آمادہ نہ کر دے۔ گپتا جی کا اس وقت سب سے بڑا سیاسی کارنامہ یہ ہوگا کہ وہ کانگریس میں پھوٹ پڑنے کی نوبت نہ آنے دیں۔

گپتا جی کے موجودہ دور حکومت کو لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اگر وہ اپنے صوبہ کو سختی سے کام لے کر فرقہ وارانہ بلوؤں سے پاک وصاف رکھیں اور سابق ادوار کی طرح میرٹھ اور الہ آباد کے ایسے بلوے ظہور پذیر نہ ہونے پائیں۔ گپتا جی کی توجہ کے لیے دوسری خاص بات یہ ہے کہ صوبہ میں غلے اور اشیائے خوردنی کے دام پھر چڑھنے لگے ہیں اور ان کے برسر اقتدار آنے کے دن ہی سے جو آٹا ایک سیر چار چھٹانک بک رہا تھا وہ ایک کیلو کا رہ گیا۔

اگر سستے غلے کی سرکاری دوکانوں پر فی کس راشن کی مقدار بڑھا کر زیادہ نہیں صرف تین چھٹانک ہی کر دی جائے تو بازار کا بھاؤ خود بخود گر جائے گا۔

سرفراز کا تاریخ عزاداری نمبر

ہم نے ارادہ تو یہ کیا تھا کہ محرم نمبر ۹ مارچ ہی کو شایع ہو جائے تاکہ عشرہ شروع ہونے سے بہت پہلے یہ پرچہ ناظرین کے ہاتھوں تک پہونچ جائے لیکن بہتر مضامین کے تاخیر سے آنے کی وجہ سے ایسا کرنا نا ممکن ہو گیا اور اب یہ نمبر ۱۰ مارچ کو شایع کیا جا رہا ہے جب کہ ذی الحجہ کی ۳۰ تاریخ ہوگی۔

ابکی محرم نمبر کا موضوع ہم نے ایسا مقرر کیا تھا جو ایک حیثیت سے بڑا دلچسپ پرکشش معلوماتی اور افادیت کا حامل تھا لیکن ہمیں جو مضامین موصول ہوئے انھیں پڑھ کر مایوسی ہوئی۔ زیادہ تر حضرات نے اپنے یہاں کی عزاداری کے ایسے حالات قلم بند کر کے بھیج دیئے جیسے ہر سال عشرۂ محرم کے بعد سرفراز میں عزاداری کی رپورٹوں کی شکل میں شایع ہوتے رہتے ہیں۔ اصل میں ہمارا مطلب تو یہ تھا کہ ہر شیعہ بستی کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت دی جائے' یہ بتایا جائے کہ وہاں شیعہ کب سے آباد ہیں وہ کب آئے' کیسے آئے انھوں نے عزاداری کے سلسلے میں کیا کیا کام انجام دیئے اور ان کی عزاداری کن کن مرحلوں سے گزر کر موجودہ حالت میں آئی ہے۔ بعد میں موجودہ طریقہ ہائے عزا بھی مختصر طور پر بتا دیئے جاتے مگر سارا زور ماضی کے حالات پر دیا جاتا۔

بس کم تر مضامین ایسے ہیں جن میں کسی بستی کی تاریخ عزاداری سے بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے ہم صرف اتنے مضامین دے رہے ہیں جو وقت سے آ گئے تھے جن کی کتابت آسانی سے ہو سکی اور جو مجوزہ نمبر کے مقررہ صفحات کو پر کر سکے۔

بس ایک جامع و بسیط مضمون الحاج علامہ سید سبط الحسن صاحب فاضل ہنسوی مدظلہ کا اس مبارک نمبر میں شایع کیا جا رہا ہو

یہ محرم نمبر کی جان و روح سمجھنا چاہیئے۔ اس میں مستند حوالوں سے واقعی تاریخ عزاداری بیان کی گئی ہے۔ یہ مضمون بڑا معیاری، معلوماتی اور عالمانہ ہے اور اس کو پڑھ کر فاضل جلیل کی وسعت نظر و مطالعہ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ خدا ممدوح کو طول عمر عطا کرے اور وہ تندرست و توانا رہیں تاکہ مذہب کی اسی طرح خدمات بجا لاتے رہیں۔ ہمیں اس کا علم ہے کہ موصوف کو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے بعد تصنیف و تالیف کے لئے موقع بہت کم ملتا ہے لیکن پھر بھی مذہبی مفاد اس کا متقاضی ہے کہ ممدوح کے دماغ میں علوم و افکار اور معلومات کے جو بیش بہا ذخیرے محفوظ ہیں وہ کسی طرح صفحۂ قرطاس پر آسکیں تاکہ دنیا والے ان سے آئندہ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں تقریر سے کہیں زیادہ مفید تحریر ہوتی ہے اس لئے کہ اول الذکر کا مفاد وقتی اور محدود اور آخر الذکر کا فائدہ غیر محدود و دائمی ہوتا ہے۔

علامہ ہنسوی کا یہ مقالہ اس قابل ہے کہ اسے بہترین کتابت و طباعت اور بہترین گیٹ اپ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

جن مضامین میں تاریخ عزاداری سے بحث کی گئی ہو ان میں جونپور، جلالی، سیتاپور، مبارکپور، کشمیر اور کنڈرکی سے متعلق مضمون قابل ذکر ہیں۔

شیعوں کی بہت سی قدیم بستیوں سے کوئی بھی تاریخی مضمون موصول نہیں ہوا۔ مثلاً امروہہ، نوگانواں، فیض آباد، جائس وغیرہ۔ ان بستیوں میں آجکل عزاداری کے جو طریقے رائج ہیں ان کے بیان کر دینے سے کوئی فائدہ نہیں اصل میں ہر بستی کی تاریخ عزاداری سے بحث ہونا چاہیئے تھی۔ امروہہ سے ایک مضمون آیا بھی لیکن اس میں امروہہ کی تاریخ عزاداری اور تاریخ شیعیت سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ یہ مضمون امروہہ جیسی اہم اور قدیم بستی کے شایان شان نہیں جسے مدتوں سے ہندستان میں شیعوں کا اہم گڑھ خیال کیا جاتا رہا ہے۔

جلالی، ہلور وغیرہ سے کئی کئی مضمون مختلف حضرات نے بھیجے ہیں۔ جن میں "تاریخیت" بہت کم ہے اور موجودہ عزاداری کے حالات زیادہ۔ پھر ہمارے لئے یہ طے کرنا دشوار ہو گیا کہ ان میں سے کونسا مضمون دیا جائے اور کونسا نہ دیا جائے۔ یہی حال خود ہمارے قصبہ کنڈرکی کا تھا جسے دو صاحبوں نے اپنے اپنے طور پر مضامین قلم بند کر کے بھیجے تھے لیکن چونکہ وہ ہمارے وطن کا معاملہ تھا اس لئے ہم نے ان دونوں مضامین کو اپنے طور پر ملا کر ایک مضمون بنا دیا لیکن دوسری بستیوں کے متعلق ہم ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں نہ اس کا حق تھا اور نہ ہم اصل مقامی حالات سے ناواقفیت کی بنا پر اس پوزیشن میں تھے کہ ہم کئی مضمونوں کو ملا کر ایک بنا دیں۔ جلالی کا مضمون چونکہ تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے اور وہ ایک ذمہ دار بزرگ کا علامہ کانپوری صاحب کی سفارش کے ساتھ آیا تھا اس لئے اسے ہم نے دے دیا ہے۔

تاریخ عزاداری کا یہ موضوع بڑا وسیع ہے جو ایک سال میں مکمل بھی نہیں ہو سکتا تھا یہ بسیط موضوع تو کئی سال کے محرم نمبروں ہی میں آسکتا ہے۔ بشرط حیات ہم آئندہ بھی اسی موضوع پر نمبر نکال سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ہر بستی کے حضرات کو چاہیئے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک اہل قلم کو اپنی بستی کی تاریخ عزاداری قلم بند کرنے کا کام سپرد کر دیں اور باقی واقف کار حضرات مشورہ میں شریک رہیں۔ ہر بستی سے ایک ہی ذمہ دارانہ مضمون آنا چاہیئے۔ آئندہ محرم نمبر میں ابھی ایک سال کا وقت باقی ہے اگر سارے ہندستان کی شیعہ بستیاں اس کام کو اپنے اپنے یہاں ابھی سے محنت کے ساتھ شروع کر دیں تو آئندہ سال کا تاریخ عزاداری نمبر بڑا جامع اور وقیع نکل سکتا ہے

پہلے سے مضامین بھی آسکتے ہیں ان کی کتابت اور طباعت بھی رفتہ رفتہ کرائی جا سکتی ہے اور کسی مضمون کے متعلق ہمیں اگر کچھ پوچھنا ہو یا وضاحت ضروری ہو تو اس کے لئے خط وکتابت بھی کی جا سکتی ہے۔

علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کامونپوری مرحوم سے ہندوستان کی تاریخ عزاداری کتابی شکل میں مرتب کرنا چاہ رہے تھے جس کے لئے موصوف نے ۱۹۵۵ء میں کچھ مواد بھی جمع کیا تھا ہماری درخواست پر مرحوم نے وہ سارا مواد ہمیں بھیج دیا جس کے لیے ہم ان کے شکرگزار ہیں مگر افسوس ہے کہ اس سارے ذخیرہ میں سے صرف تاریخ عزاداری ضلع سیتاپور ہم کام میں لا سکے باقی مضامین ایسے ہیں جن پر تنازعی عارض ہو چکی ہے اور وہ اس وقت چھپ سکتے ہیں جب کہ ان کو سامنے رکھ کر کوئی محقق و واقف کار پھر سے ہر مضمون کو ترتیب دے۔ بہر حال ہم علامہ موصوف کے شکرگزار ہیں۔

اس موقع پر محترم فاضل ہندی مدظلہ کی طرح بعض اور بلند پایہ اہل قلم حضرات کے مضامین بھی ملنا چاہیے تھے جیسے مورخ اعظم علامہ کامونپوری سرکار سید العلماء نجم الاسلام مولانا سعادت حسین خان صاحب قبلہ اور ایسے ہی دوسرے افراد جن کے پاس استفادہ کے لیے ایسے گرانقدر کتب خانے موجود ہیں جو دنیا کے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتے ہیں۔

جو مضامین ہمارے پاس باقی رہ گئے ہیں ان میں سے بعض اس اسپیشل نمبر میں جگہ پا سکتے تھے مگر وقت اور گنجائش کی قلت کی وجہ سے وہ اس میں شامل نہ کیے جا سکے۔

اگر افراد ملت کو تاریخ عزاداری کے موضوع سے واقعی دلچسپی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ آئندہ سال پھر اسی موضوع پر محرم نمبر نکالا جائے تو وہ ہمیں اپنے مشورہ سے آگاہ کریں اور اس پر ابھی سے کام کرنا شروع کر دیں۔

جب محرم نمبر کے سب مضامین لکھے جا چکے تھے اس وقت بالکل آخر میں علامہ کامونپوری صاحب مدظلہ نے اپنا عالمانہ مضمون ارسال کیا جس کو نہ معلوم کن دشواریوں اور دقتوں سے لکھوا کر نمبر میں شامل کیا گیا ہے۔

عمدۃ العلماء میموریل سوسائٹی کا قیام

لکھنؤ کے کچھ جوان بخت و جوان سال افراد اپنے جوش ایمانی سے مجبور ہو کر سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ کی یادگار میں کچھ مفید اور اہم کام انجام دینے کے لیے ایک سوسائٹی کا قیام عمل میں لائے ہیں جس کا بنیادی جلسہ جناب [illegible] صاحب محمود آباد (اقبال منزل) کی صدارت میں ہوا۔

جلسہ میں لکھنؤ کے مختلف محلوں کے نمائندوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس سوسائٹی نے سب سے اہم کام اپنے ذمہ یہ لیا ہے کہ امام باڑہ غفرانمآب کی عمارت کو جسے اس کی پشت پر بننے والا بلڈنگ برابر نقصان پہنچا رہا ہے مضبوط و مستحکم بنانے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں ایک کام یہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دالانوں کے درمیان کے دروازوں کے پائے نکال ڈالے جائیں تاکہ دونوں دالان ایک ہال کی شکل اختیار کر لیں اور اس کے آگے چبوترے تک سائبان بن جائے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ ہر پانچ سال بعد کسی مناسب تاریخ کو "کلب حسین ڈے" منایا جایا کرے اور ہر پانچ سال کے دوران میں کچھ تعمیری تحریروں کو چھاپ دیا جایا کرے۔

سوسائٹی کے سکریٹری سید مسعود رضوی صاحب ایڈووکیٹ کو منتخب کیا گیا اور صدر بریگیڈیئر رضوی ہیں۔

تفصیلی کارروائی عشرۂ محرم کے بعد ہی دی جا سکے گی۔

زائرین عراق و ایران کی مشکلات

زائرین عراق و ایران کے مشکلات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اب سال میں صرف ایک بار قرعہ اندازی ہونے لگی ہے جو جنوری میں ہو چکی۔ اس کے معنی ہیں کہ اب دسمبر تک کوئی زائر نہیں جا سکتا۔ اسی طرح کی دوسری مشکلات بھی ہیں۔ سرفراز نے بھی اور دوسرے شیعہ اداروں نے وقتاً فوقتاً ان پابندیوں کے خلاف احتجاج کیا اور چند سال پہلے جناب ابو محمد صاحب جے پی بمبئی نے اس سلسلے میں بڑی کد و کاوش کی۔ لکھنؤ میں عظیم پیمانے پر زائرین کانفرنس بھی منعقد ہوئی لیکن ابھی تک ہماری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے بلکہ الٹا اثر ہو رہا ہے۔ حج کمیٹی نہ زائرین کے مسائل سمجھ سکتی ہے نہ اسے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ فوراً ضرورت ہے کہ اس مسئلہ پر ملک گیر پیمانے پر احتجاج منظم کیا جائے۔ اس سلسلے میں سرفراز ہر ممکن خدمت کے لیے تیار ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ حاجی ابو محمد صاحب جے پی اور دوسرے مومنین بمبئی اپنی پچھلی دلچسپی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ فرمائیں۔

محرم نمبر کیلئے گرانقدر عطیہ

ہماری قوم کے محترم ہستی اور صوبہ بہار کے ممتاز ترین طبیب حاذق جناب حکیم محمد صالح صاحب قبلہ مدظلہ آف پٹنہ نے سرفراز محرم نمبر کے لئے مبلغ پچاس روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے جو موصول ہو گیا ہے۔ ادارہ جناب ممدوح کا تہ دل سے شکر گزار ہے اور ان کے طول عمر اور صحت و عافیت کے لئے دست بدعا ہے۔

قومی سانحہ

اخبارات سے یہ پڑھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ جناب مرزا اعجاز و مرزا محمد جعفر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم جناب مغفرت مآب آغا محمد علی خاں صاحب (ناظم صاحب) لکھنؤی کے بڑے پوتے تھے۔ مرحوم اپنے دادا کے جانشین تھے۔ جامعہ ناظمیہ لکھنؤ کے سرپرست اعلیٰ اور امام باڑہ ناظم صاحب کے متولی تھے۔ شہر کے بہت سے قومی اور مذہبی ادارے ان کی ذات سے مستفیض ہوتے تھے۔ موصوف ایثار پسند اور مذہب دوست اور قوم پرور تھے۔ آپ نے اپنی سب جائیداد دینی امور کے لئے وقف کر دی تھی۔ مجھے بہ حیثیت ناظمیہ عربی کالج کے آنریری جنرل سکریٹری اور شخصی طور پر مرحوم کے انتقال پر خاص کا بڑا رنج و غم ہے۔ خداوند کریم مرحوم کو ائمہ طاہرین کے جوار رحمت میں جگہ دے۔

(خادم دین و ملت) مجتبیٰ حسن کاموں پوری
آنریری جنرل سکریٹری ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ و ناظم دینیات شیعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

لکھے ہوئے مضامین کا سلسلہ

"تاریخ عزاداری نمبر" کے سلسلے میں بہت سے لکھے لکھائے مضامین باقی رہ گئے جو "جامہ ندارم دامن از کجا آرم" کے بقول پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے نمبر کی ضخامت کو زیادہ نہیں بڑھایا جا سکا۔ اگر روپیہ ہوتا تو دل چاہتا تھا کہ یہ سارے لکھے لکھائے مضامین اسی نمبر میں دے دیئے جاتے۔ بہرحال آئندہ ہم ہر معمولی اشاعت میں ان میں سے آٹھ صفحے دیتے رہیں گے۔

اس سال ایام عزا کی بدولت سالہائے گزشتہ کی طرح نہ بھی جائیں تاہم ابھی انھیں شایع کرنے سے قاصر رہیں گے۔ جو عزاداری پر جو لکھے ہوئے مضامین بچ گئے ہیں، انھیں کو دیتے رہیں گے۔

۱۳ رجب کی ریسٹرکٹڈ چھٹی منظور

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ انجمن حسینی رجسٹرڈ دہلی کی کوششوں سے گورنمنٹ آف انڈیا نے ولادت حضرت علی علیہ السلام کے سلسلے میں ۱۳ رجب کو اس سال ریسٹرکٹڈ (RESTRICTED) چھٹی منظور کرلی ہے۔ حکومت کے اس فیصلہ پر نہ صرف انجمن حسینی حکومت ہند کی شکر گزار ہے بلکہ وہ ہندستان کے تمام شیعوں کے شکریہ کی مستحق ہے۔

حسینیہ غفرانمآب کا یادگار پھاٹک

مجدد شریعت حضرت مولانا سید دلدار علی صاحب قبلہ طاب ثراہ (جو دنیائے شیعیت میں جناب غفرانمآب کے نام سے متعارف ہیں) کا بنوایا ہوا امام باڑہ جو اب تمام دنیا میں شہرت حاصل کر چکا ہے تقریباً منہدم ہو چلا تھا کہ سرکار عمدۃ العلماء طاب ثراہ نے بروقت اٹھ کر اس کو نئی زندگی دیدی۔ سرکار مرحوم کی خواہش تھی کہ اس عظیم الشان حسینیہ کا پھاٹک بھی شایان شان بن جائے اور اسی لئے اپنے دست مبارک سے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ گئے تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور ان کی یہ خواہش ان کی زندگی میں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکی۔

سرکار مرحوم کے بڑے صاحبزادے آقائے شریعت سرکار صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ مجتہد اعلم نے بالآخر اس خواہش کو عملی جامہ پہنا دیا اور الحمد للہ کہ یوم عید قربان یعنی ۱۰ ذی الحجہ یوم جمعہ حسینیہ غفرانمآب کے عظیم الشان پھاٹک کا کام جو ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچا ہے افتتاح عزت مآب جناب سید علی ظہیر صاحب بالقابہ کے مبارک ہاتھوں ہو گیا۔ پھاٹک کا نام "باب وادی الغفران" رکھا گیا ہے جو ایک تاریخی حیثیت کا بھی حامل ہے یعنی ۱۳۸۹ھ۔

ایک سادہ مگر بین الاقوامی اجتماع میں تقریباً ۴ بجے سہ پہر اس پھاٹک کی رسم افتتاح عمل میں آئی۔ اس کے بعد جلسہ میں جو جناب مہاراجکمار صاحب محمود آباد کی صدارت میں ہوا سب سے پہلے سرکار مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے مولانا سید کلب صادق صاحب ایم۔ اے۔ نے معزز مہمانوں کا استقبال ایک مختصر مگر جامع تقریر میں کیا۔ موصوف کے بعد علاوہ دیگر مقررین کے اندرلوک سنگھ صاحب، جناب دیویندر کمار صاحب، جناب امتیاز حسین صاحب ایم۔ ایل۔ اے، جناب اعجاز رضوی صاحب، جناب سبط رضی صاحب نے سرکار مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے دینی خدمات کا تذکرہ کیا۔ جناب صدر نے اپنی مختصر مگر پُر مغز تقریر میں سرکار مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس امر کا بھی اظہار فرمایا کہ لوگ ان کی سیرت کو مشعل راہ بنائیں تو باہمی اختلافات اور تنگ نظری کی لعنت ختم ہو سکتی ہے۔ آخر میں سرکار مرحوم کے بڑے صاحبزادے آقائے شریعت نے مہمانوں کا شکریہ ادا فرمایا۔ اور اپنی تقریر سرکار مرحوم کے اس مشہور فارسی قطعہ پر ختم کی۔

شادم کہ من گزشتم ز کرم گزشتم
قائم ز این حسینیہ نام و نشانِ من
کلب حسین بودم و نازاں بجز منش
غافل نہ شد ز ذکر حسینہ زبان من

جناب آہر لکھنوی اور حیدر صاحب نے اپنی نظمیں بھی پڑھیں جو بے حد پسند کی گئیں۔

اس موقع پر سرکار مرحوم سے متعلق لٹریچر نیز سرکار کے قلمی مسودات کی نمائش بھی ہوئی۔ (ایم۔ ایم۔ غلام حسین)

نرالا تیل "ایک عظیم ایجاد" رجسٹرڈ نمبر ۲۳۴۹۱۰

جس پر بجا طور پر بھارت کو ناز ہے۔ یہی وہ مشہور تیل ہے جس نے بدیشی دواؤں کے بھرم کو توڑ دیا، جس گھر میں ایک بار استعمال ہوا وہاں پھر دوسرا تیل نہیں گیا۔ یہ یونانی تیل سائنس کے موجودہ اصولوں کے قواعد کو پیش نظر رکھ کر دیسی اجزا نایاب بوٹیوں اور تلوں کے تیل سے تیار کیا جاتا ہے، اس لئے اجزا کے خواص برقرار رہتے ہیں ایک عرصہ سے عوام میں اس کو مقبولیت حاصل ہے۔ اکثر کمپنیوں نے اس سے ملتے جلتے نام کے تیل بازار میں پھیلا دیئے ہیں۔ اس لئے آپ کو مطلع کرنے کے لئے عام پبلسٹی کرنی پڑی۔

چونکہ یہ خوشبودار تیل تل سے تیار کیا جاتا ہے، اس لئے دماغی کمزوری، بالوں کا گرنا، درد سر، بے خوابی، قوت باہ کی کمی، لاغری، سستی میں بطور طلا استعمال کریں۔ بالوں کو نرم چمکدار رکھتا ہے نیز سفیدی سے بچاتا ہے۔ ہر قسم کے درد، چوٹ، ورم، بخار، گلٹیوں کی تکلیف، بھڑ، بچھو کے کاٹے، سوکھا، ملیریا، نقرس، گٹھیا، کٹ جانا، سینہ، پسلی کی چمک، خارش، خشکی، دانت، ابرن، درد وغیرہ میں بہترین کام کرتا ہے۔ اینٹی سپٹک ہے۔ پرچہ ترکیب استعمال پیکنگ کے ساتھ ہے۔

ہر شہر و بستی میں ایجنٹ کی ضرورت ہے۔ نرالا ایجنسی کیلئے اس پتہ پر لکھئے۔

نرالا کیمیکل ورکس ٹانڈور، بستی، یو۔ پی

اقوام عالم کو کربلا کی عظیم قربانی اور اسکے پس منظر سے باخبر بنائیے

تاکہ وہ اسلام حقیقی سے متعارف ہو سکیں

تحریک: واقعہ عظیم کی ہر سال محرم میں دنیا کے گوشے گوشے میں مختلف زبانوں میں دہرائی جاتی ہے لیکن لا بہر تقسیم کرتا رہتا ہے۔ اور اب دنیا کربلا کی عظیم قربانی سے روشناس ہو کر اسلام حقیقی سے متعارف ہونا شروع ہو گئی ہے۔ تمام اہل ایمان حسین مظلوم سے استدعا ہے کہ وہ حسینی فنڈ کی زیادہ سے زیادہ امداد فرما کر عند اللہ وعند الرسول ماجور ہوں۔

حسینی فنڈ: کے معطیان کو ان کی رقم عطیہ سے بعد مہیائی صرفہ ڈاک دو گنا قیمت کے رسائل، اردو، ہندی یا انگریزی ان جس زبان میں مطلوب ہوں، محرم سے قبل ہی ارسال کر دیئے جاتے ہیں اور وہ خود ہی اپنے وہاں برادران وطن میں بلا قیمت تقسیم کر کے عند اللہ وعند الرسول ماجور ہوتے ہیں۔

الداعی الی الخیر:۔ سید ابن حسین نقوی عفی عنہ، آنریری سکریٹری امامیہ مشن۔ لکھنؤ

حسینی فنڈ ۱۳۸۹ھ

(قسط بست و ششم)

محترم برادران ایمانی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اس سے قبل "حسینی فنڈ" کی پچیسویں قسط سرفراز مورخہ ۱۰ر فروری ۶۹ء میں شایع ہو چکی ہے اور اب بحمد اللہ یہ چھبیسویں قسط پیش کی جا رہی ہے جس میں ۲۸ر فروری ۶۹ء تک کی موصولہ رقوم شامل ہیں۔ اب ستائیسویں قسط انشاء اللہ محرم کے بعد جو پرچہ شایع ہوگا اس میں شایع ہو سکے گی۔

ہم درگاہ احدیت میں دست بدعا ہیں کہ وہ منعم حقیقی ان تمام عاشقان حسین مظلوم کو اس دینی نصرت کے اجر بے حساب بحق آل طٰہٰ و یٰسین علیہم السلام دنیا و آخرت میں دونوں جگہ مرحمت فرمائے اور دیگر افراد ملت کو بھی اس اہم دینی فریضہ کی طرف توجہ کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

اس عرصہ میں جن ممبران و رفقائے کار نے عطایا وصول کر کے ارسال فرمائے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱)	عالیجناب ماسٹر بشیر حسین صاحب بٹ سلمہ (منڈی)	پونچھ	[illegible]
(۲)	" مولوی سید نادر حسین صاحب رضوی بی۔ اے	حیدرآباد	[illegible]
(۳)	" ڈاکٹر سید اقبال حسین صاحب صفوی	میرٹھ	[illegible]
(۴)	" مولانا مفتی سید محمد عباس حسن صاحب قبلہ	مظفر نگر	[illegible]
(۵)	" شہاب الدین خاں صاحب (ہردوا گنج)	علی گڑھ	[illegible]
(۶)	" بیگم صاحبہ جناب سید منیر عباس صاحب	الٰہ آباد	[illegible]
(۷)	" منشی سید مظفر حسین صاحب رضوی باور	گیرا	[illegible]
(۸)	" سید حسن محمد صاحب نقوی امروہوی	سہارن پور	[illegible]
(۹)	" سید ریاض حسین صاحب (بجٹیا)	بارہ بنکی	[illegible]
(۱۰)	" مرزا معشوق حسین صاحب	الٰہ آباد	[illegible]
(۱۱)	" مرزا حسین احمد صاحب	سہارن پور	[illegible]
(۱۲)	" سید علمدار صاحب کاظمی	لکھنؤ	[illegible]
(۱۳)	" ایڈیٹر صاحب سرفراز	"	[illegible]
(۱۴)	" محمد صادق میر صاحب	اننت ناگ	[illegible]

(۱۵) عالیجناب مرزا مہدی رضا صاحب	کانپور	[illegible]
(۱۶) ″ سید جواد حسین صاحب نقوی	علی گڑھ	[illegible]
(۱۷) ″ ایم۔ ایم۔ غلام حسین صاحب	لکھنؤ	۲۵ر
(۱۸) ″ غلام اصغر صاحب	فیض آباد	[illegible]
(۱۹) ″ سبط حسن صاحب	بمبئی	۲۵ر
(۲۰) ″ مولوی سید قائم مہدی صاحب بی۔ اے سلمہٗ (سرائے میر)	بارہ بنکی	[illegible]
(۲۱) ″ مرزا نثار حسین صاحب (رگدعور)	مونگیر	[illegible]
(۲۲) ″ مولانا مشتاق حسین صاحب (تاجپور ڈیہہ)	غازی پور	۲۵ر۵
(۲۳) ″ سید محمد کاظم صاحب (پڈرون)	چمپارن	[illegible]
(۲۴) ″ سید ذو الفقار حیدر صاحب	میرٹھ	۶۲ر
(۲۵) ″ سید وجاہت حسین صاحب	دہلی	[illegible]
(۲۶) ″ مولانا بختیار حسین صاحب جعفری	اجمیر	۵۰ر
(۲۷) ″ ایک عاشق حسینؑ	ساردن	۱۲ر
(۲۸) ″ سید تراب علی صاحب	بجنور	[illegible]
(۲۹) ″ محرم علی صاحب	حیدرآباد	۵۰ر

محترم برادران ملت! حسینی لٹریچر کی روانگی کا سلسلہ برابر جاری ہے اور کوشش یہی کی جا رہی ہے کہ حسب معمول محرم سے قبل ہی ہر جگہ ممبران و رفقائے کار کو یہ دینی لٹریچر پہنچ جائے۔

اس وقت مشن سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہو کر تقریباً پانچ ہزار روپیہ پریس وغیرہ کو ادا کرنا ہے جو "حسینی فنڈ" میں عطایا اور چندہ ممبری ہی کے ذریعہ ادا ہو گا۔ لہٰذا تمام ممبران و رفقائے کار سے استدعا ہے کہ وہ زمانہ عزا میں افراد دینی کو توجہ دلا کر "حسینی فنڈ" میں زیادہ سے زیادہ عطایا وصول کر کے ارسال فرمائیں نیز توسیع ممبری کی طرف بھی ضرور توجہ فرمائیں۔ اگر تمام ممبران اپنے اپنے حلقہ اثر سے جدید ممبران کی فراہمی کا سلسلہ شروع کر دیں تو کافی تعداد ممبران کی فراہم ہو سکتی ہے صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔

منوٹ:۔ (۱) کوپن منی آرڈر پر اپنا مکمل نام و پتہ تحریر فرمایئے اور نمبر ممبری بھی ضرور درج فرما دیجئے۔ نیز رقم مرسلہ کی نوعیت بھی ضرور لکھ دیجئے کہ چندہ ممبری ہے یا "حسینی فنڈ"۔ (۲) مشن کے پتہ میں صرف سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳ تحریر فرمایئے۔ کسی محلہ یا سڑک کا نام نہ لکھئے۔

الداعی الی الخیر:۔ سید ابن حسین نقوی عفی عنہٗ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳

نمبر شمار	اسمائے معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۸۴۹	عالیجناب شیخ احمد حسین صاحب جنرل سکریٹری انجمن حسینیہ	المیر کوٹلہ	(قسط دوم) [illegible]	
۱۸۵۰	″ محترمہ شاہدہ بیگم صاحبہ جعفری شیرازی	کلکتہ	[illegible]	ممبر خصوصی

نمبر شمار		اسمائے معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۸۵۱	عالیجناب	سید علی اختر صاحب زیدی (شمس آباد)	فرخ آباد	معہ/	
۱۸۵۲	"	کلب حسین صاحب (عثمان پور)	فیض آباد	صہ/	ممبر خصوصی
۱۸۵۳	"	حاجی شریف جگن بھائی صاحب (سانگلی)	کولہاپور	(قسط دوم) صہ/	"
۱۸۵۴	"	مومنین الہ آباد	الہ آباد	عہ/ ۱۸۹	
۱۸۵۵	"	سید صغر حیدر صاحب کاظمی	لندن	عہ/	
۱۸۵۶	"	مولانا حکیم سید محمد صالح صاحب قبلہ	پٹنہ	(قسط دوم) عہ/	
۱۸۵۷	"	خان بہادر سید محمد عباس صاحب (رسل گنج)	علی گڑھ	عہ/	لائف ممبر
۱۸۵۸	"	سبط حسن صاحب (برائے ایصال ثواب ارواح اعزہ مرحومین)	بمبئی	عہ/ ۲۲۵	ہمدرد مشن
۱۸۵۹	"	الطاف حسین صاحب (بھیٹا)	بارہ بنکی	معہ/	
۱۸۶۰	"	سید عابد حسین صاحب	میرٹھ	صہ/	
۱۸۶۱	"	ضیغم حسین صاحب اودسیر	کانپور	صہ/	
۱۸۶۲	"	شہاب الدین خاں صاحب (ہردوا گنج)	علی گڑھ	صہ/	ممبر خصوصی
۱۸۶۳	"	علی احمد خاں صاحب (موضع سرونی)	سلطانپور	صہ/	
۱۸۶۴	"	سید عز ادار حسین صاحب (جہان آباد)	بجنور	عہ/	
۱۸۶۵	"	سید عاقل حسین صاحب	میرٹھ	لعہ/	
۱۸۶۶	"	صادق میرابی محمد صاحب	اننت ناگ	(قسط دوم) عہ/	
۱۸۶۷	"	اہلیہ سید مشیر عباس صاحب	الہ آباد	عہ/	
۱۸۶۸	"	شوکت نور صاحب (برائے حصول خیر و برکت)	جمشید پور	عہ/	
۱۸۶۹	"	سید افسر حسین صاحب (بھٹیا)	بارہ بنکی	عہ/	
۱۸۷۰	"	سید ایوب علی صاحب نقوی (صفی پور) (برائے ایصال ثواب بروح والدہ مرحومہ)	اناؤ	عہ/	مربی مشن
۱۸۷۱	"	سید مالک علی صاحب انجنیر	گوا	عہ/	
۱۸۷۲	"	والدہ صاحبہ محمد طاہر حسین صاحب (ہردوا گنج)	علی گڑھ	عہ/	
۱۸۷۳	"	سید عالم حسین صاحب	"	ہے/	
۱۸۷۴	"	سید انوار حسین صاحب ایڈوکیٹ	میرٹھ	معہ/	
۱۸۷۵	"	سردار حسین سلمہ (ہردوا گنج)	علی گڑھ	معہ/	

نمبر شمار	اسمائے معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۸۷۶	عالیجناب اہلیہ مشتاق حسین صاحب	الہ آباد	۱۵۰ روپے	
۱۸۷۷	" غلام احمد بٹ ابن مصطفٰے صاحب	اننت ناگ	سے/	
۱۸۷۸	" سید حسین ابن محمد صاحب	"	سے/	
۱۸۷۹	" سید شاہد رضا صاحب (سرسی)	مراد آباد	(قسط ہشتم) سے/	ممبر خصوصی
۱۸۸۰	" سید مشتاق حسین صاحب عابدی (تاجپور ڈیہہ)	غازیپور	۵۵/	
۱۸۸۱	" سید انصار حسین صاحب (رسولپور دھیرڈی)	میرٹھ	۵۰/	
۱۸۸۲	" احمد میر ابن رسول صاحب	اننت ناگ	صہ/	
۱۸۸۳	" والدہ محترمہ شبیہ عباس سلمہ	الہ آباد	(قسط دوم) صہ/	
۱۸۸۴	" محترمہ ایم زیدی صاحبہ لکچرر	اعظم گڑھ	(قسط دوم) صہ/	
۱۸۸۵	" سید محمد حیدر صاحب نقوی (رڑکی)	سہارنپور	صہ/	
۱۸۸۶	" سید طالب حسین صاحب پرنسپل "	"	صہ/	
۱۸۸۷	" سید نواب منور صاحب "	"	صہ/	
۱۸۸۸	" سید حسن جان صاحب نقوی "	"	صہ/	
۱۸۸۹	" سید سید حسن صاحب	میرٹھ	صہ/	
۱۸۹۰	" سید نہال حسین صاحب	"	صہ/	
۱۸۹۱	" شاد کیفے	حیدر آباد	صہ/	
۱۸۹۲	" کراؤن کیفے	"	صہ/	
۱۸۹۳	" آقائی حسن منصبدار حبا آف ہندستان بیکری	"	صہ/	
۱۸۹۴	" آقائی محمد علی منصبدار " "	"	صہ/	
۱۸۹۵	" رائیل بیکری	"	صہ/	
۱۸۹۶	" سعدی کیفے	"	صہ/	
۱۸۹۷	" انڈسٹریز کیفے	"	صہ/	
۱۸۹۸	" سینار سٹور نٹ	"	صہ/	
۱۸۹۹	" سید خادم رضا صاحب (سرائے اسمٰعیل)	بارہ بنکی	صہ/	
۱۹۰۰	" سید احمد حسین صاحب (کلکتے)	رانچی	(قسط دوم) صہ/	ممبر خصوصی
۱۹۰۱	" سید یونس حسین صاحب	لکھنؤ	" صہ/	
۱۹۰۲	" مرزا علی حیدر سلمہ	سہارنپور	صہ/	
۱۹۰۳	" شیخ قیصر عباس صاحب	"	صہ/	

نمبر شمار	اسمائے معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۹۰۴	عالیجناب حسن ذکی صاحب (نگپور)	فیض آباد	صہ/	
۱۹۰۵	" سید اشتیاق حسین صاحب پنیٹر (کھمبات)	کیرا	صہ/	
۱۹۰۶	" محمد طاہر حسین صاحب سلمہ (ہر دوا گنج)	علی گڑھ	صہ/	
۱۹۰۷	" دین محمد صاحب آرٹ ماسٹر	جے پور	صہ/	ہمدرد مشن
۱۹۰۸	" ماسٹر ظفر علی صاحب میر. منڈی	پونچھ	صہ/	
۱۹۰۹	" خواجہ غلام رسول صاحب باگن "	"	صہ/	
۱۹۱۰	" ماسٹر نثار حسین صاحب میر "	"	صہ/	
۱۹۱۱	" مومنات الہ آباد	الہ آباد	للعہ/ ۹۵	
۱۹۱۲	" سید مرتضیٰ حسین صاحب	سہارن پور	للعہ/ ۵۰	ممبر خصوصی
۱۹۱۳	" محرم علی صاحب	حیدر آباد	للعہ/ ۵۰	
	برائے ایصال ثواب بارواح غلام حسین، صاحب علی، صغریٰ خاصہ مظہر علی، کنیز زینب، ظہور حسن، مسعود حسن، سلطان اکبر صاحبان مرحومین			
۱۹۱۴	" محترمہ کنیز سجاد صاحبہ	الہ آباد	(قسط دوم) للعہ/	
۱۹۱۵	" محترمہ والدہ قمر عباس صاحب	"	" للعہ/	
۱۹۱۶	" محترمہ اہلیہ نثار حسین صاحب	"	" للعہ/	
۱۹۱۷	" سید قادر علی صاحب (بڈردن) (بتقریب عقیقہ)	چپارن	للعہ/	
۱۹۱۸	" حکیم حامد علی صاحب (کھمبات)	کیرا	للعہ/	
۱۹۱۹	" شاہزادی خاتون سلمہا (ہردوا گنج)	علی گڑھ	للعہ/	
۱۹۲۰	" ماسٹر ذاکر حسین شاہ صاحب منڈی	پونچھ	للعہ/	
۱۹۲۱	" خواجہ رسول جو میر صاحب "	"	للعہ/	
۱۹۲۲	" سید ضرغام حسین صاحب (رسولپور، بردا)	اعظم گڑھ	سے/	ممبر خصوصی
۱۹۲۳	" نازش بیگم صاحبہ	میرٹھ	سے/	
۱۹۲۴	" فیاض حسین صاحب	"	سے/	
۱۹۲۵	" اصغر علی صاحب کانسٹبل (مودی نگر)	"	سے/	
۱۹۲۶	" سید مصطفیٰ حسین صاحب	"	سے/	
۱۹۲۷	" شمس ہوٹل	حیدر آباد	سے/	
۱۹۲۸	" غلام محمد مرتضیٰ صاحب میکنک	"	سے/	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۹۲۹	عالیجناب سید جواد حسین صاحب	علی گڑھ	سے ر	مربی مشن
۱۹۳۰	" سید مظفر عباس صاحب	سہارنپور	سے ر	ممبر خصوصی
۱۹۳۱	" مرزا حسین احمد صاحب	"	سے ر	"
۱۹۳۲	" شیخ یوسف حسین، مقبول حسین، شبیر حسین صاحبان	فیض آباد	سے ر	
۱۹۳۳	" سید اختر حسین صاحب سلمہ (سادات سیدن)	رائے بریلی	سے ر	
۱۹۳۴	" محمد ذاکر حسین صاحب سلمہ (ہردوا گنج)	علی گڑھ	(قسط دوم) سے ر	
۱۹۳۵	" سید فضل حیدر صاحب رضوی (قصبہ پتور)	بستی	سے ر	ممبر خصوصی
۱۹۳۶	" زمرد حسین صاحب (کوٹلہ)	میرٹھ	عکر	
۱۹۳۷	" ایک مرد مومن (گنگوہ)	"	عکر	
۱۹۳۸	" میر ظفریاب حسین صاحب (دیوانجی)	"	عکر	
۱۹۳۹	" حکیم صادق حسین میر صاحب (منڈی)	پونچھ	عکر	
۱۹۴۰	" مرزا محمود رضا صاحب (کوٹلہ)	میرٹھ	عکر	
۱۹۴۱	" محترمہ دلیہ سلمہا	فتح پور	عکر	
۱۹۴۲	" محترمہ بیوہ امانت حسین صاحب	الہ آباد	(قسط دوم) عکر	
۱۹۴۳	" محترمہ اصغری بانو صاحبہ	"	عکر	
۱۹۴۴	" محترمہ کوثری بانو صاحبہ	"	عکر	
۱۹۴۵	" سید محمد زائر صاحب زیدی (رڑکی)	سہارنپور	عکر	
۱۹۴۶	" سید جعفر حسن صاحب نقوی "	"	عکر	
۱۹۴۷	" یوسف حسین صاحب "	"	عکر	
۱۹۴۸	" سید ذکاوت حسین صاحب "	"	عکر	
۱۹۴۹	" دشمتی کمپنی	حیدرآباد	عکر	
۱۹۵۰	" لیبرٹی کمپنی	"	عکر	
۱۹۵۱	" نیو ایمبیسی کمپنی	"	عکر	
۱۹۵۲	" وزیر کمپنی	"	عکر	
۱۹۵۳	" حافظ ریسٹورنٹ	"	عکر	
۱۹۵۴	" پرکاش ریسٹورنٹ	"	عکر	
۱۹۵۵	" سنڈیل بیکری	"	عکر	
۱۹۵۶	" ایمبیسی کمپنی	"	عکر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۹۵۷	سرینک کیفے پارک	حیدرآباد	عکر	
۱۹۵۸	" پنجشیں ہوٹل	"	عکر	
۱۹۵۹	" سوبھاش رسٹورنٹ	"	عکر	
۱۹۶۰	" نیو لائٹ آف انڈیا کیفے	"	عکر	
۱۹۶۱	" نیشنل کیفے	"	عکر	
۱۹۶۲	" نورنگ کیفے	"	عکر	
۱۹۶۳	" مدینہ ڈیری فارم	"	عکر	
۱۹۶۴	" گولڈن اسٹار رسٹورنٹ	"	عکر	
۱۹۶۵	" زمزم کیفے	"	عکر	
۱۹۶۶	" گرڈک رسٹورنٹ (صنعت نگر)	"	عکر	
۱۹۶۷	عالیجناب سجاد مرتضیٰ صاحب	"	عکر	
۱۹۶۸	" سید زاہد حسین صاحب زیدی لکچرر	علی گڑھ	عکر	
۱۹۶۹	" سردار حسین صاحب	لکھنؤ	(قسط دوم) عکر	
۱۹۷۰	" سید ظفر عباس صاحب نقوی	بمبئی	عکر	
۱۹۷۱	" ایک بندۂ خدا	"	عکر	
۱۹۷۲	" سید ریاض حسین صاحب (بھٹیا)	بارہ بنکی	عکر	ممبر خصوصی
۱۹۷۳	" سید انتظار حسین صاحب	سہارنپور	عکر	
۱۹۷۴	" سید غلام باقر صاحب عابدی	دہلی	عکر	
۱۹۷۵	" مہدی میاں صاحب (کھمبات)	کیرا	عکر	
۱۹۷۶	" فتح علی خاں صاحب "	"	(قسط دوم) عکر	
۱۹۷۷	" محمد رضا صاحب "	"	عکر	
۱۹۷۸	" محمد علی صاحب "	"	عکر	
۱۹۷۹	" آغا غلام عباس صاحب "	"	عکر	
۱۹۸۰	" مرزا احسن علی صاحب "	"	عکر	
۱۹۸۱	" نور میاں سلمہ (گدھور)	مونگیر	عکر	
۱۹۸۲	" عرش آرا بیگم صاحبہ "	"	(قسط دوم) عکر	
۱۹۸۳	" محمد اکبر خاں صاحب	بڈھگام	عکر	ممبر خصوصی
۱۹۸۴	" سید محمد امین صاحب رضوی (سکندرہ) (برائے سلامتی جان نور چشم حشمت سلمہ)	آگرہ	عکر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۹۸۵	عالیجناب حسن جو صفدر علی صاحبان بانڈے (منڈی)	پونچھ	عکر	
۱۹۸۶	" ماسٹر امیر الدین صاحب "	"	عکر	
۱۹۸۷	" خواجہ اکبر علی ولد خواجہ گل جو بانڈے "	"	عکر	
۱۹۸۸	" قاضی محمد الدین صاحب مدرس "	"	عکر	
۱۹۸۹	" بشیر حسین صاحب بٹ "	"	عکر	
۱۹۹۰	" خواجہ عبدالاحد صاحب قاسمی مدرس "	"	عکر	
۱۹۹۱	" خواجہ خادم حسین میر جعفری صاحب "	"	عکر	
۱۹۹۲	" خواجہ فدا حسین میر صاحب "	"	عکر	
۱۹۹۳	" میجر خورشید صاحب کشمیری	رامپور	عہ ۸۷ر	ممبر خصوصی
۱۹۹۴	" ایک مرد مومن	میرٹھ	عہ	
۱۹۹۵	" سید حسین محمد صاحب نقوی امروہوی (رڑکی)	سہارنپور	عہ ۴۰ر	
۱۹۹۶	" سید صغیر حسن صاحب جونپوری (بتقریب مونڈن دختر سلمہا)	بمبئی	عہ ۲۵ر	
۱۹۹۷	" خواجہ غلام نقی صاحب باگن (منڈی)	پونچھ	عہ ۲۵ر	
۱۹۹۸	" سردار لکھبیر سنگھ صاحب مدرس "	"	عہ ۲۵ر	
۱۹۹۹	" سردار سریندر سنگھ صاحب مدرس "	"	عہ ۲۵ر	
۲۰۰۰	" خواجہ صادق حسین ابن رسول جو صاحب "	"	عہ ۲۵ر	
۲۰۰۱	" سید ذوالفقار حیدر صاحب (گنگوہ)	میرٹھ	(قسط دوم) عصر	ممبر عمومی
۲۰۰۲	" سید تفسیر الثقلین صاحب زیدی	بجنور	عصر "	
۲۰۰۳	" محترمہ کنیز صادق صاحبہ	الہ آباد	عصر	
۲۰۰۴	" اہلیہ علی عباس صاحب	"	عصر "	
۲۰۰۵	" محترمہ والدہ علی سجاد صاحب	"	عصر	
۲۰۰۶	" محترمہ والدہ مجاہد حسین صاحب	"	عصر	
۲۰۰۷	" محترمہ اہلیہ مولوی دبیر صاحب	"	عصر	
۲۰۰۸	" محترمہ والدہ کلیم مرتضیٰ صاحب	"	عصر	
۲۰۰۹	" محترمہ توقیر فاطمہ صاحبہ	"	عصر	
۲۰۱۰	" محترمہ اہلیہ امانت حسین صاحب کاظمی	"	عصر	
۲۰۱۱	" سید اصغر مہدی صاحب (رڑکی)	سہارنپور	عصر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۰۱۲	مسرس کیفے خیام	حیدرآباد	عمر	
۲۰۱۳	″ مون لائٹ کیفے	″	عمر	
۲۰۱۴	″ سوبھاش رسٹورنٹ	″	عمر	
۲۰۱۵	عالیجناب عباس علی صاحب	″	عمر	
۲۰۱۶	″ محترمہ زہرہ عابد حسین صاحبہ	″	عمر	
۲۰۱۷	″ ایک مرد مومن	لکھنؤ	عمر	
۲۰۱۸	″ محمد حسن حسینی صاحب	بمبئی	عمر	
۲۰۱۹	″ محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ	بارہ بنکی	عمر	ممبر عمومی
۲۰۲۰	″ سید امیر حیدر صاحب	سہارنپور	عمر	ممبر خصوصی
۲۰۲۱	″ ڈاکٹر سید محمود اختر صاحب	″	عمر	
۲۰۲۲	″ ام البنین صاحبہ	غازیپور	عمر	
۲۰۲۳	″ اہلیہ ولایت حسین صاحب (تاجپور ڈیہمہ)	″	عمر	
۲۰۲۴	″ سید نذر عباس صاحب	لکھنؤ	(قسط پنجم) عمر	
۲۰۲۵	″ سید احسان علی صاحب	غازیپور	عمر	ممبر عمومی
۲۰۲۶	″ سید وجاہت حسین صاحب (برائے ایصال ثواب ارواح ثواب مرحومین)	دہلی	عمر	
۲۰۲۷	″ آباد حسین خاں صاحب	فیض آباد	عمر	
۲۰۲۸	″ جمال الدین حیدر عرف نواب محسن صاحب	″	عمر	
۲۰۲۹	″ اظہار حسین صاحب تاجپوری	″	عمر	
۲۰۳۰	بیوہ علی نواب صاحب (برائے ایصال ثواب بروح علی نواب صاحب مرحوم)	لکھنؤ	عمر	
۲۰۳۱	″ ایک عاشق حسین (کرنپورہ)	سارن	(قسط دوم) عمر	
۲۰۳۲	″ سید اختر حسین صاحب (پڈرونہ)	دیوریا	عمر	
۲۰۳۳	″ شاہد رضا صاحب (کرنپورہ)	سارن	(قسط سوم) عمر	ممبر خصوصی
۲۰۳۴	″ سید حسن صاحب کاظمی	مظفرنگر	عمر	″
۲۰۳۵	″ سید فدا حسین صاحب (کھمبات)	کیرا	عمر	
۲۰۳۶	″ آغا زین العابدین صاحب ″	″	عمر	
۲۰۳۷	″ سید محمد عرف جبرئیل صاحب ″	″	عمر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۰۳۸	عالیجناب آفتاب حسین عرف منا صاحب (کھمبات)	کیرا	عمر	
۲۰۳۹	" محمد حسن صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۰	" آغا حسن صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۱	" ضامن علی صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۲	" حسن علی سجاور صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۳	" احمد حسین عرف کالن صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۴	" مشتاق علی مرزا صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۵	" بابو بھائی علی محمد صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۶	" محمد بھائی دربار صاحب "	"	عمر	
۲۰۴۷	" سید احمد حسین صاحب رضوی	بریلی	عمر	
-۲۰۴۸	" شمیم آرا سلمہا (گڑھتور)	مونگیر	عمر	
۲۰۴۹	" ریحانہ خاتون سلمہا (ہردوا گنج)	علی گڑھ	عمر	
۲۰۵۰	" سید یوسف علی صاحب جعفری (تارا گڑھ)	اجمیر	عمر	
۲۰۵۱	" سید مسعود اظہر صاحب سلمہ رضوی	مظفر پور	عمر	
۲۰۵۲	" منصور صاحب ایرانی	"	عمر	
۲۰۵۳	" سید معصوم رضا صاحب کاظمی	"	عمر	
۲۰۵۴	" سید منیر رضا صاحب کاظمی	"	عمر	
۲۰۵۵	" سید فضل حسن صاحب متولی	"	عمر	
۲۰۵۶	" ایس. ایم حیدر رضا صاحب	"	عمر	
۲۰۵۷	" سید محمد اسمٰعیل صاحب	"	عمر	
۲۰۵۸	" سید محمد حسن صاحب	"	عمر	
۲۰۵۹	" سید محمد قاسم صاحب	"	عمر	
۲۰۶۰	" کلب حسین خاں صاحب (ماڑی پور)	"	عمر	
۲۰۶۱	" سید محمد علی صاحب	"	عمر	
۲۰۶۲	" سید صفدر علی صاحب لشکر پوری	"	عمر	
۲۰۶۳	" سید اصغر علی صاحب رضوی	"	عمر	
۲۰۶۴	" سید حیدر علی صاحب رضوی	"	عمر	
۲۰۶۵	" سید علمدار حسین صاحب	"	عمر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۰۶۶	عالیجناب سید علی مختار صاحب بھیکپوری	مظفرپور	عمر	
۲۰۶۷	〃 سید محمد زاہد صاحب بھیکپوری	〃	عمر	
۲۰۶۸	〃 سید ضمیر حسین صاحب عشروی	〃	عمر	
۲۰۶۹	〃 سید سبط اصغر صاحب کجھوی	〃	عمر	
۲۰۷۰	〃 سید دلدار حسین صاحب	〃	عمر	
۲۰۷۱	〃 سید قیصر حسین صاحب نقوی کجھوی	〃	عمر	
۲۰۷۲	〃 افتخار احمد صاحب عرف منن صاحب	〃	عمر	
۲۰۷۳	〃 سید غلام علی صاحب (چمن پور)	〃	عمر	
۲۰۷۴	〃 سید راحت حسین عرف مبارک صاحب	〃	عمر	
۲۰۷۵	〃 سید زکی حسن صاحب ملکپوری	〃	عمر	
۲۰۷۶	〃 سید معصوم علی صاحب	〃	عمر	
۲۰۷۷	〃 سید قاسم علی صاحب	〃	عمر	
۲۰۷۸	〃 سید امیر حسین صاحب زیدی	〃	عمر	
۲۰۷۹	〃 فرمان حسین صاحب	〃	عمر	
۲۰۸۰	〃 سید علی نظیر صاحب	〃	عمر	
۲۰۸۱	〃 سید منظر عباس صاحب لشکرپوری	〃	عمر	
۲۰۸۲	〃 سید اسد رضا صاحب	〃	عمر	
۲۰۸۳	〃 مولوی سید محمد تقی صاحب (چمن پور)	〃	عمر	
۲۰۸۴	〃 سید مہدی احمد رضوی عرف ٹوٹو	〃	عمر	
۲۰۸۵	〃 شاہ احمد حسین صاحب	〃	عمر	
۲۰۸۶	〃 سید غلام عباس علی صاحب	〃	عمر	
۲۰۸۷	〃 سید سبط حسن صاحب بلگرامی	〃	عمر	
۲۰۸۸	〃 ماسٹر کریم بخش صاحب	〃	عمر	
۲۰۸۹	〃 سید واجد حسین صاحب	〃	عمر	
۲۰۹۰	〃 سرفراز حسین خانصاحب	〃	عمر	
۲۰۹۱	〃 ولایت حسین صاحب	〃	عمر	
۲۰۹۲	〃 سید نور احمد صاحب	〃	عمر	
۲۰۹۳	〃 سید ابن حسن صاحب جعفری	〃	عمر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۰۹۴	عالیجناب سید نقی حسن صاحب جعفری	مظفرپور	عمر	
۲۰۹۵	" مرزا پیارو صاحب	"	عمر	
۲۰۹۶	" سید سجاد صاحب	پٹنہ	عمر	
۲۰۹۷	" پروفیسر سید محمد امیر صاحب	مظفرپور	عمر	
۲۰۹۸	" غلام احمد صاحب بکس سیلر۔ منڈی	پونچھ	عمر	
۲۰۹۹	" سید علی صاحب صفوی "	"	عمر	
۲۱۰۰	" علی محمد ولد غنی جو صاحب "	"	عمر	
۲۱۰۱	" خواجہ عبداللہ جو صاحب سوگی "	"	عمر	
۲۱۰۲	" خواجہ صفدر علی والد خواجہ غلام حسین بانڈے "	"	عمر	
۲۱۰۳	" محمد عبداللہ صاحب ولد احمد جو صاحب میر "	"	عمر	
۲۱۰۴	" خواجہ غلام نقی محمد عبداللہ صاحبان انصاری "	"	عمر	
۲۱۰۵	" غلام محمد صاحب خان "	"	عمر	
۲۱۰۶	" محمد شفیع صاحب "	"	عمر	
۲۱۰۷	" سید حسن شاہ ولد سید یاسین شاہ صاحب "	"	عمر	
۲۱۰۸	" خواجہ محمد جو صاحب زرگر "	"	عمر	
۲۱۰۹	" خواجہ اکبر علی ولد رضا جو صاحب بانڈے "	"	عمر	
۲۱۱۰	" حاجی قاسم علی صاحب کربلائی "	"	عمر	
۲۱۱۱	" خواجہ غلام مہدی صاحب ڈار "	"	عمر	
۲۱۱۲	" ابرار حسین ابن غلام مہدی صاحب "	"	عمر	
۲۱۱۳	" محمد افسر خان صاحب دوکاندار "	"	عمر	
۲۱۱۴	" محمد علی خان صاحب "	"	عمر	
۲۱۱۵	" ایک بندۂ خدا "	"	عمر	
۲۱۱۶	" خواجہ عاشق حسین ولد غلام محمد صاحب "	"	عمر	
۲۱۱۷	" سید رضا شاہ ولد سید رحیم شاہ صاحب "	"	عمر	
۲۱۱۸	" اصغر علی صاحب بابر "	"	عمر	
۲۱۱۹	" محمد صادق ابن حاجی قاسم علی صاحب "	"	عمر	
۲۱۲۰	" خواجہ قاسم علی ولد صفدر علی بانڈے "	"	عمر	
۲۱۲۱	" سید محمد شاہ ولد سید مہدی شاہ صاحب "	"	عمر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۱۲۲	عالیجناب بشیر احمد صاحب (منڈی)	پونچھ	عمر	
۲۱۲۳	" ماسٹر غلام رسول صاحب "	"	عہ	
۲۱۲۴	" ماسٹر سید حسن صاحب "	"	عمر	
۲۱۲۵	" ماسٹر ثناء اللہ صاحب "	"	عمر	
۲۱۲۶	" ماسٹر وزیر محمد صاحب "	"	عمر	
۲۱۲۷	" خواجہ الطاف حسین صاحب ٹیلر ماسٹر "	"	عمر	
۲۱۲۸	" سٹر طالب حسین صاحب نبوت "	"	عمر	
۲۱۲۹	" سٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۰	" سردار پریتم سنگھ صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۱	" ماسٹر ولی محمد صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۲	" ولی محمد صاحب نمبردار "	"	عمر	
۲۱۳۳	" مولوی عبدالاحد صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۴	" عزیزہ شبیہ الحسن میر صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۵	" سردار مہندر سنگھ صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۶	" عزیزہ ریاض الحسن صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۷	" گلزار حسین ابن شوکت علی میر صاحب "	"	عمر	
۲۱۳۸	" زوجہ مومنہ "	"	عمر	
۲۱۳۹	" کلب حسین ابن صادق حسین حکیم صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۰	" منظور حسین میر صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۱	" ماسٹر نذیر صاحب قریشی "	"	عمر	
۲۱۴۲	" محمد جو دلد عاشق جو گنائی صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۳	" محمد افضل خان صاحب دوکاندار "	"	عمر	
۲۱۴۴	" محمد لطیف ولد پہلوان خان صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۵	" خواجہ عبدالمجید صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۶	" خواجہ محمد رضا میر صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۷	" محترمہ بیگم محمد علی صاحب انجینیر "	"	عمر	
۲۱۴۸	" بیگم خواجہ حسین جو صاحب "	"	عمر	
۲۱۴۹	" بیگم خواجہ غلام احمد صاحب ٹھیکیدار "	"	عمر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۱۵۰	عالیجناب بیگم خواجہ نثار حسین میر صاحب (منڈی)	پونچھ	عمر	
۲۱۵۱	" بابو رضا حسین صاحب (کرنپور)	سارن	۶۲ء	
۲۱۵۲	" منجانب حسن محمد صاحب مرحوم (تاجپور ڈیہہ)	غازیپور	۶۰ء	
۲۱۵۳	" عزیزہ فاطمہ صاحبہ "	"	۵۰ء	
۲۱۵۴	" اہلیہ شبیر حسین صاحب "	"	۵۰ء	
۲۱۵۵	" مظہر عباس صاحب "	"	۵۰ء	
۲۱۵۶	" سید ولایت حسین صاحب	فیض آباد	۵۰ء	
۲۱۵۷	" محب حسین صاحب	"	۵۰ء	
۲۱۵۸	" اشفاق حسین صاحب	حیدرآباد	۵۰ء	
۲۱۵۹	" سید اظہر حسین صاحب (سنبھل)	مرادآباد	۵۰ء	
۲۱۶۰	" سید امیر علی صاحب جعفری (دورائی)	اجمیر	۵۰ء	ممبر خصوصی
۲۱۶۱	" شاہد حسین خاں صاحب	مظفرپور	۵۰ء	
۲۱۶۲	" سید اشتیاق احمد صاحب	"	۵۰ء	
۲۱۶۳	" غلام احمد صاحب صوفی (منڈی)	پونچھ	۵۰ء	
۲۱۶۴	" شوکت علی میر صاحب "	"	۵۰ء	
۲۱۶۵	" مجاہد حسین ابن نثار حسین میر صاحب "	"	۵۰ء	
۲۱۶۶	" خواجہ جلال جو صاحب نمبردار "	"	۵۰ء	
۲۱۶۷	" عزیز ذاکر حسین صاحب بٹ "	"	۵۰ء	
۲۱۶۸	" عزیز اطہر حسین صاحب بٹ "	"	۵۰ء	
۲۱۶۹	" خواجہ عارف علی صاحب بٹ "	"	۵۰ء	
۲۱۷۰	" خواجہ صفدر علی صاحب "	"	۵۰ء	
۲۱۷۱	" سید علمدار حسین صاحب نقوی	پرتاب گڈھ	۳۰ء	
۲۱۷۲	" اہلیہ اسٹر رضا صاحب	الہ آباد	۲۵ء	
۲۱۷۳	" واحد حسین صاحب	لکھنؤ	(قسط دوم) ۲۵ء	
۲۱۷۴	" ساجدہ بیگم صاحبہ (تاجپور ڈیہہ)	غازیپور		
۲۱۷۵	" بابو محمد مرتضیٰ صاحب (کرنپور)	سارن	(قسط دوم) ۲۵ء	
۲۱۷۶	" رضا حسین صاحب (پنشینہ)	"	۲۵ء	
۲۱۷۷	" سید ضمیر حسن صاحب	مظفرپور	۲۵ء	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۲۱۷۸	عالیجناب شاہ غلام حسین صاحب	مظفرپور	۲۵ء	
۲۱۷۹	〃 سید سبط حسن صاحب	پٹنہ	۲۵ء	
۲۱۸۰	〃 حسن مہدی صاحب کاظمی	لکھنؤ	۲۵ء	
۲۱۸۱	〃 سید محمد خلیل صاحب (بھگوان پور)	مظفرپور	۱۳ء	
۲۱۸۲	〃 سید عارف امام صاحب	〃	۱۳ء	
۲۱۸۳	〃 سید مرتضیٰ حسین صاحب زیدی	〃	۱۳ء	
۲۱۸۴	〃 سید مختار احسن صاحب	〃	۱۳ء	
۲۱۸۵	〃 سید کرار حسین صاحب	〃	۱۳ء	
۲۱۸۶	〃 مولوی غلام محمد صاحب بھیکپوری	〃	۱۳ء	
۲۱۸۷	〃 مولوی سید امیر حیدر صاحب گوپالپوری	〃	۱۲ء	
۲۱۸۸	〃 سید عباس حسین صاحب	〃	۱۲ء	
۲۱۸۹	〃 سید سکندر علی صاحب	〃	۱۲ء	
۲۱۹۰	〃 سید علی حیدر صاحب	〃	۱۲ء	
۲۱۹۱	〃 سید محمد جابر صاحب	〃	۱۲ء	
۲۱۹۲	〃 مولوی سید محمد ہاشم صاحب (چین پور)	〃	۱۲ء	
۲۱۹۳	〃 سید عبدالوحید صاحب	〃	۱۲ء	
۲۱۹۴	〃 سید علی اکبر صاحب بھیکپوری	〃	۱۲ء	
۲۱۹۵	〃 ایک مرد مومن	لکھنؤ	۱۱ء	
۲۱۹۶	〃 اہلیہ ابن حسن صاحب (تاجپور ڈیہہ)	غازیپور	۱۰ء	

میزان : ۱۰۲۸ ۹۰ء

میزان سابق : ۷۴۶۳ ۲۳ء

جملہ رقم موصولہ : ۸۴۹۲ ۱۳ء

تو اب صرف سات روپیہ ارسال فرماکر ممبر بن جایئے۔ آپکا منی آرڈر
اگر ابھی تک آپ اس دینی مشن کے ممبر نہیں بنے ہیں وصول ہوتے ہی ۱۳۶۹ھ کے رسائل کا سٹ فوراً بذریعہ رجسٹری
ارسال کردیا جائے گا جس کو دیکھ کر آپ یقیناً خوش ہوں گے۔ یہ ایک ایسی روحانی غذا ہوگی جس سے آپ برابر لطف اندوز ہوتے رہیں گے

الداعی الی الخیر:۔ سید ابن حسین نقوی آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

جواہر بے بہا

زینۃ المجالس:۔ "تیسرا ایڈیشن رہب جدید میں"، ۳۸ مجالس کا بے نظیر مجموعہ۔ جو ذاکری کی ضمانت ہے۔
قیمت:۔ ۲۵/۰ روپے، مجلد للعہ/

تنویر المجالس:۔ ہندوستان کے مشہور ذاکرین کی بلند پایہ مجالس کا مجموعہ۔ قیمت:۔ ۵۰/عہ

باب القرآن:۔ آیات قرآنی کے ذیل میں دلچسپ نکات کا ذخیرہ۔ قیمت:۔ عہ/

الاعتبار:۔ مذہب حقہ کے متعلق غیروں کی رائیں
قیمت:۔ عہ/

فرقہ ناجیہ:۔ مذہب شیعہ کے حق ہونے پر کتب اہلسنت سے ۲۶ دلائل۔ ۵۰ پیسے

عین حقیقت:۔ کیا امام حسینؑ جاہ طلب اور جنگجو تھے۔ ۱۰ پیسے

تشریح الکبائر:۔ گناہان کبیرہ۔ ۱۵ پیسے

کربلا:۔ عزائے امام پر عقلی اور شرعی بحث
قیمت:۔ عہ/

"نوحہ جات"

اشک منظر ۵۰ پیسے۔ موتی و مونگے ۵۰ پیسے۔ فغان زائرہ ۵۰/
آہ زائرہ ۴۰ پیسے۔ غم جاوداں ۵۰ پیسے۔ تنویر غم ۳۱ پیسے

تحفۃ العوام:۔ مطابق مسائل آیت اللہ الحکیم مدظلہ
قیمت:۔ صہ/

کشف الاشتباہ:۔ موسیٰ جار اللہ عالم اہلسنت کے ۲۰ سوالات متعلق بہ متعہ وغیرہ کے دنداں شکن جوابات۔ قیمت عہ/

فوز عظیم:۔ حالات شہدائے کربلا و انصار امام حسین علیہ السلام۔ قیمت:۔ عہ/

عناصر الایمان:۔ حالات اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ
۲۰ پیسے

جواہر بے بہا:۔ فضائل اہلبیت، تبلیغی بیانات اور مفید معلومات حصہ اول ۴۰ پیسے۔ حصہ سوم ۴۰ پیسے
حصہ چہارم ۷۵ پیسے۔ حصہ پنجم ۲۵ پیسے

مصائب الشیعہ:۔ جلد اول ۵۰/ے۔ جلد دوم ۵۰/ے
جلد سوم ۵۰/ے۔ جلد چہارم ۵۰/ے

جواہر صدف رسالت:۔
وصایا و ارشادات رسول۔ قیمت عہ/

السحق:۔ فضائل امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب
جلد اول ۲۰ پیسے۔ جلد دوم ۲۰ پیسے

رد اباطیل:۔ عیسائی مشن کے کتابچہ حقائق قرآن کا منہ توڑ اور دنداں شکن جواب
قیمت ۵۰ پیسے

جواز لعن یزید ۶۰ پیسے۔ فلسفہ تاثیر دعا و زیارت قبور ۲۵ پیسے

دعائے سباسب ۳۱ پیسے۔ کہانی جناب سیدہ ۱۵ پیسے

ملنے کا پتہ:۔ دائرۃ الاشاعۃ نوگانوہ سادات ضلع مراد آباد

غفرانیہ دینی مشن لکھنؤ

بیادگار اُستاد الکل مجدد شریعت محی الملۃ مولانا السید دلدار علی صاحب غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ

عید الفطر کے موقع پر جن حضرات نے غفرانیہ دینی مشن کی اعانت فرمائی تھی اُن کی دو فہرستیں سرفراز میں شائع ہو چکی ہیں اُنکے بعد مختلف تاریخوں میں درج ذیل حضرات کے عطایا سرکار حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام صدر الشریعت قائم الملت سرکار سلطان العلماء مولانا سید **قائم مہدی** صاحب قبلہ مجتہد العصر آل غفرانمآب صدر غفرانیہ دینی مشن لکھنؤ کی معرفت ہم کو وصول ہوئے جن کا نام بعد شکریہ اعلان کرتے ہیں۔

(۱) عالیجناب سید یاور حسین صاحب جعفری مالیگاؤں ناسک ۲۵ روپیہ (۲) عالیجناب سید محمد حسن صاحب موضع کلھیڑی ڈاک خانہ جلال آباد ضلع بجنور ۲۹ روپیہ (۳) ماسٹر انصار حسین صاحب محلہ جعفر آباد ضلع فیض آباد ۵ روپیہ (۴) مرزا زاہد حسین صاحب خیر آباد ضلع سیتاپور ۵ روپیہ (۵) سید دلدار علی صاحب نقوی جائسی جائس ضلع رائے بریلی ۲ روپیہ

غفرانیہ دینی مشن کے مطبوعات

ہماری نمازیں اس رسالہ میں سرکار سلطان العلماء مدظلہ العالی نے تمام واجبی و سنتی نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ اور ان کے اوقات وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے یہ کتاب ہر گھر میں رکھنے والی ہو۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک

انیس الذاکرین:۔ مصنفہ اشرف العلماء مدظلہ اس کتاب میں تاریخوار مجالس عزا بھی درج ہیں۔ قیمت ۳ روپیہ

تصویر عزا۔ اس بیاض میں پروفیسر سید حماد علی صاحب نقوی ایم اے فیض آبادی کے بہترین نوحے درج ہیں۔ قیمت ۲۱ پیسے علاوہ محصول

تنویر غم۔ اس بیاض میں جناب اشرف العلماء مدظلہ العالی کے بے مثل تاریخوار نوحے و ماتم ہیں۔ قیمت پچاس پیسے علاوہ محصول

چودہ ستارے۔ مصنفہ حضرت سلطان العلماء مولانا سید قائم مہدی صاحب قبلہ مجتہد آل غفرانمآب زیر طبع ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل کتب بھی ہم سے طلب کئے جا سکتے ہیں

قرآن مجید ۱۵ روپیہ حمائل مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ ۶ روپیہ تحفۃ العوام مطابق فتوائے اعلم زمان آغا السید محسن الحکیم ۵ روپیہ وظائف الابرار ۷۵ پیسے استخارہ سجادیہ ۵ روپیہ مجالس خواتین ۱ روپیہ عمدۃ المجالس ۶ روپیہ مجالس الشیعہ ۴ روپیہ ممتاز المجالس ۶ روپیہ انتخاب المجالس ۳ روپیہ مجالس خاتون ۴ روپیہ ذائقہ ماتم چالیس مجالس کا مجموعہ ۶ روپیہ عملیہ آقائے محسن الحکیم حصہ اول ۴ روپیہ حصہ دوم ۳ روپیہ گلستان واعظ۔ قصیدہ در مدح صاحب العصر علیہ السلام از نتیجہ فکر جناب اشرف العلماء ۳۰ پیسے۔ صحیفہ عزا ۷۵ پیسے عزا داری جدید تاریخوار نوحوں کا مجموعہ از اشرف العلماء ۲۵ پیسے بوستان مدحت۔ قصائد در مدح چہاردہ معصومین ۲ روپیہ علاوہ محصول

اس کے علاوہ ہر قسم کی دینی مذہبی کتاب ہم سے طلب فرمایئے آرڈر کی فوراً تعمیل کی جاتی ہے۔

سید دائم مہدی نقوی بی اے جنرل سکریٹری غفرانیہ دینی مشن پاٹا نالہ لکھنؤ ۳

فہرست معطیان آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ

(بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۸ء)

(سلسلے کے لئے ملاحظہ سرفراز مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۶۹ء)

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید علی کرار صاحب زیدی، نظیر آباد لکھنؤ	۱۵/-	جناب سید کنور حسین صاحب عالم باغ لکھنؤ	۲/۴۰
" ریاست حسین صاحب مقبرہ عالیہ لکھنؤ	۲/-	" سید محسن علی صاحب ہائی کورٹ لکھنؤ	۲/۴۰
" سید محمد مہدی صاحب ٹوریہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید ابوالقاسم صاحب حیدر گنج لکھنؤ	۱/۴۰
" اختر احسن صاحب رکاب گنج لکھنؤ	۳/۴۰	" محبوب حسین صاحب مولوی گنج	۲/۳۵
" زوار صادق صاحب رکاب گنج لکھنؤ	۲/۴۰	" محمد عسکری صاحب زیدی زیدپور	۲/۴۰
" سید ابن حسن صاحب کٹرہ خدایار خان لکھنؤ	۲/۵۰	" سید زوار حسین صاحب پاٹانالہ لکھنؤ	۵/-
(قیوم الحسن صاحب مطالبہ رسید نمبر ۴۲ ۳۰۳)		" علی شبیر صاحب حسین آباد لکھنؤ	۲/۴۶
" مرزا محمد علی صاحب بخاری ٹولہ لکھنؤ	۲/۴۰	" اختر حسین صاحب احاطہ مرزا علی خانصاحب لکھنؤ	۲/۵۰
" سید انعام حسین صاحب	۲/۵۰	" رئیس حسن صاحب گلی شاہ چھترا لکھنؤ	-/۵۰
" محمد حسیم صاحب شیش محل لکھنؤ	۱۵/-	" سید حسن احمد صاحب زیدی نخاس لکھنؤ	۵/۲۵
" محمد عباس صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید حیدر صاحب زیدی " "	۵/۲۵
" مسماۃ رسید بیگم صاحبہ وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" ڈاکٹر سید ظفر حسین صاحب زیدی لکھنؤ	۲/۴۷
" آغا مہدی صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۱/۲۵	" محمد عسکری صاحب شریف منزل لکھنؤ	۲/۵۰
" علی حسین صاحب رام گنج لکھنؤ	۲/-	" غلام عباس صاحب رئیس منزل لکھنؤ	۲/۵۰
" شاکر علی صاحب باورچی ٹولہ لکھنؤ	۱/۲۵	" سید کاظم رضا صاحب گڑھیا گھنڈ بیگ لکھنؤ	۱/-
" مسماۃ زاہدہ بیگم صاحبہ شاکر گنج لکھنؤ	۲/-	" سید مختار حسین صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲۱/-
" سید ریاض حسین صاحب " لکھنؤ	۵/-	" ثمر صاحب لال باغ لکھنؤ	۲/۳۵
" سید علی زکی صاحب " لکھنؤ	۱/۲۵	" مرزا شہنشاہ حسین صاحب نادان محل لکھنؤ	۲/۳۱
" سید نظر حسین صاحب عالم باغ لکھنؤ	۳/-	" سید مصطفیٰ حسین صاحب نخاس لکھنؤ	۲/۵۰
" سید علی حیدر صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۳/-	" سید محمد محسن صاحب نظر باغ لکھنؤ	۲/۵۰
" حکیم اختر حسین صاحب صدر بازار لکھنؤ	۲/۶۰	" ریاست حسین صاحب نخاس لکھنؤ	۱/-

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید مظاہر حسین صاحب باورچی ٹولہ لکھنؤ	۲/۷۰	جناب سید اظہار حسین صاحب یحییٰ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" خیرات حسین صاحب " " لکھنؤ	۲/۵۰	" سید افتخار حسین صاحب یحییٰ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" اصغر حسین صاحب گلی شاہ چھیڑا لکھنؤ	۲/۵۰	" ہادی حسن صاحب مولوی گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" مہدی حسن صاحب رکاب گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید ذاکر سید ظہور الحسن صاحب زیدی خیالی گنج لکھنؤ	۵/۲۵
" سید شبیر حسن صاحب کٹرہ لکھنؤ	۲/۵۰	" سید اطہر حسین صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" سید تقی حسن صاحب بڑا امام باڑہ لکھنؤ	۱/-	" سید شوکت حسین صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۲/۵۰
" قاسم علی صاحب کٹرہ ابوتراب لکھنؤ	۲/۷۵	" اخلاق حسین صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" شبیر حسن صاحب کٹرہ ابوتراب لکھنؤ	۲/۷۰	" احمد حیدر صاحب لاٹ گلی لکھنؤ	۲/۵۰
" سید حامد حسین صاحب سعادت گنج لکھنؤ	۲/۶۰	" ڈاکٹر سید احسن الحسن صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" سید مفتی صاحب رکاب گنج	۲/۵۰	" سید محسن صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۲/۵۰
" سید محمد ہاشم صاحب فرنگی محل لکھنؤ	۲/۳۷	(مطابق رسید نمبر ۳۵۷ حاجی ولایت حسین صاحب)	۲/۵۰
" سید علی اکبر صاحب مرزا علی خاں صاحب لکھنؤ	۱/۲۵	" صفدر حسین صاحب نئی بستی لکھنؤ	۲/۵۰
" رجب علی صاحب لال باغ لکھنؤ	۲/۵۰	" افسر مرزا صاحب زنبور خانہ لکھنؤ	۵/-
" سید وارث علی صاحب رکاب گنج لکھنؤ	۲/۵	" مولوی محمد اظہر صاحب پانا نالہ لکھنؤ	۳/۲۵
" ناظم حسین صاحب وزیر باغ لکھنؤ	۲/۴۰	" ہارون مصطفیٰ صاحب " "	۱۰/-
(مطابق رسیدات رسید بک نمبر ۳۸۱)		" الحاج نواب سید سلیمان شکوہ صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۵/۰۰
" سید بشیر حیدر صاحب چار باغ لکھنؤ	۲/۷۰	" سید شہنشاہ حسین صاحب عابدی ماڈل ہاؤس لکھنؤ	۲/۴۸
" ابوالحسن صاحب سنڈیلوی	۵/-	" سید شہنشاہ حسین صاحب تالاب گنگنی شکل لکھنؤ	۲/۴۴
" سید شاکر حسین صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۸/۴۰	" سید شہنشاہ حسین صاحب حسین گنج لکھنؤ	۲/۴۴
" شاکر حسین صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۱/-	" مرزا حیدر حسین صاحب حسین گنج لکھنؤ	۲/۶۵
" سید محمد جعفر صاحب لال باغ لکھنؤ	۵/-	" باقر علی صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۲/۶۳
" سبط حسن صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" محمد یوسف حسین صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۲/۵۰
" سلطان مرزا صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۱۰/-	" سید علی صاحب کوچہ میر جان صاحب لکھنؤ	۲/۵۰
" سید حبیب حسین صاحب گلی لاٹ لکھنؤ	۲/۶۵	" سید ذاکر علی عابدی تالاب گنگنی شکل لکھنؤ	۲/۵۰
" سید آفاق حسین صاحب رضوی خیالی گنج لکھنؤ	۱۵/۷۵	" سید مختار حسین صاحب کاظمی " "	۲/۵۰
" اشفاق حسین صاحب خیالی گنج لکھنؤ	۳/۲۵	" سید محمد عالم صاحب گنے والی گلی لکھنؤ	۲/۴۳
" حسین احمد صاحب ہاشمی نیا گاؤں لکھنؤ	۵/-	سید منیر عالم صاحب لاٹوش روڈ لکھنؤ	۲/۸۰
" سید علی مہدی صاحب زیدی چار باغ لکھنؤ	۷/-	(مطابق رسید نمبر ۳۵۱ مرتضیٰ حسین صاحب)	

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب نواب مصطفیٰ حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	(مطابق رسید نمبر ۳۵۲)	
" نواب مصطفیٰ حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	جناب سید صغیر احمد صاحب	۱/-
" سید شفیق حسین صاحب گوالٹولی کانپور	۲/۲۵	" عزیز الحسن صاحب	۲/-
" انوار حسین صاحب گوالٹولی کانپور	۲/۲۵	" اکرام حسین صاحب	۵/-
" سید مسلم صاحب مقبرہ گوالٹولی کانپور	۲/۷۵	" سید انور حسین صاحب	۲/۷۵
" سیدہ اختری بیگم صاحبہ مقبرہ گوالٹولی	۲/۷۵	" غلام حیدر صاحب	۱/-
" سید ابرار حسین صاحب مقبرہ گوالٹولی کانپور	۲/۷۵	" علی عباس صاحب	۵/۵۰
" عبدالصمد صاحب مقبرہ گوالٹولی کانپور	۲/۷۵	" سید ممتاز حسین صاحب نقوی	۱/۲۵
" ناظم حسین صاحب " "	۲/۷۵	" ذوالفقار حسین صاحب	۲/۷۵
" خورشید حسین صاحب مقبرہ گوالٹولی	۲/۵۰	" عبدالحسن صاحب	۲/۷۵
" حبیب حسین صاحب " "	۲/۷۵	" اولاد حیدر صاحب	۲/۷۵
" مظفر حسین صاحب " "	۲/۷۵	" مرزا غفور صاحب	۲/۷۵
" سید قمر حیدر صاحب " "	۲/۷۵	" سید زوار حسین صاحب کرنل گنج کانپور	-/۵
" ناصر زیدی صاحب " "	۲/-	" سید سکندر حسین صاحب صاحب رضوی	۵/۵۰
" شریف الحسن صاحب " "	۲/۵۰	" سید کلب حسین صاحب	۲/۶۰
" سید طاہر حسین صاحب نواب گنج کانپور	۵/-	" مشتاق حسین صاحب	۲/۴۰
" کاظم حسین صاحب طلاق محل	۲/۷۵	" سید دلاور حسین صاحب	۳/-
" سید محمد رضی رضوی مقبرہ گوالٹولی	۲/۵۰	" نشاط علی صاحب	۱/۵۰
" سید محمد مقدس صاحب "	۲/۶۲	" مرزا ناصر حسین صاحب	۲/۷۵
" سید نواب باقر حسین صاحب رام نرائن بازار کانپور	۸/-	" نفیس الحسن صاحب	۲/۷۵
" اکبری بیگم صاحبہ احاطہ نواب صاحب	۲/۶۲	" سید محمد مصطفیٰ صاحب	۲/۵۰
" سید محمد نواب صاحب احاطہ نواب صاحب	۸/-	" ابرار حسین صاحب	۲/۵۰
" محمد نواب صاحب	۲/۶۰		
" نواب سید انور حسین صاحب قبلہ " "	۳/-	" ناصر حسین صاحب	۲/-
(مطابق رسید نمبر ۳۵۳)		" سید ہادی حسین صاحب	۳/-
" شاہد حسین صاحب کرنل گنج کانپور	۲/۵۰	" سید منیر حیدر صاحب	۲/-
" صغیر حسین صاحب امین گنج	۳/-	" امتیاز حسین صاحب	۲/-
" نعیم صاحب بنی سادات کانپور	۲/۶۰	" سید علی رضا صاحب	۳/-
" عباس مہدی صاحب کرنل گنج کانپور	۲/۶۵	" محمد ناصر صاحب	۵/-

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید حماد جعفری نواب گنج کانپور	۱۵/۰۰	جناب سید کاظم حسین صاحب کانپور	۲/۶۰
" عشرت علی صاحب	۱/-	" سید محمد جلیل صاحب کانپور	۷/-
" سید علی اختر صاحب	۱/۵۰	" سید زوار حسین صاحب کانپور	۲/-
(مطابق رسید نمبر ۳۵۵)		" خواجہ عقیل حسین صاحب کانپور	۱۲/۵۰
" سید محمد حسین صاحب کانپور	۵/۵۰	" سید مظہر الحسن صاحب جعفری کانپور	۲/۶۲
" سید امان علی صاحب "	۲/۶۰	" سید منیر احمد صاحب کانپور	۲/۶۲
" سید محمد جعفر صاحب	۵/۲۰	" سید علی اصغر صاحب کانپور	۲/۷۵
" سید شریف الحسن صاحب مصطفیٰ آباد	۲/۶۰	" سید محمد سبطین صاحب کانپور	۱۵/-
" سید حسن امام صاحب کانپور	۲/۶۰	" سید محمد رفیع صاحب کرنیل گنج کانپور	۲/۷۵
" سید بختیار حسین صاحب کانپور	۱۹/-	" سید دلدار حسین صاحب سلطان پور	-/۵۰
" سید محمد ہاشم صاحب کانپور	۳/-	" مراد علی صاحب سلطان پور	-/۵۰
" سید یوسف حسین صاحب کانپور	۲/-	" سید مصطفیٰ حسین صاحب لکھنؤ	۱۰/-
" سید علی صاحب "	۳/۶۰	" سید غلام حیدر صاحب کانپور	۲/۶۲
" سید الطاف حسین صاحب "	۲/۶۰	" سید محمد طاہر صاحب کاظمی کانپور	۸/-
" سید محمد الیاس صاحب "	۲/۶۰	" سید سبط حسن صاحب اعظم گڈھ	۲/۷۵
" سید جعفر رضا صاحب زیدی	۲/۶۰	" نواب سید محمود حسین صاحب کانپور	۲/۷۵
" سید ابوالحسن صاحب احاطہ نواب صاحب کانپور	۲/۶۲	" نواب سید آصف حسین صاحب کانپور	۲/۷۵
" سید امیر حیدر صاحب اعظم گڈھ	۲/۵۰	" نواب سید محمود حسین صاحب کانپور	۳۳/۷۱
" سید سردار حسین صاحب کانپور	۱/-	" رحیم الدین صاحب کانپور	۵/۵۰
" محمود الحسن صاحب کانپور	۲/۵۰	" قاسم حسین صاحب کانپور	۲/۷۵
" سید سبط حسن صاحب ٹپکاپور کانپور	۲/۶۲	" سید مومن علی صاحب کانپور	۲/۶۰
" سید منظور حسن زیدی "	۲/۶۵	" سجاد حسین صاحب کانپور	۲/۷۵
" سید خورشید علی صاحب کانپور	۲/۶۵	" سید ناظم حسین صاحب کانپور	۲/۶۰
" سید فیاض حسین صاحب کانپور	۲/۶۵	" سید علی منظر صاحب کانپور	۲/۶۰
" سید ابن علی صاحب کانپور	۲/۶۵	(مطابق رسید نمبر ۳۵۶)	
" شیخ محمد عسکری صاحب کانپور	۱۲/-	" نذر عباس صاحب چمن گنج کانپور	۵/-
" سید ابن علی صاحب کانپور	۱/-	" سید سردار حسین صاحب کرنیل گنج کانپور	۳/-
" اصغر صاحب وغیرہ عمری نگر کشمیر	۱۲/-	" سید سردار حسین صاحب "	۳/-

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب موافق علی صاحب چمن گنج کانپور	۵/۵۰	جناب محمد حیدر صاحب کانپور	۱/۳۰
" زوار حسین صاحب طلاق محل "	۲/۷۵	" سید ضمیر حسین صاحب کانپور	-/۲۵
" رجب علی صاحب جونپور	۲/۷۵	" فریکس حسین صاحب کانپور	۳/۷۵
" اقبال حسین صاحب جونپور	۲/۷۵	" صادق حسین صاحب کانپور	۳/-
" مرزا محمد زبیر حسین صاحب مقبرہ گوال ٹولی کانپور	۲/۷۵	" محمد تقی صاحب کانپور	۵/-
" حسین حیدر صاحب کانپور	۲/۷۵	" سید اصغر صاحب رضوی کانپور	۲/۷۰
" سید صغیر حسین صاحب کانپور	۳/-	" سید مسعود حسین صاحب رضوی کانپور	۲/۷۰
" سید مرتضیٰ حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	" سید اعجاز حسین صاحب زیدی . . .	۲/۷۵
" مختار حسین صاحب کانپور	۱/۲۵	" ایم - اے - ہاشمی . . .	۲/۷۵
" سید مصطفیٰ حسین صاحب کانپور	۲/۶۰	" سید کرار حسین صاحب جعفری . .	۲/۷۰
" سید احمد علی صاحب کانپور	۳/-	" سید ظفر عباس صاحب کانپور	۲/۷۰
" سید ابوالہاشم صاحب کانپور	۵/-	" سید نظر علی صاحب کانپور	۵/۵۰
" سید حیدر عباس صاحب کانپور	۵/-	(مطابق رسید نمبر ۳۶۴)	
" سید اصغر حسین صاحب کانپور	۵/-	" علی امام صاحب	۲/۵۰
" سید ناظر حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	" مظفر حسین صاحب	۲/۵۰
" سید علی مہدی صاحب کانپور	۲/-	" شاہد حسین صاحب	۱/۲۵
" سید محمد صاحب کانپور	۵/۵۰	" اشفاق علی صاحب . .	۲/۵۰
" عزیز احمد صاحب کانپور	۳/-	" سید مہدی رضا صاحب	۱/۵۰
" سید اختر حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	" چھجن صاحب . . .	۱/۲۵
" سید فقیر الحسن صاحب کانپور	۵/-	" شاکر حسین صاحب . . .	۱/۲۵
" سید اظہر مہدی صاحب کانپور	۱/-	" محمد حیدر حسین صاحب کٹرہ ابوتراب	۵/-
" سید رضا حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	" نادر جہاں بیگم صاحبہ . . .	۵/-
" احمد حسین صاحب کانپور	۱/-	" علی حسین صاحب وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ	۱/۲۵
" شیخ ابن حسن صاحب کانپور	۶/-	" منیر آغا صاحب	۲/۲۵
" سید امداد حسین صاحب کانپور	۵/۵۰	" منیر بیگ صاحب . . .	۲/۲۵
" سید نظر حسین صاحب کانپور	۲/۷۵	" سید اقبال احمد صاحب منصور نگر لکھنؤ	۲/۳۰
" کلثوم بی بی صاحبہ کانپور	۱/۲۵	" سید صادق حسین صاحب وزیر گنج	۵/-
" سید مرتضیٰ حسین صاحب کانپور	۲/۵۰	" سید محمد حنیف صاحب . .	۲/۶۰

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب نقی حسین صاحب منصور نگر لکھنؤ	۵/۱۰	جناب درخشاں جہاں بیگم صاحبہ گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" مرزا کرار حیدر صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" امجد علی خان صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" علی کرار حسین رضوی صاحب . .	۱/-	" اکبر رضا صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۴۰
" رئیس عالم صاحب . . .	۲/۴۰	" نواب حسین علی خاں صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" سید رئیس الحسن صاحب رضوی پلوری	۵/-	" محمد منیر صاحب پولیس لائن	۲/۵۰
" سید علی ضامن صاحب پاٹا نالہ لکھنؤ	۲/۲۵	" سید عباس حسین صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
(مطابق رسید نمبر ۳۶۵)		" مبارک مرزا صاحب گولہ گنج "	۲/۵۰
" شیخ عادل حسین صاحب . . .	۲/۵۵	" نقیہ بیگم صاحبہ گولہ گنج "	۲/۵۰
" سید زاہد حسین صاحب . . .	۲/۵۰	" اقبال حسین صاحب گولہ گنج "	۲/۵۰
" مہابیر پرشاد صاحب . .	۱/-	" یاور حسین صاحب باغ شیر جنگ	۶/-
" سید صادق حسین صاحب	۲/۵۰	" سرتاج حسین صاحب کپتان کا کنواں چوک	۲/۵۰
" سید مہدی حسن صاحب رضوی پلوری	۱۵/-	" سید یاد حسن صاحب زید پور	۲/۵۰
" سید حیدر شکوہ صاحب . .	۱۰/-	" سید یاد حسن صاحب " "	۱۴/۲۰
" سلامت علی صاحب . .	۲/-	" سید بنیاد باقر صاحب بڑی سرکار بارہ بنکی	۱/-
" اصغر حسین صاحب . .	۵/-	" سید سجاد عابد صاحب و سید بنیاد باقر صاحب بڑی سرکار بارہ بنکی	۱/۵۰
(مطابق رسید نمبر ۳۸۶)			
" سید الذاکرین صاحب سنڈیلوی	۵/-	" سید ریاض حسن رستم نگر	۲/۲۵
" سید انور حسین صاحب . .	۵/-	" واجد حسین صاحب . .	۲/۴۳
" سکندر مرزا صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید عرفان حسین صاحب بخشی تالی	۲/۵۰
" سید حیدر ملک صاحب . .	۲/۵۰	" احمد حسین صاحب . .	۲/۵۰
" سید علی نقی صاحب . .	۲/۵۰	" طاہر عباس صاحب حیدر گنج	-/۵۰
" سید افتخار حسین صاحب . .	۲/۵۰	" سید مہدی حسن صاحب گڑھی پیر خان	۲/۵۰
" نظیر حسین خانصاحب باورچی ٹولہ	۲/۵۰	" واجد حسین صاحب ترکاری منڈی چوک	۲/۵۰
" محمد عقیل صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید شہنشاہ حسین صاحب الہ آباد	۱۴/۲۰
" عسکری صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید محمد اصغر صاحب . . .	۲/۵۰
" سید حسن علی صاحب حامد پارک	۲/۵۰	" کنیز زہرہ . . .	۲/۵۰
" سید ممتاز حسین صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" بادشاہ حسین صاحب رستم خان میدان	۲/۴۳
" سید نہال حسین صاحب گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" یاور حسین خاں صاحب لال باغ	۲/۵۰

نام و پتہ	رقم موصول	نام و پتہ	رقم موصول
جناب جعفر علی خان صاحب رستم نگر	۲/۶۰	جناب سکینہ بیگم صاحبہ گولہ گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" نواب علی صاحب عالم باغ	۲/۶۲	" سید ضمیر الحسن صاحب صدر بازار	۲/۵۰
" الطاف حسین صاحب عرف منی صاحب	۲/۵۰	" سید ممتاز حسین صاحب کشمیری محلہ	۲/۵۰
" محسن علی صاحب . . .	۱/-	" مسماۃ عاشوری بیگم صاحبہ "	۲/۵۰
" پیارے مرزا صاحب . . .	۶/۵۰	" سلمان حسین صاحب مولوی گنج	۲/۵۰
" سید طاہر حسین صاحب . .	۲/۴۳	" سید لیاقت حسین صاحب رائے بریلی	۲/۵۰
" سید محمد ممتاز عابدی صاحب . .	۳/-	" سید محمد باقر حسین صاحب نخلبندی ٹولہ	۲/۵۰
" محمد جعفر مرزا صاحب ٹوریہ گنج	۲/۵۰	" مسماۃ منی بیگم صاحبہ میر خاں گڑھی	۲/۵۰
" عباد حسین صاحب . . .	۵/-	" سکندر علی صاحب رستم نگر	۲/۶۲
" محمد حیدر حسین خاں صاحب کڑہ ابوتراب خاں	۲/۵۰	" ابن حسن صاحب پاٹانالہ	۲/۵۰
" نادر جہاں بیگم صاحبہ زوجہ اکبر حسین صاحب	۲/۵۰	" حیدر عباس صاحب . .	۱/۵۰
(مطابق رسید نمبر ۲۰۸۳)		" ذاکر علی خاں صاحب . . .	۳/-
" سید حیدر حسن صاحب آغا میر ڈیوڑھی	۲/۵۰	" مہدی مرزا صاحب . .	۲/۵۰
" سید غلام حسنین صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید حسن صاحب . . .	۲/۶۲
" سید محمد عابد صاحب وزیر گنج "	۲/۵۰	" سید محمد حسن صاحب . .	۲/۶۲
" محبوب کاظم صاحب گولہ گنج "	۳/-	" سید زین العبا صاحب . .	۲/۵۰
" محمد طاہر صاحب گولہ گنج "	۲/۵۰	" سید بابو صاحب . .	۲/۵۰
" مرزا محمد ہاشم صاحب " "	۲/۵۰	" بسم اللہ خانم صاحبہ . .	۲/۵۰
" مرزا محمد عالم صاحب " "	۲/۵۰	" سیدہ امیر حسن صاحب . .	۲/۵۰
" سید قیصر حسین صاحب " "	۲/۵۰	" منجھو صاحب . .	۱/۵۰
" سید ذاکر حسین صاحب سٹی اسٹیشن	۳/-	" حیدر حسین صاحب زیدی . .	۲۱/۵۰
" سید سبط رضا صاحب گولہ گنج	۲/۵۰	" باسو صاحب . .	۱/۵۰
" سید انور حسین صاحب گولہ گنج	۲/۵۰	" سردار حسین صاحب . .	۱/۵۰
" حاجی سید غلام حسنین صاحب ایڈوکیٹ وزیر گنج	۲/۵۰	" سید ہاشم علی صاحب . .	۲/۵۰
" رونق علی صاحب پولیس لائن	۱۰/-	" سید ابوالعباس صاحب . .	۲/۵۰
" مرزا علی منظر صاحب گولہ گنج	۲/۵۰	" سید ذاکر حسین صاحب	۲/۵۰
" سید اعجاز حسین صاحب " "	۲/۵۰	" والدہ ابن حیدر صاحب	۲/۵۰
" عاشق حسین صاحب " "	۲/۵۰	" سید باقر صاحب . .	۲/۵۰

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید محمد قیصر صاحب - .	۲/۵۰	جناب سید تصدق امام صاحب	۲/۲۵
" سید مہدی حسین صاحب . .	۲/۸۰	" سید تصدق امام صاحب	۱۵/-
" سید علی نواب صاحب . .	۲/۷۵	" چھوٹے میاں صاحب	۲/۵۰
" سید افضل عالم صاحب . -	۱/۲۵	" صادق حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ	۵/-
" سید باقر حسین صاحب . .	۲/۸۷	" کاظم علی خاں صاحب کٹرہ احاطہ لکھنؤ	۱۲/-
" محمود علی صاحب مسعود علی صاحب صاحب دبابو میاں	۳/۷۵	" ابو علی صاحب .	۱/-
" (مطالبہ رسید نمبر ۳۶۳)		" محمد تقی صاحب . -	۲/۵۰
" سید محمد ہاشم صاحب لکھنؤ	۲/۵۰	" سید انور حسین صاحب . -	۲/۵۰
" ماسٹر سید محمد رضا صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" سید اختر امام صاحب . -	۲/۵۰
" سید عطا حسین صاحب لکھنؤ	۲/۲۵	" محمد رضا صاحب نصیر آبادی	۲/۵۰
" سید فضل حسین صاحب تازی خانہ لکھنؤ	۲/۵۰	" سید ثامن علی صاحب عباسی	۲/۸۰
" بیگم ساجد علی خانصاحب نولکشور روڈ	۱۰/-	" سید زوار حیدر صاحب احاطہ مرزا علی خانصاحب	۲/۵۰
" سید محمد ذکی صاحب بارہ بنکی	۲/۵۰	" محمد حسین صاحب لکھنؤ	۲/۵۰
" سید حامد حسین صاحب - -	۱/۲۵	" مصطفائی بیگم صاحبہ .	۲/۵۰
" حضرت حجت مآب جناب امداد حسین صاحب	۲/۳۷	" زوار حسین صاحب نقوی ٹولہ	۱/-
بڑی سرکار، زیدپور		" احمد حسین صاحب .	۲/۵۰
" سید امداد حسین صاحب بڑی سرکار زیدپور	۲/۳۷	" نور الحسن صاحب تال کٹورہ	۲/-
" سید سعید حسن صاحب	۲/-	" سید محمد مہدی صاحب عالم باغ	۲/۵۰
" صفدر حیدر صاحب عیش باغ	۲/۵۰	" سید نواب صاحب خس پوریہ لکھنؤ	۲/۵۰
" سید اشتیاق حسین صاحب منصور نگر لکھنؤ	۲/۵۰	" بشارت حسین صاحب وزیر گنج لکھنؤ	۲/۵۰
" سید محمد یاسین صاحب احاطہ مرزا علیخان صاحب	۲/۵۰	" نواب حسین صاحب نور باڑی لکھنؤ	۲/۵۰
" باقر حسین صاحب . .	۵/-	" سید رضا حسین صاحب گولہ گنج "	۲/۵۰
" زین الحسین صاحب عالم باغ	۱/۷۵	" سید رضا حسین صاحب گولہ گنج "	۲/۵۰
" علی محمد صاحب مچھلی محال لکھنؤ	۳/-	" سید عسکری حسن صاحب حسن منزل لکھنؤ	۲/-
" سید زینت حسین صاحب . .	۲/۵۰	" مرزا قمر الزماں صاحب نور باڑی لکھنؤ	۲/-
" سید امیر حسن صاحب . .	۵/-	" ممتاز حیدر صاحب " "	۵/-
" سید محمد زین الدین صاحب .	۲/۲۵	" عابد علی صاحب -	۵/-
" سید ذوالفقار حیدر صاحب لکھنؤ	۵/-	" وزیر عالم صاحب حسین آباد	۲/۴۰

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب شمیم بیگم صاحبہ چاہ کنکر لکھنؤ	۲/۵۰	جناب ریاض الحسن صاحب لکھنؤ	۱/۲۵
" آغا محمد عباس علی صاحب " "	۲/۵۰	" وصی حیدر صاحب کاشانۂ حیدر، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ	۲/۲۰
(مطابق رسید نمبر ۶۰۳)		" وصی حیدر صاحب (صاحبزادہ) کاشانۂ حیدر وکٹوریہ اسٹریٹ "	۲/۴۰
" افسر حسین صاحب لکھنؤ	۳/-	" نور الحسن صاحب لکھنؤ	۲/-
" اختر صاحب "	۲/۵۰	" شوکت علی صاحب "	۲/۳۰
" جواد حسین صاحب "	۲/-	" جرار حسین صاحب "	۲/-
" سید محسن علی صاحب "	۳/۶	" خادم عباس صاحب "	۲/۵۰
" رضا علی صاحب "	۲/۵۰	" امراؤ علی صاحب "	۲/۵۰
" کوثر حسن صاحب	۲/۵۰	" واحد حسین صاحب "	۲/۵۰
" شبیر حسین صاحب "	۲/۵۰	" وصی عباس صاحب "	۲/۲۵
" ذوالفقار حسین صاحب "	۲/۲۵	(مطابق رسید نمبر ۳۸۵)	
" سید تنویر حسن صاحب "	۱/۴۰	" سید عسکری حسین صاحب کچا احاطہ لکھنؤ	۲/۵۰
" زاہد حسین صاحب "	۱/۴۰	" سید مہدی حسین صاحب احاطہ کمال جمال "	۲/۵۰
" دلاور حسین صاحب "	۲/۵۰	" زمانی بیگم صاحبہ "	۲/۵۰
" بادشاہ مرزا صاحب "	۲/۵۰	" مرزا سجاد حسین صاحب بھدیواں "	۱۰/-
" سید شوکت علی صاحب "	۲/۵۰	" سید قاسم حسین صاحب رستم نگر "	۲/۴۳
" راجو صاحب "	۳/۵۰	" سید اشتیاق حسین صاحب حیدر گنج "	۵/-
" باقر حسین صاحب "	۳/-	" سید حیدر حسین صاحب وزیر گنج "	۲/۵۰
" سید رضا حسین صاحب "	۲/۵۰	" سید ببر محمد نقوی صاحب ماہ نگر "	۲/۴۳
" شمشاد حسین صاحب "	۲/۵۰	" تسخیر حسن صاحب نخاس لکھنؤ	۲/۵۰
" رجب صاحب "	۲/۵۰	" سید محمد شبیر صاحب مقبرہ گولہ گنج	۲/۵۰
" مرزا مبارک حسین صاحب "	۲/۵۰	" سید محمد حسنین صاحب چاہ کنکر لکھنؤ	۲/۵۰
" مخیر حسن صاحب "	۲/۵۰	" مرزا مسعود الحسن صاحب ٹکیت گنج "	۲/۵۰
" ناصر علی صاحب "	۲/۵۰	" مرزا وقار احمد صاحب اشرف آباد "	۱۰/-
" دلارے صاحب "	۲/۴۰	" مرزا عابد حسین صاحب بنجاری ٹولہ "	۵/-
" حسنی صاحب "	۲/۴۰	" مشرف حسین صاحب پل غلام حسین "	۲/۳۰
" ارشاد حسین صاحب "	۲/۶۳	" عابد علی صاحب	۲/۲۶
" مظہر عباس صاحب "	۲/-	" الطاف حسین صاحب پل غلام حسین لکھنؤ	۲/۵۰

نام و پتہ	رقم موصولہ	نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب مرزا اکرام حسین صاحب رکاب گنج لکھنؤ	۲/۵۰	جناب سکینہ بیگم صاحبہ کشمیری محلہ لکھنؤ	۲/۴۳
" اظہر حسین صاحب حسین آباد "	۲/۵۰	" صالحہ سلطان صاحبہ کشمیری محلہ لکھنؤ	۲/۴۸
" عابد علی صاحب "	۱۴/۵۹	" سید شبیر حسین صاحب کنگھی والی گلی "	۲/۳۲
" اعجاز حسین صاحب ملک گنج لکھنؤ	۲/۵۰	" مہدی حسین صاحب قلعہ بریلی	۲/۶۰
" ڈاکٹر علی عباس صاحب "	۲/۴۰	" سید علی قاسم صاحب قصبہ کنتور بارہ بنکی	۲/۸۰
" وجاہت حسین صاحب وزیر گنج	۲/۷۵	" سید محمد اکبر حسین صاحب گولہ گنج بارود خانہ لکھنؤ	۱۰/-
" افسر بیگم صاحبہ بعدیوال	۲/۵۰	" ذاکر حسین صاحب ولد ندا الحسن صاحب	۵/-
" قیصر علی خاں صاحب چک منڈی	۲/۲۰	" مرزا قربان حسین صاحب سعادت گنج	۲/۵۰
" شیدی کرار حسین صاحب مولوی گنج	۲/۴۰	" آمنہ بیگم صاحبہ سعادت گنج	۲/۷۵
" جعفر رضا صاحب احاطہ نور بیگ	۲/۵۰	" جناب راجہ صاحب پیرپور اسٹیٹ	۲۴/۴۰
" غلام السیدین صاحب لکھنؤ	۱/۷۱	" منجھلی رام کماری صاحبہ پیرپور اسٹیٹ	۲/۴۰
(مطالبہ رسید نمبر ۲۵۸)		" سید کرامت حسین صاحب زیدی کاظمین	۲/۵۰
" سید محمد جعفر صاحب ٹلیے والی گلی لکھنؤ	۲/۹۰	" حبیب بانو صاحبہ حسن پوریہ لکھنؤ	۲/۳۲
" عباس حسین صاحب کھتری محلہ لکھنؤ	۲/۵۰	" سید محمد اکبر صاحب کاظمین "	۳/-
" سید حیدر عباس صاحب منصور نگر لکھنؤ	۲/-	" سمیع حیدر صاحب کشمیری محلہ "	۴/۸
" سید نواب حسن صاحب کاظمین "	۱۰/-	" پیارے مرزا صاحب پوسٹ مین حسن پوریہ "	۲/۲۵
" مرزا عسکری حسین صاحب احاطہ سنگی بیگ	۱/۲۵	" لاڈلی بیگم صاحبہ منصور نگر "	۲/۵۰
" شیخ نثار عباس صاحب نخاس لکھنؤ	۲/۵۰	" شجاعت حسین صاحب منصور نگر "	۲/۵۰
" مرزا مہدی حسن صاحب کاظمین "	۲/۲۵	" ہمشیرہ صاحبہ شہنشاہ حسین صاحب "	۲/۵۵
" سید آل حیدر صاحب شیعہ وقف بورڈ "	۲/۴۸	" علی رضا خاں صاحب پیر جلیل لکھنؤ	۲/۴۲
" سید دبیر حیدر صاحب نقشی گلی شاہ جھڑا "	۲/۵۰	" آل رضا خاں صاحب گولہ گنج "	۲/۴۲
" سید سجاد حسین صاحب جمعدار چاہ کنکر "	۵/-	" منی بیگم صاحبہ کرٹہ "	۲/۵۰
" بیگم سید رضوالحسن صاحب حسن منزل	۱۰/-	" اسرار حسین صاحب زیدی ماپے والی گلی "	۳/-
" بیگم سید عبدالحسن صاحب حسن منزل	۵/-	" سید عباس رضا صاحب پرتاب مارگ	۵/-
" سید اکبر حسین صاحب رستم نگر رود لکھنؤ	۲/-	" سید امداد حسین صاحب زید پور	۳۸/۸۸
" سید اقبال حسین صاحب کشمیری محلہ "	۲/۴۳	" سید وحید احمد صاحب سعادت گنج	۳/-
" سید احسان حسین صاحب " "	۲/۴۳	" رانی صاحبہ زید پور	۴۲/-
" سید تقی حسین صاحب " "	۲/۴۳	" سید لطافت حسین صاحب قصبہ جائس	۲/۵۰

نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید مشیر حیدر صاحب نبی اللہ روڈ	۲/۵۰
” احمد نواب صاحب ذریعہ محمد ظفر صاحب کشمیری محلہ لکھنؤ	۵/-
” اصغر حسین صاحب بارہ بنکی	۲/۳۵
” سید حسن اعجاز صاحب کٹرہ ابو تراب خاں لکھنؤ	۵/-
” اطہر حسین صاحب نقوی وقف بورڈ گولہ گنج ”	۲/۴۴
” علی اطہر صاحب علیگا جنرل اسٹور وکٹوریہ اسٹریٹ ”	۲/۵۰
(مطالبہ رسید نمبر ۳۶۶)	
” حضور عالم صاحب مفتی گنج لکھنؤ	۲/۵۰
” بہادر حسین صاحب تیوی ٹولہ ”	۲/۵۰
” احمد حسین صاحب پیر خاں کی گڑھی	۲/۵۰
” کنور رانی صاحبہ معرفت غلام حسین صاحب محمود آباد قیصر باغ لکھنؤ	۱۰/-
” کنور رانی صاحبہ ” ”	۱۵/۶۰
” کنور رانی صاحبہ ” ”	۳/۴۴
” حکیم مولوی سید حامد علی صاحب منصور نگر ”	۲/۳۷
” سید زوار حسین صاحب ماڈل ہاؤس ”	۲/۳۰
” افروز عالم صاحب دلالی محلہ ”	۲/۵۰
” سید محمد بشیر صاحب عابدی وزیر گنج ”	۲/۵۰
” سید علی مراد صاحب پرانا نجف ”	۲/۵۰
” کلب حسن صاحب بنجاری ٹولہ ”	۵/۲۰
” سید محمد اکبر حسین صاحب سید محمد عباس صاحب بازار کھالہ لکھنؤ	۱۲/۵۰
” حکیم سید زینت حسین صاحب سعادت گنج لکھنؤ	۷/۵۰
” سید محسن نظیر صاحب احاطہ دھنو بیگ ”	۲/۶
” نواب سید صفدر سلطان صاحب رئیس شمس آباد	۷/-
” بابو صاحب نیا گاؤں لکھنؤ	۵/-
” سید فدا حسین صاحب ٹھاپے والی گلی لکھنؤ	۲/-
” سید محمد افسر صاحب دسہری ہاؤس ”	۱۲/-

نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید خادم علی صاحب رکاب گنج	۲/۵۰
” سید صغیر حسین صاحب سرائے امین ضلع بارہ بنکی	۲/۲۵
” سید محمد حسین صاحب راج حویلی فیض آباد	۲/۵۰
” سید کمال حیدر صاحب زیدی دہلی	۵/-
” سید ظفر عباس صاحب جعفری معرفت امامیہ مشن مومن پورہ برہان پور	۶/-
” سید محمد باقر صاحب بلہرا ہاؤس بارہ بنکی	۴/-
” سید محمد باقر صاحب ”	۶/-
” بیگم سید علی ضامن صاحب ریور بنک کالونی	۲۶/-
” سید حسرت علی صاحب رودولی بارہ بنکی	۲/۲۵
” فصیح محسن صاحب آنریری سفیر بذریعہ عابد حیدر صاحب (مطالبہ رسیدات)	۱۰۰/-
” اہلیہ حکیم مولوی سید احمد حسن صاحب زیدپور	۲۳/-
” حکیم مولوی سید احمد حسن صاحب بریلی	۴/۵۰
” شیخ ارشاد حسین صاحب کرنیل گنج کانپور	۳/۶۰
” سید حمزہ حسین صاحب ضلع بستی	۱۲/-
(مطالبہ رسید نمبر ۳۸۰)	
” سید محمد کاظم صاحب کٹرہ ابو تراب لکھنؤ	۲/۴۵
” سید مسعود حیدر صاحب تھوی ٹولہ	۵/-
” اہلیہ سید محمد رضی صاحب نواز گنج لکھنؤ	۲/۲۳
” محمد جواد صاحب سرائے تحسین ”	۹/۵۰
” حکیم سید محمد یوسف صاحب احاطہ دھنو بیگ	۲/۵۰
” سید محمد حیدر صاحب ” ”	۲/۵۰
” سید امیر حیدر صاحب زیدی وزیر گنج	۲/۵۰
” سید محمد حیدر صاحب جوہری محلہ لکھنؤ	۲/۵۰
” سید غلام حیدر صاحب جعفری مولوی گنج	۵/-
” سید ناصر حسین صاحب جوہری محلہ	۵/-
” سید محمد احسن واسطی صاحب وکٹوریہ اسٹریٹ	۵/-

نام و پتہ	رقم موصولہ
جناب سید علی جعفر صاحب عابدی جوہری محلہ	٢/٥٠
" سید محمد مجتبیٰ حسین صاحب بنجاری ٹولہ	-/٥
" سید انصار حسین صاحب بنجاری ٹولہ	-/٥
" سید محمد سبطین صاحب گھسیاری منڈی	٢/٥٠
" سید الطاف حسین صاحب گولا گنج	٢/٤٠
" شیخ مہدی حسن صاحب چاول والی گلی	٢/٥٠
" سید نجم الحسن صاحب چاہ کنکر	١٨/٣٢
" سید بخشش حسین صاحب قضیانہ فتح پور	٣٥/١٠
" ظفر محمد صاحب گولا گنج لکھنؤ	٢/٢٠
" کنیز فاطمہ بیگم صاحبہ بنت منظور حسن صاحب عابدی بنجاری ٹولہ لکھنؤ	١/٢٥
" قاضی سید محمد اختر صاحب ایڈوکیٹ قضیارہ سیتاپور	-/٥
" سید محمد راحیم صاحب	١/٢٥
" محمود حسن صاحب سہارنپوری بذریعہ محمد اختر صاحب مسجد کھجور والی سہارنپور	-/٥
" اظہر حسین صاحب سیتھل ضلع بریلی	٢/٨٨
" حکیم شیخ علی عباس صاحب بارہ بنکی	٢/٢٥
" احمد علی صاحب مولوی گنج لکھنؤ	٢/٢٥
" راجہ محمد یاور حسین خاں صاحب کربلائی دیگاؤں فیض آباد	-/١٠٣

خریداران سرفراز توجہ فرمائیں

خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری یعنی وہ نمبر جو پتہ کی چٹ پر درج ہوتا ہے ضرور تحریر کرنا چاہیئے بغیر اس نمبر کے معلوم ہوئے کسی قسم کی تعمیل ممکن نہیں۔ جواب کے لیے جوابی کارڈ بھی ہونچنا چاہیئے۔

منیجر سرفراز ہفت روزہ قومی گھر
نادان محل روڈ لکھنؤ ٣

کلام رفیع

جناب مرزا محمد طاہر صاحب رفیع مرحوم کے پانچ شاہکار مع پانچ سلام و پانچ رباعیوں کے مع تصاویر عمدہ کاغذ خوبصورت سائز میں جو اپنے اپنے رنگ میں اپنی نظیر ہیں۔ ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہوں گے یہ کتاب ادبی دنیا کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ سرمایہ عزا میں اضافہ کا باعث بھی ہوگا۔ شائقین جلد سے جلد طلب فرمائیں۔

قیمت ۱۲ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:- گوہر آغا گوہر نخاس کوچہ مرزا دبیر صاحب مرحوم لکھنؤ

مجالس باقریہ

بالکل نئے انداز کے مسودات ہیں

از جناب مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ عابدی

جلد از جلد ہم سے طلب فرمائیں

ہدیہ:- عار (علاوہ محصول)

ملنے کا پتہ:- مجاہد بک ڈپو گگی شاہ چھپر لکھنؤ

مذہبی کتب

احباب پبلشرز جو آپ کی مذہبی کتابوں کو نہایت صاف ستھری حالت میں اور کم قیمت پر برابر شائع کر رہا ہے۔ آپ مذہبی کتابوں کی خریداری کے وقت احباب پبلشرز کو نہ بھولئے۔ جملہ مذہبی کتب ہم سے طلب فرمائیے۔ فہرست کتب کارڈ روانہ فرما کر مفت طلب فرمائیے۔

منیجر

احادیث

مجالس الشیعہ - جناب مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ
۲/۵۰

عمدۃ المجالس - جناب مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ
۲/-

چودہ مجالس - جناب ابن حسن صاحب
۴/-

مجالس خواتین - جناب ظفر الحسن صاحب قبلہ
۴/-

ممتاز المجالس - جناب مولانا سید محمد صاحب عرف میرن صاحب قبلہ
۲/-

انتخاب المجالس - ترجمہ مرزا سجاد حسین صاحب ایم کام
۱/۵۰

مجالس خاتون - سید ریاض الحسن صاحب قبلہ مرحوم
۲/۵۰

مجالس خاتون اول - جناب مولانا سید علی حیدر صاحب مرحوم
۳/-

مجالس خاتون دوئم - جناب مولانا سید علی حیدر صاحب مرحوم
۴/-

مجالس خاتون سوئم - جناب مولانا سید علی حیدر صاحب مرحوم
۴/-

احادیث

ذائقہ ماتم - چہل مجلس
۸/-

سراج النثر - جناب نجم الحسن صاحب نثار
۱/۵۰

رہنمائے ذاکری - جناب مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ
۲/-

انیس الذاکرین - جناب مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ
۳/-

ذاکری کی پہلی کتاب - جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ
۱/-

شب بیداری - جناب کلب مصطفےٰ صاحب مرحوم
۱/۵۰

مراثی

روح انیس مرتبہ جناب پروفیسر سید مسعود حسن صاحب
۴/۵۰

رزم نامہ انیس مرتبہ جناب پروفیسر سید مسعود حسن صاحب
۳/۵۰

حسینؑ اور انقلاب - جوش ملیح آبادی
۲/-

مراثی

طُلوعِ فکر - جوشؔ ملیح آبادی
-/۱

موجد و مفکّر - جوشؔ ملیح آبادی
۱/۲۵

اِسلام دین عظمت انسان کے دوستو - آل رضا صاحب
-/۱

ریاضِ شدید - اوّل - دوئم - سوئم
۳/۰

ذوالفقار - شمیم کرہانی
-/۵۰

کلام رفیع - جناب مرزا محمد طاہر صاحب
۲/۵۰

سوزخوانی کے ۲۰ مراثی کا سیٹ
۲/۰

نوحہ جات

جذباتِ مانی - علامہ مانی جائسی
-/۷۵

اجرِ رسالت - مختلف شعراء
-/۲۵

نذرِ رسالت - مختلف شعراء
-/۲۵

اشکِ مسلسل - ماہر لکھنوی -/۷۵
سلکِ اشک
-/۷۵

اشکِ زار - ماہر لکھنوی
-/۷۵

صحیفۂ عزا جناب مولانا ابوالحسن صاحب
-/۷۵

دورِ انقلاب - نہال رضوی
-/۵۰

جذباتِ اثر - جعفر علی خاں اثر مرحوم
-/۵۰

نقشِ فریادی - جناب صدر اجتہادی
-/۷۵

تکمیلِ غم - جناب تکمیل رضوی
-/۷۵

اشاراتِ غم اول - جناب نجم آفندی
-/۱

اشاراتِ غم دوئم - جناب نجم آفندی
-/۱

اشاراتِ غم سوئم - جناب نجم آفندی
-/۵۰

شاہکارِ مضطر - جناب مضطر تاج پوری
-/۷۵

عزاخانۂ دل - جناب عارف صاحب
-/۷۵

معراجِ فرات - فضل نقوی
-/۱

شبابِ کربلا - بیگم فضل نقوی
-/۷۵

تصویرِ عزا -/۷۵

تنویرِ غم -/۵۰

کربل کتھا - ضیا عظیم آبادی -/۶۰

کربل کی آواز - شفق شادانی
-/۱

متفرق جدید کتابیں

پاسبان شریعت - جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کی سوانح عمری - مصنفہ جناب حکیم علی حیدر صاحب
۱/۵۰

خطبات کربلا - جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ
-/۱

معراج انسانیت - جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ
۱/۵۰

اسلام دھرم شاستر - جسمیں ہندی میں اصول دین وفروع دین وغیرہ
۲/۰

شیعہ بچوں کی نماز - ہندی میں بہت صاف ستھری
۲۵/-

"نماز" (قرآن وسنت کے آئینے میں)
جناب مولانا ذیشان حیدر صاحب قبلہ
۵۰/-

بزم فضہ - جناب فضہ کی مختصر سوانح و اُن کے متعلق کلام مرتبہ سید انصار حسین صاحب -/۱

راہ مودّت - جناب حکیم سید شاہد حسین صاحب رضوی جسمیں سفرنامہ کربلا اور کربلا کے متعلق پوری معلومات معہ مزارات مقدسہ کے بلاک
۱/۵۰

سرمایۂ نجات - مجموعہ قصائد - جناب آصف ردولوی ۱/۲۵

علیؑ وفرزندان علیؑ - مصر کے نامور محقق ڈاکٹر طہٰ حسین صاحب سابق وزیر تعلیمات کی مشہور عالم تصنیف "علی ونبوۃ" کا دلکش ترجمہ مدیر اصلاح کے قلم سے
قیمت:- ۸/-

فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری - مظفر علیخاں صاحب
۶/۵۰

ضبط تولید عقلی نقطۂ نظر سے - مصطفیٰ حسن رضوی
۲/۵۰

علاوہ اس کے ہم سے جملہ مذہبی کتابیں طلب فرمائیں

احباب پبلشرز

اقبال منزل مقبرہ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ

one 23435
gd. No. L 770

17th March 1969

Regd. of News
Paper No. 1228/57

THE SARFARAZ WEEKLY
LUCKNOW

صرف ٹائیٹل ہندوستان پرنٹنگ پریس فون نمبر ۲۳۴۳۵ گولہ گنج لکھنؤ میں چھپا